فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

اَلْحَيَاتُ بَعْدَ الْوَفَاتِ

یعنی

قبر کی زندگی

اور اہلسنت و الجماعت کے عقیدہ

حیات وسماع انبیاء کرام علیہم السلام کی وضاحت

نیز

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ

مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تحریر کی

شرعی حیثیت

تالیف

استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول

حضرت مولانا ابواحمد نور محمد تونسوی قادری مدظلہ

ناشر

انجمن خدام الاسلام (حنفیہ قادریہ) رجسٹرڈ فون: 6846520

۲۸۵- بی لنک روڈ، باغبانپورہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا ابواحمد نور محمد تونسوی قادری رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۹۴۷ء ...... وفات: ۱۵؍جنوری ۲۰۱۵ء

آپ نے ایک ضخیم و عظیم کتاب لکھی جس کا نام ''الحیات بعد الوفات یعنی قبر کی زندگی'' ہے۔ جس میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ حیات وسماع انبیاء کرام علیہم السلام کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں انہوں نے کئی عنوان قائم کئے ہیں۔

۱...... آیات القرآن فی اثبات شعور لاہل القرآن۔ اس میں ۵۲ قرآنی آیات مبارکہ سے اپنے مؤقف پر استدلال کیا گیا ہے۔

۲...... اس کے بعد انہوں نے عنوان قائم کیا ہے قبر کسے کہتے ہیں۔ اس میں انہوں نے مختلف سرخیوں کے تحت فائدہ نمبر ۱ تا ۲۰ کا عنوان دے کر مختلف اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں اور ۲۶، احادیث مبارکہ بیان کی ہیں۔ فائدہ نمبر ۲۱ میں منکرین حیات کے بیس مغالطوں کا جواب دیا ہے۔

۳...... احادیث الرسول فی اثبات شعور لاہل القبور۔ اس میں قبر کی زندگی پر دلالت کرنے والی ۱۰۳، احادیث مبارکہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ نیز اس میں ۱۰ وضاحتیں بھی شامل ہیں۔

۴...... احادیث مصطفی فی حیات الانبیاء۔ اس میں حیات انبیاء کی خصوصی و امتیازی حیات قبر کے ۴۴، احادیث سے دلائل ذکر کئے ہیں۔ نیز اس میں آٹھ توضیحات بھی ہیں۔

۵...... حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ کی شرعی حیثیت۔ اس پر ۲۵ فتاویٰ جات نقل کئے گئے ہیں۔

۶...... حیات عیسیٰ ابن مریم کا شرعی حکم۔ اس پر قرآنی دلائل کے علاوہ ۳ فتاویٰ جات کو درج کیا گیا ہے۔

۷...... آخر میں حیات بعد الممات پر ایک تحریری مناظرے کی پوری روئیداد قلم بند کی گئی ہے۔

۸...... اسی طرح حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی کے مفتیان حضرات کے ساتھ خط و کتابت کو کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

عام سائز کے مطابق کتاب کے ۶۴۸ صفحات تھے۔ بڑے سائز پر کمپوز کرانے کے بعد اس کتاب کے صفحات کی تعداد ۳۲۶ بن گئی ہے۔ اس بھرپور علمی معلوماتی دستاویز کو بھی اس مجموعہ کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالرسل وخاتم النبیین!

امابعد! قرآن مجید اللہ کریم کا آخری کلام ہے جو اس نے اپنی کمال مہربانی سے جناب رسالت مآب ﷺ پر نازل فرمایا اس میں ہر ایک کے لئے اور ہر دور کے لئے ہدایت وراہنمائی ہے۔ لیکن بعض احکام وآیات بینات ہیں اور بعض کی تشریح کے لئے اللہ کریم نے جناب رسالت مآب ﷺ کی ذمہ داری لگائی کہ ''لتبین للناس'' تاکہ ان احکامات کو منشاء خداوندی کے مطابق لوگ سمجھ سکیں۔ یہ فریضہ آپ ﷺ نے خوب خوب ادا کیا۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کر کے مزید وضاحت کردی تاکہ بعد میں آنے والوں کو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہی سے بعض کوڑھ مغز لوگوں نے اسلامی عقائد ونظریات کو بدلنے اور ان میں شکوک وشبہات پیدا کرنے شروع کردیئے تھے۔ لیکن بعض مسائل واحکامات ایسے تھے کہ ان پر امت کا اجماع تھا کہ وہ ایسے ہی ہیں۔ جیسے صحابہ سے منقول ہیں۔ شومئ قسمت کہ ہمارے زمانے میں آکر بعض ناہنجاروں نے ان مسائل میں بھی اختلاف شروع کردیا اور لوگوں کو قرآن وسنت کے نام پر دھوکہ دینے لگے۔ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ حیات وسماع عندالقبر یعنی اس دنیا سے جانے کے بعد عالم برزخ میں زندگی اور دنیا والے لوگوں کی آواز اور باتوں کے سننے سنانے کا ہے۔ عام مردوں کو چھوڑ کر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عندالقبر سماع کو بھی نزاعی مسئلہ بنادیا گیا اور اس پر ہمارے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم نے اس پر علمی، فکری، باتیں تحریر کیں۔ جیسا کہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ اور علامۃ العصر حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی، حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے دلائل کے انبار لگادیئے کہ قرآن وحدیث سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا عندالقبر سماع ثابت ہے۔ لیکن وہ سب تحریرات ذرا اوپر کی سطح کے لوگوں کے لئے تھیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی عام فہم انداز میں ایسی کوئی تحریر منظر عام پر آجاتی جس سے عامۃ الناس اس مسئلہ کو سمجھ سکیں۔

۲۰۰۰ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ میرے ہمراہ برادرم مسعود اختر صاحب اور قاری محمد عمران صاحب بھی تھے تو اس مسئلہ پر بھی گفتگو ہوئی۔ کچھ چیزیں ان اکابر سے اخذ شدہ جو میرے ذہن میں تھیں۔ جب ان دوستوں کے روبرو پیش کیں تو انہوں نے کہا کہ ان کو ترغیب دے کر عوام کے فائدہ کے لئے شائع کی جائیں۔ سفر سے واپسی پر عدیم الفرصتی رکاوٹ بنی انہی دنوں جامعہ عبداللہ بن مسعود خان پور کے سالانہ جلسہ پر حاضری ہوئی تو مجلس علماء اہل سنت پاکستان کے مرکزی ناظم اور میرے مشفق دوست مولانا عبدالکریم ندیم صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مولانا ابواحمد نور محمد تونسوی قادری مدظلہ کی اس کتاب کا تذکرہ کیا کہ اس کو اپنے ادارہ کی طرف سے آپ شائع کردیں تو یہ ایک خدمت ہوگی۔ میں نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ ایک تو حرمین میں کیا ہوا ایک ارادہ بھی مکمل ہوجائے گا اور ایک علمی چیز عام فہم انداز میں شائع بھی ہوجائے گی۔

اس پر کام تو اسی وقت شروع کر دیا گیا تھا لیکن کچھ سست انداز میں ایک بار وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی عرض کیا تو فرمایا کہ ہاں میں نے بھی اس پر کچھ لکھ دیا ہے۔ لیکن اس کتاب کے شائع ہونے سے پہلے ہی حضرت دنیا سے تشریف لے گئے۔ اللہ ان کی قبر پر رحمتیں نازل فرماوے اور مولانا ابو احمد نور محمد تونسوی قادری مدظلہ کے علم و عمل و عمر میں برکت عطا فرمائے کہ انہوں نے اس کتاب کے شائع کرنے کے حقوق ہمارے ادارہ کو عطا فرمائے اللہ اس خدمت کو قبول فرمائے اور ذریعہ شفاعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بنائے۔ آمین!

نیز لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین! قاری جمیل الرحمن اختر امیر انجمن خدام الاسلام

ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ استاذ العلماء امیر الفضلاء شیخ الادباء قدوۃ الصلحاء

حضرت مولانا علامہ امیر محمد صاحب تونسوی شیخ الحدیث جامعہ مخزن العلوم خان پور

باسمہ تعالٰی! الحمد للہ الذی خلق الارض والسماء والصلوۃ علی محمد المصطفی الذی سماعہ الصلوۃ والسلام عند قبرہ متفق عند العلماء والفقہاء امابعد!

اس پر فتن دور میں خوف خدا و تقویٰ سے خالی، ادب و احترام سے عاری ہر شخص مطلق العنان ہو کر اپنے ہر قول و فعل کو اپنی خواہش اور عقل کے مطابق پورے کرنے کا خواہاں ہے۔ خواہ اس کی سوچ و خواہش صحیح ہو یا غلط اپنے خلاف کسی کی رائے اور بات کو پسند نہیں کرتا۔ افہام و تفہیم کی بجائے اتنا جذبہ انتقام پر اتر آتا ہے کہ مخالف کا وجود و سایہ بھی زمین پر برداشت نہیں کر سکتا اور اپنی رائے و خواہش کو علم و حوصلہ و صحیح دلائل کی بجائے غیض و غضب اور دھونس و دھمکی سے منوانے کی کوشش کرتا ہے خواہ دنیاوی معاملہ ہو یا دینی، ہر بات پر الجھنا تنگ و ترش ہونا اس معاشرے میں ہر نا اہل شخص کا وطیرہ و شیوہ بن گیا ہے۔

اپنے آپ کو عالم و عاقل، دوسرے کو جاہل و احمق، خود کو بردبار و حلیم، دوسرے کو بے حوصلہ و جوشیلہ، اپنے آپ کو عاقبت اندیش و مدبر، دوسرے کو ناعاقبت اندیش و ناتجربہ کار، اپنے آپ کو ہدایت یافتہ، دوسرے کو گمراہ تصور کرتے ہوئے اپنی خودستائی اور دوسرے کی شکایت و تذلیل کو فخر محسوس کرتا ہے: ہر نا اہل ہچوں ما دیگرے نیست کے نشہ میں دھت اور ہر معاملہ میں بلا شرکت غیرے سستی شہرت کا دلدادہ نظر آتا ہے۔

گویا مزاج و طبع بدل گئے ہیں جیسے صفراوی مزاج کو میٹھی چیز کڑوی لگتی ہے۔ ایسے ہی اس پر آشوب زمانہ میں بگڑا ہوا ذہن خیر اندیش و بہی خواہ کو مخالف اور بدخواہ سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کش اور منحرف ہوتا رہتا ہے۔ بدخواہ و گمراہ کن کو مخلص و خیر خواہ سمجھتے ہوئے اس کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن کر رہ جاتا ہے:

نصیحت سے نفرت ہے ناصح سے ان بن سمجھتے ہیں وہ رہنماؤں کو راہزن

کیونکہ عقل و مزاج کی خرابی سے سوچ و سمجھ الٹی ہو جاتی ہے۔

میں الٹا ہوں بات الٹی ہے یار الٹا بنے کیونکر کہ ہے سب کار الٹا

لہٰذا اس دور میں باقی فتن و فسادات و اختلاف و تشتت کے علاوہ ایک فتنہ و گمراہی یہ ہے کہ تلامذہ اپنے اساتذہ واسلاف کی اصاغر اکابر کی و بزرگان دین کی دینی و تعلیمی خدمات اور علمی تحقیقات کو فراموش کر کے ہر کس و نہ کس اپنے آپ کو محقق لاثانی جانتا و گردانتا ہے۔ اسلاف و اساتذہ عظام پر تنقید کر کے ان کی تضلیل (گمراہ کرنا) کرتا ہے۔

باقی تحقیقات و مسائل کے علاوہ مسئلہ حیات النبی ﷺ وسماعہ الصلوٰۃ والسلام عند قبرہ اجماعی اور متفقہ عند اہلسنت والجماعت ہے۔ مگر چند افراد نے اپنی ذاتی شہرت حاصل کرنے کے لئے (بدنام ہوئے پر نام تو ہوگا) اس اجماعی و متفقہ مسئلہ کا بھی انکار کرکے گمراہی و گستاخی کا نیا باب کھولا ہے۔ سلف صالحین و جمہور اکابرین کو ہدف تنقید بناتے ہوئے اپنی کم فہمی سے آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ کو غلط اور اپنی عقلی و من مانی اختراعات کو صحیح سمجھتے ہوئے جہل مرکب کے مرتکب ہیں۔ لہٰذا ایسے ناسمجھ لوگوں کو صحیح مسئلہ سمجھانے اور راہ راست پر لانے کے لئے جہاں اور محققین علماء و فضلاء نے بہت رسائل و کتب اس مسئلہ کی تحقیق و تصویب میں لکھی ہیں اور فتوے جاری فرمائے ہیں۔ وہاں محقق نوجوان عزیز القدر حضرت مولانا نور محمد صاحب تونسوی سلمہ اللہ نے انتہائی سنجیدگی و متانت و دیانت و امانت کاوش و محنت سے آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء سے اس مسئلہ کو مدلل و مبرہن کرکے منصفین قارئین کے لئے بالکل واضح و روشن بے غبار و اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

بندہ نے اس کتاب الحیات بعد الوفات کا از اوّل تا آخر بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے تمام دلائل عقلیہ و نقلیہ علماء اہل سنت والجماعت کے مسلک کے عین مطابق پائے ہیں۔ لہٰذا یہ کتاب مسئلہ حیات النبی ﷺ وسماعہ الصلوٰۃ والسلام عند قبرہ کے سمجھنے کے لئے ایسا اصول و گراں مایہ مجموعہ ہے کہ جس کا مطالعہ ہر ذی علم کے لئے ضروری ہے تاکہ منکرین حیات النبی ﷺ وسماعہ کے دجل و فریب و دام ہمرنگ زمین سے خود بچے اور دوسروں کو بھی بچائے۔

کیونکہ مسلمان کے لئے صرف خود گمراہی سے بچنا کافی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی بچانا ضروری ہے:

خدا نے کردی ہیں دھری خدمتیں تیرے سپرد   خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

بندہ تہہ دل سے بدرگاہ ایزدی دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف ذی وقار حفظہ اللہ تعالیٰ کی اس سعی جمیلہ اور فوائد جلیلہ کو مقبول و منظور فرماتے ہوئے مولانا مذکور کے لئے مزید علمی و دینی خدمات کے لئے پیش قدمی اور ترقی دارین کا ذریعہ بنائے اور منکرین حیات النبی ﷺ وسماعہ کے لئے سبب ہدایت بنائے۔ آمین ثم آمین!

حررہ: امیر محمد تونسوی عفی عنہ، خادم الحدیث وصدر المدرسین جامعہ مخزن العلوم والفیوض عیدگاہ خانپور کٹورہ ضلع رحیم یار خان
مؤرخہ ۲۶/ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ

پیر طریقت، رہبر شریعت، عارف باللہ، فضیلۃ الشیخ،

حضرت مولانا شفیق الرحمن صاحب درخواستی شیخ التفسیر والحدیث جامعہ عبداللہ بن مسعود خان پور

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الرسل خاتم النبیین وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین الذین حیوتھم اکمل وافضل من حیوٰۃ الشھداء الفائزین وعلی اٰلہ واصحابہ الطیبین الطاھرین امابعد! فان جمیع اھل سنۃ والجماعۃ اتفقوا علی ان الانبیاء علیہم السلام بعدالوفات احیاء فی قبورھم ولاخلاف لاحد فیہ واتفقوا علی ان حیوتھم فی عالم البرزخ حیوۃ جسمانیۃ من غیر تکلیف وتعلق الروح بالجسد العنصری فی البرزخ اقوی من تعلق الروح بالجسد العنصری فی الدنیا ولھذہ الحیوۃ الدنیویۃ فی البرزخ یشغلون فی العبادات ویرزقون ویقدرون علی الافعال والحرکات وھذہ العقیدۃ ثابتۃ بنص القرآن والاحادیث والاجماع والقیاس۔

والذین یعتقدون من الشر ذمة القلیلة خلاف ھذہ العقیدة فعقیدتھم فاسدة باطلة ولقد طالعت ھذہ الجمموعة النافعة التی الفھا الفاضل العالم المحقق مولانا نور محمد تونسوی (متع اللہ المسلمین بفیوضہ) فی مسئلة حیات الانبیاء علیھم السلام فوجدتھا رسالة عجیبة الشان واضحة البرھان ومشحونة بالدلائل القویة ونافعة للطلباء ومفیدة للعلماء والمرجو من اللہ تعالیٰ ان یقبلھا قبولا حسنا ویوفق المؤلف توفیقا مزیدا لاشاعة الدین والتالیفات الحسنة ومثلھا۔ الفقر الی الرحمن شفیق الرحمن درخواستی

یکم محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عبداللہ بن مسعود خان پور ضلع رحیم یار خان وصدر مجلس علماء اہل سنت پاکستان

قدوۃ العلماء، زبدۃ الفضلاء، صاحب الرائے الصائب، ذو الفہم الثاقب حضرت العلامہ مولانا حبیب الرحمن درخواستی صاحب ناظم اعلیٰ واستاذ الحدیث جامعہ عبداللہ بن مسعود خان پور

باسمہ تعالیٰ وتقدس! الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین امابعد! بندہ عاجز نے کتاب ''الحیات بعد الوفات'' (مؤلفہ برادر مکرم فاضل اجل صاحب التحقیق حضرت مولانا نور محمد صاحب تونسوی مدظلہ) سے متعدد مقامات بغور پڑھے ہیں۔ مولانا موصوف نے جس محنت وعرق ریزی سے اپنے مجوزہ موضوع مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام اور اس کے متعلقات کو دلائل وبراہین سے مدلل ومبرہن فرمایا ہے۔ اگر اس عنوان سے مخالفین انصاف سے کام لیں تو انہیں سوائے سکوت اور سر تسلیم خم کرنے کے کوئی چارہ کار نہ ہو۔

مولانا ممدوح نے اس اجماعی اور ذی شان مسئلہ کی شایان شان قرآن وحدیث کے دلائل کی سبیل بہادی ہے۔ جی چاہتا تھا کہ اس کتاب کا مقدمہ تحریر کر کے شریک سعادت ہوتا لیکن مؤلف موصوف نے مسئلہ مذکورہ کا کوئی پہلو تشنہ چھوڑا ہی نہیں کہ کسی دوسرے ساتھی کو موقعہ ملے۔ اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے قطب الاقطاب حضرت خلیفہ غلام محمد دینپوری نور اللہ مرقدہ اور حافظ الحدیث والقرآن استاذ المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی نور اللہ مرقدہ تک تمام صاحب علم وعمل پیکر زہد وتقویٰ، بصیرت وفراست اور روحانیت کے کاملین وحاملین حیات انبیاء علیہم السلام خصوصاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ بعد الوفات اور سماع عندہ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ کے صرف قائل ہی نہیں رہے بلکہ اس کو اہلسنت والجماعت کا طغریٰ امتیاز مسئلہ قرار دیتے چلے آرہے ہیں۔

یعنی علم وعمل کے ان عظیم بلند ورفیع مناروں کے ہاں اس عقیدہ کے منکرین کو اہل سنت سے خارج تصور کیا جاتا رہا ہے اور جو بھی اس مسئلہ سے منحرف ہوا ہے تاریخ شاہد ہے کہ وہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی اور روحانیت کے کمال سے محروم رہا ہے۔ بہرحال زیر نظر کتاب استیعاب اطراف، زور استدلال اور جامعیت مضامین میں بحر محیط ہے اور معترضین کے اعتراجات کے جوابات اور رد میں سد سکندری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ جل جلالہ مولانا موصوف کی اس سعی جمیل اور نیک محنت وکاوش کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے اور اہل حق عوام وخواص کے لئے اس کتاب کو نافع بنائے اور مزید تسکین قلب واطمینان کا باعث بنائے اور فریق مخالف اور ان کے زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین! یارب العالمین: وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین!

بندہ عاجز الراجی بلطف الرحمن حبیب الرحمن درخواستی خادم دار الافتاء وخادم علوم نبویہ بجامعہ عبداللہ بن مسعود خانپور پاکستان

۲ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

سرمایہ اہل سنت، پاسبان ملت حنفیہ، وکیل احناف، امام المناظرین، حضرت مولانا علامہ محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً امابعد! دین اسلام خدا تعالیٰ کا آخری اور کامل دین ہے۔ اس کے عقائد بعض تو ضروریات دین ہیں جن میں سے کسی ایک کا انکار یا تاویل باطل انسان کو دین سے خارج کر دیتا ہے اور بعض عقائد ضروریات اہل سنت والجماعت کے درجہ میں ہیں جن میں سے کسی ایک کے انکار یا تاویل باطل سے انسان اہل سنت والجماعت سے خارج ہو کر ان بدعتیوں میں شامل ہو جاتا ہے جو اعتقادی بدعتی ہیں۔ جیسے معتزلہ، قدریہ، جبریہ اور کرامیہ وغیرہ۔ کتاب وسنت میں جو اہل بدعت کے خلاف سخت احکام ہیں کہ وہ شفاعت سے محروم رہیں گے، حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔

وہ اعتقادی اہل بدعت کے بارہ میں اس اہل سنت والجماعت کی عقائد کی کتابیں الحمد للہ پوری دنیا میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ سب سے پہلی کتاب ''فقہ اکبر'' لکھی گئی جو سیدنا الامام الاعظم نور اللہ مرقدہٗ نے لکھی۔ پھر ''عقیدۃ الطحاوی'' لکھی گئی۔ ہر زمانہ میں کتابیں لکھی گئیں۔ البتہ تیرہویں صدی کے اوّل میں خان صاحب بریلوی نے علماء حق اہل سنت والجماعت پر کچھ الزامات لگائے تو علمائے دیوبند نے اپنے عقائد کی مسلمہ دستاویز ''المہند علی المفند'' کے نام سے شائع کر دی۔ جس پر علماء عرب وعجم نے تصدیقات لکھیں اور واضح کر دیا کہ علماء دیوبند سچے اور پکے اہل سنت والجماعت ہیں اور سب لوگ سمجھ گئے کہ خان صاحب کے تمام الزامات غلط تھے لیکن اس کے نصف صدی بعد ایک جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے نام سے وجود میں آئی۔ جس نے المہند میں درج شدہ بعض عقائد سے انکار کر دیا اور خان صاحب بریلوی کی تصدیق کر دی۔

اس کا الزام تھا کہ دیوبندی ''حیات النبی ﷺ فی القبر'' کا انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے التزام کر لیا کہ واقعی ہم حیات النبی ﷺ کے منکر ہیں۔ اس نے الزام لگایا تھا کہ دیوبندی توسل کے منکر ہیں۔ ان لوگوں نے اس کا بھی التزام کر لیا چونکہ یہ لوگ اپنے کو دیوبندی کہتے تھے تو بریلویوں کو موقع مل گیا کہ دیکھو جو الزامات خان صاحب بریلوی نے لگائے تھے وہ درست نکلے۔ المہند میں علماء دیوبند نے تقیہ سے کام لیا ہے اس لئے علماء دیوبند کو یہ وضاحت کرنی پڑی کہ جو لوگ حیات فی القبر کا انکار کر رہے ہیں وہ بدعتی ہیں۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (فتویٰ دار العلوم دیوبند) اس فتویٰ نے یہ بات صاف کر دی کہ یہ لوگ نہ دیوبندی ہیں اور نہ سنی۔ بلکہ ان کا شمار اعتقادی بدعتیوں میں ہے۔

اب وہ دیوبندی عوام کو ورغلانے لگے کہ دیوبندیت المہند کا نام نہیں کتاب وسنت کے ماننے کا نام ہے اور کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ نہیں۔ بلکہ اس قبر کے قبر ہونے کا بھی انکار کر دیا اور اس قبر میں کسی قسم کے عذاب وثواب کا بھی انکار کر دیا۔ اس بارہ میں سب سے پہلے پیر طریقت حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ اور حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مضجعہٗ نے کتابیں لکھیں۔ پھر

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دام فیوضہم اور حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب زید معالیہم نے کتابیں تحریر کیں۔ جس سے اس فتنہ کے آگے بند باندھا گیا۔ پھر حضرت اقدس مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی دام ظلہم نے ''حیات انبیاء کرام'' تحریر فرمائی۔

اسی سلسلہ میں جناب مولانا نور محمد صاحب تونسوی ترنڈہ محمد پناہ والے نے ایک بہت ہی عام فہم اور مفصل کتاب تحریر فرمائی۔ اس کا سبب یہ بنا کہ ان کا ایک تحریری مناظرہ جناب نیلوی کے کسی شاگرد سے ہوا۔ جس میں بالآخر وہ بے چارہ سکوت مرگ میں جا پڑا۔ حضرت مولانا موصوف کا ارادہ تھا کہ اس تحریری مناظرہ کو شائع کر دیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ مناظرہ میں سب پہلو صاف نہیں ہوتے جو پہلو زیر بحث آگئے صرف ان پر کلام ہوتا ہے۔ اس لئے ترتیب سے اس مسئلہ کے سب پہلوؤں پر بات ہو جائے تو مولانا نے بہت محنت سے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سب اہل سنت کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس کتاب میں الحمد للہ ان کے نئے پرانے وساوس کے بخئے ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں۔

اور انہوں نے جو نئی نئی تاویلیں کی تھیں ان سب کا پردہ چاک کر دیا۔ عذاب وثواب نیز حیات شہداء اور حیات انبیاء علیہم السلام پر بہت معلومات افزاء کتاب ہے۔ اب منکرین حیات النبی ﷺ مرزا قادیانی کی گود میں بیٹھتے جارہے ہیں اور حیات مسیح علیہ السلام کا انکار کر رہے ہیں۔ اس پر بھی مولانا نے مسئلہ کی حیثیت کو واضح فرمادیا اللہ تعالیٰ اس کتاب کو منحرفین کے لئے راہ ہدایت بنائے اور اہل سنت کے لئے ذریعہ استقامت اور مولانا کو مزید ہمت عطاء فرمائے کہ دور حاضر میں قلمی جہاد سے فتنوں کا تعاقب فرماتے رہیں۔

فقط: محمد امین صفدر عفا اللہ عنہ
۱۶/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

حاوی الاصول والفروع، استاذ العصر والفضلاء، حضرت مولانا الشیخ مفتی محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ امداد العلوم محمود کوٹ ضلع مظفر گڑھ کی رائے گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد! میں نے کتاب کے اکثر مقامات کو اجمالاً اور بعض مقامات کو تفصیلاً دیکھا اور خوبیوں سے مزین پایا۔ علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم کے مسلک کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ مدلل طور پر جزئیات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ بعض عنوان کو بالکل ہی نرالے انداز سے واضح کیا گیا ہے۔ اہم مسائل کو متعدد آیات اور احادیث سے ثابت کیا گیا ہے اور بعض جگہ طرز استدلال بالکل اچھوتا ہے۔ کچھ جدید عنوان مؤلف کی ذکاوت اور علمی گہرائی کے لئے شاہد عدل ہیں۔

متعدد فتاویٰ کو یکجا جمع کر کے مسئلہ کی تحقیق کے لئے آسانی پیدا کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی محنت شاقہ کو قبول فرمائے اور عوام مسلمانوں کے لئے اور برگشتہ عقول کے لئے ہدایت کا وسیلہ بنائے۔

محمد صدیق جامعہ امداد العلوم محمود کوٹ شہر
۵/رجب ۱۴۲۱ھ

قبر کی زندگی

سخن ہائے گفتنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندہ عاجز ہیچ مدان حقیر پر تقصیر قطعاً اس قابل نہ تھا کہ کوئی کتاب تحریر کرے، لیکن اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس موضوع پر ایک کتاب لکھنے کی توفیق بخشی۔ الحمد للہ علی حسن التوفیق اوّلاً و آخراً۔ انداز بیان اور طرز تحریر کی اپنی ہزاروں کوتاہیوں اور خامیوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بات بطور تحدیث نعمت کے عرض کر رہا ہوں کہ اس موضوع پر مسلک اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کرنے میں مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ کیونکہ میں صرف سلف صالحین، بزرگان دین اور اکابرین امت کی بیان کردہ تشریحات اور تعلیمات کا ناقل ہوں اور یہی میری دنیا و آخرت کا سرمایہ حیات اور ذریعہ نجات ہے۔ میں نے اہل سنت والجماعت کے اس عقیدہ کہ: ''عالم قبر کی کارروائی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر وارد ہوتی ہے'' کو قرآن مجید کی باون آیات اور ایک سو تین احادیث نبویہ متواترہ سے ثابت کیا ہے۔ گویا اردو زبان میں اس موضوع پر یہ سب سے زیادہ مواد ہے۔ جو اس کتاب میں یکجاء کر دیا گیا ہے۔ پھر منکرین عذاب قبر کے تمام عقلی نقلی شبہات کا معقول اور مدلل طریقہ سے رد کیا گیا ہے۔

نیز منکرین عذاب قبر جن آیات سے استدلال کرتے ہیں ان کے تمام استدلالات کا موثر طریقہ سے ابطال کیا گیا ہے۔ قبر و برزخ کا مفہوم متعین کر کے بتایا گیا ہے کہ ان دونوں میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے کہ ایک سے دوسرے کی نفی ہو جائے بلکہ روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر وارد ہونے والی کارروائی کو عذاب قبر بھی کہا جاتا ہے اور حیات برزخ بھی۔

بندہ عاجز نے اس کتاب میں یہ بات بڑی وضاحت سے لکھ دی ہے کہ کتاب و سنت کے جن دلائل سے روح اور جسد عنصری دونوں کا ثواب و عقاب ثابت ہے انہیں دلائل سے ان دونوں کا آپس میں تعلق بھی ثابت ہوتا ہے۔

جس کی کیفیت و حقیقت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کی جزا و سزا کی صحیح اور معقول صورت یہی ہے۔ جس طرح کہ جو دلائل حضور اکرم ﷺ کے معراج کے ہیں وہی دلائل معراج جسمانی کے ہیں اور جو دلائل رفع عیسیٰ علیہ السلام الی السماء کے ہیں وہی دلائل ان کے رفع جسمانی کے ہیں اور جو دلائل حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے ہیں وہی دلائل ہر قسم کی نبوت کے ختم کے ہیں۔ پس جس طرح معراج جسمانی اور عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی اور ہر قسم کی ختم نبوت کے علیحدہ دلائل طلب کرنا فضول اور بیہودہ ہے اسی طرح روح اور جسد عنصری کے تعلق کے علیحدہ دلائل طلب کرنا فضول اور بیہودہ ہے۔ بہر حال ایک ہی قسم کے دلائل ہیں جن سے حیات قبر بھی ثابت ہے روح اور جسد عنصری دونوں کا جزا و سزا میں شریک ہونا بھی ثابت ہے اور دونوں کا آپس میں تعلق بھی ثابت ہے۔

بندہ عاجز نے یہ بات بھی تفصیل سے عرض کر دی ہے کہ عقیدہ حیات قبر کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک حق اور سچ ہے اس مسلک حقہ کو چھوڑ کر کسی اور شکل و صورت میں عذاب قبر کا قائل ہونا دراصل اس کے انکار کے مترادف ہے۔ کیونکہ ایسا قائل ہونا برائے نام ہے۔ نیز میں نے ایسے لوگوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنا عقیدہ کھول کر بیان کریں۔ حیات برزخی، حیات بہشتی اور اعلیٰ وارفع حیات کے مجمل الفاظ سے عقیدہ کھل کر سامنے نہیں آتا۔ لہٰذا

بات کو کھولیں کہ یہ حیات برزخی محض روحانی ہے یا جسمانی۔ اگر جسمانی ہے تو دنیا والے جسد عنصری کے ساتھ ہے یا کسی اور کے ساتھ اور جس طرح بھی عقیدہ رکھتے ہیں اس کو کتاب وسنت سے ثابت کریں۔ ان شاء اللہ! ہر قسم کے منکرین عذاب قبر اپنے عقیدہ کو کہیں سے ثابت نہیں کر سکتے۔ میں نے واضح کیا ہے کہ سابقہ دور کے بعض علماء اور صوفیاء کرام قائلین جسد مثالی ان منکرین کے قطعاً ہم خیال نہیں ہیں بلکہ ان کا جسد مثالی اور تھا اور ان کا جسد مثالی اور ہے۔

اسی طرح بعض مفسرین کرام جو عذاب قبر کی تفسیر ارواح سے کرتے یا قبر کی زندگی کو حیات روحانی کہتے ہیں۔ وہ بھی ان کے ہم عقیدہ نہیں ہیں بلکہ وہ ارواح کا ذکر کر کے عالم قبر و برزخ کی کارروائی کی صورت کو بیان کرتے ہیں کہ وہاں روح اصل ہے اور جسد عنصری اس کے تابع ہے۔

بندہ عاجز نے ان دلائل سے بشمول انبیاء کرام تمام موتی کی حیات قبر ثابت کی ہے۔ پھر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصی وامتیازی حیات قبر کے تنتالیس دلائل بیان کئے ہیں۔ نیز اس بات کی بھی تحقیق کی ہے کہ اہل سنت والجماعت کے استدلال خرق عادت یعنی معجزات وکرامات سے نہیں ہیں بلکہ عادت اللہ اور سنت رسول اللہ سے ہیں۔

بندہ عاجز نے اس کتاب میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع عند القبر الشریف پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور عام موتی کا سماع فروعی اور اختلافی مسئلہ ہے۔ کسی جانب بھی تشدد نا روا ہے۔ البتہ سماع موتی کا عقیدہ شرک کی بنیاد قطعاً نہیں ہے ہاں فساد عقیدہ کو شرک کہا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بات بھی معقول اور وزنی دلائل سے ثابت کی ہے کہ عقیدہ حیات قبر اور عقیدہ سماع قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کے دلائل سے ثابت ہے۔

نیز بندہ عاجز نے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کے راولپنڈی والے فیصلے کی ملک کے نامور مفتیان کرام سے شرعی حیثیت معلوم کر کے اس کتاب میں شامل کر دی ہے۔ تیس فتاوی جات ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ قاری صاحب ممدوح کا فیصلہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے اور جو شخص اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرے وہ گمراہ، مبتدع، خراب عقیدہ والا ہے اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔ اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی اچھی خاصی تحقیق درج کر دی گئی ہے اور کچھ فتاوی جات بھی اس عقیدہ کے متعلق شامل کر دیئے گئے ہیں کہ اس عقیدہ کا منکر کافر ہے۔ خصوصاً دار العلوم کراچی کا فتوی نہایت مدلل اور جاندار ہے۔ فوائد وضاحتیں اور توضیحات وتنبیہات کے عنوان سے بھی مفید باتیں اس کتاب میں مندرج ہیں۔ اس کتاب میں مختلف مباحث کے دوران منکرین عذاب قبر سے سوالات کئے گئے ہیں جو کہ ان کے مسلک پر وارد ہوتے ہیں تا کہ طلبہ حق کی ذہن سازی ہو جائے۔ اسی طرح ان کی ناروا تاویلات سے پردہ چاک کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے آخر میں تحریری مناظرہ بھی شامل ہے جو بندہ عاجز اور علامہ شیخ الحدیث محمد حسین نیلوی کے درمیان اور اس کے شاگرد عبد القدوس نامی کے درمیان ہوا۔ دلچسپ اور قابل مطالعہ مناظرہ ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بندہ عاجز کے دس سوالوں کا جواب آج تک نہ تو علامہ نیلوی صاحب دے سکے اور نہ ان کا شاگرد وہ دس سوال بھی اس مناظرہ میں درج ہیں ان کا کوئی غمخوار بھی ان سوالوں کا جواب دینا چاہے تو اہل سنت والجماعت کے لوگ بڑی فراخ دلی سے قبول کریں گے۔ بشرطیکہ معقول اور کتاب وسنت کے مطابق ہوں۔

بندہ عاجز کی اس مسئلہ پر دارالافتاء والاشاد ناظم آباد کراچی کے نائبین سے بھی گفتگو بذریعہ خط وکتابت ہوئی وہ بھی کتاب کے آخر میں شامل ہے۔ بعض دوسرے مسائل کی تحقیق کے ضمن میں حضور اکرم ﷺ کے مزار اطہر پر حاضری دینے والے اور سلام پڑھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام بھی آگئے ہیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی رضا کے لئے قبول فرمائے اور قبر و آخرت میں ذریعہ نجات بنائے۔ آمین!

ابواحمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور

۲۸ رصفر ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۳ رجون ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور الذی خلق کل موجود وکل شئ وھو علی کل شئ قدیر وھو حی لا یموت ابدا ومن کان سواہ من الجن والانس یموتون وھو الذی یحیی ویمیت ویحیی الارض بعد موتھا ویحیی العظام وھی رمیم۔ ھو الذی یحیی الاموات فی البرزخ والقبور قبل یوم النشور للسوال والحساب وجعل بیننا وبنیھم حجابا مستورا فلم تکن تراھم اعین الناظرین ولکن المتقین یؤمنون بالغیب والصلوٰۃ والسلام علی من یسمع سلام الزائرین عند قبرہ المنیف یسمعہ من اسمع اجزاء الطیور المیتۃ صوت الخلیل علیہ السلام ویسمع جمیع من فی القبور صوت الصور یوم البعث والنشور وھی المراد من قولہ تعالی ان اللہ یسمع من یشاء وما ذالک علی اللہ بعزیز وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وبناتہ وعترتہ واتباعہ اجمعین الی یوم الدین۔ آمین یارب العالمین!

وجہ تالیف کتاب

امابعد! بندہ محتاج بارگاہ رب صمد ابواحمد نور محمد اہل اسلام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت کے روشن دلائل سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کو تعلق روح مع الجسد العنصری ایک خاص قسم کی حیات جسمانی برزخی حاصل ہے۔ اسی حیات کی وجہ سے آپ روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

یہ مسئلہ دین اسلام کے مسلمات سے ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی ایک فرد بشر نے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور ان کے سماع عند القبور کا انکار نہیں کیا ہے۔ اسی لئے اس مسئلہ کو اجماعی اور اتفاقی عقیدہ کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے چودھویں صدی کے اواخر میں اشاعۃ التوحید والسنۃ نامی ایک جماعت رونما ہوئی۔ جنہوں نے مسئلہ حیات وسماع اور اس جیسے دوسرے عقائد اجماعیہ کے انکار بلکہ تردید کو اپنا طغرائے امتیاز بنا لیا۔ نام سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ توحید وسنت کا پرچار کرتے ہوں گے۔ لیکن کام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی واتفاقی عقائد کا انکار بلکہ تردید کرتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک انبیاء کرام کی حیات فی البرزخ والقبور وسماع السلام عند القبور کی تردید کا نام ہے۔ اشاعت التوحید والسنۃ۔ پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ متفقہ علیہا عقائد و مسائل کا انکار بلکہ تردید کر کے اہل سنت والجماعت سے کٹ جانے کے باوجود اپنے آپ کو مسلک علماء دیوبند کا ترجمان سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو اصلی اور حقیقی دیوبندی گمان کرتے ہیں اور قائلین حیات وسماع کو بناوٹی اور بناسپتی دیوبند کہتے ہیں۔

حالانکہ علماء دیوبند جو کہ اہل سنت والجماعت کے صحیح ترجمان ہیں بلا استثناء سب کے سب انبیاء کرام کی حیات فی القبور اور سماع عند القبور کے قائل ہیں۔ ان کی تقریروں تحریروں اور فتاوی جات سے یہ عقیدہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ جیسا کہ ''المہند علی المفند'' یعنی عقائد علماء دیوبند میں اس عقیدہ کو تسلیم کیا گیا ہے اور تمام اکابرین دیوبند نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ انہیں اکابرین علماء دیوبند کے حکم سے پروفیسر علامہ خالد محمود صاحب نے ''مقام حیات'' تصنیف کی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم نے ''تسکین الصدور فی احوال الموتی فی البرزخ والقبور'' تصنیف کی اور حضرت مولانا مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن'' تصنیف کی۔

ان کے علاوہ اور بھی چھوٹے بڑے رسائل لکھے گئے۔ جن میں دلائل یقینیہ اور براہین قاطعہ کے ساتھ مسئلہ حیات اور سماع کو بیان کیا گیا ہے۔ نیز دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا سید مفتی مہدی حسن کا فتویٰ، خیر الفتاوی اور چند دوسری کتابوں میں چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے۔ جس میں عقیدہ حیات وسماع کے منکرین کو خارج از اہل سنت والجماعت قرار دیا گیا ہے اور مبتدع کہا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ ادھر شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی، مولانا غلام غوث ہزاروی، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری، حضرت مولانا لال حسین صاحب اختر، سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری، علامہ دوست محمد صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات الانبیاء کے موضوع پر مدلل اور پرمغز تقریریں سننے والوں کو اب تک یاد ہیں۔ حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی صاحب اور حضرت مولانا محمد امین صاحب اکاڑوی تو اب تک مسلک حقہ اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کی پاسبانی کے فرائض سرانجام دے رہیں (مولانا محمد امین صفدر صاحب بھی ۳۱ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون) ان دونوں بزرگوں کے بیانات عالیہ سے عقیدہ حیات وسماع کو وہ تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ جس کو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

لیکن ان کے علی الرغم اشاعت والے اپنی تحریروں اور تقریروں میں بڑی دیدہ دلیری سے کہے جا رہے ہیں کہ علماء دیوبند ہمارے ہم خیال ہیں اور ہم علماء دیوبند کے ترجمان ہیں۔ اشاعت التوحید والسنۃ کے نام سے یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ جو لوگوں کو دیا جا رہا ہے اور بہت بڑا خطرناک جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ جس کی دیدہ دانستہ خوب تشہیر کی جا رہی ہے۔ علماء دیوبند کے مسلک کو چھوڑنے کے باوجود یہ لوگ اپنے آپ کو علماء دیوبند کے زمرہ میں شامل سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی شناخت اور پہچان از حد ضروری ہے۔ تاکہ آدمی دھوکہ نہ کھا جائے۔ لہٰذا ان حضرات کے چند مخصوص نظریات آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے ان کو پہچانئے۔

منکرین حیات وسماع کی پہچان

۱...... وفات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر کے ساتھ قبر شریف میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ معاذ اللہ!

۲...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر الشریف صلوٰۃ وسلام وغیرہ کا سماع نہیں فرماتے۔ ہاں خرق عادت کے طور پر جیسے اللہ تعالیٰ پتھروں کو سنا سکتا ہے ویسے ہی آپ کو سنا دے تو اور بات ہے۔ معاذ اللہ!

۳...... عند القبر الشریف صلوٰۃ وسلام سماع کی جتنی حدیثیں ہیں وہ ان کے خیال میں موضوع اور جعلی یا کم از کم ضعیف ہیں۔ جن کا کوئی اعتبار نہیں۔ معاذ اللہ!

۴...... الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کی حدیث ان کے نزدیک باطل ہے اور بے اصل ہے۔ ان کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام نہ تو اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ معاذ اللہ! ان کے نزدیک یہ ساری کارروائی ارواح کرتی ہیں۔ حضرات انبیا کرام علیہم السلام کے اجساد عنصریہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

۵...... قبر میں ثواب وعذاب کا تعلق صرف روح سے وابستہ ہے۔ بدن عنصری کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر بدن تسلیم بھی کیا جائے تو وہ بدن مثالی ہے بدن خاکی وعنصری ہرگز نہیں۔

۶...... سماع موتی کا عقیدہ ان کے نزدیک مشرکانہ نظریہ ہے اور سماع موتی کا قائل ان کے نزدیک مشرک اور کافر ہے۔ سماع موتی کا عقیدہ شرک کا ذریعہ اور پھاٹک ہے۔ (معاذ اللہ)

۷...... حضور اکرم ﷺ یا امت میں کسی بزرگ شخصیت کے طفیل وسیلہ برکت اور حرمت وغیرہ سے دعا کرنا "ھؤلاء شفعاءنا عند اللہ" کا مصداق ہے۔ جو حرام اور خالص شرک ہے اور انہی نظریات کی "الاقوال المرضیہ، شفاء الصدور، ندائے حق اور اقامت البرہان" وغیرہ کتب میں تائید کی گئی ہے اور بخیال خویش ان کو مدلل بنایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ نظریات اہل سنت والجماعت کے نظریات کے سراسر خلاف ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اپنے انہی تفردات کو علماء اہل سنت والجماعت دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیز علماء اہل سنت والجماعت کی ترجمانی نہیں ہے۔ بلکہ بدنامی ہے۔

چنانچہ اصلاح حال کے لئے دار العلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ دیوبند سے پاکستان تشریف لائے اور فریقین کے علماء کو بلا کر مندرجہ ذیل فیصلہ کتاب وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں تحریر فرمایا اور فریقین کے علماء نے اس پر دستخط فرمائے۔ تاکہ امت مسلمہ تشتت اور افتراق سے بچ جائے۔ تاکہ ایک ہی مکتب فکر کے نام لیوا باہمی اختلاف وانتشار سے محفوظ ہو جائیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ کا متن

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بتعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ احقر محمد طیب (راولپنڈی)

نور محمد قلعہ دیدار سنگھ محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ لاشیٔ غلام اللہ خان

۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ / ۲۲ جون ۱۹۶۲ء (از تعلیم القرآن ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

شومئ قسمت کہ اشاعت کے بعض سرکردہ لوگوں نے اس شرعی اور متفقہ فیصلے کو تہہ دل سے تسلیم نہ کیا بلکہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے دیوبند واپس چلے جانے کے بعد اپنے حلقہ اثر میں اس فیصلہ کے ٹھکرانے کی فضا اور انکار کی راہ ہموار کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ انکار حیات وسماع کے اثرات اشاعتیوں کے رگ وریشہ میں اتنے سرایت کر گئے کہ جماعت من حیث الجماعت کے حضور اکرم ﷺ کی حیات وسماع السلام عند القبر الشریف کا یکسر انکار کر دیا اور بھاری اکثریت نے تو انکار میں اتنا غلو کیا اور تردید میں ایسا تشدد اختیار کیا کہ حیات وسماع کے عقیدہ کو شرک کہہ دیا اور حضور اکرم ﷺ کے سماع عند القبر الشریف کے قائلین کو مشرک اور کافر بنا دیا۔ البتہ بعض لوگ انکار کے

باوجود فتویٰ بازی سے خاموش رہے۔ البتہ ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو حیات وسماع کا انکار نہیں کرتے بلکہ دبی زبان میں کبھی کبھی مجبور ہو کر حیات وسماع کا اقرار بھی کر لیتے ہیں لیکن ان کی تمام تر ہمدردیاں اور عقیدت مندیاں اور رواداریاں انہیں منکرین کے ساتھ وابستہ ہیں اور انہیں کو برحق سمجھتے ہیں۔ بلکہ علماء دیوبند پر ان کو ترجیح اور اوّلیت دیتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص منکرین کی تردید کرے یا ان کو اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھے تو غصہ سے آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور سیخ پا ہو جاتے ہیں اور کوئی کلمہ ان کی شان کے خلاف برداشت نہیں کرتے۔ خود حیات وسماع کے قائل ہونے کے باوجود منکرین سے اندھی محبت اور عقیدہ رکھنا اور ان کی بے جا حمایت کرنا ہماری فہم سے بالاتر ہے۔ پس یوں سمجھئے کہ گویا اشاعت سے وابستہ ہونے والے لوگ تین طرح کے ہیں۔

۱...... انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور سماع کا انکار کر کے قائلین پر شرک وکفر کا فتویٰ لگانے والے۔

۲...... حیات وسماع کے انکار کے باوجود قائلین پر کفر کا فتویٰ نہ لگانے والے۔

۳...... خود تو حیات وسماع کے قائل ہیں لیکن منکرین کے ساتھ ہمدردیاں اور عقیدت مندیاں حد سے زیادہ رکھنے والے بلکہ ہر مقام پر منکرین کو قائلین پر ترجیح دینے والے۔ آخر الذکر طبقہ نسبتاً اپنے طریقہ واردات میں زیادہ کامیاب ہے۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت کے سادہ لوح مسلمان ان کو اپنا سمجھ لیتے ہیں اور ان کے ساتھ اپنوں جیسا سلوک کرتے ہیں اور اپنوں جیسی عقیدت مندی رکھتے ہیں اور ان کو اپنا سمجھ کر ان کی باتوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ نتیجتاً یہ لوگ اپنی ہوشیاری سے ایک سادہ لوح سنی کو منکرین کی گود میں ڈالتے ہیں یا کم از کم ان کے قریب تو ضرور کر دیتے ہیں۔ بہر حال اس گروہ کا یہ رویہ نہایت تعجب خیز اور افسوسناک ہے۔ کیونکہ مسلک اہل سنت والجماعت سے کٹنے والے تمام دوسرے گمراہ فرقوں سے ان کو نفرت ہے اور اشاعت التوحید والے انکار حیات وسماع وغیرہ کی وجہ سے اہل سنت والجماعت سے کٹ چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان سے محبت اور عقیدت ہے۔

مسئلہ حیات الانبیاء کا مقام

مسئلہ حیات الانبیاء کا وہی مقام ہے جو حیات عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ یہ دونوں مسئلے ایک درجے اور ایک حیثیت کے ہیں۔ کیونکہ کتاب وسنت اور اجماع امت کے جن دلائل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ روح مع **الجسد العنصری** آسمان پر اٹھایا جانا اور پھر قیامت سے پہلے اسی طرح آسمان سے زمین پر نازل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بالکل اسی قسم کے دلائل سے انبیاء کرام کی حیات بعد الوفات بہ تعلق روح مع **الجسد العنصری** ثابت کی جاتی ہے اور تردید کرنے والے جن دلائل سے جس انداز سے حیات عیسیٰ علیہ السلام کی نفی کرتے ہیں بعینہٖ انہی دلائل اور اسی انداز سے منکرین حیات الانبیاء، انبیاء کرام کی حیات طیبہ کی نفی کرتے ہیں۔ مثلاً ''**کل من علیها فان۔ کل نفس ذائقة الموت۔ مامحمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل**'' وغیرہ!

ان آیات سے جس طرح منکرین حیات عیسیٰ علیہ السلام استدلال کرتے ہیں اسی طرح منکرین حیات الانبیاء بھی انہی آیات سے حجت پکڑتے ہیں اور جس طرح منکرین حیات عیسیٰ علیہ السلام علماء اہل سنت والجماعت کے پیش کردہ دلائل کی روحانی مثالی وغیرہ سے تاویل کر کے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح منکرین حیات الانبیاء بھی روحانی، مثالی وغیرہ تاویلات کے ذریعہ گزارہ کرتے ہیں۔ جس طرح منکرین حیات عیسیٰ علیہ السلام عقلی شبہات لوگوں کے دلوں میں

ڈال کر عامۃ المسلمین کو عقیدہ حیات ابن مریم سے منحرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح منکرین حیات الانبیاء بھی قسم وقسم کے عقلی شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال کر عقیدہ حیات سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام اور عقیدہ حیات الانبیاء کے ہم پلہ ہونے کی یہ ایک عجیب دلیل ہے کہ بعض لوگ عقیدہ حیات الانبیاء کی ہر طرح سے تردید کرتے کرتے خود عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کے مرتکب ہو چکے ہیں اور یہ حقیقت ہے جس کا اہل علم مشاہدہ کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام کی حیات بہ تعلق روح مع الجسد العنصری کے انکار کرنے سے انکار حیات ابن مریم کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ منکرین حیات الانبیاء حیات عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہوتے جارہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ گویا جو کام مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والے پوری زندگی نہ کر سکے۔ وہ کام اشاعۃ التوحید کے نام سے بآسانی تکمیل کے مراحل طے کرتا جارہا ہے۔ گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے!

ایک مفید مشورہ

قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے سلف صالحین کے فہم کو مشعل راہ بنانا از حد ضروری ہے۔ کسی آیت کی تفسیر اور کسی حدیث کی تشریح وہ معتبر ہے جو بزرگان دین اور سلف صالحین سے منقول ہوتی چلی آرہی ہے۔ قرآن وحدیث کا وہی معنی ومقصد صحیح ہے جو بزرگان دین اور اکابرین امت نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ بزرگان دین اور سلف صالحین کے راستے کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم کہا ہے۔ کیونکہ سلف صالحین منعم علیھم ہیں۔ جن کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ ''اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم'' کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ بھی دیئے ہیں۔

اب ہم نے ہدایت حاصل کرنی ہے کتاب اللہ سے۔ کیونکہ وہ کتاب ہدایت ہے جس میں کوئی شک نہیں اور کتاب اللہ کو سمجھنا ہے رجال اللہ سے۔ کیونکہ وہ منعم علیھم ہیں اور ان کی راہ ہی صراط مستقیم ہے اور رجال اللہ کی پہچان کرنی ہے کتاب اللہ سے۔ کیونکہ وہی ''الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان'' ہے۔

نیز ''ویتبع غیر سبیل المؤمنین'' سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنا ہی سلامتی اور نجات کا راستہ ہے۔ پس صراط مستقیم پر چلنے والوں کو کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں سے وابستہ رہنا ضروری ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک سے کٹ جانا گمراہی اور ضلالت ہے۔ لہٰذا سلف صالحین کے فہم کو نظر انداز کر کے قرآن وحدیث کے معانی ومطالب سمجھنے میں من مانی کرنا گمراہی اور بے دینی کی خشت اوّل ہے اور یہی آزادی فکر، عدم اتباع اسلاف اور ترک تقلید اسلام کے نام سے گمراہ ہونے والے تمام لوگوں میں قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے۔ اسی گمراہی اور بے راہ روی سے محفوظ رہنے کے لئے ''غیر المغضوب علیھم و لا الضالین'' کو ''اھدنا الصراط المستقیم'' کی دعا میں شامل کیا گیا ہے۔

شومئ قسمت کہ اہل اشاعت مسئلہ حیات الانبیاء میں اسی بے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں نے مسئلہ مذکورہ میں فہم سلف صالحین کو بالائے طاق رکھ کر آزادی اور ترک تقلید کی راہ اختیار کی ہے۔

چنانچہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس کا تعلق آپ کے جسد عنصری کے ساتھ نہیں مانتے اور سماع الصلوٰۃ والسلام عند القبر الشریف کا بھی انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ پوری امت مسلمہ میں چودہ سو سال تک کوئی شخص نہ تو

عدم تعلق کا قائل گزرا ہے اور نہ ہی عدم سماع کا۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''بلا خوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ھ تک اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت ﷺ اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ ﷺ عندالقبر الشریف صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی، علم کلام کی علم تصوف وسلوک کی سیرت کی یا تاریخ کی کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عندالقبر الشریف صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ ''من ادعی خلافہ فعلیہ البیان ولا یمکنہ ان شاءاللہ تعالٰی الی یعم البعث والجزاء والمیزان''

(تسکین الصدور ص ۲۸۲ طبع دوم)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب کے چیلنج کا لوہا

جب سے تسکین الصدور شائع ہوئی ہے۔ اسی وقت سے حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا چیلنج اہل اشاعت کے کانوں میں گونج رہا ہے۔ لیکن آج تک یہ حضرات کسی ایک عالم دین کا نام پیش کرکے حضرت شیخ کے چیلنج کا جواب نہیں دے سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات وسماع کا عقیدہ اتنا پختہ اور مسلمہ ہے کہ آج تک امت مسلمہ میں سے کسی ایک فرد بشر نے اس کا انکار نہیں کیا۔ یہی تو وجہ ہے کہ اہل اشاعت نے عقیدہ حیات وسماع کی تردید میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا، بڑی طاقت خرچ کی، رسالے شائع کئے، کتابیں لکھیں، صفحات کے صفحات سیاہ کئے اور عقیدہ حیات وسماع کی تردید میں تقریروں اور تحریروں کا ایک طوفان کھڑا کردیا اور اس عقیدہ کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا۔ لیکن اس سب کے باوجود یہ لوگ اس عقیدہ راسخہ کو ذرا بھر بھی نقصان نہ پہنچا سکے۔ کیونکہ یہ عقیدہ اسلام کے بقیہ عقائد کی طرح ''اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء'' کا مصداق ہے۔

اللہ تعالٰی کی قدرت کا کرشمہ

اس کو اللہ تعالٰی کی قدرت کا کرشمہ کہئے یا پھر عقیدہ حیات کی کرامت، کہ اہل اشاعت زور وشور کی اتنی لمبی چوڑی تردید کے بعد بالآخر عقیدہ حیات کو من وعن یا الفاظ کے تھوڑے سے ہیر پھیر کے ساتھ تسلیم کرنے پر مجبور ہی ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ پر تصدیقی دستخط فرما کر من وعن عقیدہ حیات وسماع کو تسلیم کرلیا اور قاضی شمس الدین صاحب نے (تسکین القلوب ص ۷۴ تا ۷۰) اور (التعلیق الفصیح ص ۳۹) اور (مسالک العلماء ص ۲۴۸) میں حیات بہ تعلق روح مع الجسد العنصری کو تسلیم کیا ہے۔

اور جناب سجاد بخاری صاحب نے (اقامۃ البرہان ص ۱۵۹، ۱۷۹، ۱۸۳) میں روح کا جسد عنصری کے ساتھ تعلق تسلیم کیا ہے اور (مسالک العلماء ص ۲۴۷) میں سماع روحانی کو بھی تسلیم کیا ہے اور اسی طرح جناب سجاد بخاری (اقامۃ البرہان ص ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۷۰، ۲۳۵) میں حضور اکرم ﷺ کا سماع روحانی تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ نیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد روح کا جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کی طرف اعادہ اور تعلق ہوتا ہے۔ اس تعلق کی وجہ

سے جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ میں حیات پیدا ہوتی ہے اور اس حیات کی وجہ سے میت دکھ دسکھ محسوس کرتا ہے۔ دیکھئے (ندائے حق جدید ص ۱۵ و ۲۲ و ۱۸۸ و ۲۰۸ و ۲۱۲) اسی طرح نیلوی صاحب حضور اکرم ﷺ کے سماع روحانی کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ (ندائے حق جدید ص ۳۰ جز ثانی)

قارئین کرام! مندرجہ بالا ساری کتابیں عقیدہ حیات وسماع کی تردید میں لکھی گئی ہیں اور دل کھول کر ان کتابوں میں اس عقیدہ کی تردید کی گئی ہے۔ لیکن آپ اسلامی عقیدہ کی پختگی اور مضبوطی کا اندازہ لگائیں کہ رد اور نکیر کے اس خطرناک طوفان میں انکار کرنے والے اپنی کوششوں میں بری طرح ناکام رہے اور کسی نہ کسی طرح اس سچے عقیدہ کو تسلیم کرنا ہی پڑا۔ بندہ عاجز کے نزدیک یہ اس عقیدہ کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

اظہار حقیقت مخفیہ

اہل اشاعت نے عامۃ المسلمین میں یہ زبردست پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ ہمارے پاس تو قرآن ہے اور حیات الانبیاء کے قائلین کے پاس قرآن مجید کی کوئی آیت اور دلیل نہیں ہے۔ البتہ چند حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن وہ بھی ضعیف اور موضوع ہیں اور یہ مکروہ پروپیگنڈہ اتنے وسیع پیمانے پر کیا گیا کہ بہت سے سادہ لوح مسلمانوں نے اس کو سچ سمجھ لیا اور یقین کر لیا کہ واقعی ہمارے پاس قرآن کی کوئی آیت نہیں ہے اور چند حدیثیں ہیں وہ بھی ناقابل اعتماد۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ علماء اہل سنت والجماعت کے پاس حیات الانبیاء کے دلائل کتاب وسنت دونوں سے موجود ہیں اور پھر اجماع امت اس پر مستزاد ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ حیات الانبیاء کے عقیدہ کی بنیاد قبر کی زندگی پر ہے یا دوسرے لفظوں میں حیات الانبیاء کا عقیدہ حیات فی القبر کی شاخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حیات قبر کے قائل ہیں وہ حیات الانبیاء کے بھی قائل ہیں اور جو حیات قبر کے قائل نہیں ہیں وہ حیات الانبیاء کے بھی قائل نہیں ہیں۔ عالم قبر کی زندگی جس کو علماء عالم برزخ سے بھی تعبیر کرتے ہیں جس کی ابتداء موت سے شروع ہوتی ہے اور اختتام قیام قیامت پر ہوگا۔ اس حقیقت کو ذرا دوبارہ ذہن نشین کر لیں کہ علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک موت سے لے کر قیامت تک کے درمیانی عرصہ کو عالم قبر بھی کہا جاتا ہے اور عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے۔ قبر و برزخ میں کسی قسم کا تضاد اور تنافی نہیں ہے اور نہ ہی کسی ایک سے دوسرے کی نفی ہوتی ہے بلکہ دونوں کا مصداق ایک ہے۔ یعنی ہر مردہ قبر میں بھی ہے اور برزخ میں بھی ہے۔ برزخ کے مفہوم سے قبر قطعاً خارج نہیں ہے بلکہ داخل ہے۔

خیر تو میں عرض کر رہا تھا کہ عالم قبر کی زندگی قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم ﷺ کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت ووضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔ جس میں مسلمان کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ رہے وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب وعذاب نظر نہیں آتے۔ سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے وجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے۔ مگر موجود ہیں، ہوا

نظر نہیں آتی مگر موجود ہے جس کا ئناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی۔ مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے۔ مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ اصول کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے۔ جب خالق کائنات نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب وثواب کی خبر دی ہے تو اس پر ایمان واعتقاد رکھنا لازم ہے۔'' (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۳۶)

یہاں تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی دس آیتوں سے اور احادیث متواترہ سے قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے اور احکام القرآن میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ دس آیتیں بھی لکھی ہیں۔ جن سے قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے اور دس آیات لکھ کر فرماتے ہیں: ''فتلک عشرۃ کاملہ من الاٰیات اکتفیت علی ذکرھا وان ذکرھا العلماء سواھا من الآیات ایضاً یستدل بھا علی عذاب القبر ومن رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا کفاہ ھذہ العشرۃ والا فالقرآن کلہ لا یجزی نفعاً لمن ختم علی قلبہ والعیاذ اللہ'' ترجمہ: قرآن مجید کی یہ دس کامل آیات ہیں جن پر میں اکتفا کرتا ہوں اگرچہ علماء نے ان کے علاوہ چند دیگر آیات بھی ذکر کی ہیں جن سے انہوں نے عذاب قبر (قبر کی زندگی) پر استدلال کیا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہے۔ اس کو یہ دس آیات کافی ہیں ورنہ العیاذ باللہ جس کے دل پر مہر لگ چکی ہے اس کو تو پورا قرآن بھی نفع نہ دے گا۔ (احکام القرآن عربی ج ۴ ص ۸۴)

پس مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے قرآن مجید کی دس سے زائد آیات اور احادیث متواترہ سے عذاب قبر (حیات قبر) ثابت ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۳) میں چار آیات قرآنیہ سے عذاب قبر (حیات قبر) کو ثابت کیا ہے اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے (التذکرہ ص ۱۵۱، ۱۵۲) میں پانچ آیات قرآنیہ سے عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کو ثابت کیا ہے اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ الروح میں سات آیتوں سے عذاب قبر (حیات قبر) کو ثابت کیا ہے اور علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے (شرح فقہ اکبر ص ۱۰۱) میں تین آیات سے عذاب قبر یعنی حیات قبر کو ثابت کیا ہے۔

بہر حال یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کی آیات کثیرہ سے قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ قبر کی یہ زندگی میت کو جزا وسزا کے لئے دی جاتی ہے۔ اس لئے یہ زندگی بلا استثناء بشمول انبیاء تمام موتی کو حاصل ہوتی ہے۔ البتہ قبر کی یہ زندگی اور جزا وسزا کی یہ کارروائی ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ ''بل احیاء ولکن لا تشعرون'' یعنی شہداء عالم قبر میں زندہ ہیں۔ لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء قبر کی کارروائی کو غیب کی چیز بتاتے ہیں جس پر بن دیکھے ایمان لانا ضروری ہے۔ نیز واضح رہے کہ جن آیات بینات سے قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ انہی آیات بینات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قبر کی یہ زندگی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو حاصل ہوتی ہے اور قبر کی جزا وسزا میں روح اور جسد دونوں شریک ہوتے ہیں۔ چاہے جسد عنصری جس حالت میں بھی ہو۔ بہر حال وہ روح کے ساتھ قبر کی کارروائی میں شریک ہوتا ہے اور قانونی طور پر اس کو شریک بھی ہونا چاہئے۔ کیونکہ عالم دنیا (دار العمل) میں جسد عنصری روح کے ساتھ نیکی وبرائی میں شریک رہا اور قیامت کے دن اسی جسد عنصری کو قبروں سے اٹھا کر ایمان واعمال کے مطابق دوزخ یا بہشت میں بھیج کر جزا وسزا میں روح کا شریک بنایا جائے گا۔

لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ عالم قبر میں جسد عنصری جزاء وسزا میں روح کا شریک ہو اور قرآن وحدیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ جسد عنصری ہر عالم میں جزاء وسزا کے معاملہ میں روح کا شریک رہتا ہے۔ خواہ عالم دنیا ہو یا عالم قبر وبرزخ ہو یا عالم آخرت ہو۔ کسی عالم میں جسد عنصری کو جزاء وسزا سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ کتاب وسنت کے پورے ذخیرہ میں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ عالم قبر یا عالم آخرت کی جزاء وسزا میں جسد عنصری مستثنیٰ ہے۔

انتباہ! کسی کتاب میں روحانی جزاء وسزا یا روحانی زندگی کا لفظ دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑ جانا کیونکہ قبر کی زندگی کو روحانی حیات سے تعبیر کرنے سے اور اسی طرح عالم قبر کی کارروائی کو روحانی جزا وسزا سے تعبیر کرنے سے جسد عنصری کی نفی ہرگز ہرگز نہیں ہوتی ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عالم قبر میں روح ظاہر اور جسد مخفی ہوتا ہے۔ برخلاف عالم دنیا کے کہ اس عالم میں جسد ظاہر ہے اور روح مخفی ہے۔ اس لئے عالم قبر کی جزاء وسزا اوّلاً روح پر طاری ہوتی ہے اور روح کے واسطہ سے جسد عنصری بھی متاثر ہوتا ہے۔ جیسا کہ عالم دنیا میں جزا وسزا اوّلاً جسد پر طاری ہوتی ہے اور جسد کے واسطہ سے روح بھی متاثر ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی (کتاب الروح ص ۸۸، ۸۹) اور علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۶) کا مطالعہ کریں۔

پس جس طرح عالم دنیا کی سزا کو جسمانی اذیت کہا جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ صرف جسم متاثر ہوتا ہے اور روح کو تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جسم کے واسطہ سے روح بھی متاثر ہوئی۔ لیکن چونکہ جسم ظاہر اور روح مخفی ہے اس لئے اس کو جسمانی اذیت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر کی زندگی اور کارروائی کو روحانی حیات اور روحانی جزاء وسزا سے تعبیر کرنے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ روح کے واسطہ سے جسد عنصری بھی جزا سزا میں شریک ہے۔ چونکہ اس عالم میں روح ظاہر ہے۔ اسی لئے جزا وسزا کی نسبت روح کی طرف کر دی جاتی ہے۔ بہرحال حیات روحانی اور عذاب روحانی سے جسد عنصری کے شریک ہونے کی نفی ہرگز نہیں ہوتی، خوب سمجھ لیں۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ آپ جس کتاب میں حیات روحانی یا جزاء وسزا روحانی کی تعبیر پائیں گے تو آپ کو اسی کتاب میں یا اس کتاب کے مؤلف کی کسی دوسری کتاب میں روح اور جسد عنصری کے تعلق کا عقیدہ بھی ملے گا اور جسد عنصری کا روح کے ساتھ جزا وسزا میں شریک ہونے کا عقیدہ بھی ملے گا۔ ان شاء اللہ العزیز!

بندہ اپنے دعویٰ کا پھر اعادہ کرتا ہے کہ عالم اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی ایک ایسا عالم دین نہیں گزرا جس نے کہا یا لکھا ہو کہ عالم قبر کی کارروائی صرف اور صرف روح کے ساتھ ہوتی ہے اور جسد عنصری اس کارروائی میں بالکل شریک نہیں ہوتا۔ یعنی جسد عنصری کی نفی صاف لفظوں میں موجود ہو۔

ان شاء اللہ! آپ کو جزاء وسزا کے معاملہ میں جسد عنصری کی نفی کرنے والا کوئی آدمی اہل سنت والجماعت کے زمرہ سے نہیں ملے گا۔

اہل سنت والجماعت کا عالم دین جزاء وسزا کے لئے قبر کی زندگی کا کیسے انکار کر سکتا ہے۔ جب کہ قبر کی زندگی قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ پس اصول اربعہ میں سے اصول ثلاثہ سے ثابت ہونے والی مسلمہ حقیقت کا بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔ کلا وحاشا!

اب بندہ عاجز چند آیات قرآنیہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ جن سے قبر کی زندگی بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالم قبر میں ہونے والی جزاوسزا کی یہ کارروائی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر وارد ہوتی ہے۔ چاہے جسد عنصری جس حال میں بھی ہو۔ بہر حال وہ دکھ سکھ میں روح کا شریک ہوتا ہے۔ کیونکہ جسد عنصری کو جزاوسزا سے مستثنیٰ کر کے صرف روح کو جزاء وسزا کا مورد سمجھنا ظلم اور ناانصافی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات، پاک اور منزہ ہے۔ ''ان اللہ لیس بظلام للعبید۔ ان اللہ لا یظلم الناس شیئا''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات القرآن فی اثبات الشعور لاہل القبور

آیت نمبر ۱...... ''یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الاٰخرۃ ویضل اللہ الظالمین ویفعل اللہ ما یشاء'' ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا و آخرت میں مضبوط رکھتا اور ظالموں کو پھسلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا کرتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۷)

(ف) تمام مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور فی الآخرۃ سے مراد عالم قبر ہے۔ واضح رہے کہ نکیرین کے سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رہنے والے مومنین سے مراد روح اور جسد عنصری کا مجموعہ ہے۔ پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ عالم قبر میں امتحان لینے کے لئے ہر مردہ کو ایک خاص قسم کی حیات عطا کی جاتی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ سوالات کو سمجھتا ہے اور صحیح یا غلط جواب دیتا ہے۔ پھر صحیح جواب دینے والوں کی قبر کو جنت کا باغ بنا دیا جاتا ہے اور میت اپنے آپ کو جنت میں محسوس کرتی ہے اور غلط جواب دینے والوں کی قبر کو جہنم کا گڑھا بنا دیا جاتا ہے اور میت عذاب کو محسوس کرتا ہے اور یہ بھی آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم قبر کی یہ کارروائی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر طاری ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۲...... ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون'' ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں۔ ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کرسکتے۔ (بقرہ: ۵۰)

۳...... ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون'' ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق ملتا ہے۔ (آل عمران: ۶۹)

بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق ملتا ہے۔

(ف) ان دونوں آیتوں میں واضح الفاظ میں مقتولین فی سبیل اللہ کو زندہ کہا گیا ہے اور یہی عالم قبر کی زندگی ہے۔ چونکہ مقتول روح اور جسد عنصری کا مجموعہ ہے لہٰذا یہ حیات بھی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو حاصل ہے۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے۔ جو قتل ہوئے وہی زندہ ہیں اور ظاہری طور پر قتل کا فعل جسد پر وارد ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جسد عنصری کی حیات کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے اور ''ولکن لا تشعرون'' بھی جسد عنصری کی حیات پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ جسد عنصری کی حیات ہمارے حواس سے بالاتر ہے اور اہل اشاعت

حیات شہداء کی جو تشریح کرتے ہیں کہ ان کی ارواح کو سبز رنگ کے پرندوں میں رکھ کر ان کو جنت میں بھیج دیا گیا ہے۔ اب وہ جنت میں رہتے ہیں۔ کھاتے ہیں پیتے ہیں اور سیر وسیاحت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس حیات پر ''ولکن لا تشعرون'' صادق نہیں آتا۔ کیونکہ یہ حیات تو شعور میں آنے والی ہے اور قرآن ایسی حیات بیان کرتا ہے جو شعور میں آنے والی نہیں ہے اور وہ جسد عنصری کی حیات ہے۔

باقی رہی حدیث طیور خضر جس سے اہل اشاعت استدلال کرتے ہیں تو یہ حدیث مذکورہ بالا آیات کی تشریح اور تفسیر تو بن سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے ناسخ کسی صورت میں بھی نہیں بن سکتی اور تشریح کی صورت یہ ہے کہ حیات شہداء کے دو پہلو ہیں۔ ایک حیات جسمانی کا پہلو اور ایک حیات روحانی کا پہلو۔ حیات جسمانی کے پہلو کو قرآن مجید میں نمایاں کر کے بیان کیا گیا اور حیات روحانی کے پہلو کو حدیث میں نمایاں طور پر بیان کیا گیا۔ پس قرآن وحدیث کے مجموعہ سے مقتولین فی سبیل اللہ کے روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کی حیات ثابت ہوئی۔ اگر بالفرض بقول اہل اشاعت حدیث طیور خضر کو لے کر صرف اور صرف حیات روحانی کا عقیدہ قائم کر کے حیات جسمانی کا بالکل انکار کر دیا جائے تو یہ حدیث مذکورہ بالا دونوں آیتوں کی ناسخ بن جائے گی۔ کیونکہ آیات میں مقتول فی سبیل اللہ کو زندہ کہہ کر حیات جسمانی کو نمایاں طور بیان کیا گیا ہے۔ اب اگر ہم شہداء کی حیات جسمانی کا یکسر انکار کر دیں تو حدیث طیور خضر آیات مذکورہ کے لئے ناسخ قرار پائے گی۔ حالانکہ حدیث طیور میں آیات قرآنیہ کی ناسخ بننے کی قطعاً طاقت نہیں ہے۔

توضیح کے لئے ایک مثال

بندہ عاجز نے جو یہ عرض کیا ہے کہ قرآن مجید سے جو حیات جسمانی نمایاں طور پر ثابت ہوتی ہے تو وہ برحق اور واجب التسلیم ہے اور حدیث پاک سے جو حیات روحانی ثابت ہوتی ہے وہ بھی برحق اور واجب التسلیم ہے۔ قرآن وحدیث دونوں اپنے مقام پر سچے ہیں۔ ان میں کسی قسم کا تعارض اور تضاد نہیں ہے اور نہ ہی کسی ایک کی نفی کی ضرورت ہے۔ اب اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ایک مثال آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اشاد فرماتے ہیں: ''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا'' (احزاب: ۳۳) آیت مذکورہ میں اہل بیت سے مراد، حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں اور ان ہی کو قرآن میں اہل بیت کہا گیا ہے۔ کیونکہ پیچھے سلسلہ کلام میں وہی مخاطب ہیں اور ''ینساء النبی'' میں بھی انہی کو خطاب کیا گیا ہے۔

لیکن (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۸) میں بحوالہ مسلم شریف سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وسیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم پر اپنی چادر مبارک ڈال کر فرمایا ''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا'' اور دوسری روایت میں ہے ''اللھم ھؤلاء اھل بیتی'' ادھر قرآن مجید میں تو اہل بیت، ازواج مطہرات کو کہا گیا اور ادھر حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات حسنین کریمین اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم اہل بیت ہیں۔ لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اور نہ ہی کسی ایک کو لے کر دوسرے کی نفی کرنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث دونوں سچے اور برحق ہیں۔ یعنی ازواج مطہرات بھی اہل بیت ہیں اور حسنین کریمین اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت ہیں۔ البتہ ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا قرآن سے ثابت ہے اور ان حضرات کا اہل بیت ہونا حدیث سے ثابت ہے۔

لہٰذا اہل سنت والجماعت کے نزدیک قرآن وحدیث کے مجموعہ سے دونوں کا اہل بیت ہونا ثابت ہے۔ لیکن رافضی حدیث تطہیر کو لے کر آیت تطہیر کا انکار کرتے ہیں۔ بعینہ مسئلہ حیات میں قرآن وحدیث کے مجموعہ سے روح وجسد عنصری کے مجموعہ کی حیات ثابت ہے اور یہی طریقہ اہل سنت والجماعت کا ہے اور حدیث طیور خضر کو لے کر مقتول فی سبیل اللہ کی حیات کا انکار کر دینا رافضیوں کا طریقہ کار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک!

حدیث طیور خضر کا مطلب

(مسلم ج ۱ ص ۱۳۵) میں جو یہ حدیث مروی ہے کہ شہداء کے روح سبز رنگ کے پرندوں کے جوف میں ہیں اور وہ جنت میں سیر وسیاحت کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کرام سے انسانی شکل وصورت چھین لی ہے اور اب سبز رنگ کے پرندوں کے روپ میں ہیں۔ کیونکہ شکل انسانی تمام شکلوں سے افضل واعلیٰ اور برتر ہے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے ''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم'' اور ''ولقد کرمنا بنی آدم'' میں بھی یہی کچھ بتایا گیا ہے اور انسان ہی اشرف المخلوقات ہے۔ لہٰذا شکل انسانی کو مسخ کر کے ان کو پرندوں کی شکل دینا شہداء کرام کا اکرام نہیں ہے۔

بلکہ اس سے تو عقیدہ تناسخ کی تائید ہوتی ہے جب کہ اسلام کی رو سے عقیدہ تناسخ باطل ہے۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کرام کے ارواح کو جنت میں سیر وسیاحت کے لئے جو سواریاں عطا فرماتے ہیں ان کی شکل سبز رنگ کے پرندوں کی ہوتی ہے جیسا کہ عالم دنیا میں ہمارے حجاج کرام جن ہوائی جہازوں میں سوار ہو کر حج کو جاتے ہیں۔ ان کی شکل مچھلی کی ہوتی ہے اور مچھلی کی شکل والے جہاز میں بیٹھنے والا حاجی صاحب مچھلی نہیں بن جاتا۔ بلکہ وہ بصورت انسان اس میں سوار ہوتا ہے۔ البتہ اس کی سواری، ہوائی جہاز مچھلی کی شکل کی ہے۔ بعینہ اسی طرح ارواح شہداء کرام اپنی انسانی شکل وصورت میں جنت کے ایسے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر سیر وسیاحت کرتے ہیں۔ جن کی شکل سبز رنگ کے پرندوں کی ہے۔

ذہن میں پیدا ہونے والی ایک الجھن کا ازالہ

حدیث طیور خضر کا جب مطلب واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ شہداء کرام کو سبز رنگ کے پرندوں کی شکل کے ہوائی جہاز سیر وسیاحت کے لئے عطا فرماتے ہیں۔ جن میں وہ بصورت انسان بیٹھ کر جنت کی سیر کرتے ہیں اور جنت کے باغات کے پھل فروٹ کھاتے ہیں اور چشموں کا پانی پیتے ہیں اور خوشحال رہتے ہیں تو اس حدیث سے ان کا جنت میں رہنا ثابت ہوتا ہے اور ادھر آیات قرآنیہ مذکورہ بالا سے ان کی قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ پس جنت کی سیر وسیاحت اور قبر کی زندگی بیک وقت کیسے تصور کی جاسکتی ہیں؟ تو اس الجھن اور اس قسم کی عذاب قبر کے متعلق پیدا ہونے والی تمام الجھنوں کا اصولی جواب تو یہ ہے کہ عالم قبر ایک الگ جہان ہے۔ جس کے حالات وکوائف عالم دنیا سے مختلف ہیں۔ جیسے کہ عالم آخرت ایک اور جہان ہے اور اس کے حالات وکوائف ان دونوں جہانوں سے مختلف ہیں۔ لہٰذا ایک عالم کے حالات کو کسی دوسرے عالم پر قیاس کرنا خود غلط ہے اور عذاب قبر کے متعلق تمام تر شبہات اس بنیادی اور اصولی غلطی پر مبنی ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے عالم قبر کی ساری کارروائی کو قرآن وحدیث کے فرمودات کے مطابق من وعن تسلیم کرنا ضروری ہے اور یہی ایمان بالغیب کی حقیقت ہے۔ اس

قسم کے موقع ومحاذ پر قرآن وحدیث کی بیان کردہ حقیقت کو اوّلیت دے کر عقل کو اس کے تابع کر دینا ایک مسلمان کا نصب العین ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے قبر کی زندگی اور کارروائی کی وضاحت فرمادی ہے تو اس پر بھی اعتقاد ضروری ہے اور اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے ارواح کے لئے جنت کی سیر وسیاحت بیان فرمائی ہے تو وہ بھی برحق ہے۔ دونوں چیزیں صحیح ہیں۔

کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت سے باہر نہیں ہے۔ عقلی شبہات سے مرعوب ہو کر قبر کی کارروائی کا انکار کر دینا یا پھر ''ناروا'' تاویلات کے ذریعہ ایک شرعی حقیقت کی اصلی صورت کو مسخ کر دینا کوئی دانشمندانہ اقدام نہیں ہے بلکہ الحاد اور زندقہ کا ایک چور دروازہ ہے۔ یقین جانئے کہ عقلی شبہات سے ڈر کر کتاب وسنت کی بیان کردہ عذاب قبر کی اصلی صورت کو ناجائز تاویلوں کے ذریعہ مسخ کر دینے سے نہ تو اشاعت توحید ہوگی اور نہ ہی اشاعت سنت ہوگی۔ بلکہ اس طریقہ واردات سے تو اشاعۃ الالحاد والضلالۃ ہی ہوگی۔ لہٰذا عامۃ المسلمین کو قبر وآخرۃ کو من وعن بلا کسی ناروا تاویل کے تسلیم کرنا چاہئے اور شبہات سے ڈرنا بھی نہیں چاہئے اور شبہات میں پڑنا بھی نہیں چاہئے اور عقل کو شریعت کے تابع رکھنا چاہئے۔

اگر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میت کے پاس نکیرین آتے ہیں اور اس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور تین سوال کرتے ہیں۔ اگر مردہ صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کی قبر کو جنت کا باغ بنا دیا جاتا ہے اور مردہ قیامت تک آرام وسکون میں رہتا ہے اور اگر مردہ صحیح جواب نہیں دیتا تو اس کی قبر کو جہنم کا گڑھا بنا دیا جاتا ہے اور وہ قیامت تک عذاب اور تکلیف میں رہتا ہے تو نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان سچ اور حقیقت ہے۔

اسی طرح اگر حضور اکرم ﷺ نے روح کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ جنت کی سیر وسیاحت کرتا ہے اور وہاں کے پھل فروٹ کھاتا ہے تو وہ بھی سچ اور حقیقت ہے۔ ان میں سے نہ تو کسی ایک کا انکار کرنا ہے اور نہ ہی کسی کی ناجائز تاویل سے شکل وصورت مسخ کرنی ہے۔ اس عالم کی جو کارروائی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ نے بتائی ہے اور جس طرح بتائی ہے وہ سب کی سب برحق اور صحیح ہے نہ عقل سلیم کے خلاف ہے اور نہ ہی اس کی قدرت اور قانون سے بعید ہے اور ایک مجرم کو چاہے وہ جس حالت میں بھی ہے سزا دینا اللہ تعالیٰ کا قانون بھی ہے اور اس کی قدرت بھی۔

بعض لوگ قانون وقدرت کو دو متضاد حقیقتیں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ حضرت انسان (روح اور جسد کا مجموعہ) نیک ہے یا بد ہے اور اس نیک یا بد انسان کو عالم قبر میں جزا وسزا دینا اللہ تعالیٰ کے قانون عدل کا عین تقاضا اور قدرت الٰہی کا مظہر ہے۔

تو میں عرض کر رہا ہوں کہ احوط واسلم اور محفوظ راستہ یہ ہے کہ عقلی شبہات اور اشکالات کو پس پشت ڈال کر عالم قبر کی تمام کارروائیوں کو تسلیم کر کے خاموش ہو جانا چاہئے۔ لیکن بدقسمتی سے مخالفین اسلام کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ کتاب وسنت کے بیان کردہ حقائق کو شکوک وشبہات اور اشکالات ووساوس کے ذریعہ رد کرنے کی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں اور علماء اسلام بھی ہمیشہ سے ان کے تمام شبہات ووساوس کا دلائل وبراہین سے قلع قمع کرتے آرہے ہیں۔ ''فجزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ وتقبل اللہ مساعیھم الجمیلہ فی احقاق الحق وابطال الباطل''

یہ بات بلاخوف تردید کہی جارہی ہے کہ عقائد اسلامیہ میں شکوک وشبہات پیدا کر کے ان کا انکار کر دینا

ہمیشہ سے کافروں مشرکوں، ملحدوں اور دشمنان اسلام کا وطیرہ رہا ہے۔ عقیدہ قیامت (البعث بعدالموت) میں شبہات پیدا کرنے والے یہی کافر، ترازو اعمال میں شبہات پیدا کرنے والے یہی کافر، پل صراط میں شک کرنے والے یہی کافر، حضور اکرم ﷺ کے معراج جسمانی میں شبہات پیدا کرنے والے یہی کافر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے میں شک کرنے والے یہی کافر، ان کے رفع جسمانی الی السماء ثم نزول الی الارض میں شبہات اٹھانے والے یہی کافر، معجزات کو خلاف عقل کہہ کر انکار کرنے والے یہی کافر۔

اسی طرح قبر کی زندگی اور کارروائی میں شکوک وشبہات پیدا کر کے انکار کرنے والے یہی ملحد و کافر، عہد اوّل سے مسلمان تو ان حقائق کو بلا چون و چرا تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں اور کسی مسلمان کے دل میں عقائد اسلامیہ کے متعلق ایسے شکوک وشبہات کبھی پیدا نہیں ہوئے۔ جن کی وجہ سے کسی عقیدہ صحیحہ ثابتہ کی تکذیب یا تحریف کی نوبت آجائے۔ کیونکہ مسلمان تو ہوتا بھی وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی زبان پر پورا پورا اعتماد اور یقین ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں قبر کی جزا وسزا بیان کی گئی ہے اور حضور اکرم ﷺ نے بڑی وضاحت اور تفصیل سے عالم قبر کی کارروائی کو بیان فرمایا۔ لیکن مجال ہے کہ کسی صحابہ رسول ﷺ کے دل میں شکوک وشبہات ابھرے ہوں اور تکذیب یا تحریف تک نوبت پہنچی ہو۔ کلا وحاشا وہاں تو تسلیم کی ایک ایسی فضا بن چکی تھی کہ وہ حضرات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بیان کردہ بات کے متعلق سوائے آمنا وصدقنا کے کسی کو جانتے بھی نہیں تھے۔

ان کو اپنے دیکھے اور سنے پر اتنا اعتماد نہیں تھا جتنا ان کو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی زبان پر اعتماد تھا۔ لیکن یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ کسی سچے عقیدہ کو تسلیم کرتے ہوئے اطمینان مزید حاصل کرنے کے لئے سوال کرنا اور بات ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تھا ''رب ارنی کیف تحی الموتی'' اور کسی سچے عقیدہ کو رد کرنے کی خاطر اس میں شبہات پیدا کرنا بالکل اور چیز ہے اور یہی دوسرا طریقہ ملحدوں اور زندیقوں کا ہے۔ خیر تو میں عرض کر رہا تھا کہ ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ قبر کی زندگی کو اور اس ساری کارروائی کو حضور اکرم ﷺ کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق تسلیم کرے۔ نہ خود شبہات میں پڑے اور نہ کسی کو شبہات میں ڈالے۔ لیکن بعض اوقات انہی ملاحدہ وزنادقہ کے شبہات سے ایک سادہ لوح آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔

عالم قبر اور عالم خواب

اسی لئے علماء اہل سنت والجماعت نے ان بے دینوں کے تمام شبہات کے مدلل، مسکت اور دندان شکن جواب تحریر فرمائے ہیں اور مذکورہ بالا ذہنی الجھن کہ مقتول فی سبیل اللہ قبر میں زندہ رہتے ہوئے بصورت انسانی جنت کی سیر وسیاحت کیسے کرتا ہے اور اس قسم کی عالم قبر کے متعلق پیدا ہونے والی دیگر تمام الجھنوں کو دور کرنے کے لئے اکابر علماء حق نے عالم خواب میں غور وفکر کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ کیونکہ عالم قبر عالم خواب کے مشابہ ہے اور عالم خواب سے آدمی کا روزمرہ کا واسطہ ہے۔ بلکہ عالم خواب آدمی کا مشاہدہ ہے اور عالم قبر میں آدمی پر طاری ہونے والے حالات عالم خواب کے حالات سے کچھ نہ کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے ''النوم اخت الموت'' اور عالم خواب میں غور وفکر کرنے سے قبر کی زندگی انسانی ذہن کے قریب تر ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جب آدمی سوتا ہے اور عالم خواب میں چلا جاتا ہے تو اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ''والتی لم تمت فی منامھا'' سے معلوم ہوتا ہے۔ پس جب آدمی عالم خواب میں ہوتا ہے تو اس کا جسد عنصری بے حس وحرکت چارپائی پر پڑا ہوتا ہے اور اس کے جسم کی مشینری معطل ہوتی ہے۔ اہل دنیا کی نظر میں اس کی آنکھیں بند ہیں، زبان خاموش ہے اور ہاتھ پاؤں وغیرہ ساکن ہیں اور ادھر روح جسد عنصری سے نکل کر عالم خواب میں مختلف مقامات کی سیر وسیاحت میں مصروف ہے اور اس عالم میں روح اپنے آپ کو مجرد محسوس نہیں کرتی بلکہ وہ اسی جسد عنصری کو اپنے ہمراہ محسوس کرتی ہے۔

یعنی عالم خواب میں روح، جسد عنصری کی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ اسی کے کانوں سے سنتی ہے اور اسی کی زبان سے بولتی ہے اور اسی کے پاؤں سے چلتی ہے اور اسی کے ہاتھ سے پکڑتی ہے اور خود اسی جسد عنصری کی پوری مشینری کو اپنے ہمراہ سمجھتی ہے اور عالم خواب میں روح پر دکھ سکھ سے جو حالات طاری ہوتے ہیں۔ ان سب کے اثرات چارپائی پر پڑے ہوئے جسد تک پہنچتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات سویا آدمی رونے لگتا ہے یا پھر ہنسنے لگتا ہے اور کبھی کانپ اٹھتا ہے۔ پس جس طرح عالم خواب میں سونے والے آدمی کا جسد عنصری چارپائی پر پرسکون پڑے رہنے کے باوجود روح کے ہمراہ شریک کار بھی ہے اور مصروف عمل بھی ہے اور مختلف مقامات کی سیاحت میں مشغول بھی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح شہداء کرام کے اجساد عنصریہ قبر میں رہتے ہوئے جنت کی سیر وسیاحت میں ارواح کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور جس طرح عالم خواب میں روح پر رنج وراحت کے جو حالات طاری ہوتے ہیں۔ ان سے آدمی کا جسم برابر متاثر ہوتا ہے اسی طرح عالم قبر میں روح پر دکھ سکھ کے جو حالات طاری ہوتے ہیں جسد عنصری ان سے برابر متاثر ہوتا ہے اور جس طرح عالم خواب کی کارروائی اہل دنیا کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔ حتی کہ خواب دیکھنے والے کے پاس بیٹھنے والا بھی عالم خواب کی کارروائی کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح عالم قبر کی کارروائی بھی دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔

ملحدین کے شکوک وشبہات کے ازالہ کے لئے اور عالم قبر کی زندگی اور کارروائی کو اذہان کے قریب کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اکابر علماء نے اپنی اپنی تصانیف میں خواب کی مثال دی ہے تاکہ لوگوں کو یہ بات سمجھنا آسان ہوجائے کہ عالم قبر کی ساری کارروائی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر کس طرح وارد ہوتی ہے۔

۱..... حجۃ الاسلام الامام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۵۰۱)

۲..... علامہ ابن قیم جوزی (کتاب الروح ص ۸۹،۸۸)

۳..... امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴)

۴..... مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (احکام القرآن ج ۴ ص ۱۰۵، معارف القرآن ج ۵ ص ۲۳۷)

۵..... الامام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح مسلم (ج ۲ ص ۳۸۶)

۶..... حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھنوی (معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۸۸)

سلف صالحین پر اعتماد کرنے والوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے تو انہی اکابرین امت کا نام کافی ہے کہ یہ حضرات عالم قبر کی جزا وسزا میں جسد عنصری کو روح کا شریک تسلیم کر کے عالم خواب کی مثال دے کر

عقیدہ حیات قبر کو اقرب الی الفہم کر رہے ہیں۔ لیکن جو شخص سلف صالحین کے راستہ سے ہٹ کر ''یتبع غیر سبیل المؤمنین'' کا مصداق بننا چاہتا ہے وہ جانے اور اس کا کام۔

آیت نمبر ۴...... ''قیل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون۔ بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین'' ترجمہ: ارشاد ہوا کہ جنت میں ہو کہنے لگا کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔ (یٰسین: ۲۷)

(ف) بستی انطا کیہ کا رہنے والا حبیب نجار جب تبلیغی جماعت کی نصرت کرنے کے لئے آیا تو بستی والوں نے اس کو پتھر مار کر یا گلا گھونٹ کر یا آگ میں جلا کر شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں جانے کا حکم دیا۔ یعنی اس کی قبر کو جنت کا باغ بنا دیا گیا اور اس برزخی جنت میں حبیب شہید نے جو بات کہی اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن مجید میں نقل کیا۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۳۵۷ ملخصا) شہید ہو جانے کے بعد اس شخص نے اپنی قبر یعنی برزخی جنت سے جو بات کہی وہ قرآن کریم میں منقول ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ شخص قبر میں زندہ ہے اور اس کی یہ زندگی ہمارے فہم و شعور سے بالاتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس شخص کی زندگی کی اطلاع دی ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور قبر کی یہ زندگی اس شخص کے روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو حاصل ہے۔ کیونکہ عالم قبر میں اس شخص نے ایک بات کہی ہے اور بات کرنے کے لئے زبان کی ضرورت اور زبان جسد کا آلہ ہے۔ پس جب ثابت ہو گیا کہ ''یلیت قومی یعلمون'' والا جملہ روح اور جسد دونوں سے صادر ہوا تو حیات برزخی بھی روح اور جسد دونوں کے لئے ثابت ہو گئی۔

نیز: ''قال یلیت قومی یعلمون'' میں قال کا فاعل ہو ضمیر ہے جو کہ پیچھے رجل کی طرف راجع ہے۔ یعنی ''جاء من اقصا المدینة رجل یسعٰی'' اور رجل کا اطلاق روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ''یلیت قومی یعلمون'' روح اور جسد کے مجموعہ کا مقولہ ہے۔

لہٰذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ اس شخص کو عالم قبر میں جو حیات حاصل ہوئی ہے وہ روح اور جسد دونوں کے مجموعہ کو حاصل ہے۔

آیت نمبر ۵...... ''من عمل صالحاً من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیاة طیبة ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون'' ترجمہ: جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔ (النحل: ۹۷)

(ف) اس آیت میں جمہور مفسرین کے نزدیک حیات طیبہ سے مراد دنیا کی پاکیزہ اور بالطف زندگی ہے اور بعض ائمہ تفسیر نے اس سے آخرت کی زندگی مراد لی ہے۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۳۸۶)

اور بعض دیگر مفسرین نے حیات طیبہ سے قبر کی زندگی مراد لی ہے۔ دیکھئے

(تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۴۲، تفسیر عثمانی ص ۳۶۸، حاشیہ جلالین ص ۲۲۵)

شیخ الحدیث علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات طیبہ سے تینوں عالموں (دنیا، آخرت، قبر) کی زندگی مراد ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ بہرحال مومن قانت کی پاک اور مزہ دار زندگی

یہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔ قبر میں پہنچ کر اس کا رنگ اور زیادہ نکھر جاتا ہے۔ آخر انتہاء اس حیات طیبہ پر ہوتی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے ''حیات بلا موت وغنی بلافقر وصحة بلا سقم وملک بلاھلک وسعادة بلاشقاوة'' (تفسیر عثمانی ص ۳۶۸)

الحمدللہ ثم الحمدللہ! کہ اس آیت طیبہ سے عالم قبر سمیت ہر عالم کی حیات طیبہ صالحین کے لئے ثابت ہوگئی نیز اس آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حیات طیبہ روح اور جسد عنصری دونوں کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ ''من عمل صالحا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیات طیبہ عمل صالح کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اور عمل صالح کرنے میں جسد روح کا شریک کار ہوتا ہے۔ لہٰذا حیات طیبہ میں بھی جسد روح کا شریک ہے۔ نیز ''من ذکر او انثی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات طیبہ صالحین کی دونوں صنفوں یعنی مرد و عورت دونوں کو حاصل ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ''ذکر او انثی'' کا اطلاق روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا قبر کی یہ پاکیزہ زندگی روح اور جسد دونوں کے لئے ثابت ہوئی۔

آیت نمبر ۶ ...... ''الذین تتوفھم الملائکة طیبین یقولون سلم علیکم ادخلوا الجنة بما کنتم تعلمون''

ترجمہ: جن کی روح فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں وہ کہتے جاتے ہیں۔ السلام علیکم تم جنت میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب۔ (النحل: ۳۲)

(ف) اکثر مفسرین کے نزدیک ''ادخلوا الجنة'' کا حکم قیامت کے دن ہوگا اور بعض مفسرین کے نزدیک پاکیزہ زندگی گزارنے والوں کو مرنے کے بعد فوراً یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ بایں صورت کہ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے ''ویجوز ان یومر بالدخول حین توفی علی ان القبور روضة من ریاض الجنة'' (منقول از حاشیہ جلالین ص ۲۱۸) یعنی یہ جائز ہے کہ اس کو مرتے وقت جنت میں داخل ہونے کا حکم دے دیا جائے۔ کیونکہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے ''کما جاء فی الحدیث'' اس تفسیر کے مطابق یہ آیت قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ کیونکہ طیبین یعنی پاکیزہ زندگی گزارنے والوں سے مراد روح اور جسد کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا فرشتوں کا یہ سلام اور مرنے کے بعد جنت کا داخلہ بھی دونوں کو نصیب ہوگا۔ اس آیت کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (احکام القرآن ج ۴ ص ۸۴) میں قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔

آیت نمبر ۷ ...... ''فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنت نعیم واما ان کان من اصحاب الیمین فسلٰم لک من اصحٰب الیمین واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم وتصلیة جحیم ان ھذا لھو حق الیقین'' (الواقعہ: ۸۸ تا ۹۵) ترجمہ: پھر جو شخص مقربین میں سے ہوگا اس کے لئے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا تو اس سے کہا جاوے گا کہ تیرے لئے امن وامان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے اور جو شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا بے شک یہ تحقیقی یقینی بات ہے۔

(ف) اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اگر مرنے والا مقربین سے ہو تو اس کو بوقت موت جنت کی اور اس کی عیش وعشرت کی اور راحت و آرام کی خوشخبری سنائی جاتی ہے اور اگر مرنے والا اصحاب الیمین سے ہو تو اس کو سلامتی اور امن وامان کا پیغام دیا جاتا ہے اور اگر مرنے والا کافر ہے تو اس کو دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کی

خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد فوراً جزا و سزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد والی جزا و سزا میں روح اور جسد دونوں شریک ہوتے ہیں۔ کیونکہ مقربین اصحاب الیمین اور مکذبین سے مراد روح اور جسد کا مجموعہ ہے۔

آیت نمبر ۸...... ''ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الّا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون'' ترجمہ: جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ ہم تمہارے رفیق تھے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے اس میں جس چیز کو جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔ (حم السجدہ: ۳۰ تا ۳۱)

(ف) مفسرین کرام کے نزدیک یہ آیت قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فرشتوں کا نزول اور وہ خطاب جو اس آیت میں آیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ موت کے وقت ہوگا اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ محشر میں قبروں سے نکلنے کا وقت ہوگا اور وکیع بن جراح نے فرمایا کہ تین وقتوں میں ہوگا۔ اوّل موت کے وقت پھر قبروں کے اندر، پھر محشر میں قبروں سے اٹھنے کے وقت۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۶۵۱)

امام محی السنہ ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی فرماتے ہیں ''قال وکیع بن جراح البشری تکون فی ثلاث مواطن عندالموت وفی القبور وعندالبعث'' یعنی وکیع بن جراح فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں جو خوشخبری ذکر کی گئی وہ تین مقام پر دی جاتی ہے۔ موت کے وقت اور قبر میں اور قبر سے اٹھتے وقت (تفسیر معالم التنزیل المعروف بغوی ج ۴ ص ۱۱۴) اور یہی کچھ تفسیر مظہری میں لکھا ہوا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۹۳)

اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت پر حاشیہ لکھتے ہیں۔ ایسے مستقیم الحال بندوں پر موت کے قریب اور قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد قبروں سے اٹھنے کے وقت اللہ کے فرشتے اترتے ہیں جو تسکین و تسلی دیتے اور جنت کی بشارتیں سناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اب تم کو ڈرنے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں رہا۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۳۸)

اور علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وقال زید ابن اسلم یبشرونہ عند موتہ وفی قبرہ وحین یبعث رواہ ابن ابی حاتم وھذا القول یجمع الاقوال کلھا وھو حسن جدا وھو الواقع'' ترجمہ: زید ابن اسلم فرماتے ہیں کہ ملائکہ مستقیم الحال لوگوں کو موت کے وقت اور قبر میں قبر سے اٹھتے وقت خوشخبریاں سناتے ہیں اور یہ تفسیر تمام اقوال کو جامع ہے اور بہت ہی اچھی تفسیر ہے اور واقع اور حقیقت کے مطابق ہے۔ (ابن کثیر ج ۴ ص ۹۹)

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آیت مذکورہ کو قبر کی زندگی اور قبر کی جزا و سزا کی دلیل قرار دیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۵ ص ۸۵)

الحمدللہ مفسرین کرام کے اقوال سے ثابت ہوگیا کہ یہ آیت قبر کی زندگی اور جزا کی دلیل ہے اور یہ بھی اسی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جزا اور حیات روح اور جسد دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ ربنا اللہ کہنے والے اور پھر اس حالت پر استقامت پکڑنے والے روح اور جسد دونوں ہیں۔

آیت نمبر ۹...... ''ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون'' ترجمہ: جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے سوان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (الاحقاف: ۱۳)

(ف) سابقہ آیت کی طرح اس آیت میں بھی مستقیم الحال لوگوں کو عالم دنیا عالم برزخ وقبر اور عالم آخرت تینوں جہانوں میں بے خوف وخطر رہنے کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ آیت بھی قبر کی جزا اور زندگی کی دلیل ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''فلا خوف علیھم بعد الموت عن طوق مکروہ'' (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۴۰۲) یعنی موت کے بعد عالم قبر اور عالم آخرت میں استقامت اختیار کرنے والوں کو بے خوف وخطر ہونے کا مژدہ سنایا جاتا ہے اور جلالین کے حاشیہ پر تفسیر صاوی کے حوالہ سے بھی یہی لکھا ہے کہ موت کے وقت سے لے کر ''الی ما لا نھایۃ'' تک کے لئے مستقیم الحال لوگوں کو امن وامان کا پیغام دے دیا جاتا ہے۔ (حاشیہ جلالین ص ۴۱۷)

آیت نمبر ۱۰...... ''یاایتھاالنفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی'' ترجمہ: اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں۔ (الفجر: ۲۸ تا ۳۰)

(ف) اس آیت میں نفس مطمئنہ کو جو خطاب کیا گیا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ قیامت کے دن ہوگا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ موت کے وقت ہوگا اور بعض دوسرے مفسرین نے ان دونوں اقوال کو جمع کر کے فرمایا کہ یہ خطاب موت کے وقت بھی ہوگا اور قیامت کے دن میں بھی ہوگا کیونکہ ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ دونوں مقاموں پر خطاب ممکن ہے۔ حوالہ کے لئے مندرجہ ذیل تفسیر اور کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔ (تفسیر بغوی ج ۴ ص ۳۸۶، ۳۸۷، تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۶۲، ۲۶۳، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۱۰، ۵۱۱، تفسیر جلالین ص ۴۹۹، تفسیر عثمانی ص ۷۹۱، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحب ج ۸ ص ۷۴۵، حاشیہ تفسیر معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ص ۵۶۳، کتاب الروح از علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۰۷)

مفسرین کرام نے اپنی اپنی تفسیروں میں احادیث اور واقعات سے قبر کی زندگی اور راحت وآرام کو اس مقام میں ثابت کیا ہے۔ اہل علم مندرجہ بالا تفسیروں کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا۔ پس جب ثابت ہوگیا کہ یہ خطاب موت کے وقت بھی مرنے والے کو کیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد فوراً جزا وسزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور مردے کا جزا وسزا پانا اس کی زندگی کی دلیل ہے۔ فافہم!

آیت نمبر ۱۱...... ''حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت کلا۔ انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون'' (مؤمنون: ۹۹ تا ۱۰۰) ترجمہ: یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر واپس بھیج دیجئے تا کہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے جس کو یہ کہے جارہا ہے اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔

(ف) تمام مفسرین کرام نے آیات مذکورہ بالا کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بوقت موت ہر مرنے والے کو اپنا ٹھکانا دوزخ یا بہشت دکھایا جاتا ہے اور قبر میں پیش آنے والے دکھ یا سکھ کے حالات اور نمونے بھی اس کو دکھائے جاتے ہیں اور عالم برزخ کی چیزیں اس کو اس وقت نظر آنے لگتی ہیں۔

پس کافر اور مجرم آئندہ پیش آنے والے حالت کو دیکھ کر گھبرا اٹھتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تا کہ میں نیک عمل کر کے عالم برزخ کی سزا سے بچ جاؤں۔لیکن اس کو مہلت نہیں دی جاتی۔ بلکہ موت کے فوراً بعد جزا وسزا کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے۔پس ان آیات سے ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد فوراً سزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اسی سزا کو شریعت کی اصطلاح میں عذاب قبر۔ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ وہ قائلھا میں واپسی کی درخواست کرنے والا روح اور جسد کا مجموعہ ہوتا ہے۔لہٰذا مرنے کے بعد سزا بھی روح اور جسد کے مجموعہ کو دی جاتی ہے۔

آپ جس تفسیر میں بھی چاہیں اس آیت کا مطلب دیکھ لیں وہی کچھ آپ کو ملے گا جو کچھ بندہ عاجز نے لکھا ہے۔

آیت نمبر ۱۲...... ''النار یعرضون علیھا غدوا وعشیاً ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب'' ترجمہ: وہ لوگ صبح وشام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی فرعون والوں کو نہایت سخت آگ میں داخل کرو۔ (مومن:۴۶)

(ف) مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے یعنی عالم قبر و برزخ میں آل فرعون کو آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جب قیامت قائم ہوگی تو آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کر دیا جاےٗ گا۔موت کے بعد اور قیامت سے پہلے میت کو جو عذاب دیا جاتا ہے اس کو عذاب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سی لئے تمام مفسرین کرام نے اس آیت کو عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔

نیز: اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ عذاب اور سزا روح اور جسد دونوں کو دی جاتی ہے۔کیونکہ آل فرعون سے مراد ارواح مجردہ نہیں ہیں بلکہ روح اور جسد کا مجموعہ مراد ہے۔دراصل قرآن مجید میں آل فرعون پر تین عذابوں کے وارد ہونے کا ذکر ہے۔

۱...... ''اغرقنا آل فرعون'' یعنی ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ عذاب عالم دنیا کا ہے۔

۲...... ''النار یعرضون علیھا'' یعنی آل فرعون آگ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ عذاب عالم قبر و برزخ کا ہے۔

۳...... ''یوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب'' یعنی حکم ہوگا کہ قیامت کے دن آل فرعون کو نہایت سخت عذاب میں داخل کر دو یہ عالم آخرت کا عذاب ہے۔

اور ان تینوں عذابوں میں اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ عالم دنیا میں آل فرعون روح اور جسد سمیت پانی میں غرق ہوئے اور قیامت کے دن بھی آل فرعون روح اور جسد سمیت نار جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔اسی اصول کے تحت عالم قبر و برزخ میں بھی روح اور جسد سمیت آل فرعون پر آگ پیش کی جاتی ہے۔پس ثابت ہوا کہ یہ آیت بھی قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ کیونکہ مردہ کا دکھ وسکھ کو محسوس کرنا اس کی حیات کی علامت ہے۔فافھم ھذا ھو المرام!

نیز: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (بخاری ج ا ص ۱۸۳) میں اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے (التذکرہ ص ۱۵۲) میں اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے (کتاب الروح ص ۱۰۵) میں اور علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فقہ اکبر (ص ۱۰۱) میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ (احکام القرآن ج ۴ ص ۸۵) میں اس آیت کو عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔

آیت نمبر ۱۳...... ''مما خطیئتهم اغرقوا فادخلوا نارا فلم یجدوا لهم من دون الله انصارا'' (الجن: ۲۵)
ترجمہ: اپنے ان گناہوں کے سبب غرق کئے گئے۔ پھر دوزخ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا ان کو کچھ حمایتی بھی میسر نہ ہوئے۔

(ف) قوم نوح علیہ السلام سیلاب میں غرق ہوتے ہی فوراً آگ میں داخل کر دی گئی اور موت کے بعد قیامت تک مردہ کو جو سزا و جزا دی جاتی ہے اس کو عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس آیت سے عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی ثابت ہوئی اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عالم برزخ و قبر کی یہ سزا روح اور جسد دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ ''اغرقوا اور ادخلوا'' میں ہم ضمیر موجود ہے اور قوم نوح کی طرف راجع ہے۔ چونکہ قوم نوح روح اور جسد سمیت سیلاب میں غرق ہوئی۔ لہٰذا آگ میں بھی روح اور جسد سمیت داخل ہوئی ویسے قوم نوح کا اطلاق ارواح مجردہ پر نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسد دونوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا عالم قبر و برزخ کی کارروائی میں روح اور جسد دونوں شریک ہیں۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فادخلوا نارا فی عالم البرزخ المسمی بالقبر فانه روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفرات النار فهذه الایة دلیل علی اثبات عذاب القبر لان الفاء للتعقیب و صیغة ادخلوا للمضی خلافا للمعتزلة و غیرهم من اهل الهواء'' ترجمہ: غرق ہونے کے بعد فوراً آگ میں داخل کر دیئے گئے۔ یعنی عالم برزخ میں جس کو قبر بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ قبر جنت کے باغوں میں سے باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ پس یہ آیت عذاب قبر کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ ''ف'' تعقیب کے لئے اور ادخلوا ماضی کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد فوراً آگ میں داخل کر دیئے گئے البتہ معتزلہ وغیرہ اہل ہوا فرقے عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اور اس آیت کی تاویل کرتے ہیں۔

پھر قاضی صاحب ان کی تاویلات ذکر کر کے ان کی تردید فرماتے ہیں: ''وهذه التاویلات حمل علی المجاز فلایجوز بلا دلیل کیف وقد دلت من الاحادیث ما لا یخفی علی عذاب القبر وانعقد علیه اجماع السلف'' ترجمہ: بلا دلیل اور ناروا تاویلات کر کے آیت کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔ جب کہ بے شمار احادیث عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں اور اسی پر سلف صالحین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۷۷)

اور پھر اسی مقام پر قاضی صاحب نے چند احادیث ذکر بھی کی ہیں۔ جن سے عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ جزا و سزا روح اور جسد دونوں کو حاصل ہوتی ہے جس کا جی چاہے تفسیر مظہری کا مطالعہ کرے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں بظاہر پانی میں ڈبائے گئے فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۵۸) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یہ متصادعذاب کہ ڈوبے پانی میں اور نکلے آگ میں حق تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے اور ظاہر ہے کہ جہنم کی آگ تو مراد نہیں۔ کیونکہ اس میں داخلہ تو قیامت کے حساب کتاب کے بعد ہوگا۔ یہ برزخی آگ ہے جس میں داخل ہونے کی قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

عذاب قبر قرآن مجید سے ثابت ہے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ یعنی قبر میں رہنے کے زمانے میں بھی مردوں پر عذاب ہوگا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جب قبر میں بدعمل کو عذاب ہوگا تو نیک عمل والوں کو ثواب و نعمت بھی ملے گی۔ احادیث صحیحہ

متواترہ میں قبر کے اندر عذاب وثواب ہونے کا بیان اس کثرت اور وضاحت سے آیا کہ انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر امت کا اجماع اور اس کا اقرار اہل سنت والجماعت کی علامت ہے۔ (معارف القرآن ج ۸ ص ۵۶۷) اس آیت کو حضرت مفتی صاحب نے (احکام القرآن ج ۴ ص ۸۵) پر بھی عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔

بہرحال ثابت ہو گیا کہ یہ آیت بھی قبر کی زندگی اور اس کی جزا و سزا کی ایک مستقل دلیل ہے۔ جیسا کہ مفسرین اور علماء محققین کے بیان سے واضح ہو چکا ہے۔

آیت نمبر ۱۴...... ''ولوتری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن اٰیتہ تستکبرون'' ترجمہ: اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔ ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کی سزا دی جاوے گی اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔ (انعام: ۹۳)

(ف) یہ آیت پاک بتلا رہی ہے کہ ملائکہ جب ظالموں کا روح قبض کرتے ہیں تو ان کو کہتے ہیں کہ تمہیں آج کے دن ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔ پس اس آیت سے عذاب قبر اور قبر کی زندگی ثابت ہوئی۔ کیونکہ موت کے بعد سے قیام قیامت تک مردہ کو جو سزا دی جاتی ہے اس کو عذاب قبر کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ عالم برزخ و قبر کی یہ سزا روح اور جسد دونوں کو دی جاتی ہے۔ کیونکہ آیت میں ظالمین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے روح اور جسد کا مجموعہ مراد ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''الیوم المراد بہ الزمان الممتد من وقت الاماتۃ الی مالانھایۃ لہ'' یعنی الیوم (آج کے دن) موت سے لے کر لانہایۃ تک غیر محدود وقت مراد ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۶۹)

اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے (کتاب الروح ص ۱۰۵) میں اس آیت کو عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔

آیت نمبر ۱۵...... ''ولو تریٰ اذ یتوفی الذین کفروا الملٰئکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق'' ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں جب کہ فرشتے ان کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں کہ آگ کی سزا جھیلنا۔ (الانفال: ۵۰)

(ف) اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کافرین کی روح قبض کرتے وقت ملائکہ ان کے منہ اور پشتوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں: ''ذوقوا عذاب الحریق'' یعنی آگ کی سزا جھیلنا۔ اس سے عالم برزخ و قبر کی سزا مراد ہے۔ چنانچہ علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: لہٰذا بیان ''لعذابھم فی عالم البرزخ وقال ابن عباس یقولون لھم ذالک بعد الموت'' ترجمہ: اس میں عالم برزخ کے عذاب کا ذکر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتے ان کو ذوقوا عذاب الحریق موت کے بعد کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری ج ۴ ص ۱۰۱)

اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۶۳) پس ثابت ہوا کہ یہ آیت بھی عذاب قبر و برزخ یعنی قبر کی زندگی کی دلیل ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ

برزخ وقبر کی یہ سزا روح اور جسد دونوں کو ہوتی ہے۔ کیونکہ فرشتے جن کے منہ اور پشتوں کو مارتے ہیں ان کو کہتے ہیں آگ کی سزا جھیلنا۔ چونکہ بوقت موت جو سزا کافروں کو دی جاتی ہے اس میں روح اور جسد دونوں شریک ہیں۔ جس پر ''وجوھھم وادبارھم'' دلالت کرر ہے ہیں۔ اسی طرح موت کے بعد والی سزا بھی دونوں کو ملتی ہے۔

آیت نمبر ۱۶...... ''وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینة مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم'' ترجمہ: اور کچھ تمہارے گرد وپیش والوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں ہم ان کو دوہری سزا دیں گے۔ پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جاویں گے۔ (التوبہ:۱۰۱)

(ف) اس آیت پاک میں اللہ پاک نے فرمایا کہ ''سنعذبھم مرتین'' یعنی ہم منافقین کو دو دفعہ عذاب دیں گے تقریباً تمام مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ مرتین سے ایک دنیا کا عذاب مراد ہے اور دوسرا قبر کا عذاب مراد ہے۔ ''ثم یردون الی عذاب عظیم'' سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ پس یہ آیت بھی عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ چونکہ پہلا یعنی دنیاوی عذاب روح اور جسد دونوں پر وارد ہوا اور آخرت کا عذاب بھی روح اور جسد دونوں پر وارد ہوگا۔ اسی طرح برزخ اور قبر کا عذاب بھی روح اور جسد دونوں پر وارد ہوتا ہے۔ یہی اصول ہے اور یہی انصاف خداوندی کا تقاضا ہے۔

آیت نمبر ۱۷...... ''اذا لاذقناک ضعف الحیاة وضعف الممات ثم لا تجدلک علینا نصیرا'' ترجمہ: اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات اور بعد موت کے دہرا عذاب چکھاتے۔ پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔ (بنی اسرائیل:۷۵)

(ف) اس آیت پاک میں ضعف الحیاۃ سے دنیا کا عذاب مراد ہے اور ضعف الممات سے بعض مفسرین کے نزدیک قبر کا عذاب مراد ہے اور بعض کے نزدیک آخرت کا عذاب مراد ہے اور اگر آخرت کا عذاب بھی مراد لیا جائے تو پھر بھی آخرت عذاب قبر کو شامل ہے۔ کیونکہ عذاب قبر آخرۃ کا مقدمہ ہے۔ اسی لئے تو ضعف الممات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی وہ عذاب جو موت سے لے کر الی مالانہایۃ تک ممتد ہے۔ پس ضعف الممات سے یا تو عذاب قبر مراد ہے یا پھر عذاب قبر کو شامل ہے۔ بہر حال یہ آیت بھی عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ چونکہ ضعف الحیات یعنی دنیاوی عذاب یقیناً روح اور جسد دونوں پر وارد ہوتا ہے۔ لہٰذا ضعف الممات یعنی موت کے بعد والا عذاب بھی روح اور جسد دونوں پر وارد ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۸...... ''ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکاً ونحشره یوم القیامة اعمی'' ترجمہ: اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (طہ:۱۲۴)

(ف) تمام مفسرین کرام نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''معیشة ضنکا'' سے مراد قبر کی تنگی ہے۔ حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوسعید وغیرہم دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی تفسیر منقول ہے کہ ''معیشة ضنکا'' سے مراد عذاب قبر ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی یہی تفسیر منقول ہے کہ ''معیشة ضنکا'' سے

مراد قبر کی تنگی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۸۳) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کو عذاب قبر اور قبر کی زندگی کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ (التذکرہ للقرطبی ص ۱۵۱) اور علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کو عذاب قبر کی دلیل بتایا ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۰۱)

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرنے والا شخص قیامت کے دن روح اور جسد سمیت اندھا بنا کر اٹھایا جائے گا۔ لہٰذا اس کو قبر میں جو عذاب دیا جاتا ہے وہ بھی روح اور جسد دونوں پر وارد ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۹...... ”قالوا ربنا امتنااثنتین واحییتنااثنتین فاعترفنا بذنوبنا فهل الی خروج من سبیل“

ترجمہ: وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دوبارہ مردہ رکھا اور دوبار زندگی دی سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا نکلنے کی کوئی صورت ہے۔ (المومن:۱۱)

(ف) اس آیت میں کفار دو موتوں اور دو حیاتوں کا اعتراف کر رہے ہیں اور اس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک دو موتیں یہ ہیں ایک نطفہ کی حالت اور دوسری دنیا والی موت اور دو حیاتیں یہ ہیں ایک دنیا والی زندگی اور دوسری آخرت والی زندگی اور یہ لوگ ”کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم“ الایۃ۔ کی بھی اسی طرح تفسیر کرتے ہیں۔ لیکن امام رازی اور چند دیگر مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت میں دوسری زندگی اور دوسری موت سے قبر کی زندگی اور قبر کی موت مراد ہے۔ کیونکہ سوال و جواب کے لئے مردہ کو قبر میں زندہ کیا جاتا ہے۔ اس دوسری تفسیر کے مطابق یہ دونوں آیتیں قبر کی زندگی اور قبر کی جزا و سزا کی دلیل ہیں۔ تفصیل کے لئے تفسیروں کا خصوصاً تفسیر کبیر کا مطالعہ فرمائیں۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کو قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۸۳)

انتباہ: مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے کسی شخص کو یہ غلط فہمی لاحق نہ ہونی چاہئے کہ پہلی تفسیر کے مطابق تو دو زندگیاں ہیں۔ ایک دنیا کی دوسری آخرت کی۔ لہٰذا عالم قبر و برزخ کی زندگی کی نفی ہوگئی، نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اوّلاً اس لئے کہ دوسری تفسیر کے مطابق یہ دونوں آیتیں عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل ہیں۔ ثانیاً اس لئے کہ قبر کی زندگی آیات کثیرہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ آیات قرآنی کا ایسا مطلب سمجھنا جو دوسری آیات کے خلاف ہو خود غلط ہے۔ ثالثاً اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ پہلی تفسیر کے مطابق ان آیات میں قبر و برزخ کی حیات کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن واضح رہے کہ عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا۔

باقی رہا یہ سوال کہ ان دونوں آیتوں میں قبر و برزخ کی زندگی کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ ان آیات میں دو مستقل حیاتوں کا ذکر ہے اور مستقل حیات یہ ہے کہ روح باقاعدہ جسد میں داخل ہو کر پورا پورا بدن میں تصرف کرے تو یہ صورت یا تو دنیا کی زندگی میں ہوتی ہے اور یا پھر آخرت میں ہوگی۔ لہٰذا مستقل زندگیاں دو ہیں۔ ایک دنیا کی اور دوسری آخرت میں عالم قبر اور برزخ کی زندگی مستقل زندگی نہیں ہے۔ بلکہ وہ نوع من الحیاۃ ہے۔ بایں صورت کہ روح کا جسد کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق ہوتا ہے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تعلق کی وجہ سے مردہ دکھ و سکھ کو محسوس کرتا ہے اور رنج و راحت کا ادراک کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں قبر و برزخ میں مردہ کو جو حیات دی جاتی ہے وہ جزا و سزا کے لئے ہوتی ہے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ قبر و برزخ کی زندگی چونکہ مستقل حیات نہیں ہے بلکہ نوع من الحیات ہے اور آیات مذکورہ میں مستقل حیاتوں کا ذکر ہو رہا تھا اسی لئے قبر و برزخ کی زندگی کا وہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ جب کہ قبر و برزخ کی زندگی دوسری آیات سے وضاحت وصراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ لہٰذا ان آیات سے قبر و برزخ کی نفی سمجھنا کوتاہ فہمی کا نتیجہ ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم'' کی تفسیر میں عالم قبر و برزخ کی زندگی صراحتاً ذکر نہ کرنے کی وجہ تحریر فرماتے ہیں۔

حیات برزخی

اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے جو قیامت کے روز ہونے والی ہے۔ قبر کی زندگی جس کے ذریعہ قبر کا سوال و جواب اور قبر میں ثواب وعذاب ہونا قرآن کریم کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے ثابت ہے۔ اس کا ذکر نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ برزخی زندگی اس طرح کی زندگی نہیں ہے جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے یا آخرت میں پھر ہوگی بلکہ ایک درمیانی صورت مثل خواب کی زندگی کے ہے۔ اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جا سکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی۔ اس لئے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے۔ (معارف القرآن ج۱ ص ۱۷۳)

قارئین کرام! مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے ایک تو حیات قبر و برزخ آیات مذکورہ میں صراحتاً مذکور نہ ہونے کی وجہ معلوم ہوئی۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں بھی بظاہر دو حیاتوں کا ذکر ہو یعنی دنیا و آخرۃ کا اور قبر و برزخ کی حیات کا صراحتاً ذکر نہ ہو تو وہاں بھی حیات قبر و برزخ ان دو میں سے کسی ایک کے ضمن میں بطور تکملہ کے یا بطور مقدمہ کے ضرور مذکور ہوتی ہے۔ اب پہلی تفسیر کے مطابق بھی یہ دونوں آیتیں قبر کی زندگی کی دلیل ٹھہریں کیونکہ حیات دنیا کے ضمن میں بطور تکملہ کے یا حیات اخروی کے ضمن میں بطور مقدمہ کے حیات قبر و برزخ موجود و ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ''ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین'' والی آیت کو (احکام القرآن ج ۴ ص ۸۳) میں قبر کی زندگی کی دلیل قرار دے رہے ہیں اور ''کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا'' کو (معارف القرآن ج۱ ص ۱۷۳) میں قبر کی زندگی کی دلیل قرار دے رہے ہیں۔

نیز: جس طرح یہ آیات حیات قبر کی دلیل ہیں اسی طرح یہی آیات روح اور جسد دونوں کی حیات کی دلیل ہیں۔ کیونکہ حیات دنیا اور حیات آخرت دونوں روح اور جسد کے مجموعہ کو حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا حیات برزخی جو کہ ان میں سے کسی ایک کے ضمن میں مذکور ہے روح اور جسد کے مجموعہ کو حاصل ہے۔

آیت نمبر ۲۰...... ''الھکم التکاثر حتی زرتم المقابر کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون کلا لو تعلمون علم الیقین'' ترجمہ: فخر کرنا تم کو غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں تم کو جلد معلوم ہو جاوے گا پھر ہرگز نہیں تم کو جلد معلوم ہو جاوے گا ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے۔ (التکاثر: ۱ تا ۵)

(ف) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کفار کو خطاب کر کے فرما رہے ہیں یہاں دنیا میں تم غافل ہو رہے ہو اور عن قریب قبروں میں پہنچ کر تم کو اپنے کفر اور غفلت کا انجام ضرور معلوم ہو جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ قبروں میں مردوں کو جزا و سزا دی جاتی ہے جس کا مردوں کو احساس ادراک اور شعور بھی ہوتا ہے اور یہی حیات قبر ہے جس سے مردوں کو

جزاوسزا کا احساس اور شعور ہوتا ہے تمام مفسرین نے ''حتی زرتم المقابر'' کا یہی مطلب لکھا ہے کہ جب تم قبروں میں دفن ہوں گے تو تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا جس تفسیر کو چاہو اٹھا کر دیکھ لو۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے (احکام القرآن ج ۵ ص ۱۱۱) میں اس کو عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے اور امام قرطبی نے بھی (التذکرہ ص ۱۵۲) میں اس آیت کو عذاب قبر کی دلیل قرار دیا ہے اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بحوالہ ابن جریر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق عذاب قبر سے ہے۔ دیکھئے (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۳۳۴) اور تفسیر مدارک، تفسیر بیضاوی، تفسیر روح المعانی، تفسیر عثمانی اور تفسیر معارف القرآن ادریسی میں بھی مذکورہ بالا تفسیر بیان کی گئی ہے۔

آیت نمبر ۲۱..... ''عن یتسآء لون عن النباءالعظیم الذی ھم فیه مختلفون کلا سیعلمون ثم کلا سیعلمون'' ترجمہ: یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں۔ اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ (نبا: ۱ تا ۴)

(ف) اس آیت میں ''کلا سیعلمون'' کا تکرار ہے جس کا معنی ہے ہرگز ایسا نہیں۔ ان کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ پہلے کا تعلق قبر سے ہے اور دوسرے کا تعلق قیامت سے ہے یعنی ان کافروں کو اپنا انجام قبر میں بھی معلوم ہو جائے گا اور قیامت میں بھی معلوم ہو جائے گا۔ دیکھئے (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۷۲)

پس کفار کا موت کے بعد اپنی قبروں میں پہنچ کر اپنے انجام کو معلوم کر لینا ان کی حیات قبر اور عذاب قبر کی دلیل ہے۔ لہٰذا یہ آیت بھی قبر کی زندگی اور قبر کی جزاوسزا کی دلیل ہے۔ سرائیکی زبان میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ ''آسن قبراں تیں پوسن خبراں'' شاید اس آیت کا خلاصہ ہو۔ پس اس دوسری تفسیر کے مطابق یہ آیت بھی عذاب قبر اور قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ چونکہ قیامت والا عذاب روح اور جسد دونوں کے لئے ہوگا۔ لہٰذا قیامت سے پہلے والا عذاب بھی ان دونوں کو ہوگا۔

نیز: ظالمین کا اطلاق بھی روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سزا بھی مجموعہ کو ہوگی۔

آیت نمبر ۲۲..... ''ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون'' ترجمہ: اور ہم ان کو قریب کا عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھا دیں گے تاکہ یہ لوگ باز آ دیں۔ (السجدۃ: ۲۱)

(ف) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان منکرین کو قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے قریب کا عذاب بھی چکھا دیں گے۔ اس قریب کے عذاب سے کون سا عذاب مراد ہے؟ بعض مفسرین نے اس سے دنیا کا عذاب مراد لیا ہے۔ مثلاً امراض اسقائم اور مصائب وغیرہ اور بعض مفسرین نے عذاب ادنیٰ سے مراد عذاب قبر لیا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء کی ایک جماعت نے اس آیت کو عذاب قبر کی دلیل قرار دیا ہے۔

جس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں بایں صورت کہ عذاب ادنیٰ کا کچھ حصہ دنیا میں ان پر وارد ہوتا ہے اور اس کا بقیہ حصہ قبر میں وارد ہوتا ہے اور ''لعلھم یرجعون'' کا تعلق صرف اس حصہ سے ہے جو دنیا میں وارد ہوتا ہے اور عذاب کا جو حصہ قبر میں وارد ہوتا ہے اس سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ (کتاب الروح ص ۱۰۶)

آیت نمبر ۲۳..... ''وان الفجار لفی جحیم یصلونھا یوم الدین وما ھم عنھا بغائبین'' ترجمہ: اور بدکار لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے اور اس سے باہر نہ ہوں گے اور روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے۔ (الانفطار: ۱۶)

(ف) اس آیت پاک کا مطلب جمہور مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ نافرمان لوگ قیامت کے دن جہنم میں داخل ہوں گے اور پھر ہمیشہ کے لئے وہاں رہیں گے۔ کبھی بھی ان کو جہنم سے نہ نکالا جائے گا۔ لیکن قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ نافرمان لوگ اب بھی جہنم کے عذاب سے غائب اور دور نہیں ہیں۔

بلکہ قبر میں ان کو جہنم کا عذاب بایں طور پہنچ رہا ہے کہ قبر میں جہنم کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ان کو جہنم کی گرم ہوا اور دھواں کا عذاب ہو رہا ہے۔ اس پر قاضی صاحب نے عذاب قبر کی چند صحیح حدیثیں بھی پیش کی ہیں۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۱۶)

قاضی صاحب کی تفسیر کے مطابق یہ آیت بھی عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل ہے چونکہ جہنم کا عذاب روح اور جسد دونوں کو ہوتا ہے، لہٰذا قبر کا عذاب بھی روح اور جسد کو ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۲۴...... ''وسلٰم علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا'' ترجمہ: اور ان کو سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ انتقال کریں گے اور جس دن زندہ ہو کر اٹھائے جاویں گے۔ (مریم:۱۵)

آیت نمبر ۲۵...... ''والسلام علیَ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا'' ترجمہ: اور مجھ پر سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ (مریم:۳۳)

(ف) مذکورہ بالا دونوں آیتیں بالترتیب حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تین مواطن میں سلامتی کا پیغام لئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان آیات میں تین ایام کا ذکر ہے۔ ''یوم الولادت یوم الموت'' اور ''یوم البعث'' لیکن مراد تین عالم یا تین مقام ہیں یوم ولادت سے دنیا کی پوری زندگی مراد ہے اور یوم موت سے عالم قبر کی پوری زندگی مراد ہے اور یوم البعث سے آخرت کی پوری زندگی مراد ہے۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حاشیہ لکھتے ہیں۔ غرض تعمیم اوقات واحوال ہے۔ یعنی ولادت سے لے کر موت تک اور موت سے قیامت تک کسی وقت اس پر خوردہ گیری نہیں۔ خدا کی پکڑ سے ہمیشہ مامون ومصؤن ہے۔ (تفسیر عثانی ص ۴۰۸)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا مس شیطان سے محفوظ رہا اور مرنے کے بعد سوال قبر وغیرہ سے محفوظ رہا اور قیامت کے دن قیامت کی ہول اور دہشت سے محفوظ رہوں گا مجھے کہیں خوف وغم نہیں۔

(تفسیر معارف القرآن ج ۴ ص ۴۸۷، از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

(تفسیر خازن ج ۳ ص ۲۳۱، تفسیر مظہری ج ۶ ص ۸۶) میں لکھا ہے ''یوم یموت من عذاب القبر'' دیگر مفسرین کرام نے بھی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ جس تفسیر کو دل چاہے دیکھ لیں۔ لہٰذا یہ دونوں آیتیں قبر کی زندگی اور قبر کی جزاوسزا کی دلیل ہیں۔ البتہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے دنیا وآخرۃ کی طرح قبر کی زندگی میں بھی سلامتی اور امن وامان ثابت ہے۔ چونکہ دنیا وآخرۃ میں یہ سلامتی روح اور جسد دونوں کے لئے ہے۔ لہٰذا قبر کی یہ سلامتی بھی روح اور جسد دونوں کے لئے ہے۔

آیت نمبر ۲۶...... ''قالوا یٰویلنا من بعثنا من مرقدنا ھذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون'' ترجمہ: کہیں گے اے خرابی ہماری کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے۔ (یٰسین:۵۲)

(ف) اس آیت میں قبر کو مرقد یعنی خواب گاہ اور آرام گاہ کہا گیا ہے اور جہاں تک تعلق ہے مومنین کی قبروں کا وہ تو یقیناً خواب گاہ وآرام گاہ اور جنت کے باغ ہیں ''کما قال النبی ﷺ''

یہی وجہ ہے کہ فوت شدہ بزرگان کو بایں الفاظ دعا دی جاتی ہے نور اللہ مرقدہ یا یوں کہتے ہیں مرقد اقدس وغیرہ تو بہر حال فرمانبرداروں کی قبر تو بے شک خواب گاہ بھی ہے اور آرام گاہ بھی ہے۔ لیکن نافرمانوں کی اور کافروں کی قبروں کو کیسے مرقد، خواب گاہ کہا جاسکتا ہے جب کہ ان کو تو قبروں میں عذاب ہوتا ہے اور سزا ملتی ہے۔ حالانکہ ''من بعثنا من مرقدنا'' کہنے والے کفار ہیں تو مفسرین نے اس سوال کے کئی جواب دیئے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ کفار کا یہ کہنا نفحہ ثانیہ کے بعد ہوگا۔ کیونکہ بین نفختین کفار سے عذاب اٹھالیا جائے گا اور ان پر خواب کی سی کیفیت طاری ہوگی۔

پس نفحہ ثانیہ کے بعد جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو کہیں گے ''من بعثنا من مرقدنا'' یعنی ہم آرام میں تھے کس نے ہمیں آرام گاہ سے اٹھا دیا۔ اس جواب سے معلوم ہوا کہ کفار کو قیامت تک قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔ البتہ نفحہ اولیٰ سے نفحہ ثانیہ تک عذاب ہٹا دیا جائے گا اسی وجہ سے وہ اپنی قبروں کو مرقد کہیں گے۔ اس جواب اور اس تفسیر کے مطابق اس آیت سے عذاب اور راحت دونوں ثابت ہوئے۔ ہذا ہوالمراد!

اور ایک جواب یہ بھی ہے کہ کفار قبروں میں معذب رہتے ہیں ان کو سزا ملتی رہتی ہے لیکن قیامت کا عذاب اتنا سخت ہوگا، جب کفار اس کو دیکھیں گے تو ان کو قبروں کا عذاب بھول جائے گا۔ بلکہ قبریں ان کو آرام گاہ نظر آئیں گے۔ پس اسی وجہ سے وہ اپنی قبروں کو مرقد یعنی خواب گاہ کہیں گے بہر حال اس جواب اور تفسیر کے مطابق بھی کفار کے لئے عذاب قبر ثابت ہی ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انہی قبروں جہاں جسد مدفون ہیں اور جہاں سے مردے اٹھیں گے عذاب اور ثواب ہوتا ہے تو اس سے جسد کا معذب منعم ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ فافہم!

واضح رہے کہ ''من بعثنا من مرقدنا'' کفار کا مقولہ ہے اور قرآن مجید میں اس کو بلانکیر و بلاتردید نقل کیا گیا ہے۔ لہٰذا اب بحیثیت کلام اللہ کے قابل احتجاج ہے اور یہی حکم ''احییتنا اثنتین'' کا ہے آپ آیت مذکورہ کا مطلب معلوم کرنے کے لئے جس تفسیر کی طرف بھی رجوع فرمائیں گے یہی کچھ پائیں گے۔

آیت نمبر ۲۷...... ''یاایھا الذین آمنوا لا تتولوا قوما غضب اللہ علیھم قد یئسوا من الآخرۃ کما یئس الکفار من اصحاب القبور'' ترجمہ: اے ایمان والو ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے کہ وہ آخرت سے ایسے ناامید ہوگئے ہیں جیسا کفار جو قبروں میں ناامید ہوں گے۔ (ممتحنہ: ۱۳)

(ف) اس آیت کی مفسرین کرام نے دو تفسیریں بیان کی ہیں ایک یہ کہ یہود آخرت سے ایسے ناامید ہو چکے ہیں۔ جیسے کافر قبر والوں سے ناامید ہو چکے ہیں کہ وہ قبروں سے اٹھ کر ان کے پاس واپس نہیں آئیں گے اور ایک دوسری تفسیر یہ ہے کہ قبروں والے کافر عذاب قبر کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی ﷫ نے یہ دونوں تفسیریں بیان فرمائیں ہیں۔ یعنی منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا اور پھر دوسری زندگی میں ایک دوسرے کو ملیں گے یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں۔

تنبیہ: بعض مفسرین کے نزدیک من اصحاب القبور کفار کا بیان ہے یعنی جس طرح کافر جو قبر میں پہنچ چکے ہیں۔ وہاں کا حال دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور خوشنودی سے بالکلیہ مایوس ہو چکے ہیں۔ اسی طرح یہ کافر بھی آخرت کی طرف سے مایوس ہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۳۱ وتفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۵۶) میں دونوں تفسیریں بیان کی گئی ہیں اور

(تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۶۹) میں بھی یہ دونوں تفسیریں منقول ہیں اور (تفسیر بغوی ج ۴ ص ۳۳۶) میں دونوں تفسیریں بیان کی گئی ہیں اور (بیان القرآن ص ۱۰۶۰ مطبوعہ تاج کمپنی وتفسیر جلالین ص ۴۵۸) میں صرف آخری تفسیر بیان کی گئی ہے اور اسی آخری تفسیر کے مطابق یہ آیت قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ کیونکہ کفار قبروں میں عذاب سزا دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوجاتے ہیں، عذاب کو محسوس کرنا زندگی کی علامت ہے۔

آیت نمبر ۲۸...... ''والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا لیرزقنھم اللہ رزقاً حسناً وان اللہ لھو خیر الرازقین'' ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ لوگ قتل کئے گئے یا مرگئے اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ایک عمدہ رزق دے گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا ہے۔ (الحج:۵۸)

(ف) امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''فاما من قتل فی سبیل اللہ من مھاجر او غیر مھاجر فانہ حی عند ربہ یرزق کما قال اللہ تعالی ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون والاحادیث فی ھذا کثیرۃ کما تقدم واما من توفی فی سبیل اللہ من مھاجر او غیر مھاجر فقد تضمنت ھذہ الایۃ الکریمۃ مع الاحادیث الصحیحۃ اجراء الرزق علیہ واعظیم احسان اللہ الیہ'' ترجمہ: لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا گیا خواہ وہ مہاجر ہو یا غیر مہاجر پس وہ زندہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو رزق ملتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون'' اور اس معاملہ میں احادیث تو بہت ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکی ہیں اور لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں فوت ہوا خواہ مہاجر ہو یا غیر مہاجر پس یہ آیت مع احادیث صحیحہ کے دلالت کرتی ہے کہ مرنے کے بعد اس کا رزق جاری رہتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم بھی جاری رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۱)

اور آگے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے چند حدیثیں بھی نقل کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وفات پانے والوں کو مرنے کے بعد قبر میں بھی رزق حسنہ ملتا رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ رزق روح اور جسد کے مجموعہ کو نصیب ہوتا ہے کیونکہ جسد رزق کھانے کا ذریعہ ہے۔

آیت نمبر ۲۹...... ''تحیتھم یوم یلقونہ سلم واعدلھم اجراً کریماً'' ترجمہ: وہ مؤمنین جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے۔ (احزاب:۴۴)

(ف) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت ملاقات اللہ تعالیٰ مؤمنین کو سلام دیں گے۔ سوال یہ ہے کہ یہ ملاقات اور سلام کب ہوگا؟

اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا کہ موت کے وقت مؤمنین کو سلامی کا پیغام دیا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ قبروں سے اٹھتے وقت اور بعض نے کہا کہ بروز محشر اور بعض نے کہا کہ بوقت دخول جنت اور بعض نے کہا کہ خود جنت میں مؤمنین کو سلام دیا جائے گا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل تفسیریں ملاحظہ فرمائیں (تفسیر بغوی ج ۳ ص ۵۳۵، تفسیر خازن ج ۳ ص ۵۰۴، حاشیہ تفسیر جلالین ص ۳۵۵، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۵۳، تفسیر احکام القرآن از مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ج ۳ ص ۳۷۷، تفسیر روح المعانی ج ۱۱ ص ۶۳ جز ۲۲، تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷۵، از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ تفسیر معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ج ۵ ص ۵۲۹) لیکن مفسرین کے ان مختلف اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ یہ سارے اقوال جمع ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا تمام مقامات پر مؤمنین کو سلامتی کا پیغام دیا جاتا ہے۔ دیکھو

(معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷۵) پس موت کے وقت سلامتی کے پیغام کا مطلب یہ ہے کہ مؤمنین کو عذاب قبر سے نجات اور راحت قبر کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ چونکہ سلامتی کا یہ پیغام روح اور جسد کے مجموعہ کو دیا جاتا ہے۔ لہٰذا عذاب قبر سے نجات اور قبر کی راحت بھی روح اور جسد دونوں کو نصیب ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۳۰...... ''ولو ترى اذ فزعوا فلا فوت واخذوا من مكان قريب'' ترجمہ: اور اگر آپ وہ وقت ملاحظہ کریں جب کہ یہ کفار گھبرائے پھریں گے، پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور پاس کے پاس ہی پکڑے جائیں گے۔ (سبا:۵۱)

(ف) کفار کی گھبراہٹ اور گرفتاری کا وقت کب ہوگا؟ اس بارہ میں تفسیروں میں دو قول ملتے ہیں۔ بعض نے کہا یہ گھبراہٹ اور گرفتاری روز قیامت ہوگی اور بعض نے کہا کہ موت کے وقت ہوگی۔ مندرجہ ذیل تفسیریں ملاحظہ فرمائیں۔ (تفسیر بغوی ج ۳ ص ۵۶۳، تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۳۱۳ از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور تفسیر معارف القرآن ج ۵ ص ۵۸۳ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۹، تفسیر روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۳۱ جز ۲۱) صاحب روح المعانی ''واخذوا من مكان قريب'' پر لکھتے ہیں ''من الموقف الى النار او من ظهر الارض الى بطنها'' یعنی کفار کو میدان حشر سے گرفتار کر کے آگ میں ڈالا جائے گا یا زمین کی پیٹھ سے گرفتار کر کے زمین کے پیٹ (قبر) میں قید کیا جائے گا۔

اس دوسری تفسیر کے مطابق یہ آیت عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ کیونکہ بوقت موت کفار کو گرفتار کر کے قبر میں سزا دی جاتی ہے۔ چونکہ یہ گرفتاری روح اور جسد دونوں کو ہوتی ہے۔ لہٰذا قبر کی سزا بھی دونوں کو ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۳۱...... ''والنّٰزعات غرقا والنّٰشطات نشطا والسّٰبحٰت سبحا فالسّٰبقات سبقا فالمدبّرات امرا'' ترجمہ: قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔ (نازعات:۱ تا ۵)

(ف) ان آیات میں بتایا گیا کہ موت کے فرشتے کافر کی روح سختی سے قبض کرتے ہیں اور مومن کی روح آسانی سے نکالتے ہیں اور تیزی اور سرعت کے ساتھ چلتے ہیں اور امتثال حکم خداوندی میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور مرنے والے انسان کی ثواب وعقاب وغیرہ امور کی تدبیر کرتے ہیں اور موت کے بعد قیامت تک کے لئے سلسلہ جزا وسزا کو عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ حالت نزع کی رنج وراحت میں جسد اور روح دونوں شریک ہوتے ہیں۔ لہٰذا موت کے بعد کی جزا وسزا میں جسد روح کا شریک ہوتا ہے۔

''فالمدبرات امراً'' سے ثواب وعقاب کی تدبیر مراد ہے۔ دیکھئے تفسیر (روح المعانی ج ۱۵ ص ۴۰، تفسیر عثمانی ص ۷۷۵، تفسیر بیان القرآن ص ۱۱۲۱) اور حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی نے (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۸۶) میں اور مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۶۵) میں اس آیت کو عذاب قبر کی دلیل قرار دیا ہے۔

آیت نمبر ۳۲...... ''وقل رب ادخلني مدخل صدق واخرجني مخرج صدق واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا'' ترجمہ: اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھ کو خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔ (بنی اسرائیل:۸۰)

(ف) اس آیت کی مختلف تفسیریں حضرات مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہیں اور ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا تعلیم دی ہے اے اللہ مجھے قبر میں خوبی کے ساتھ داخل فرما اور قبر سے خوبی کے

ساتھ نکالنا، امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

چنانچہ قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''وقال البیضاوی ادخلنی فی القبر ادخالا مرضیاً واخرجنی منه عندالبعث اخراجا تلقی بالکرامة'' (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۸۱) یعنی بیضاوی نے کہا ہے کہ اے رب مجھے قبر میں پسندیدہ داخلہ عطا فرما اور قیامت کے دن قبر سے کرامت کے ساتھ اٹھانا۔

آیت نمبر ۳۳...... ''قل ان کانت لکم الدار الاخرة عندالله خالصة من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیهم والله علیم بالظالمین'' ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے نافع ہے بلاشرکت غیرے تو تم موت کی تمنا کر کے دکھلا دو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور حق تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی۔ (بقرہ: ۹۴، ۹۵)

آیت نمبر ۳۴...... ''قل یاایها الذین هادوا ان زعمتم انکم اولیآء الله من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونه ابدا بما قدمت ایدیهم والله علیم بالظالمین'' ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا یہ دعویٰ کہ تم بلاشرکت غیرے اللہ کے مقبول ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی۔ (جمعہ: ۶، ۷)

(ف) ان دونوں آیتوں میں یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مقبول ہیں اور جنت صرف ہمیں ملے گی تو تم موت کی تمنا کرو کیونکہ موت جنت کے اکرام وانعام حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ یہودی موت کی تمنا ہرگز نہ کریں گے کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ موت کے فوراً بعد ہمیں اپنی بداعمالیوں کی سزا ملنا شروع ہو جائے گی۔ پس ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد فوراً جزا وسزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس کو علماء شریعت عذاب قبر اور نعیم قبر سے تعبیر کرتے ہیں۔

ان آیات میں یہودی مخاطب ہیں اور یہودی روح اور جسد کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ لہٰذا موت کے بعد یہ سزا بھی روح اور جسد کے مجموعہ کو حاصل ہوگی۔ حضرات مفسرین کرام نے ان آیات کو عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ بقرہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''هذه الاٰیة والاٰحادیث تدل علی ان القبر اوّل منزل من منازل الاٰخرة رواه الترمذی وابن ماجه عن عثمان مرفوعاً'' (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۹۷)

یعنی یہ آیت اور احادیث دلالت کرتی ہیں کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ سورۃ جمعہ کی آیت کی تفسیر میں علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ای فتمنوا الموت من الله تعالی ان یمیتکم وینقلکم من دار البلیة الی محل الکرامة'' یعنی اللہ تعالیٰ سے موت کی تمنا کرو تاکہ وہ تمہیں موت دے کر دارالبلیۃ سے کرامت کے مقام کی طرف منتقل کر دے۔ (روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۴۱)

اس عبارت میں صاحب روح المعانی نے عالم قبر کو محل الکرامۃ کہا ہے۔ نیز لکھتے ہیں ''فعلموا انهم لو تمنوا الماتوا من ساعتهم ولحقهم الوعید'' (روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۴۲)

یعنی وہ جانتے تھے کہ اگر ہم موت کی تمنا کریں گے تو فوراً مر جائیں گے اور وعید ہم کو لاحق ہو جائے گی۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''ولو ان الیھود تمنوا الموت لماتوا وراؤا مقاعدھم من النار'' (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۶۴) یعنی اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو یقیناً مر جاتے اور آگ سے اپنا ٹھکانا بھی دیکھ لیتے۔

واضح رہے کہ علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی یہ تفسیر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔ پس مرنے کے بعد میت کا اپنے ٹھکانے کو دیکھنا اس کی حیات کی دلیل ہے۔ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''حتی تنقلوا من دار البلیۃ الی دار الکرامۃ فان الموت توصل الحبیب الی الحبیب'' یعنی موت کی تمنا کرو تا کہ تم تکلیف کے گھر سے عزت کے گھر کی طرف منتقل ہو جاؤ۔ کیونکہ موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہنچا دیتی ہے۔

نیز لکھتے ہیں: ''فکیف یتمنون الموت الموصلۃ الی النار'' (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۲۷۷) یعنی موت کی تمنا کیسے کریں گے جو آگ کی طرف پہنچانے والی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہودی دل میں سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت کئے ہیں یہاں سے چھوٹتے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۳۴)

آیت نمبر ۳۵...... ''کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون''

ترجمہ: بھلا کیونکر ناسپاسی کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حالانکہ تھے تم محض بے جان سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے پھر ان ہی کے پاس لے جائے جاؤ گے۔ (بقرہ:۲۸)

(ف) اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ: ''ثم یحییکم'' سے مراد ''احیاء فی القبر للسوال'' ہے یعنی قبر کی زندگی مراد ہے۔ دیکھو تفسیر بیضاوی حاشیہ جلالین۔

پس اس تفسیر کے مطابق یہ آیت بھی قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ واضح رہے کہ بعض مفسرین کرام نے آیت مذکورہ کی اس تفسیر کو مرجوح قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے قبر کی زندگی کو تسلیم بھی کیا اور ثابت بھی کیا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا تفسیر کے مرجوح ہو جانے کے باوجود اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ کیونکہ قبر کی زندگی اور جزا و سزا تو مسلمات دین میں سے ہے۔ فافہم!

آیت نمبر ۳۶...... ''ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصالحات سوآء محیاھم ومماتھم ساء مایحکمون'' ترجمہ: یہ لوگ جو برے برے اعمال کرتے ہیں کیا خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جاوے یہ برا حکم لگاتے ہیں۔ (الجاثیہ:۲۱)

(ف) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اور مومنین کا جینا اور مرنا برابر نہیں ہوگا بلکہ اس میں فرق ہوگا اور اس آیت میں مماتھم سے موت اور موت کے بعد پیش آنے والے حالات مراد ہیں۔ یعنی مومنین اور کافرین کی موت بھی یکساں نہیں ہوگی اور موت کے بعد والے حالات بھی یکساں نہیں ہوں گے۔ کیونکہ مومنین کے لئے موت سے راحت اور آرام کا سلسلہ جاری ہوتا ہے اور کفار کے لئے عذاب اور سزا کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ آیت بھی قبر کی زندگی اور جزا و سزا کی دلیل ہے۔ تفصیل کے لئے تفاسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۳۷...... ''والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالھم سیھدیھم ویصلح بالھم'' ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ ان کو مقصود تک پہنچادے گا اوران کی حالت درست رکھے گا۔ (محمد:۵)

(ف) آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس میں شہید فی سبیل اللہ کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے گا۔ دوسرے ان کے سب حالات درست کردے گا۔ حالات سے مراد دنیا وآخرت دونوں کے حالات ہیں دنیا میں تو یہ کہ جو شخص جہاد میں شریک ہوا اگر چہ وہ شہید نہ ہوا، سلامت رہا وہ بھی شہید کے ثواب کا مستحق ہوگیا اور آخرت میں یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے محشر کی پریشانی تک سے نجات پائے گا۔ (معارف القرآن ج ۸ ص ۳۰)

اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں لکھتے ہیں اوران کی حالت قبر اور حشر اور پل صراط اور تمام مواقع آخرت میں درست رکھے گا۔ پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ شہداء کرام کے لئے اللہ تعالیٰ دوسرے مواقع کی طرح قبر کے حالات بھی درست فرماتے ہیں یعنی آرام اور راحت کا سامان قبر میں باہم پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت بھی قبر کی زندگی کی دلیل ٹھہری۔ چونکہ مقتول فی سبیل اللہ روح اور جسد کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا حالات کی یہ درستگی روح اور جسد دونوں کے لئے ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۳۸...... ''وان للذین ظلموا عذابا دون ذالک ولکن اکثرھم لا یعلمون'' ترجمہ: اور ان ظالموں کے لئے قبل اس کے بھی عذاب ہونے والا ہے لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں۔ (طور:۴۷)

(ف) اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان ظالموں کو قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے بھی عذاب ہونے والا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کے عذاب سے پہلے والے عذاب سے کون سا عذاب مراد ہے بعض حضرات نے قحط کا عذاب مراد لیا اور بعض حضرات نے قتل وشکست کا عذاب مراد لیا اور بعض حضرات نے اس سے عذاب قبر مراد لیا۔ پس اس تفسیر کے مطابق یہ آیت عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ چنانچہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر میں لکھتے ہیں: ''عذابا دون ذالک ای دون عذاب الاخرۃ وھو عذاب القبر او المواخذۃ فی الدنیا کقتل بدر والقحط سبع سنین'' (تفسیر بیضاوی ص ۶۹۷) یعنی قیامت کے عذاب سے پہلے والے عذاب سے مراد عذاب قبر ہے یا دنیاوی مواخذہ مراد ہے مثلاً بدر کے دن قتل یا قحط سالی مراد ہے۔

تفسیر روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے ''وعنہ وعن البراء ابن عازب انہ عذاب القبر'' یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس آیت میں عذاب سے مراد عذاب قبر ہے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۱۴ ص ۶۱)

مندرجہ ذیل تفاسیر میں بھی آیت کا یہی مطلب بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۰۱، تفسیر بغوی ج ۴ ص ۲۴۳، حاشیہ تفسیر جلالین ص ۴۳۷، تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۹۰، تفسیر مدارک ج ۴ ص ۱۹۰، برہامش خازن) نیز علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل قرار دیا ہے۔ (کتاب الروح ص ۱۰۶)

آیت نمبر ۳۹...... ''وسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الھۃ یعبدون'' ترجمہ:

اور آپ ان پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے۔ پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔ (زخرف:۴۵)

(ف) اس آیت کی حضرات مفسرین کرام نے دو تفسیریں بیان فرمائیں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر محمول ہے۔ یعنی حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ سابقہ انبیاء کرام سے پوچھ کر دیکھ لیں۔ کیا ہم نے اللہ رحمن کے سوا کوئی اور معبود بنائے ہیں۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سابقہ انبیاء کرام کے ساتھ آپ کو ملاقات کا موقع کب میسر آیا؟ تو جواب دیا گیا کہ سابقہ انبیاء کرام سے ملاقات کا یہ موقع بیت المقدس شب معراج کو میسر آیا اور اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت مجازی معنی پر محمول ہے اور انبیاء کرام سے پوچھ لینے سے مراد ان کی امت کے اہل علم سے پوچھنا مراد ہے۔

پس یہ آیت پہلی تفسیر کے مطابق حیات الانبیاء اور قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو بیت المقدس میں انبیاء کرام اور حضور اکرم ﷺ کے اجتماع کی دلیل قرار دیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۱۸۳)

چونکہ آپ کی یہ ملاقات انبیاء کرام سے ہوئی مثلاً آدم اور نوح علیہم السلام وغیرہ اور آدم اور نوح کا اطلاق روح اور جسد دونوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سب انبیاء کرام روح اور جسد دونوں کے ساتھ بیت المقدس میں تشریف لائے تھے۔ چونکہ حضور اکرم ﷺ کا یہ سفر معراج جسد عنصری کے ساتھ تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی تک موت واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا وہ بھی اسی جسد عنصری کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ لہٰذا بقیہ تمام انبیاء کرام بھی ان دونوں کی طرح جسد عنصری کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ عالم قبر و برزخ کی حیات روح اور جسد عنصری دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔

اگر کسی نے انبیاء کرام کا بیت المقدس میں جسد مثالی کے ساتھ تشریف لانا لکھا ہے تو اس سے ہرگز یہ دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ وہ لوگ عالم برزخ میں روح اور جسد کے تعلق کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ جسد مثالی کے ثابت کرنے کے باوجود جسد عنصری کے تعلق کے قائل ہیں ''کما ھو الظاھر من کتبھم'' کیونکہ عدم تعلق کا تو کوئی قائل ہی نہیں ہے۔ لہٰذا مثالی کے لفظ سے تعلق کا انکار سمجھ لینا کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ پس عالم قبر و برزخ میں روح اور جسد کے تعلق کو تسلیم کرنے کے بعد اگر کوئی شخص جسد مثالی کی بات کرتا ہے تو علماء اہل سنت کا اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس آیت کی دونوں تفسیریں مندرجہ ذیل کتب تفاسیر میں ملاحظہ فرمائیں:

(تفسیر روح المعانی ج ۱۳ ص ۲ ۱۳، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳ ۵ ۳، تفسیر بغوی ج ۴ ص ۱۴۱، تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۰۷، تفسیر مدارک برحاشیہ خازن ج ۴ ص ۱۰۷، تفسیر جلالین ص ۴۰۸، تفسیر عثمانی ص ۶۵۴، معارف القرآن ج ۷ ص ۷۳۸ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۲۹)

مندرجہ بالا تفسیروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت کی پہلی تفسیر حضرت ابن عباس، زہری، سعید ابن جبیر اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

آیت نمبر ۴۰...... ''ولقد صبحھم بکرۃ عذاب مستقر'' ترجمہ: اور صبح سویرے ہی ان (قوم لوط) پر عذاب دائمی آ پہنچا۔ (القمر:۳۸)

(ف) اس آیت میں عذاب مستقر سے مراد دائمی عذاب ہے جو کہ یہاں سے شروع ہوا اور قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ ہوتا رہے گا اور موت سے لے کر قیامت تک کے عذاب کو عذاب قبر کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت بھی عذاب قبر

کی دلیل ہے۔ چونکہ قوم لوط پر یہ عذاب روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر نازل ہوا اور پھر ہمیشہ جاری رہا ہے تو ثابت ہوا کہ موت کے بعد بھی یہ عذاب روح اور جسد عنصری دونوں پر ہمیشہ کے لئے وارد ہو رہا ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب نے بھی اس آیت کو عذاب قبر کی دلیل قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''ای یستقر بھم بعد الموت حتی یسلمھم الی النار المؤبدۃ'' (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۴۱) یعنی مرنے کے بعد عذاب قبران پر مسلسل برقرار رہے گا حتی کہ ان کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ والی آگ کے سپرد کرے گا۔ نیز مندرجہ ذیل مفسرین کرام نے بھی اس آیت سے دائمی اور قیامت تک مسلسل عذاب مراد لیا ہے۔ (تفسیر خازن ج ۴ ص ۲۰۵، تفسیر مدارج ۴ برحاشیہ خازن ص ۲۰۵، تفسیر بیضاوی ص ۷۰۴، تفسیر جلالین ص ۴۴۲، تفسیر بغوی ج ۴ ص ۲۶۳، تفسیر روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۳۸)

آیت نمبر ۱۴...... ''فتولّٰی عنھم وقال یقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولٰکن لا تحبون النّٰصحین'' ترجمہ: اس وقت صالح علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (اعراف:۷۹)

(ف) اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے برباد اور ہلاک ہوگئی تو بوقت روانگی حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی ہلاکت شدہ قوم کو مخاطب بنا کر خطاب کیا کہ اے میری قوم میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگوں نے خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہ کیا۔ لہٰذا اب اپنا انجام دیکھ لو۔ اس آیت کا واضح اور ظاہر مطلب یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے زجر و توبیخ بھرے لہجہ میں خطاب فرما کر ان کے عذاب میں اضافہ کیا۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قال لھم صالح علیہ السلام ذالک بعد ھلاکھم تقریعا وتوبیخا وھم یسمعون ذالک'' (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳۰)

یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے یہ بات اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد بطور زجر و توبیخ کہی اور قوم اس کی بات کو سن رہی تھی جس طرح کہ قلیب بدر والوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کو بروایت حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما سن رہے تھے اور بروایت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہ اپنی سزا اور عذاب کو جان رہے تھے اور سمجھ رہے تھے بہرحال مرنے کے بعد اللہ کے نبی کا ان کو ایسے انداز سے خطاب کرنا ان کی حیات اور سزا و عذاب کی دلیل ہے کیونکہ بغیر سننے والے مخاطب کے خطاب کرنا بے فائدہ سی بات ہے اور انسان کے خطاب کو اگرچہ مردہ کیوں نہ ہو جمادات کے خطاب پر قیاس کرنا خود غلط ہے۔ مندرجہ ذیل مفسرین کرام نے بھی حضرت صالح علیہ السلام کے خطاب کو واقعہ قلیب بدر سے تشبیہ دے کر ان کی حیات وسماع اور سزا ثابت کی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۷۶، تفسیر بیضاوی ص ۲۱۲، تفسیر بغوی ج ۲ ص ۱۷۵، تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۱۳، تفسیر معارف القرآن ج ۳ ص ۶۱۳ از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، حاشیہ جلالین ص ۱۳۶، تفسیر عثمانی ص ۲۱۳، تفسیر بیان القرآن ص ۳۳۲)

بعض مفسرین کرام نے اس آیت کی ایک دو اور توجیہات بھی کی ہیں لیکن راجح تفسیر یہی ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ تفسیر ظاہر قرآن کے مطابق ہے۔ اس لئے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر مفسرین کرام نے صرف یہی ایک تفسیر نقل کی ہے۔ دوسری توجیہات کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ نیز آیت کی یہ تفسیر آیات کثیرہ و احادیث متواترہ کے بھی موافق ہے۔ جن سے قبر کی زندگی اور جزا و سزا ثابت ہے۔

آیت نمبر ۴۲...... "فتولی عنھم وقال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی و نصحت لکم فکیف اسی علی قوم کافرین" ترجمہ: اس وقت شعیب علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچادیئے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں۔ (اعراف: ۹۳)

(ف) اس آیت کی تشریح اور اس سے طرز استدلال بالکل وہی ہے جو اس سے پہلے والی آیت میں گزر چکا ہے۔ البتہ فرق اتنا ہے کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کا مقولہ تھا اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مقولہ ہے۔

آیت نمبر ۴۳...... "ولقد آتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ و جعلناہ ھدی لبنی اسرائیل" ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت بنایا تھا۔ (سجدہ: ۲۳)

(ف) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے پیغمبر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی لہٰذا آپ اس کی ملاقات میں شک نہ کریں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کی ملاقات کس سے؟ چنانچہ حضرات مفسرین کرام نے اس کی مختلف تفسیریں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً:

۱...... موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات شب معراج میں آپ ﷺ سے ہوئی آپ اس میں شک نہ کریں۔

۲...... موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات اپنے رب سے ہوئی آپ اس میں شک نہ کریں۔

۳...... جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اسی طرح آپ کو بھی کتاب مل رہی ہے آپ شک نہ کریں۔

۴...... تبلیغ دین کے سلسلہ میں موسیٰ علیہ السلام کو تکلیفیں ملی ہیں اسی طرح آپ کو بھی تکلیفیں ملیں گی آپ اس میں شک نہ کریں۔

پہلی تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور صاحب جلالین اور صاحب خازن نے صرف اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی تفسیر ان حضرات کے نزدیک راجح ہے۔ دیکھئے (تفسیر جلالین ص ۳۵۰، تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۷۹) ان کے علاوہ دوسرے مفسرین نے اس تفسیر کے ساتھ ساتھ دوسرے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ بہرحال اس پہلی تفسیر کے مطابق یہ آیت عالم قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔ لیکن شب معراج میں آپ ﷺ کی ان سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام عالم قبر میں زندہ ہیں۔ آپ ﷺ کو جو خطاب کیا گیا کہ شک نہ کریں مقصد دوسرے لوگوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ اس میں شک نہ کریں کیونکہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہر قسم کے شک وشبہات سے پاک تھی۔

آیت نمبر ۴۴...... "اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی" ترجمہ: تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔ (القیامہ: ۳۴، ۳۵)

(ف) اس میں اولیٰ لک یعنی اے مجرم تیری ہلاکت و بربادی کا چار دفعہ تکرار کیا گیا ہے پہلی ہلاکت موت کے وقت دوسری ہلاکت قبر میں تیسری ہلاکت محشر میں اور چوتھی ہلاکت جہنم میں۔

(تفسیر مدارک ج ۴ ص ۲۳۷، معارف القرآن ج ۸ ص ۶۲۸)

پس یہ آیت بھی عذاب قبر کی دلیل ہے۔

آیت نمبر ۴۵...... "انا انذرلکم عذابا قریبا یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ ویقول الکافر یلیتنی کنت

ترابا'' ترجمہ: ہم نے تم کو نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرایا جس دن ہر شخص ان اعمال کو دیکھ لے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں سے کئے ہوں گے اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔ (النباء:۴۰)

(ف) اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ایک یہ کہ عذاب قریبی سے قیامت کا عذاب مراد ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ عذاب قریبی سے مراد عذاب قبر ہے اس تفسیر کے مطابق یہ آیت عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔دیکھئے (تفسیر مظہری ج۱۰ص ۱۸۳، معارف القرآن ج۸ ص۶۵۹)

آیت نمبر ۴۶...... ''فسوف تعلمون من یاتیه عذابٌ یخزیه ویحل علیه عذاب مقیم'' ترجمہ: سو اب جلدی تم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا جو اس کو رسوا کرے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا۔ (زمر:۴۰)

(ف) اس عذاب مقیم یعنی دائمی عذاب میں عذاب قبر بھی شامل ہے۔

آیت نمبر ۴۷...... ''فاطر السمٰوات والارض انت ولیی فی الدنیا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین'' ترجمہ: آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا اور مجھ کو خاص بندوں میں شامل کر دیجئے۔ (یوسف:۱۰۱)

(ف) یہ آیت بھی قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔کیونکہ اگر مرنے کے بعد کسی قسم کی حیات نہیں ہے تو نیک بندوں میں شامل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔واضح ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے نیک بندوں میں شامل ہونے کی یہ دعا اپنی ذات کے لئے مانگی ہے یعنی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کے لئے نہ کہ صرف اور صرف روح کے لئے۔ لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام روح اور جسد دونوں کے ساتھ موت کے بعد صالحین کے زمرہ میں شامل ہوئے۔پس یہ آیت ان کی اور صالحین کی قبر کی حیات کی دلیل ہے۔

آیت نمبر ۴۸...... ''وسیعلم الذین ظلموا ایَّ منقلب ینقلبون'' ترجمہ: اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ (الشعراء:۲۲۷)

(ف) اس آیت میں ظالموں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کو عنقریب اپنا انجام بد معلوم ہو جائے گا۔ یعنی مرنے کے بعد قبر میں حشر میں جہنم میں الغرض ہر محاذ پر۔جب ان کو سزا دی جائے گی تو ان کو پتہ چل جائے گا اور حقیقت حال سامنے آجائے گی۔چنانچہ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ای مرجع یرجعون بعد الموت'' یعنی موت کے بعد ظالموں کو اپنا ٹھکانا معلوم ہو جائے گا۔ (تفسیر بغوی ج۳ص۴۰۵)

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ میت کو قبر میں اپنا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے پس یہ آیت بھی عذاب قبر یعنی حیات قبر کی دلیل ہے۔

آیت نمبر ۴۹...... ''انا کفیناک المستهزءین الذین یجعلون مع الله الٰهاً آخر فسوف یعلمون'' ترجمہ: یہ لوگ جو ہنستے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں ان سے آپ کے لئے ہم کافی ہیں سو ان کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ (الحجر:۹۶)

ان سے آپ کے لئے ہم کافی ہیں سو ان کو ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔یعنی شرک اور مذاق کرنے والوں کو ابھی ابھی یعنی موت کے وقت اور قبر میں اور حشر میں اور جہنم میں اپنا انجام بد اور سزا معلوم ہو جائے گی۔

آیت نمبر ۵۰...... ''حتی اذا راوا ما یوعدون اماالعذاب واماالساعۃ فسیعلمون من ھو شر مکانا واضعف جندا'' ترجمہ: یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب اس کو دیکھ لیں گے خواہ عذاب کو خواہ قیامت کو سوان کو معلوم ہوجاوے گا کہ برا مقام کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں۔ (مریم:۷۵)

آیت نمبر ۵۱...... ''وابصرھم فسوف یبصرون'' ترجمہ: اور ان کو دیکھتے رہیے سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔ (الصافات:۱۷۵)

آیت نمبر ۵۲...... ''فاصفح عنھم وقل سلٰم فسوف یعلمون'' ترجمہ: تو آپ ان سے بے رخ رہئے اور یوں کہہ دیجئے کہ تم کو سلام کرتا ہوں سو ان کو ابھی معلوم ہوجائے گا۔ (الزخرف:۸۹)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ابھی مرتے ہی معلوم ہوجائے گا۔ (بیان القرآن)

(ف) مذکورہ بالا چاروں آیتیں آیت نمبر ۴۸ کی طرح عذاب قبر کی دلیلیں ہیں۔ کیونکہ ان سب آیات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کفار کو عنقریب اپنا انجام بد معلوم ہوجائے گا اور وہ اپنی سزا کو جان لیں گے بلکہ دیکھ لیں گے موت کے وقت بھی جان لیں گے قبر میں بھی جان لیں گے۔ حشر میں بھی جان لیں گے۔ جہنم میں بھی جان لیں گے۔ الغرض ہر مقام پر کفار اپنی سزا کو جان لیں گے اور اپنے انجام بد کو دیکھ لیں گے۔ پس جس طرح یہ آیتیں حشر و جہنم کی حیات وعذاب کی دلیلیں ہیں اسی طرح حیات قبر اور عذاب قبر کی بھی دلیلیں ہیں۔

قارئین کرام! بندہ عاجز ہیچ میدان ان مذکورہ بالا پچاس سے زائد آیات پر اکتفاء کرتا ہے۔ اہل علم اگر تلاش کریں تو اس سے مزید کی بھی توقع ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں سے اکثر آیات تو عذاب قبر اور حیات قبر پر نص صریح ہیں۔ سوائے عذاب قبر کے کسی دوسری تفسیر کا احتمال نہیں رکھتیں اور بعض آیات ایسی ہیں جن کی مختلف تفسیریں ہیں جن میں عذاب قبر کے ساتھ دوسرے احتمال کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن وہ سب اقوال جمع ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ مثلاً سوف یعلمون کی تفسیر میں موت کا عذاب، قبر کا عذاب، حشر کا عذاب، جہنم کا عذاب سب مراد لئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ان اقوال میں تعارض نہیں ہے۔

البتہ بہت کم بعض ایسی تفسیریں بھی ہیں جن کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن بندہ عاجز نے وہاں عذاب قبر والی تفسیر کو اختیار کیا ہے لیکن کوئی حضرات اس تفسیر کو قیل وغیرہ کے کلمات کی وجہ سے مرجوح قرار دینے کی بے فائدہ کوشش نہ کریں۔ اوّلاً تو اس لئے کہ ایک مفسر ایک تفسیر کو راجح قرار دیتا ہے اور دوسرا مفسر اس کو مرجوح کہہ دیتا ہے۔ لہٰذا ایک مفسر کے نزدیک مرجوح تفسیر، ضروری نہیں کہ وہ سب کے نزدیک مرجوح ہو۔ ثانیاً قیل کا کلمہ ہمیشہ مرجوح قول کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات صحیح قول کو بھی قیل کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے۔ ثالثاً جب آیات بینات ومحکمات کثیرہ سے راجح طور پر قبر کی زندگی اور جزاو سزا ثابت ہوچکی ہے اور اس پر اجماع امت بھی ہوچکا ہے تو کسی ایک آدھ آیت کی عذاب قبر کی تفسیر کو مرجوح قرار دینے سے اصل عقیدہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ لہٰذا عذاب قبر پر دلالت کرنے والی آیت کی کسی تفسیر کو مرجوح کہہ دینے سے منکرین عذاب قبر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

قارئین کرام! قرآن مجید کی یہ پچاس سے زائد آیات آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد عالم قبر میں مردہ کو جزاو سزا دی جاتی ہے اور میت اس عالم میں دکھ وسکھ کو محسوس کرتا ہے اور رنج وراحت کا ادراک کرتا ہے اور اس کو ثواب وعذاب کا پورا پورا احساس ہوتا ہے اور یہ سب چیزیں قبر کی زندگی کی

علامات ہیں۔ کیونکہ علم وادراک اور شعور واحساس وغیرہ کے لئے میت میں کسی نہ کسی قسم کی حیات کا ہونا ضروری اور لازمی ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا مدعا ہے کہ قبر میں جزا وسزا کے لئے میت میں نوع من الحیات رکھی جاتی ہے۔ اب آپ کے سامنے چند دوسری آیات پیش کی جاتی ہیں وہ براہ راست قبر کی جزا وسزا کی دلیل تو نہیں ہیں۔

لیکن ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردہ انسان موت کے بعد اس زمین والی قبر میں مدفون ہوتا ہے، قیامت تک اس کا یہی ٹھکانہ اور مستقر ہوتا ہے۔ پس جب یہ قرآن سے ثابت ہے کہ مردہ انسان اسی زمین والی قبر میں رہتا ہے اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ مرنے کے بعد مردہ انسان کو قبر وبرزخ میں جزا وسزا دی جاتی ہے تو ان دونوں قسم کی آیات سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ مرنے کے بعد انسان کو جو جزا وسزا دی جاتی ہے وہ اسی قبر میں دی جاتی ہے جو زمین میں کھودی جاتی ہے تو ان آیات سے جسد عنصری کے لئے ثواب یا عذاب ثابت ہوگا۔ کیونکہ قبر میں وہی مدفون ہے۔

آیت نمبر ۱...... ''قال فیها تحیون وفیها تموتون ومنها تخرجون'' ترجمہ: فرمایا کہ تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر پیدا ہونا ہے۔ (اعراف:۲۵)

آیت نمبر ۲...... ''منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخری'' ترجمہ: ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لے جاویں گے اور پھر دوبارہ اس سے تم کو نکال لیں گے۔ (طٰہٰ:۵۵)

آیت نمبر ۳...... ''واللہ انبتکم من الارض نباتا ثم یعیدکم فیها ویخرجکم اخراجا'' ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا پھر تم کو پھر زمین میں ہی لے جاوے گا اور تم کو باہر لے آوے گا۔ (نوح:۱۷،۱۸)

آیت نمبر ۴...... ''الم نجعل الارض کفاتا احیاءً وامواتا'' ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا۔ (المرسلات:۲۵،۲۶)

مذکورہ بالا چاروں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد مردہ انسان کا مستقر اور ٹھکانہ یہی زمین والی قبر ہے جس میں اس کو قیامت تک رہنا ہے۔ بندہ عاجز تفسیر عثمانی کے چند حوالہ جات نقل کر رہا ہے۔ بقیہ تفاسیر کا مطالعہ خود کر لینا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ نوح کی آیت پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں۔ یعنی مرے پیچھے مٹی میں مل جاتے ہیں پھر قیامت کے دن اسی سے نکالے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی ص۷۵۷)

اور سورۃ المرسلات کی آیت پر حاشیہ لکھتے ہیں۔ ''یعنی زندہ مخلوق اسی زمین پر زندگی بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی ہے اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اس کو اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا۔'' (تفسیر عثمانی ص۷۷۲) پس جب قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ مردہ انسان کا ٹھکانہ یہی زمین والی قبر ہے تو مرنے کے بعد والی کارروائی بھی اسی قبر میں ہوتی ہے۔ لہٰذا عالم برزخ وقبر کی کارروائی میں جسد مدفون کا روح کے ساتھ شریک ہونا ثابت ہو گیا ہے۔

<u>انتباہ</u>: مرزائی قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات جسمانی کے قائل نہیں ہیں اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بھی قائل نہیں ہیں اور وہ بزعم خویش انہی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن ان کا استدلال سراسر باطل اور دھوکہ ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عارضی طور پر آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ قیامت سے پہلے ان کا نزول الی الارض ہوگا اور ان پر پھر موت واقع ہوگی مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے۔ پھر ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں دفن کیا جائے گا۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں مطلب "فیھا تحیون" الایۃ کا یہ ہے کہ مسکن اصلی اور معتاد تمہارا یہ ہوگا اور اگر کسی عارض کی وجہ سے خرق عادت ہو جائے تو اس کی نفی نہیں ہے۔ پس اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ جانے اور رہنے کی نفی نہیں ہے۔ پس اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ جانے اور رہنے کی نفی پر استدلال کرنا محض باطل ہے۔ (تفسیر بیان القرآن مطبوعہ تاج کمپنی ص ۳۱۸)

فوائد مہمہ ضروریہ

اب چند فوائد آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں جن کو معلوم کرنے کے بعد اصل مضمون کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور ذہنوں میں پیدا ہونے والی تمام الجھنیں خود بخود دور ہو جاتی ہیں اور قبر کی زندگی روز روشن کی طرح اقرب الی الاذہان والافہام ہو جاتی ہے۔

قبر کسے کہتے ہیں؟

فائدہ ۱: جمہور علماء حقہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک قبر زمین کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں مردہ انسان کو دفن کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مردہ انسان کے مدفن یعنی جائے دفن کو قبر کہتے ہیں۔ قرآن وحدیث اور لغت میں بھی مدفن کو قبر کہا گیا ہے اور یہی قبر کا لغوی، عرفی اور شرعی مفہوم ہے۔ چند آیات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں۔ جن میں قبر کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱...... "ولاتقم علی قبرہ" (توبہ: ۸۴)

۲...... "وماانت بمسمع من فی القبور" (فاطر: ۲۲)

۳...... "کمایئس الکفار من اصحاب القبور" (الممتحنۃ: ۱۳)

۴...... "ثم اماتہ فاقبرہ" (عبس: ۲۱)

۵...... "واذاالقبور بعثرت" (الانفطار: ۴)

۶...... "حتی زرتم المقابر" (التکاثر: ۲)

۷...... "وان اللہ یبعث من فی القبور" (الحج: ۷)

مندرجہ بالا آیات میں لفظ قبر، قبور، مقابر، وغیرہ کا اطلاق مردہ انسان کے مدفن پر کیا گیا ہے جس تفسیر کو دل چاہے دیکھ لیں۔ حوالہ جات دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ان آیات سے قبر کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے۔

اور بے شمار حدیثوں میں قبر کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ قبر سے مردہ انسان کا مدفن ہی مراد ہے۔ چنانچہ حدیثیں بھی ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبر ۱...... "عن عبداللہ بن دینار انہ قال رأیت عبداللہ ابن عمر یقف علی قبر النبی ﷺ ویصلی علی النبی ﷺ ویدعو لابی بکر و عمر" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ حضور اکرم ﷺ کی قبر اقدس کے پاس کھڑے تھے حضور اکرم ﷺ پر درود پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔ (مؤطا امام مالک ص ۱۵۰)

حدیث نمبر ۲...... "عن سفیان التمار انه رأى قبر النبی ﷺ مسنما" ترجمہ: حضرت سفیان تمار نے حضور اکرم ﷺ کی قبر کو دیکھا وہ اونٹ کی کوہان کی طرح تھی۔ (مشکوۃ ص ۱۴۸ بخاری ج ۱ ص ۱۸۶)

حدیث نمبر ۳...... "عن قاسم بن محمد قال دخلت على عائشة فقلت یا اماه اکشفی لی عن رسول اللہ ﷺ وصاحبیه فکشفت لی عن ثلاثة قبور لا مشرفة ولا لاطیئة رواه ابو داؤد" ترجمہ: حضرت قاسم ابن محمد فرماتے ہیں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور ان کو کہا اے امی جان اپنے حجرہ کا دروازہ کھول کر مجھے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی قبر کی زیارت کرائیں۔ پس انہوں نے دروازہ کھولا وہاں تین قبریں تھیں نہ بہت زیادہ بلند اور نہ زیادہ پست۔ (مشکوۃ ص ۱۴۹، مسند ابو یعلیٰ موصلی ج ۸ ص ۵۳)

حدیث نمبر ۴...... "عن نافع قال کان ابن عمر اذا قدم من سفر اتی قبر النبی ﷺ فقال السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابتاه" ترجمہ: حضرت نافع فرماتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تھے تو حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کرتے تھے اور آپ پر سلام بھیجتے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۷۶)

حدیث نمبر ۵...... "عن عمر انه دخل المسجد فاذا هو بمعاذ بن جبل یبکی عند قبر رسول اللہ" ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل حضور اکرم ﷺ کی قبر اقدس کے پاس رو رہے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴۷)

حدیث نمبر ۶...... "فی حدیث معاذ بن جبل لعلک ان تمر بمسجدی وقبری" ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت کچھ ہدایات دی تھیں اور ان میں یہ بھی فرمایا تھا کہ شاید تو میری مسجد اور قبر سے گزرے گا یعنی تیری اور میری شاید دنیا میں دوبارہ ملاقات نہ ہوگی۔

(رواہ الدارمی مشکوۃ ص ۵۴۵، صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۲۰)

حدیث نمبر ۷...... "فرکب راحلته وقصد المدینة فاتی قبر النبی ﷺ جعل یبکی عنده رواه ابن عساکر قال التقی السبکی اسناده جید" ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار ہو کر مدینہ منورہ آئے اور حضور اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری دی اور روئے۔ (آثار السنن للنیموی ص ۳۴۰)

حدیث نمبر ۸...... "عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعته رواه البیهقی فی شعب الایمان (مشکوۃ ص ۲۷۹) واخرجه ابو الشیخ فی کتاب الثواب لثواب الاعمال" ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص میری قبر پر درود پڑھے گا میں سنوں گا۔ (عمدہ جدید فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۷۹)

حدیث نمبر ۹...... "اللهم لا تجعل قبری وثنا یعبد" ترجمہ: اے اللہ میری قبر کو بت کی طرح عبادت گاہ نہ بنانا۔

حدیث نمبر ۱۰...... "عن قیس بن سعد قال ارأیت لو مررت بقبری اتسجد لها" ترجمہ: جب حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے قیس اگر تو میری قبر پر گزرے تو کیا تو اس کو سجدہ کرے گا؟ میں نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اب بھی نہیں۔ (مشکوۃ ص ۲۸۲)

حدیث نمبر ۱۱...... "ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنه" ترجمہ: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں اگر عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر آ کر یا محمد کہیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۱۱ ص ۴۶۲)

حدیث نمبر ۱۲...... ''اللھم اجعل لی نورا فی قلبی ونورا فی قبری (ت) ومحمد ابن نصر فی الصلوٰۃ (طب) والبیھقی فی الدعوات عن ابن عباس '' ترجمہ: حضور اکرم ﷺ دعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ میرے لئے دل میں نور پیدا فرما اور میرے لئے میری قبر میں نور پیدا فرما۔ (جامع صغیر ج ۱ ص ۵۶)

حدیث نمبر ۱۳...... ''ما علی الارض بقعۃ ھی احب الی ان یکون قبری بھا منھا'' ترجمہ: زمین کے تمام ٹکڑوں میں سے مجھے زیادہ محبوب یہ ہے کہ میری قبر اسی ٹکڑے یعنی مدینہ میں ہو۔ (مؤطا امام مالک ص ۴۴۸)

حدیث نمبر ۱۴...... ''ولا تجعلوا قبری عیدا'' ترجمہ: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں میری قبر کو عید یعنی میلے جیسا اجتماع نہ بناؤ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۶)

حدیث نمبر ۱۵...... ''لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجدا لولا ذالک ابرز قبرہ'' ترجمہ: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کیونکہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ اسی خطرہ کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ کی قبر اقدس کو ظاہر نہیں کیا گیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۶)

حدیث نمبر ۱۶...... ''مررت علی موسٰی لیلۃ اسری بی عندالکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ'' ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اسراء والی رات میں سرخ ٹیلے کے پاس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۶۸)

حدیث نمبر ۱۷...... ''عن عائشۃ لما مات النجاشی کنا نتحدث انہ لا یزال یریٰ علی قبرہ نور'' ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نجاشی بادشاہ فوت ہوگیا تو ہمارے اندر یہ بات بیان کی جاتی تھی کہ نجاشی کی قبر پر نور دیکھا جاتا تھا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۹)

حدیث نمبر ۱۸...... ''عن ابن عباس مرفوعاً ما من احد یمر بقبر اخیہ المسلم کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا ردّ اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام'' ترجمہ: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گزرکرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس کی طرف متوجہ کردیتے ہیں تا کہ وہ سلام کا جواب دے۔ (رواہ ابن عبدالبر مصححاً تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۸ ۴ تفسیر معارف القرآن ج ۶ ص ۶۰۳)

حدیث نمبر ۱۹...... ''مر ابوھریرۃ وصاحب لہ علی قبر فقال ابوھریرۃ سلّم فقال الرجل اسلّم علی القبر فقال ابوھریرۃ ان کان راک فی الدنیا یوما قط انہ لیعرفک الآن'' ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کا ایک ساتھی کسی قبر سے گزرے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی سے کہا اس کو سلام کرو۔ ساتھی نے کہا کیا قبر کو سلام کروں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اس نے تجھے دنیا میں ایک دن دیکھا ہوگا تو اب تجھے پہچانے گا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۷۶)

حدیث نمبر ۲۰...... ''عن عمرو بن حزم قال رانی النبی ﷺ متکئاً علی قبر فقال لا توذ صاحب ھذا القبر'' ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو قبر پر تکیہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اس قبر والے کو تکلیف مت دو۔

(رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

حدیث نمبر ۲۱...... ''ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان'' ترجمہ: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب بندہ کو اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دفن کرنے والے ساتھی واپس

لوٹتے ہیں وہ ابھی ان کی جوتیوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے نکیرین آ جاتے ہیں۔
(مشکوٰۃ ص ۲۴، بخاری ج ۱ ص ۱۸۳، ۱۷۸، مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

حدیث نمبر ۲۲...... "مر النبی ﷺ بقبرین یعذبان" ترجمہ: حضور اکرم ﷺ کا دو قبروں سے گزر ہوا دونوں میں عذاب ہو رہا تھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۲)

حدیث نمبر ۲۳...... "مر النبی ﷺ بقبور المدینة فاقبل علیهم بوجهه فقال السلام علیکم یا اهل القبور" ترجمہ: حضور اکرم ﷺ کا مدینہ کی قبروں سے گزر ہوا آپ ﷺ ان کی طرف منہ کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا اے قبروں والے تم پر سلام ہو۔ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

حدیث نمبر ۲۴...... "کان رسول اللہ ﷺ یعلمهم اذا خرجوا الی المقابر السلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین" ترجمہ: حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام کو تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب تم قبرستان میں جایا کرو تو مسلمان مردوں کو سلام کیا کرو۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

حدیث نمبر ۲۵...... تمہید: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قبر کا معنی مدفن یعنی جائے دفن کیا ہے اور اس پر باب قائم کر کے قرآن وحدیث سے دلیلیں بیان کی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ وابی بکر وعمر فاقبره اقبرت الرجل اقبره اذا جعلت له قبرا وقبرته دفنته کفاتا تکونون فیها احیاء وتدفنون فیها امواتا" ترجمہ: باب آنحضرت ﷺ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کا بیان۔ سورت عبس میں جو آیا: فاقبرہ تو عرب لوگ کہتے ہیں "اقبرت الرجل اقبرہ" یعنی میں نے اس کے لئے قبر بنائی اور قبرتہ کا معنی میں نے اس کو دفن کیا اور سورۃ المرسلات میں جو کفاتا کا لفظ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی بھی زمین میں بسر کرو گے اور مر کر بھی اس میں گڑو گے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۶)

اور امام بخاری نے قبر بمعنی دفن کی جو حدیثیں بیان کی ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے "ودفن فی بیتی" یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ میرے گھر میں دفن ہوئے۔ یعنی ان کی قبر میرے حجرے میں ہے۔ "دفن فی بیتی" کے نیچے لکھا ہے "هو موضع الترجمة" یعنی امام بخاری کا مقصد دفن بمعنی قبر ہے۔ بہرحال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ قبر، دفن ہم معنی ہیں۔ یعنی جہاں مردہ انسان کو دفن کیا جاتا ہے۔ وہی اس کی قبر ہوتی ہے۔ امام بخاری کے طرز استدلال کے مطابق ایک اور حدیث مشکوٰۃ سے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۲۶...... "عن عائشة قالت کنت ادخل بیتی الذی فیه رسول اللہ ﷺ وانی واضع ثوبی واقول انما هو زوجی وابی فلما دفن عمر معهم فواللہ ما دخلت الا وانا مشدودة علی ثیابی حیاء من عمر" ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے حجرہ میں حضور اکرم ﷺ مدفون تھے میں بغیر برقعہ کے چلی جاتی تھی اور کہتی تھی کہ ایک میرے خاوند ہیں اور میرے والد ماجد ہیں لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں ان کے ساتھ دفن ہوئے تو میں برقعہ کر کے جاتی تھی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حیاء مانع تھا۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۵۴، مسند احمد جز سابع ص ۲۸۸)

قارئین کرام! آپ مذکورہ بالا چھبیس روایتوں میں غور فرمائیں۔ ان میں قبر کا لفظ زمین کے اس حصہ پر بولا گیا ہے۔ جہاں مردہ انسان دفن کیا گیا ہے۔ یعنی قبر بمعنی مدفن ارضی ہے۔ جمہور علماء اہل سنت والجماعت کی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ اور عقیدہ ہے اور اسی قبر میں نکیرین آتے ہیں۔ اسی قبر میں سوال وجواب ہوتا ہے۔ اسی میں حساب وکتاب ہوتا ہے۔ اسی قبر کو اعمال کے مطابق جنت کا باغ اور جہنم کا گڑھا بنایا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی پچاس سے زائد آیات سے جو جزا و سزا مرنے کے بعد ثابت ہے۔ وہ اسی قبر میں دی جاتی ہے۔ البتہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قبر کے سوال و جواب سے اور حساب و کتاب سے مستثنیٰ ہیں۔ یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ اگر کسی وجہ سے کسی مردہ کو یہ شرعی اور حقیقی قبر نصیب نہ ہو تو وہ جہاں ہے وہی اس کی قبر ہے اور اللہ تعالیٰ وہاں اس سے حساب لیتے ہیں۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجملہ عقائد کے یہ عقیدہ بھی لکھا ہے۔ عقیدہ نمبر ۳۵: جب آدمی مرجاتا ہے اگر گاڑا جائے تو گاڑنے کے بعد اگر نہ گاڑا جائے تو جس حال میں ہو اس کے پاس دو فرشتے جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ آ کر پوچھتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے، تیرا دین کیا ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ اگر مردہ ایماندار ہوا تو ٹھیک ٹھیک جواب دیتا ہے۔ پھر اس کے لئے ہر طرح کی چین ہے، جنت کی طرف کھڑکی کھول دیتے ہیں۔ جس سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور خوشبو آتی ہے وہ مزے سے پڑ کر سورہتا ہے اور اگر مردہ ایماندار نہ ہو تو وہ سب باتوں میں یہی کہتا ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں۔

پھر اس پر بڑی سختی اور عذاب قیامت تک ہوتا رہتا ہے اور بعضوں کو اللہ تعالیٰ اس امتحان سے معاف کردیتا ہے۔ مگر یہ سب باتیں مردہ کو معلوم ہوتی ہیں۔ ہم لوگ نہیں دیکھتے۔ جیسے سوتا آدمی خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے اور جاگتا آدمی اس کے پاس بے خبر بیٹھا رہتا ہے۔ (بہشتی زیور حصہ اوّل ص ۳۲ عقیدوں کا بیان)

بہرحال کتاب و سنت کے مذکورہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ شرعی حقیقی اور عرفی قبر یہی ہے۔ جس میں مردہ انسان کو دفن کیا جاتا ہے اور اسی میں جزا و سزا ہوتی ہے اور اگر کسی کو یہ قبر نہ ملے تو وہ جہاں ہے وہی اس کی قبر ہے اور وہاں اس کا حساب و کتاب ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ قبر مردہ انسان کے لئے ظرف مکان ہے۔

برزخ سے کیا مراد ہے

فائدہ ۲: برزخ کا لغوی معنی آڑ اور پردہ کے ہیں اور قرآن میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور علماء اسلام کے نزدیک موت سے لے قیام قیامت کے درمیانی وقت اور زمانہ کو برزخ کہتے ہیں۔ کیونکہ عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان یہ زمانہ آڑ اور پردہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

نیز: موت سے لے کر قیامت تک کی کارروائی پردہ میں ہوتی ہے شاید اسی وجہ سے اس کو عالم برزخ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ برزخ مردہ انسان کے لئے ظرف زمان ہے۔ مرنے کے بعد آدمی روح اور جسد سمیت عالم برزخ میں داخل ہوجاتا ہے۔ جو مردہ چارپائی پر پڑا وہ عالم برزخ میں داخل ہو چکا ہے اور جس کو لوگ کندھوں پر اٹھائے ہوتے ہیں۔ وہ عالم برزخ میں ہے اور جس کو قبر میں دفن کردیا گیا ہے وہ بھی برزخ میں ہے۔ الغرض مردہ جہاں ہے اور جس حالت میں ہے وہ عالم برزخ میں ہے۔ کیونکہ موت کے وقت سے اس کا عالم (زمانہ) تبدیل ہوگیا ہے۔ پہلے وہ عالم دنیا میں تھا اور اب عالم برزخ میں داخل ہوگیا۔

اگرچہ وہیں چارپائی پر کیوں نہ پڑا ہو وقت اور زمانہ کی تبدیلی کے لئے جگہ کی تبدیلی ضروری نہیں ہے۔ مثلاً آپ نے عصر کی نماز مسجد میں ادا کی اور پھر اسی مسجد میں اور اسی مصلی پر بیٹھ گئے۔ حتی کہ سورج غروب ہوگیا اور مغرب ہوگئی تو آپ وہاں بیٹھے ہوئے رات میں داخل ہوگئے۔ حالانکہ اسی جگہ بیٹھے ہیں۔ آپ کا مکان تبدیل نہیں

لیکن زمانہ تبدیل ہو گیا۔ عصر کے وقت آپ دن میں تھے اور مغرب کے وقت آپ رات میں چلے گئے۔ اسی طرح مرنے سے پہلے آدمی عالم دنیا میں ہوتا ہے اور مرنے کے بعد عالم برزخ میں چلا جاتا ہے۔ خواہ چارپائی پر کیوں نہ پڑا ہو یا جہاں بھی ہو۔ کیونکہ اس کا زمانہ تبدیل ہو چکا ہے۔

جس کو ارضی قبر نصیب نہ ہو اس کو بھی عذاب قبر ہوگا

فائدہ ۳: مرنے کے بعد انسان کے ساتھ جو کارروائی کی جاتی ہے اس کو اسلام میں عقیدہ عذاب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جس کو یہ قبر نصیب ہوگی اس کو عذاب ہوگا اور جس کو یہ قبر نصیب نہ ہوئی اس کو عذاب قبر نہ ہوگا۔ کیونکہ درحقیقت یہ عذاب میت ہے جو مرنے کے بعد مردہ کو دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر مردوں کو اسی قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کو عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ ورنہ بالفرض اگر کوئی مردہ اسی قبر میں دفن کیا جاتا ہے اسی لیے اس کو عذاب کہا جاتا ہے ورنہ بالفرض اگر کوئی مردہ اس قبر میں دفن نہیں کیا گیا تو وہ جہاں ہے وہیں اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ بہرحال مرنے کے بعد والی کارروائی درحقیقت عذاب میت ہے جس کو عذاب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قبر سے مراد برزخ کہنے کی وجہ

لیکن عذاب قبر کے الفاظ سے مخالفین اسلام کو ایک غلط فہمی لاحق ہوئی جس کی وجہ سے انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ جس مردہ کو اسی قبر میں دفن نہیں کیا جاتا۔ کیا اس کو عذاب قبر نہ ہوگا تو علماء اسلام نے ان کے اعتراض کا جواب یوں دیا کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ یہ جملہ علماء اسلام نے قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا کرنے کے لئے کہا ہے۔ کیونکہ مردہ انسان کا ٹھکانہ یہ قبر ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور مکان بھی اس کا ٹھکانہ بن سکتا ہے۔ مثلاً شیشہ کی الماری یا نعش کا درخت پر لٹکا رہنا وغیرہ لیکن میت کا زمانہ صرف ایک ہے۔ یعنی عالم برزخ۔ وہ مردے کے ہر مقام کو حاوی اور شامل ہے۔ کیونکہ جو مردہ قبر میں ہے وہ بھی عالم برزخ میں ہے اور جو مردہ شیشہ کی الماری میں رکھا ہے وہ بھی برزخ میں ہے۔ الغرض مردہ جس مکان میں ہے خاک میں یا راکھ میں اس کا زمانہ ایک ہے۔ یعنی عالم برزخ۔

مثلاً جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو رات کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ پورا ملک رات کے زمانہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ پس زمانہ تو سب کا ایک ہے یعنی رات اور ٹھکانہ ہر ایک کا مختلف ہے۔ کیونکہ کوئی لاہور میں ہے کوئی کراچی میں ہے اور کوئی ملتان وغیرہ میں ہے۔ لیکن رات کا زمانہ سب کا ایک ہے۔

اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سب لوگ رات میں سو رہے ہیں۔ لیکن ٹھکانہ ہر ایک کا مختلف ہے۔ چونکہ مرنے کے بعد مردہ کا ٹھکانہ مختلف ہو سکتا ہے قبر یا کوئی اور مقام۔ لیکن زمانہ سب کا ایک ہے۔

اسی لئے علماء اسلام نے قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتے ہوئے کہا کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ لہٰذا مردہ انسان کا مدفن شرعی اور حقیقی قبر ہے اور اگر کسی مردہ کو یہ قبر نصیب نہ ہوئی تو وہ جہاں ہے وہ اس کی مجازی قبر ہے اور عالم برزخ شرعی اور حقیقی اور مجازی قبر دونوں کو شامل ہے اور شرعی حقیقی قبر اور مجازی قبر عالم برزخ میں داخل ہے۔ اب ذرا غور سے سنیں اور سمجھیں کہ علماء اسلام نے مخالفین اسلام کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ تاکہ مردہ کا ہر مقام قبر کے مفہوم میں داخل ہو جائے۔ حقیقتاً یا مجازاً اور منکرین عذاب قبر نے علماء اسلام

کے اس جملہ کی مراد الٹی سمجھی اور برزخ کے مفہوم سے خود شرعی اور حقیقی قبر کو خارج کر دیا۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جو ان لوگوں کو لاحق ہوئی اور بہت بڑا دھوکہ ہے جو خود بھی کھا رہے ہیں اور دوسروں کو بھی دے رہے ہیں۔

علماء اسلام قبر سے مراد برزخ کہہ کر قبر کو برزخ سے خارج کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ قبر مردہ کے ہر مقام کو شامل ہو جائے اور مخالفین اسلام کے اعتراض کا دفعیہ ہو جائے۔

چنانچہ شارح مشکوٰۃ حضرت مولانا نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''عذاب قبر قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اس میں کوئی شبہ اور کلام نہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہاں قبر سے مراد محض ڈیڑھ دو گز کا گڑھا نہیں ہے بلکہ قبر کا مطلب عالم برزخ ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان ایک عالم ہے اور یہ عالم ہر جگہ ہو سکتا ہے۔ جیسے بعض لوگ ڈوب جاتے ہیں، جلا دیئے جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ان پر بھی عذاب مسلط کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ جن لوگوں کو زمین میں دفن کیا جاتا ہے صرف ان پر ہی عذاب ہوتا ہے اور جو لوگ دوسرے طریقے اختیار کرتے ہیں وہ عذاب سے بچ جاتے ہیں۔ عذاب قبر کی تصدیق کے درجات میں صحیح اور اولیٰ مرتبہ اس بات کا اعتقاد اور یقین رکھنا ضروری ہے کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد خدا کے نیک بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور جو لوگ بدکار گنہگار ہوتے ہیں ان پر خدا کا سخت عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں منکر نکیر عذاب دینے والے فرشتے اور سانپ وبچھو بدکار لوگوں پر مسلط کئے جاتے ہیں اور جن کا وجود احادیث سے ثابت ہے۔ یہ سب صحیح اور واقعی چیزیں ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔'' (مظاہر حق ج ۱ ص ۱۸۵ جدید)

دیکھئے نواب صاحب نے واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ جس مردہ کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے اس کو اسی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اور جس کو کسی وجہ سے دفن نہیں کیا جاتا ہے اس کو وہاں عذاب ہوتا ہے جہاں وہ ہے۔ کیونکہ قبر سے مراد صرف یہی گڑھا نہیں ہے۔ بلکہ مراد عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اس قبر کو اور مردہ کے ہر مقام کو شامل ہے۔

اسی طرح ہمارے بے شمار علماء کرام نے کہا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ مقصد ان کا یہ ہے کہ صرف یہی گڑھا یعنی مردہ کا مدفن قبر نہیں ہے بلکہ مردہ جہاں بھی ہے وہی اس کی قبر ہے۔ البتہ مدفن حقیقی قبر ہے اور اس کے علاوہ مجازی قبر ہے اور برزخ اس حقیقی قبر سمیت مردہ کے ہر مقام کو شامل ہے۔

ہمارے علماء قبر سے مراد برزخ کہہ کر اس قبر کی نفی نہیں کرنا چاہتے اس جملہ سے حقیقی قبر کی نفی سمجھنا منکرین عذاب قبر کے سوئے فہم کا نتیجہ ہے۔ بھلا برزخ کہنے سے قبر کی نفی کیسے ہوتی ہے۔ حالانکہ برزخ ظرف زمان ہے اور قبر ظرف مکان ہے۔ زمان ومکان میں تضاد وتنافی نہیں ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کی ضدیں ہیں اور نہ ہی کسی ایک سے دوسرے کی نفی ہوتی ہے بلکہ یہ دونوں جمع ہوتے ہیں اور بیک وقت صادق آتے ہیں۔ مثلاً احمد نے رمضان المبارک میں مکہ مکرمہ میں عمرہ کیا۔ یہاں مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے ظرف مکان ہے اور رمضان المبارک عمرہ کے لئے زمان ہے۔ یہ دونوں باتیں سچی ہیں۔ مکہ مکرمہ اور رمضان المبارک دونوں میں عمرہ واقع ہوا۔ یہاں ایک کے کہنے سے دوسرے کی نفی سمجھنا پرلے درجے کی جہالت ہے۔

اسی طرح عبید نے مسجد میں رات میں نماز تہجد ادا کی۔ مسجد نماز کے لئے ظرف مکان اور رات نماز کے لئے ظرف زمان ہے۔ ان میں کسی قسم کا تضاد اور تنافی نہیں ہے۔ یہاں ایک کے کہنے سے دوسرے کی نفی سمجھنا نری حماقت ہے۔ اسی طرح اگر کہا جائے کہ حامد نے دن میں مدرسہ میں سبق یاد کیا تو بھی یہ دونوں باتیں بیک وقت سچی ہیں۔ کیونکہ

دن سبق یاد کرنے کے لئے ظرف زمان اور مدرسہ اس کے لئے ظرف مکان ہے۔ یہاں بھی کسی ایک سے دوسرے کی نفی کرنا خالص بے وقوفی ہے۔ اسی طرح قبر عذاب میت کے لئے ظرف مکان ہے اور عالم برزخ عذاب میت کے لئے ظرف زمان ہے۔ ان میں کسی قسم کا تضاد اور تنافی نہیں ہے۔ بلکہ دونوں باتیں بیک وقت صادق ہیں۔

پس قبر سے مراد برزخ کہنے سے قبر کی نفی سمجھنا جہالت، حماقت اور بے وقوفی ہے۔ ہاں مکان سے مکان کی نفی ہوتی ہے اور زمان سے زمان کی نفی ہوتی ہے۔ مثلاً نور محمد عالم دنیا میں ہے لہٰذا عالم برزخ میں نہیں ہے اور عالم برزخ میں ہوگا تو عالم دنیا میں نہ ہوگا۔

بہرحال ایک زمان سے دوسرے زمان کی نفی ہوتی ہے اور اسی طرح ایک مکان سے دوسرے مکان کی نفی ہوتی ہے۔ لیکن مکان سے زمان کی اور زمان سے مکان کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر عمل کے لئے مکان اور زمان دونوں کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ لہٰذا مرنے کے بعد والی کارروائی کے لئے قبر ظرف مکان ہے اور برزخ ظرف زمان ہے اور مرنے کے بعد والی کارروائی کے لئے ان دونوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔

پس آپ اس کارروائی کو عذاب قبر بھی کہہ سکتے ہیں اور عذاب برزخ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن منکرین عذاب قبر نے علماء اسلام کی بیان کردہ تشریح کہ قبر سے صرف گڑھا مراد نہیں بلکہ عالم برزخ مراد ہے کا مطلب الٹا سمجھ کر تاویل القول بمالا یرضی بہ القائل کا ارتکاب کرتے ہوئے سادہ لوح لوگوں کو کئی ایک دھوکے بھی دے دیئے۔ ایک دھوکہ تو یہ دیا کہ برزخ کہنے سے قبر کی نفی ہوگئی۔ حالانکہ برزخ سے قبر کی نفی نہیں ہوتی۔ بلکہ قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوئی۔ دوسرا دھوکہ یہ دیا کہ برزخ کسی مکان کا نام ہے حالانکہ برزخ مکان نہیں بلکہ زمانہ کا نام ہے اور تیسرا دھوکہ یہ دیا کہ وہ مکان روح کا مقام ہے یعنی علیین اور سجین حالانکہ علماء اسلام میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ برزخ سے مراد صرف روح کا مقام ہے۔

ہاں برزخ اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے روح کے ہر مقام کو شامل ہے اور جسد کے بھی ہر مقام کو شامل ہے۔ لیکن برزخ سے صرف روح کا مقام مراد لینا اور جسد کے مقام کو برزخ سے خارج سمجھنا علمی خیانت اور مذہبی دھوکہ ہے۔

ازالہ شبہ نمبر ۱

فائدہ ۴: بندہ عاجز نے آپ کی خدمت میں قرآن مجید کی جو پچاس سے زائد آیتیں پیش کی ہیں جن سے قبر کی جزا و سزا اور زندگی ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض آیات ایسی بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جزا و سزا کا یہ سلسلہ مرنے کے متصل بعد اور دفن سے پہلے شروع ہو جاتا ہے تو اس کو عذاب قبر کیسے کہا جا سکتا ہے تو اس شبہ کے ازالہ کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری شرح صحیح بخاری سے یہ جواب نقل کیا ہے ”ھذا وان کان قبل الدفن فھو من جملة العذاب الواقع قبل یوم القیامة وانما اضیف العذاب الی القبر لکون معظمة یقع فیه ولکون الغالب علی الموتی ان یقبروا والا فالکافر ومن شاءاللہ تعالٰی تعذیبه من العصاة یعذب بعد موته ولو لم یدفن ولکن ذالک محجوب عن الخلق الا من شاءاللہ“ یعنی یہ عذاب اگرچہ دفن سے پہلے ہے تاہم قیامت سے پہلے واقع ہونے والے عذاب کے زمرہ میں داخل ہے اور اس عذاب کی اضافت قبر کی طرف اس لئے کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس عذاب کا معظم حصہ یعنی اکثر حصہ قبر میں دیا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ اکثر موتی کو دفن کیا جاتا ہے ورنہ کافر اور جس گنہگار کو اللہ تعالٰی سزا دینا چاہتے ہیں تو اس کو مرنے

کے بعد سزا دیتے ہیں۔ اگرچہ دفن نہ بھی کیا جائے۔ لیکن یہ جزاء و سزا لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھی جاتی ہے۔ الا ماشاء اللہ مگر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے دکھا بھی دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ موت کے بعد سے لے کر قیامت تک کی ساری کارروائی کو مجازاً یا تغلیباً عذاب قبر کہنا درست ہے۔ کیونکہ علماء اسلام وضاحت فرما چکے ہیں کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے اور برزخ اپنے وسیع تر مفہوم کی وجہ سے موت سے لے کر قیامت تک کی ہر کارروائی کو شامل ہے۔

ازالہ شبہ نمبر ۲

فائدہ ۵: قبر کی ساری کارروائی کو عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ حالانکہ مومن کا قبر میں امتحان تو لیا جاتا ہے لیکن اس کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ اس کے باوجود اس کو عذاب قبر کہنے کی کئی وجوہات ہیں۔

اوّلاً: ''تغلیبا لفتنة الکافر علی فتنة المؤمن'' یعنی کفار کے عذاب کو مومن کے امتحان پر تغلیب دے کر اس کو عذاب قبر کہہ دیا جاتا ہے۔

ثانیاً: ''لان القبر مقام الهول والوحشة'' یعنی مومن کو اگرچہ قبر میں عذاب نہیں دیا جاتا۔ لیکن قبر تو ہول اور وحشت کا مقام ہے۔ اسی لئے اس کو عذاب قبر کہا جاتا ہے۔

ثالثاً: ''لان ملاقات الملائکة مما یهاب منه ابن آدم'' یعنی جب مردہ کی قبر میں فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے مردہ خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ یہ جوابات حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۱) سے نقل فرمائے ہیں۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۸۳)

ازالہ شبہ نمبر ۳

فائدہ ۶: حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ یثبت اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سورت ابراہیم کی ہے اور حدیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو عذاب قبر کا علم مدینہ منورہ میں ہوا۔ لہٰذا یہ آیت ''یثبت اللہ الذین آمنوا'' عذاب قبر کے بارے میں کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ سورت ابراہیم کی ہے۔ اگر اس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو مکہ میں حضور ﷺ کو اس کا علم ہو جاتا۔

جواب: اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سورت کی اس خاص آیت کو مدنی مانا جائے۔ مگر یہ کہیں ثابت اور منقول نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں لفظ تو فی الآخرة وارد ہوا ہے اور آخرت دو ہیں۔ ایک آخرت قریبہ یعنی عالم برزخ اور ایک آخرت بعیدہ یعنی عالم حشر اور قیامت کبریٰ یا یوں کہو کہ ایک حقیقی اور ایک مجازی اور آیت میں لفظ آخرت دونوں کو شامل ہے اور اپنے عموم کی وجہ سے دونوں کو متناول ہے اور حضور پرنور ﷺ کو تثبیت اور اضلال فی الآخرة کا ایک جز تو مکہ مکرمہ میں ہی منکشف ہو گیا۔ یعنی قیامت میں حساب و کتاب کے وقت مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کافروں کا پھسلنا۔ چونکہ لفظ آخرت سے ظاہر اور متبادر قیامت ہے اور تثبیت اور اضلال کا دوسرا جز یعنی تثبیت اور اضلال فی القبر مدینہ منورہ میں منکشف ہوا۔ خلاصہ یہ کہ تثبیت اور اضلال فی الآخرة کا وہ حصہ جو قیامت سے متعلق تھا ظاہر اور متبادر ہونے کی وجہ سے مکہ ہی میں منکشف ہو گیا اور دوسرا جزء یعنی

عذاب قبر اور نعیم قبر یہ مدینہ میں منکشف ہوا۔ پس آیت کے مکی ہونے میں اور آیت کے عذاب قبر کے بارہ میں نازل ہونے میں کوئی تنافی نہیں رہی۔" (معارف القرآن ج ۴ ص ۱۳۷)

اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس اشکال کا جواب یوں دیتے ہیں: "لا یقال ان ھذہ الآیة مکیة والعلم بعذاب القبر انما حصل بالمدینة وذالک لان عذاب القبر یفھم من الآیة بطریق المفھوم اجمالا فی حق من لم یتصف بالایمان وانما حصل فی المدینة العلم التفصیلی بہ لا مطلق العلم فلا یرد علیہ انکارہ علیہ الصلوٰة والسلام من عذاب القبر فی اوّل امرہ بالمدینة فی خبر الیھودیة کما ذالک لانہ ﷺ لم ینکر مطلق العذاب بل تفصیل شمولہ للمؤمن ثم لما نزل الوحی بتفصیلہ اعلن بشمولہ لعصاة المومن ایضاً"

(احکام القرآن ج ۴ ص ۸۳)

یعنی یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ جس آیت سے عذاب قبر ثابت کیا جا رہا ہے وہ مکیہ ہے اور حضور اکرم ﷺ کو عذاب قبر کا علم مدینہ منورہ میں ہوا۔ کیونکہ آیت میں عذاب قبر کا فرین کے لئے اجمالی طور پر ثابت ہے اور عذاب قبر کا تفصیلی علم بے شک آپ کو مدینہ منورہ میں حاصل ہوا۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی وارد نہ ہوگا کہ ابتداءً آپ نے مدینہ منورہ یہودیہ عورت کی خبر سن کر انکار فرمایا تھا۔ کیونکہ یہ مطلق عذاب قبر کا انکار نہیں تھا۔ بلکہ انکار مومنین کے حق میں تھا۔ یعنی مومنین کو عذاب قبر نہیں ہوتا۔ بلکہ یہودیوں اور کافروں کو ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں آپ کو یہ بتلایا گیا کہ قبر کا یہ عذاب کافروں کی طرح گنہگار مومنین کو بھی ہوتا ہے۔ پس جب آپ کو اس تفصیل کا علم دیا گیا تو آپ نے اس کا اعلان فرمادیا کہ عذاب قبر حق ہے۔ اسی طرح جن آیات مکیہ کو علماء اہل سنت والجماعت نے عذاب قبر کی دلیل بنا کر پیش کیا ہے ان سب کی طرف سے یہی جواب ہے۔

وہم کا دفعیہ اور عذاب قبر کی صورت

فائدہ ۷: آپ کی خدمت میں جو پچاس سے زائد آیات بیّنات پیش کی گئی ہیں۔ جن سے علماء اسلام نے قبر کی زندگی اور قبر کی جزا و سزا ثابت کی ہے اور انہیں آیات سے یہ ثابت کیا ہے کہ موت کے بعد والی یہ کارروائی روح اور جسد دونوں پر وارد ہوتی ہے۔ لیکن بعض مفسرین کرام نے ان کی تفسیر میں یہ جملے نقل کئے ہیں "ارواحھم فی طین ذالک لا رواحھم روحھم" یا حیات روحانی وغیرہ وغیرہ۔ آپ اس قسم کے الفاظ سے ہرگز ہرگز دھوکہ میں نہ پڑنا کہ مفسرین کرام ارواح یا حیات روحانی کا ذکر کر کے جسد کے معذب یا منعم ہونے کا انکار کر رہے ہیں۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

بلکہ وہ حضرات اس قسم کے الفاظ کے ذریعہ روح اور جسد دونوں کے معذب ہونے کی صورت بتلانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ عالم قبر کی جزا و سزا کی صورت دنیا کی جزا و سزا کی صورت سے ذرا مختلف ہے۔ عالم دنیا میں جسد انسانی نمایاں اور ظاہر ہے اور روح مخفی ہے اور دنیا کی سزا دراصل جسد پر وارد ہوتی ہے اور جسد کے واسطہ سے روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں دنیا میں جزا و سزا کے معاملہ میں جسد اصلی اور روح اس کے تابع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیاوی تکلیف کو جسمانی اذیت کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کو جسمانی اذیت کہنے سے روحانی اذیت کی نفی ہوتی ہے۔ بلکہ مقصد سزا کی صورت بتلانا ہے کہ اس اذیت میں جسد اصل ہے اور روح تابع ہے اور جسد کی اذیت سے روح کو بھی اذیت پہنچتی ہے۔ پس اصل کو ذکر کیا گیا اور تابع کے ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ یہ تو دنیاوی سزا کی صورت ہے

اور عالم قبر و برزخ کی جزا و سزا کی صورت یہ ہے کہ وہاں روح کو اصل سمجھا جاتا ہے اور جسد کو اس کے تابع بنایا جاتا ہے۔ وہاں کی دراصل سزا روح پر وارد ہوتی ہے اور روح کے واسطہ سے جسد کو عذاب ہوتا ہے۔ چونکہ وہاں روح اصل ہے اور جسد اسکے تابع ہے۔ اسی لئے اس کو عذاب روحانی اور حیات روحانی کہہ دیا جاتا ہے تو مقصد عالم برزخ کی جزا و سزا کی صورت بتلانا ہے نہ کہ جسد کی نفی کرنا۔ پس جس طرح جسمانی اذیت کہنے سے روحانی اذیت کی نفی سمجھنا حماقت ہے۔ اسی طرح عالم برزخ کی روحانی حیات اور روحانی عذاب کے لفظ سے جسد کی نفی سمجھنا بھی حماقت ہے۔ بہر حال عالم دنیا اور عالم برزخ میں جزا و سزا روح اور جسد دونوں کو ہوتی ہے۔ لیکن عالم دنیا کی سزا کی صورت اور ہے اور عالم قبر کی سزا کی صورت اور ہے۔ ان دونوں عالموں کی جزا و سزا کی مختلف صورتیں مندرجہ ذیل کتب میں دیکھیں۔

کتاب الروح لابن قیم ص ۸۸، ۸۹، شرح فقہ اکبر لعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲۶، احکام القرآن مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۹۹، ۱۰۰۔ عالم قبر کی اس کارروائی کی صورت کچھ عالم خواب کی کارروائی جیسی ہے۔ کیونکہ عالم خواب میں روح جسد سے نکالی جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد وجود روح جہاں بھی چلی جاتی ہے وہ چار پائی پر پڑے ہوئے جسد کو اپنے ہمراہ سمجھتی ہے اور روح پر دکھ سکھ اور خوشی غمی کے جو حالات طاری ہوتے ہیں۔ چار پائی پر پڑا ہوا جسد اس میں برابر کا شریک ہوتا ہے اور اسی طرح عالم قبر کو سمجھو اور جو شخص بھی عالم خواب میں غور کرے گا عالم قبر کی حقیقت کو پالے گا اور قبر کی زندگی کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات خود بخود زائل ہو جائیں گے اور قبر کے حالات خوب ذہن نشین ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز!

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ مفسرین کرام حیات روحانی، عذاب روحانی اور ارواح کا ذکر کر کے قبر کی جزا و سزا کی صورت بیان کرتے ہیں۔ نہ کہ جسد کے شریک حیات اور شریک جزا و سزا کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ یہی مفسرین کرام اپنی اپنی تفسیروں میں اعادہ روح الی الجسد اور تعلق روح کو ثابت کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں اور روح اور جسد دونوں کے معذب یا منعم ہونے کو بھی ثابت کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''هم يدخلون جهنم من يوم مماتهم بارواحهم وينال اجسامهم في قبورها من حرها وسمومها فاذا كان يوم القيامة سلكت ارواحهم في اجسادهم وخلدت في النار'' (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۶۷) یعنی ان کافروں کو موت کے دن سے ارواح کے ساتھ جہنم میں داخل کیا جاتا ہے اور ان کی قبر میں ان کے اجساد کو جہنم کی آگ اور گرم ہوا پہنچتی ہے۔ پس جب قیامت قائم ہوگی ان کے ارواح کو ان کے اجساد کے ساتھ جوڑ کر ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

نیز: مندرجہ ذیل تفسیروں کا مطالعہ فرمائیں جس میں اعادہ روح، تعلق روح اور روح اور جسد کے مجموعہ کو جزا و سزا کا مورد بتایا گیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۳، جز ۲۲ ص ۳۱، ۳۸، جز ۱۵ ص ۵۷، جز ۸ ص ۱۱۸، تفسیر عثمانی ص ۷۶۶، تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۱۰۰، تفسیر نسفی ج ۴ ص ۳۹، تفسیر بیضاوی ص ۴۲، ص ۲۲۰، ص ۲۵۴، ص ۴۳۲، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۶۷، ج ۲ ص ۲۱۳، ج ۳ ص ۴۳۸ ص ۴۳۹، ص ۵۱۵)

(بیان القرآن ج ۳ ص ۱۱۳، تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۲۳۳، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۹۰، ص ۳۱۷، ج ۸ ص ۲۲۰، تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ج ۵ ص ۲۳۶، ص ۲۳۷، ج ۵ ص ۴۶۰، ج ۴ ص ۲۲۵، ج ۷ ص ۲۰۳، ص ۳۲۹، ص ۳۳۴، ج ۶ ص ۶۰۲، ص ۶۰۳، ج ۸ ص ۶۹۷، ۶۹۸، تفسیر معارف القرآن ج ۱ ص ۲۴۹، ج ۵ ص ۲۸۸، ج ۶

ص ۱۴۳ اص ۱۴۵، از مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، تفسیر خازن ج ۳ ص ۸۳، تفسیر مظہری ج ۹ ص ۷۷، ج ۱۰ ص ۲۲۵، ص ۲۹۶، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۳ ص ۳۷۸، ج ۷ ص ۲۴۲، تفسیر مظہری ج ۱ ص ۴۴ ص ۱۷۰، تفسیر بغوی ج ۳ ص ۳۵، تفسیر احکام القرآن ج ۴ ص ۷۷ تا ۱۷۱، تفسیر احکام القرآن ج ۳ ص ۱۶۳، ص ۱۸۲)

مؤخر الذکر دو رسالے ہیں ایک کا نام ثبوت عذاب القبر من الکتاب والسنۃ اور دوسرے کا نام تکمیل الحبور سماع اہل القبور ہے۔ یہ دونوں رسالے احکام القرآن کا جز بن کر شائع ہوئے ہیں بندہ عاجز نے قرآن مجید کی پندرہ تفسیروں کے حوالے آپ کی خدمت میں پیش کئے ہیں۔

عبارات بخوف طوالت پیش نہیں کی گئیں۔ کتابت وطباعت کی غلطی بہرحال ممکن ہے لیکن ان حضرات کے عقیدہ ومسلک بیان کرنے میں بندہ نے کوئی خطا نہیں کی۔ مذکورہ بالا پندرہ تفسیروں میں بعض جگہ۔ آپ کو اعادہ روح کا مسئلہ ملے گا اور بعض تفسیروں میں آپ کو تعلق روح کا مسئلہ ملے گا اور بعض میں روح اور جسد کے مجموعہ کو جزا وسزا میں شریک ہونے کا مسئلہ آپ کو ملے گا اور بعض میں حیات الانبیاء اور سماع الانبیاء کا مسئلہ آپ کو ملے گا اور بعض میں آپ کو سماع السلام لاہل القبور کا مسئلہ ملے گا اور بعض تفاسیر میں آپ کو یہ سارے مسائل ملیں گے اور ان شاء اللہ ضرور ملیں گے۔

ولا شک فیہ ولا ریب فیہ اور یہ سارے مفسرین کرام ان سب باتوں کے قائل ہیں۔ اس پر ان کی تفسیریں شاہد ہیں۔

اگر یہ مفسرین کرام ''ارواحھم فی طیر حیات روحانی'' عذاب روحانی وغیرہ الفاظ سے جسد کے نفی کر دیتے تو وہ مذکورہ عقائد کو اپنی تفسیروں میں قطعاً درج نہ کرتے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ روح، روحانی کے ذریعہ عالم برزخ کی جزا وسزا کی صورت بتا رہے ہیں کہ اس عالم میں روح اصل ہوتی ہے اور جسد اس کے تابع ہوتا ہے اور روح کی ہر کارروائی میں جسد تابع ہو کر شامل ہوتی ہے۔ تفاسیر میں ایسے الفاظ دیکھ کر جسد کی نفی سمجھنا سوء فہم کا نتیجہ ہے اور ''تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل'' کی بدترین مثال ہے۔ اعاذنا اللہ منہ!

قبر کی زندگی کے متعلق ایک وضاحت

فائدہ ۸: قرآن وحدیث میں اگر کہیں دنیا وآخرت کی زندگی کا ذکر ہو اور عالم قبر وبرزخ کی تیسری زندگی کا ذکر نہ ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قبر کی زندگی ہے ہی نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات کثیرہ اور احادیث متواترہ سے قبر کی زندگی ثابت ہے۔ بلکہ علماء اہل سنت والجماعت نے وضاحت فرمائی ہے کہ ایسے مواقع پر برزخ کی زندگی تکملہ یا مقدمہ کی حیثیت سے دنیا یا آخرت میں ضمناً مذکور ہوتی ہے۔ یعنی برزخی زندگی کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بنا کر اس میں شامل سمجھا جاتا ہے یا پھر آخرت کی زندگی کا مقدمہ بنا کر اس میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کو مستقلاً ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ ضمناً ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تحقیق گزر چکی ہے وہ عالم قبر وبرزخ کو آخرت ہی قرار دیتے ہیں اور اب یہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ قرآن مجید بھی دیکھ لیں وہ لکھتے ہیں۔ ''رہی قبر کی منزل جو دنیا وآخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔'' (تفسیر عثمانی ص ۳۴۳)

ادھر ادھر کا مطلب وہی ہے کہ قبری زندگی کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی بنایا جا سکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا

مقدمہ بھی۔ علماء حق کے بیان کردہ اس اصول کے مطابق قبر کی زندگی کے دلائل کا ایک نیا دروازہ کھلتا ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں جہاں کہیں دنیا وآخرت کی زندگیوں کا ذکر ہے۔ وہاں قبر کی زندگی ضمناً مذکور ہے۔ مثلاً ''فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ'' وغیرہ۔ لہٰذا یہ سب قبر کی زندگی کے دلائل ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

فائدہ۹: کتاب وسنت کے روشن دلائل کے مطابق تمام علماء اہل السنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ عالم قبر وبرزخ میں بوقت سوال روح کا جسد کی طرف اعادہ ہوتا ہے۔ جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جزا سزا کے لئے روح اور جسد کا تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ اسی مجہول الکیفیت تعلق کی وجہ سے روح اور جسد دونوں عذاب وثواب کا مورد بنتے ہیں۔ چاہئے روح جہاں ہو اور جس حال میں ہو اسی طرح جسد جس حال میں ہو اور جہاں ہو بہرحال یہ اعادہ روح بھی برحق ہے اور تعلق روح بھی برحق ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''انعقد الاجماع علی ان عذاب القبر علی الروح والجسد'' (تفسیر مظہری ج ص ۷۷) یعنی اس پر اجماع امت ہے کہ عذاب قبر روح اور جسد دونوں پر وارد ہوتا ہے۔ شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے ''عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعا باتفاق اھل السنۃ والجماعۃ'' (ص ۳۳۰)

امام شرف الدین نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''ثم المعذب عند اھل السنۃ والجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح الیہ اولی جز منہ'' (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶) یعنی پھر اہل سنت کے نزدیک جسد معذب ہوتا ہے۔ کل یا بعض بایں صورت کہ روح کا کل یا بعض جسد کی طرف اعادہ کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روح اور جسد عذاب میں شریک ہوتے ہیں۔ علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وقد اجمع اھل السنۃ علی اثبات حیات القبور وقال امام الحرمین وقد اتفق سلف الامۃ علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتی فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم'' ترجمہ: اہل سنت کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے۔ امام الحرمین نے لکھا ہے کہ سب سلف امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے۔ مردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور ارواح اجساد میں لوٹائی جاتی ہیں۔ (شفاء السقام ص ۱۵۱)

قاضی عضد الدین الایجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''احیاء الموتی فی قبورھم ومسئلۃ منکر ونکیر وعذاب القبر للکافر والفاسق کلھا حق عنہ واتفق علیہ سلف الامۃ قبل ظھور الخلاف واتفق علیہ الاکثرون بعدہ'' ترجمہ: مردوں کا قبروں میں زندہ کرنا اور منکر نکیر کا سوال اور قبر کا عذاب کافر وفاسق کے لئے برحق ہے ظہور اختلاف سے قبل سلف امت کا اس پر اجماع رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد بھی اکثریت اس عقیدہ پر قائم ہے۔ (شرح مواقف ص ۱۷۶)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعاً باتفاق اھلسنت والجماعت'' (کتاب الروح ص ۷۲، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۴۳، ۶۲، ۶۴، ۶۷، ۳، اغاثۃ اللہفان ص ۲۱۸) ترجمہ: عذاب وراحت باتفاق اہل سنت والجماعت نفس اور بدن دونوں پر وارد ہوتا ہے۔ (ص ۵۸، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۳۸، ۱۴۰، ۸۰، ۸۱، اعلام الموقعین ج ۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''خالفھم جمھور فقالوا تعاد الروح الی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث'' ترجمہ: جمہور نے فرقہ کرامیہ کی مخالفت کی اور کہا روح کل جسد یا بعض کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ جس طرح کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۲۰۴)

علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری لکھتے ہیں: ''ان الارواح تعاد الی اجساد عند المسئلة وھو القول الاکثرون من اھل السنة'' یعنی بے شک ارواح سوال وجواب کے وقت اجساد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہی فیصلہ جمہور اہل سنت کا ہے۔ (عینی شرح صحیح بخاری ج ۱۷ ص ۹۳، ج ۸ ص ۱۴۷)

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''والجمھور علی عود الروح الی الجسد'' (روح المعانی ج ۱۱ جز ۲۱ ص ۵۷) یعنی جمہور اہل سنت والجماعت اعادہ روح الی الجسد فی القبر کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''والاظھر الاصوب انه بالاحیاء واعادة الروح وھو ظاھر الحدیث'' یعنی زیادہ ظاہر اور زیادہ درست یہ بات ہے کہ قبر میں مردہ کو زندہ کیا جاتا اور روح کا اعادہ ہوتا ہے اور یہی عقیدہ صحیح احادیث کے مطابق ہے۔ (لمعات شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۱۸۹)

الامام الفقیہ الزاہد علی ابن ابی بکر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: ''ومن یعذب فی قبرہ یوضع فیه الحیات فی قول العامة'' یعنی جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ اس میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق ایک خاص قسم کی زندگی رکھی جاتی ہے۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۴۸۴)

اور یہی کچھ (فتح القدیر ج ۴ ص ۴۶۰ اور شامی ج ۳ ص ۱۴۳ اور ص ۷۲۳ تقریر الرافعی علی حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص ۳۲، ۳۳ اور بحر الرائق ج ۴ ص ۳۶۳ اور عینی شرح کنز الدقائق ص ۱۶۳) پر لکھا ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''واعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالٰی یخلق فی المیت نوع حیات فی القبر قدر مایتألم او یتلذذ'' ترجمہ: جان لے کہ اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں حیات کی ایک خاص قسم پیدا فرماتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ دکھ سکھ کو محسوس کرتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۰۱)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل علماء بھی روح اور جسد دونوں کو جزا و سزا کا حق دار اور مورد سمجھتے ہیں۔

۱...... (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۳۱) حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عبدالحئی ص ۸۲۔

۲...... مرقات شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۸، ج ۴ ص ۲۰، ص ۱۱۴ تا ۱۱۶، ص ۲۴، ۲۵ ملا علی قاری۔

۳...... شرح الصدور ص ۸۲، ۹۶، ۱۲۲، ۱۶۱، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۷۰ للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔

۴...... عالم برزخ ص ۲۳ از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۲۲۶، عقائد اسلام ص ۹۵۔

۵...... احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۸۴ للغزالی رحمۃ اللہ علیہ۔

۶...... فضائل درود شریف ص ۷۳، از مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۷...... التکشف حصہ سوم ص ۱۴، از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۸...... معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۸۶ تا ۲۰۴، از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

۹...... زہر الربی حاشیہ نسائی ص ۲۰۹، ۱۳۹، از علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۰...... فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۵۱، ج ۴ ۲ ص ۲۹۷، ۳۳۰ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۹۰، از امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ
۱۱...... شرح عقائد ص ۹۸ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ۔
۱۲...... الفتاویٰ الکاملیہ ص ۸۔
۱۳...... قسطلانی شرح بخاری ج ۳ ص ۳۸۵ تا ۳۸۶۔
۱۴...... انوار الباری ج ۳ ص ۱۵۹ تا ۱۹۳، افاضات مولانا محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔
۱۵...... نبراس شرح، شرح عقائد ص ۲۰۹، ۲۱۰، از مولانا عبدالعزیز پرہاوری رحمۃ اللہ علیہ۔
۱۶...... حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۸، ۱۳، ۱۴، ۶۷، از مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی۔
۱۷...... ریاض السنن شرح ترمذی ج ۲ ص ۲۳۵ تا ۲۳۹، از حضرت مولانا محمد موسیٰ خان۔
۱۸...... مقدمہ عین الہدایہ شرح اردو ہدایہ ج ۱ ص ۲۵، از جسٹس سید امیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

پس ثابت ہوا کہ پوری امت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ عالم قبر و برزخ کی کارروائی روح اور جسد عنصری سمیت دونوں پر وارد ہوتی ہے۔ علماء اہل سنت والجماعت میں سے کسی نے آج تک اس عقیدہ کا انکار نہیں کیا ہے۔ روح اور روحانی کے لفظ سے جسد کی نفی سمجھ لینا۔ جہالت ہے۔ جسد مثالی کے قائلین بھی جسد عنصری سے تعلق کے قائل ہیں۔ لہٰذا جسد مثالی کے لفظ کو دیکھ کر جسد عنصری کی نفی سمجھ لینا بھی جہالت ہے۔ الغرض کسی عالم دین حق نے صراحت کے ساتھ جسد عنصری کی نفی نہیں کی بلکہ سب نے تعلق کی تصریح کی ہے خواہ روحانی والے ہوں۔ خواہ مثالی والے۔

جسد کا جزا و سزا میں شریک ہونا عین انصاف ہے

فائدہ ۱۰: عالم دنیا میں نیکی اور برائی روح اور جسد کے اشتراک عمل سے وجود میں آتی ہے۔ لیکن روح بغیر جسد کے کوئی کام سرانجام نہیں دے سکتی اور اکیلا جسد بھی روح کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ جب یہ دونوں مل جاتے ہیں تو نیکیاں اور برائیاں وجود میں آتی ہیں۔ لہٰذا جب نیکی اور برائی انہوں نے مل کر کی ہے تو جزا سزا بھی ان دونوں کو ملا کر دینا عین انصاف ہے۔ صرف روح کو جزا سزا دینا اور جسد کو جزا و سزا سے مستثنیٰ کر دینا ظلم اور ناانصافی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک منزہ اور برتر ہے۔ ''ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ان اللہ لیس بظلّام للعبید'' جو لوگ صرف روح کے لئے تو جزا و سزا تجویز کرتے ہیں اور جسد کو محروم سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرتے ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ (کتاب الروح ص ۱۰۴ ملخصا) بعض لوگ جسد کو سواری یا ہتھیار قرار دے کر بے قصور سمجھ لیتے ہیں اور روح کو سوار اور ہتھیار چلانے والا بنا کر صرف اس کو قصوروار جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ مغالطہ اور دھوکہ ہے۔ کیونکہ اگر جسد بالکل سواری اور ہتھیار کی طرح آلہ محض اور بے قصور ہوتا اور نیکی اور برائی میں اس کا کوئی دخل عمل نہ ہوتا تو مرنے کے بعد اس کے اکرام اور احترام کا حکم ہرگز نہ ہوتا ہے۔ مثلاً مردہ جسد کے غسل دینے کا ایک خاص طریقہ ہے اور کفن پہنانے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ پھر اس کی نماز جنازہ ہے اور پھر قبرستان تک لے جانے کا خاص طریقہ ہے اور قبر کھودنے کا اور پھر قبر میں اتارنے اور رکھنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔

اور پھر جب تک قبر کا نشان باقی ہے اس کے احترام کا حکم ہے۔ مثلاً قبر پر قضاء حاجت کرنا، ٹیک لگانا، پاؤں رکھنا منع ہے۔ حتیٰ کہ جوتی پہن کر قبرستان میں چلے جانے سے منع کیا گیا ہے۔ جسد عنصری کا اکرام و احترام اس

حد تک ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ان کسر عظم المؤمن میتامثل کسرہ حیا'' (مسند احمد بن حنبل ص ۸۷،۱۴۵،۱۵۲،۲۴۲،۲۸۶ مطبوعہ بیروت)

یعنی مردہ مومن کی ہڈی توڑنا ایسے ہے جیسے زندہ کی۔ پس اگر جسد انسانی سواری اور کلہاڑی کی طرح بے قصور ہوتا تو شریعت میں مردہ کا اتنا احترام واکرام نہ ہوتا۔ کیا مردہ سواری مثلاً گھوڑا وغیرہ اور ہتھیار مثلاً کہلاڑی وغیرہ کا یہ احترام واکرام ہوتا ہے؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ جسد انسانی سواری اور ہتھیار کی طرح بے قصور نہیں ہے بلکہ نیکی و برائی کرنے میں روح کا شریک ہے اور جزا و سزا میں بھی حق دار اور حصہ دار ہے اور یہی انصاف خداوندی کا تقاضا ہے اور مبنی بر حکمت ہے باقی بعض علماء نے جو روح کو سوار کے ساتھ اور جسد کو سواری کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ ان کا مقصد روح کی جسد پر برتری ثابت کرنا اور نسبۃً جسد کی کمتری بتانا ہے۔ یعنی روح سوار کی طرح برتر اشرف اور اعلیٰ ہے اور جسد بہ نسبت روح کے کمتر ہے۔ بزرگان دین کی بیان کردہ مثال سے جسد کو سواری کی طرح بے قصور سمجھ لینا کوتاہ فہمی اور بے راہ روی ہے۔ اگر بقول شما جسد انسانی سواری اور ہتھیار کی طرح بے قصور ہے۔ نیکی اور بدی میں شریک کار نہیں ہے۔ اسی لئے اس کو قبر و برزخ میں جزا و سزا نہیں دی جاتی تو قیامت کے دن اس کو کیوں اٹھایا جائے گا اور اعمال کے مطابق دوزخ اور بہشت میں کیوں بھیجا جائے گا؟

اگر قبر میں بے قصور تھا تو قیامت کے دن کیسے قصوروار بن گیا۔ پس معلوم ہوا کہ جسد انسانی نیکی اور برائی میں بھی شریک کار ہے اور قیامت کی طرح قبر و برزخ کی جزا و سزا میں بھی حصہ دار ہے۔

انسان کسے کہتے ہیں؟

فائدہ ۱۱: قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کا مطالعہ کرنے والے علماء کرام جانتے ہیں کہ انسان روح اور جسد کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر مٹی اور نطفے سے پیدا ہونے والے جسد انسانی کو انسان کہا گیا ہے اور یہی انسان اللہ تعالیٰ کے خطاب کا مخاطب ہے اور یہی انسان احکام شرعیہ کا مکلف اور پابند ہے اور یہی انسان نیکی اور برائی کا کاسب ہے۔

پس جب پورا انسان (روح و جسد کا مجموعہ) مخاطب و مکلف اور کاسب ہے تو ہر جزا و سزا کا حقدار بھی پورا انسان (روح و جسد کا مجموعہ) ہونا چاہئے خواہ عالم دنیا ہو، خواہ عالم قبر و برزخ ہو، خواہ عالم آخرت ہو۔

روح اور جسد کا مستحکم رشتہ

فائدہ ۱۲: اللہ تعالیٰ ''علی کل شئ قدیر'' ہے اور قادر مطلق ہیں اور اپنے کاموں میں کسی مخلوق کے محتاج نہیں ہیں اور نہ ہی آلات واسباب کے محتاج ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو جسد کے بغیر روح سے کام لے سکتے ہیں اور روح کے بغیر جسد سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بہت سے کام اسباب کے ساتھ چلتے ہیں۔

اسی پر حکمت اسبابی نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے علماء حق نے فرمایا کہ سنت اللہ یہ ہے کہ روح کی گاڑی بغیر جسد کے کسی عالم میں نہیں چلتی۔ عالم دنیا میں تو ظاہر ہے کہ روح بغیر جسد کے کوئی کام بھی نہیں کرسکتی۔ روح کی آنکھیں

نہیں ہیں جن سے دیکھ سکے۔ وہ تو جسد کی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ اگر جسد کی آنکھیں بند کردی جائیں تو روح اندھی ہے۔ دیکھ نہیں سکتی۔ روح کی زبان نہیں جس سے بولے وہ تو جسد کی زبان سے بولتی ہے۔ ورنہ گونگی۔ روح کے کان نہیں جن سے وہ سنے وہ تو جسد کے کانوں سے سنتی ہے ورنہ بہری۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں وغیرہ کو سمجھ لو۔

اور عالم آخرت میں بھی ارواح کے ساتھ اجساد کا حشر ہوگا۔ جس کو ''والبعث بعدالموت'' کہتے ہیں اور حشر اجساد قرآن مجید کا مرکزی عقیدہ ہے۔ جس کو بڑے معقول دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کیونکہ مشرکین کو یہ بات بعید از عقل نظر آتی تھی کہ جب ہم مرجائیں گے۔ مٹی ہوجائیں گے اور چورا چورا اور ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، ہم کیسے اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ناممکن اور محال ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''بلیٰ قادرین علی ان نسوّی بنانہ'' وہ کہتے تھے ''من یحی العظام وھی رمیم'' یعنی بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یحیھا الذی انشاھا اوّل مرۃ'' یعنی جس نے پہلی بار زندہ کیا وہی دوبارہ بھی زندہ کرے گا۔ بہرحال قیامت کے دن یہی دنیا والے اجساد اٹھیں گے اور یہی اعضاء شہادت بھی دیں گے اور اعمال کے مطابق ارواح کو اجساد کے ساتھ جنت بھیجا جائے گا یا پھر جہنم رسید کیا جائے گا۔

پس معلوم ہوا کہ عالم آخرت میں روح کی گاڑی جسد عنصری کے ساتھ ہی چلے گی۔ رہا معاملہ عالم ارواح کا جس کے متعلق بعض لوگوں کو گمان ہے کہ وہاں ارواح مجردہ تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا تھا۔ لیکن ان لوگوں کا یہ گمان غلط ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو عالم ارواح میں چھوٹے چھوٹے جسم عطا کئے تھے اور ان کو ''الست بربکم'' کہا تھا اور انہوں نے انہیں چھوٹے چھوٹے اجسام کے ذریعہ جواب دیا تھا۔ بلیٰ یعنی کیوں نہیں۔ آپ اس آیت کی تفسیر جس تفسیر کی کتاب میں دیکھنا چاہیں دیکھ لیں۔ ان شاء اللہ! آپ کو وہاں یہی ملے گا کہ ارواح کو اجسام عطا ہوئے تھے۔ دور بھی نہ جائیں تو معارف القرآن ہی دیکھ لیں۔ ویسے ہر تفسیر سے تسلی تشفی حاصل کرلیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہاں بھی روح کی گاڑی جسد کے ساتھ ہی چلی۔

جب تین عالموں (ارواح، دنیا وآخرۃ) میں روح کا جسد سے رشتہ جوڑا گیا تب گاڑی چلی۔ اگرچہ ہر عالم میں یہ رشتہ اسی عالم کے تقاضوں کے مطابق تھا تو قرین قیاس یہی ہے کہ دوسرے عالموں کی طرح عالم قبر وبرزخ میں بھی اسی عالم کے تقاضوں کے مطابق روح اور جسد کا کوئی رشتہ قائم کیا جاتا ہے۔ تب یہ گاڑی چلتی ہے۔ یہ سب کچھ حکمت کی بنیادوں پر ہوتا ہے نہ کہ احتیاجی کی وجہ سے۔ شاید آپ کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ بندہ عاجز نے حیات قبر کا عقیدہ قیاس سے ثابت کردیا ہے۔ حالانکہ عقائد تو قیاس سے ثابت نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے لئے تو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا پھر اجماع امت کی ضرورت پڑتی ہے تو جوابا عرض ہے۔ یہ عقیدہ نرے قیاس سے ثابت نہیں کیا جارہا۔ بلکہ قیاس کو تو اس کی تائید میں پیش کیا گیا ورنہ یہ عقیدہ یعنی قبر کی زندگی پچاس سے زائد آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔ کمامرّ!

اور ستر سے زائد حدیثوں سے ثابت ہے کما سیاتی اور اسی پر اجماع امت مستزاد ہے اور آخر میں قیاس صحیح بھی اس عقیدہ کی تائید کرتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ قبر وبرزخ کی زندگی۔ کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ اجماع امت اور قیاس صحیح یعنی اصول اربعہ سے ثابت ہے۔ اسی سے اندازہ لگالیں کہ یہ عقیدہ کتنا راسخ اور مستحکم ہے۔

ایک سوال کا جواب

فائدہ ۱۳: جب اصول اربعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ مرنے کے بعد عالم قبر و برزخ میں روح اور جسد کا مجموعہ جزا و سزا کا مورد بنتا ہے تو بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بوقت موت روح اور جسد ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ روح اپنے مقام پر چلی جاتی ہے اور جسد اپنے ٹھکانہ پر یعنی حقیقی یا مجازی قبر میں موجود ہوتا ہے تو جدا اور علیحدہ ہو جانے کے باوجود دونوں کو اکٹھی سزا کیسے دی جاتی ہے؟

علماء اہل سنت والجماعت اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان ایک مجہول الکیفیت تعلق پیدا فرماتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ دونوں باوجود علیحدہ ہو جانے کے ثواب و عقاب اور رنج و راحت کو محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اس تعلق کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ امت محمدیہ ﷺ کے سلف صالحین، اسی تعلق کے قائل ہیں۔ کیونکہ دونوں کو جزا و سزا دینے کی یہ صحیح اور معقول صورۃ ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ جسد کو بغیر روح کے اور روح کو بغیر جسد کے عذاب دے سکتا ہے۔ لیکن صحیح اور معقول صورت یہ ہے کہ یہ قبر کی ساری کارروائی اسی تعلق کی وجہ سے ہوتی ہے اور ہمارے علماء خواب کی مثال دے کر اس کو واضح فرماتے ہیں لیکن مثال پہلے گزر چکی ہے۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

بہر حال اصل عقیدہ یہی ہے کہ عالم قبر و برزخ میں روح اور جسد دونوں کو ثواب و عقاب ہوتا ہے اور یہی عقیدہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اجماع امت اور قیاس صحیح سے ثابت ہے اور ان کا آپس میں تعلق اس عقیدہ کی تشریح کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ تشریح اللہ اور اس کے رسول کے منشاء کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ سلف صالحین سے منقول ہے اور اسی پر اجماع امت ہے اور حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ میری امت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ چودہ سو سال سے اسی تعلق پر امت متفق چلی آ رہی۔ کسی فرد بشر نے تعلق کا انکار نہیں کیا ہے۔

عہد اوّل میں تعلق کے ذکر اذکار نہ ہونے کی وجہ

فائدہ ۱۴: بعض لوگ عالم قبر و برزخ میں روح اور جسد کے تعلق کو مستقل علیحدہ مسئلہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تعلق ہے تو اس کا ثبوت پیش کرو بلکہ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے تعلق کا لفظ دکھاؤ۔ اگر تعلق کا لفظ نہ دکھایا گیا تو خود بخود عدم تعلق ثابت ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی کج فہمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ تعلق کوئی مستقل طور پر علیحدہ مسئلہ نہیں ہے۔ جس کے اثبات کے لئے دلائل علیحدہ طور پر تلاش کئے جائیں۔ بلکہ مستقل مسئلہ تو روح اور جسد دونوں کے معذب اور منعم ہونے کو ہے اور الحمد للہ اصول اربعہ سے ثابت ہے۔ باقی رہا تعلق تو وہ ان دونوں کے معذب اور منعم ہونے کا ایسے لازم ہے جیسے سورج کو روشنی اور برف کو ٹھنڈک۔ کیونکہ ان دونوں کے معذب اور منعم ہونے کی صحیح اور معقول صورت یہی ہے کہ ان دونوں میں تعلق ہے۔ جس کی وجہ سے باوجود جدا ہو جانے کے دونوں کو اکٹھی جزا و سزا دی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ دونوں کے معذب و منعم ہونے کے قائل ہیں وہ ان دونوں میں تعلق کے بھی قائل ہیں۔ لہٰذا جن پچاس سے زائد آیات اور ستر سے زائد احادیث سے اور اجماع امت اور قیاس صحیح سے ان دونوں کا معذب اور منعم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انہی دلائل سے ان دونوں کا تعلق بھی ثابت ہوتا ہے۔ پس ایک ہی دلائل ہیں جن سے دونوں کی جزا و سزا بھی ثابت ہوتی ہے اور دونوں کا تعلق بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ تعلق اس کو لازم ہے اور تعلق کے بغیر ان دونوں کے معذب و منعم ہونے کی کوئی صحیح اور معقول صورت ہے ہی نہیں۔ اب باقی رہا یہ سوال کہ

جب یہ تعلق بھی اصول اربعہ سے ثابت ہے تو پھر عہد اوّل میں اس کا ذکر اذکار کیوں نہ ہوا، اور تعلق کی اصطلاح اس دور میں رائج کیوں نہ ہوئی اور اس کا چرچا کیوں نہ ہوا؟

وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر انقیاد اور تسلیم کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور ان کے قلوب ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک اور صاف تھے ان کا مزاج کچھ ایسا تھا کہ حضور اکرم ﷺ جو کچھ ان کو بتاتے تھے وہ فوراً بے چون وچرا اس کو تسلیم کر لیتے تھے وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنے والے تھے وہاں ''آمنا وصدقنا'' کی فضا بنی ہوئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا ہے تو انہوں نے تسلیم کر لیا نہ شبہات اٹھائے نہ تشریح پوچھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو سفر معراج کا واقعہ سنایا تو انہوں نے بے چون چرا تسلیم کیا کسی قسم کا اعتراض اور اشکال نہ اٹھایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو قبر کی کارروائی کی اطلاع دی۔ انہوں نے مان لیا، کسی قسم کا سوال نہ اٹھایا۔ الغرض اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو جو عقیدہ بتایا انہوں نے قبول کیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس خود جو تشریح کی گئی تو وہ بھی انہوں نے مان لی۔

اپنی طرف سے کسی قسم کے سوالات نہیں کئے۔ الاّ قلیل! لیکن اس مقدس کے دور کے گزرنے کے بعد عقائد اسلامیہ کے متعلق شکوک وشبہات کی فضا پیدا ہوئی اور سوالات واعتراض کا ماحول بنا مخالفین اسلام کو انہی شبہات کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کرنے کا موقع میسر ہوا تو اس دور کے علماء میدان میں آئے۔ مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیئے اور ان کے شکوک وشبہات کا قلع قمع کیا۔ جس کی وجہ سے عقائد اسلامیہ کی تشریحات کی نوبت آئی۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے معراج کے متعلق جب شبہات پیدا کر کے انکار کی فضا پیدا ہوئی تو اس دور کے علماء نے معراج النبی ﷺ کی یہ تشریح کی کہ آپ کو معراج عالم بیداری میں روح مع الجسد العنصری ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے پر جب شبہات اور اعتراض کے ذریعہ انکار کی راہ ہموار ہوگئی تو اس دور کے علماء نے اس گمراہی کا رد کرتے ہوئے۔ حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تشریح کی کہ ان کا رفع الی السماء جسمانی ہے۔

اسی طرح جب مخالفین اسلام نے عذاب قبر کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر کے عذاب قبر کے انکار کی فضا پیدا کی تو اس دور کے علماء نے عذاب قبر کے عقیدہ کا تحفظ کیا۔

اور مخالفین کے ہر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے عقیدہ عذاب قبر کی تشریح کی، مثلاً مخالفین اسلام نے اعتراض کیا کہ تم مسلمان عذاب قبر کے قائل ہو۔ لیکن جس مردہ کو دفن نہیں کیا گیا تو کیا اس کو عذاب قبر نہ ہوگا؟ کیونکہ وہ قبر میں نہیں ہے۔

علماء اسلام نے مخالفین کے اعتراض کو رد کرتے ہوئے عقیدہ عذاب قبر کی یہ تشریح کی کہ قبر سے مراد صرف گڑھا نہیں ہے بلکہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے اسی طرح جب مخالفین اسلام نے اعتراض کیا کہ مرنے کے بعد جب روح اور جسد ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں تو عذاب کیسے ہوتا ہے؟

علماء اسلام نے جواب دیتے ہوئے یہ تشریح کی کہ روح اور جسد کے درمیان تعلق ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے روح اور جسد دونوں کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ علماء اہل سنت والجماعت نے عقائد اسلامیہ کی یہ تشریحات، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اجماع امت اور قیاس صحیح کو سامنے رکھ کر کی ہیں اور ان کی بیان کردہ

تشریحات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی منشاء کے مطابق ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انہی عقائد کو ایسے ہی مانتے اور جانتے تھے جیسے کہ پوری امت ان کو مانتی اور جانتی چلی آ رہی ہے۔

پس جن دلائل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء ثابت ہے انہیں دلائل سے ان کا رفع جسمانی ثابت ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کے قائل تھے۔ اسی طرح جن دلائل سے حضور اکرم ﷺ کا معراج ثابت ہے انہیں دلائل سے معراج جسمانی ثابت ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی معراج جسمانی کے قائل تھے۔ بعینہٖ اسی طرح جن دلائل سے عذاب قبر ثابت ہے انہیں دلائل سے روح اور جسد دونوں کا معذب اور منعم ہونا بھی ثابت ہے اور ان دونوں کا تعلق بھی ثابت ہے۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی روح اور جسد دونوں کے معذب و منعم ہونے کے ہی قائل تھے اور دونوں کے تعلق کے بھی قائل تھے یا پھر یوں سمجھئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں مطلق معراج کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور ان کی مراد معراج جسمانی ہوتی تھی اور رفع عیسیٰ علیہ السلام کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور مراد رفع جسمانی ہوتی تھی۔

اور جب قبر میں میت کی جزا و سزا کا ذکر ہوتا تھا تو ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ تعلق کے ذریعہ روح اور جسد دونوں کو جزا و سزا ہوتی ہے۔ چونکہ انقیاد اور تسلیم کا دور تھا اور شبہات اور اعتراض نہیں اٹھائے جاتے تھے۔ اسی لئے ان تشریحات کے ظہور کی نوبت نہیں آئی اور جسمانی اور تعلق وغیرہ الفاظ کا عام استعمال اور چرچا نہ ہوا اور پھر موقع بہ موقع ضرورت کے تحت یہ عقائد انہیں تشریحات کے ساتھ عام استعمال ہونے لگے۔ ورنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں عقائد کو انہیں تشریحات کے ساتھ مانتے اور جانتے تھے۔

نعوذ باللہ! یہ تشریحات بعد والے لوگوں کی ایجاد نہیں ہیں بلکہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق اور نظریات صحابہ کرام کے موافق ہے۔ پس جس طرح قادیانیوں کا یہ سوال لغو اور فضول ہے کہ معراج کے ساتھ قرآن و حدیث یا اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے جسمانی کا لفظ دکھاؤ اور رفع عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قرآن و حدیث یا اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے رفع جسمانی کا لفظ دکھاؤ۔ ورنہ ہم نہیں مانتے۔ کیونکہ اوائل اسلام میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوئے۔ اسی طرح منکرین عذاب قبر کا یہ سوال لغو اور فضول ہے کہ قرآن و حدیث سے تعلق کا لفظ دکھاؤ۔ ورنہ ہم تعلق کو نہیں مانتے۔ کیونکہ یہ لفظ عہد اوّل میں استعمال نہیں ہوا۔

یہ سارے سوال اس لئے لغو اور فضول ہیں کہ کتاب و سنت اور اجماع امت سے صرف معراج نہیں بلکہ معراج جسمانی ثابت ہے۔ اسی طرح صرف رفع عیسیٰ علیہ السلام نہیں۔ بلکہ رفع جسمانی ثابت ہے اور اسی طرح عذاب قبر ہی نہیں۔ بلکہ قبر میں روح اور جسد کے مجموعہ کا بالتعلق معذب و منعم ہونا ثابت ہے تو پھر علیحدہ سوال کرنے کا کیا مطلب۔

البتہ جسم اور تعلق کا عام استعمال اور چرچا وضاحت اور تفصیل کے ساتھ انکار اور اعتراض کے دور میں ظاہر ہوا۔ بندہ عاجز کے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ جب انکار و اعتراض کے دور میں مذکور بالا عقائد اپنی تشریحات کے ساتھ مسلمانوں میں مشہور ہوئے۔ مثلاً معراج جسمانی اور قبر میں میت کی بالتعلق جزا و سزا تو اس دور کے تمام مسلمانوں نے بلانکیر و بلاتردید ان عقائد کو اپنی اپنی تشریحات کے ساتھ تسلیم اور قبول کر لیا۔ حالانکہ وہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہوں گے یا شاگردوں کے شاگرد تو بالفرض اگر جسم اور تعلق ان لوگوں کے لئے کوئی نئی چیز ہوتی

تو اس بدعت کی تردید کے لئے وہ لوگ میدان میں آتے نکیر کرتے اور کہتے کہ تم نے عقائد اسلامیہ کی غلط تشریح کی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو نہ جسم کو مانتے تھے نہ جسمانی کو اور نہ ہی وہ تعلق کے قائل تھے۔ لہٰذا تمہاری تشریح صحیح نہیں ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔

پس جس دور سے بھی جسمانی اور تعلق والی تشریح عام ہوئی ہے۔ اسی دور سے آج تک جسمانی اور تعلق والی تشریح کے ساتھ ساتھ اس کی تردید کا تسلسل بھی قائم ہوتا چلا آتا۔ حالانکہ چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ لیکن کسی دور میں کسی ایک شخص نے بھی جسم اور تعلق کی تردید نہیں کی اور انکار نہیں کیا بلکہ تسلیم کیا۔ جب کہ بقول منکرین عذاب قبر، تعلق کا عقیدہ چوتھی صدی میں ظاہر ہوا اور آج چودہ سو اٹھارہ ہجری ہے تو انہیں لوگوں کے کہنے کے مطابق تعلق کے عقیدہ کا تسلسل ایک ہزار سال سے قائم ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ چوتھی صدی میں پیدا ہونے والی اس نئی چیز کے خلاف مسلمان، علماء، مجاہدین، حق گو، مفسرین، محدثین، فقہاء کیوں نہ اٹھے؟ اس نئی ایجاد پر نکیر کیوں نہ فرمائی؟ اس نئے عقیدہ کے خلاف آواز اور قلم کیوں نہ اٹھایا؟

جب کہ علماء حق کا ہمیشہ یہ وطیرہ رہا ہے۔ وہ ہر احداث فی الدین کے خلاف قلم اور زبان کے ذریعہ مسلسل جہاد کرتے چلے آرہے ہیں۔ وہ اس نئے عقیدہ پر کیسے خاموش ہو گئے۔ بلکہ اس کو تسلیم اور قبول کر لیا۔ پس اس دور کے مسلمانوں کا عقیدہ جسم و تعلق کو تسلیم کر لینا اور تردید و نکیر نہ کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ وہ پہلے سے یہی عقیدہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردوں سے ان کو یہی عقیدہ ملا تھا۔

ان لوگوں کے ہاں معراج سے مراد معراج جسمانی تھی اور رفع عیسیٰ علیہ السلام سے مراد رفع جسمانی تھا اور عذاب قبر سے مراد روح اور جسد کے مجموعہ کا با تعلق معذب یا منعم ہونا تھا۔ البتہ اس عقیدہ کی تشریح و توضیح کی ضرورت بعد میں درپیش آئی۔ اگر عقیدہ عذاب قبر کی یہ تشریح و توضیح ایجاد فی الدین ہوتی تو کسی دور کے مسلمان اس پر نکیر کئے بغیر نہ رہتے۔ حالانکہ اس تشریح پر کسی دور میں نکیر نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کو ہمیشہ تسلیم ہی کیا گیا ہے اسی لئے تو مولانا سرفراز خان صاحب نے چیلنج کر دیا ہے کہ عدم تعلق کا کوئی بھی قائل نہیں گزرا ہے۔ اگر کوئی گزرا ہو تو اس کا نام پیش کیا جائے۔ لیکن ابھی تک ان کے چیلنج کا جواب نہیں دیا گیا اور نہ ہی دیا جا سکتا ہے بندہ عاجز کے دعویٰ اور دلیل کو سمجھنے کے لئے ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔ وہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

علماء اسلام نے اس عقیدہ کی تشریح یوں کی ہے کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہے۔ خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی، ظلی ہو یا بروزی۔ واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں عقیدہ ختم نبوت کے متعلق یہ تشریحی الفاظ اگرچہ عام استعمال نہ ہوتے تھے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی تشریح کے مطابق ختم نبوت کے قائل تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ختم نبوت کا مطلب یہی تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کی نبوت ختم ہے۔ خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی، ظلی ہو یا بروزی۔ اگرچہ اس تشریح و توضیح کا عام استعمال انکار کے دور میں ہوا۔ مزید ایک اور مثال بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ کہیں شرح صدر ہو جائے ''ھذا ھو المرام'' علماء اسلام نے عقیدہ عذاب قبر کی ایک تشریح کی ہے کہ قبر سے مراد صرف یہی گڑھا نہیں ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔

یہ وہ تشریح ہے جس کو منکرین عذاب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ اس پر انہوں نے اپنے عقائد کی بنیاد قائم

کر رکھی ہے۔ اگر چہ اس کی مراد انہوں نے الٹی سمجھی ہے۔ لیکن اس تشریح کو وہ مانتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ تشریح کہاں سے آئی۔ یہ الفاظ نہ تو قرآن مجید میں ہیں اور نہ ہی حدیث میں اور نہ ہی جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں استعمال ہوتا تھا۔ ہاں برزخ کا لفظ پردہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ قرآن مجید میں ملتا ہے لیکن قبر سے مراد عالم برزخ ہے یہ تو کہیں نہیں ہے۔

یہ تشریح تو علماء اسلام نے انکار واعتراض کے دور میں کی ہے۔ لیکن کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور اجماع امت کو سامنے رکھ کر کی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشاء کے مطابق کی ہے۔ اگر چہ یہ تشریح اپنے ان ہی الفاظ کے ساتھ عہد اول میں عام استعمال نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود عہد اول کے لوگ اس عقیدہ کو ایسے مانتے اور جانتے تھے۔ جیسا کہ آج کے علماء بتاتے اور مانتے ہیں۔

پس جس طرح معراج جسمانی کی تشریح، رفع جسمانی کی تشریح اور قبر سے مراد برزخ کی تشریح نظریات صحابہ کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح روح اور جسد دونوں کے بالتعلق معذب ومنعم ہونے کی تشریح بھی نظریات صحابہ کے عین موافق ہے۔

اسی بحث کے اختتام پر منکرین عذاب قبر کی عجیب وغریب منطق بھی ملاحظہ فرماتے جائیں کہ ان لوگوں کو عہد اول میں لفظ تعلق عام استعمال ہوتا ہوا جب نظر نہیں آیا تو اس کا انکار کر دیا اور پھر اس کے انکار کے ساتھ ساتھ جسد کے عذاب وثواب کا بھی انکار کر دیا۔ حالانکہ جسد کا عذاب وثواب کتاب وسنت اور اجماع امت وقیاس صحیح سے ثابت ہے۔ تعلق کے انکار سے جسد کا انکار لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جسد کو عذاب دینے کے لئے تعلق کے محتاج نہیں ہیں۔ عجیب منطق ہے کہ لفظ تعلق کا نظر نہ آیا اور انکار جسد کے ثواب وعقاب کا کر دیا۔ اس سے زیادہ عجیب منطق یہ ہے کہ عالم برزخ میں روح کے لئے ایک اور نورانی کا فوری جسم تجویز کرتے ہیں۔ جو کہ جسد عنصری کے مشابہ ومماثل ہوتا ہے اور اس کا نام رکھتے ہیں جسد مثالی۔ پھر روح کو اس میں داخل سمجھتے ہیں۔ (ندائے حق جدید ص ۴۴۵ تا ۴۶۶)

کوئی ان سے پوچھے کہ اگر تم کو تعلق کا لفظ استعمال ہوتا ہوا نظر نہیں آیا تو اس کا تو انکار کر دیا۔ لیکن نورانی کا فوری جسد مثالی مشابہ ومماثل جسد عنصری تمہیں کہاں سے نظر آیا۔ قرآن میں یا حدیث میں؟ کیا اسلام کی پہلی تین یا چار صدیوں میں یہ الفاظ استعمال ہوتے تھے؟ جناب اگر لفظ تعلق ثابت نہیں تو نورانی کا فوری مثالی کے لفظ بھی ثابت نہیں۔ فرمایئے جو تعلق کے قائل ہیں۔ وہ ضرور تعلق کا لفظ دکھائیں ورنہ تعلق ثابت نہ ہوگا اور جو نورانی کا فوری جسد مثالی کے قائل ہیں وہ یہ الفاظ دکھائیں یا نہ دکھائیں۔ بہر حال ان کا عقیدہ قرآن کے بھی مطابق ہے اور حدیث کے بھی مطابق؟

کیوں محترم! اشاعۃ التوحید والسنۃ اسی ناانصافی سے ہو جائے گی۔ ظلم دیکھو، دخول کے قائلین تعلق کے قائلین سے لڑتے ہیں کہ تمہارا تعلق ثابت نہیں ہے۔ ارے اگر تعلق ثابت نہیں تو تمہارا دخول کہاں سے ثابت ہے؟ حضرت انسان کا مزاج بڑا عجیب ہے، نہ ماننے پر آیا تو جسد عنصری اصلی حقیقی کے تعلق کا انکار کر دیا اور جب ماننے پر اترا تو جعلی اور نقلی مثالی جسد میں روح کے دخول کو مان لیا۔ کوئی ان سے پوچھے جو اصلی بدن نیکی وبرائی میں شریک کار رہا۔ اس کو تو آپ نے بری الذمہ ٹھہرایا اور جو نیکی وبرائی کرتے وقت موجود بھی نہیں تھا۔ آپ نے اس کو شامل تفتیش کر لیا کیا یہی تمہارا انصاف ہے؟ کرے کوئی، بھرے کوئی۔ کرے مونچھوں والا اور پکڑا جائے ڈاڑھی والا۔ یقین جانئے ایسے غیر منصفانہ فیصلوں سے نہ تو توحید کی اشاعت ہوگی اور نہ سنت کی۔

پس انصاف خداوندی کا تقاضا یہی ہے کہ برزخ وقبر کی کارروائی میں روح اور جسد عنصری دونوں شریک ہوں۔ (کتاب الروح ص ۱۰۴) جس کی صحیح اور معقول صورت یہی ہے کہ ان کے مابین تعلق ہو اور اسی عقیدہ پر اجماع امت ہے اور یہی عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدم تعلق کے قائل تھے

فائدہ ۱۵: الحمد للہ ثم الحمد للہ! کہ جس طریقہ سے حضور اکرم ﷺ کا معراج جسمانی ثابت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات جسمانی ثابت ہے۔ بالکل اس طریقہ سے عالم قبر میں روح اور جسد دونوں کا باتعلق معذب ومنعم ہونا ثابت ہے۔ لیکن اس کے باوجود بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدم تعلق کے قائل تھے۔ حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ چنانچہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظریات معلوم کریں جو کہ ان کی روایت کردہ حدیثوں سے واضح ہوتے ہیں۔

۱...... حضرت عمر وابن عمر رضی اللہ عنہما سماع موتی کے قائل ہیں۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۳، ج ۲ ص ۵۶۶)

۲...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی سماع موتی کے قائل ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۳)

۳...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کلام میت کے قائل ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۴، ج ۱ ص ۱۷۶)

۴...... حضرت عمر وحضرت ابن عمر، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم عذاب میت کے قائل ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۱، ۱۷۲)

۵...... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میت کے علم وفہم کی قائل ہیں۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۸۳، ج ۲ ص ۵۶۷، مسند احمد ج ۷ ص ۲۴۴ ص ۳۹۲)

۶...... حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ اعادہ روح کے قائل ہیں۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۶)

۷...... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ انس میت کے قائل ہیں۔ (مسلم ج ۱ ص ۷۶)

۸...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ صلوٰۃ الانبیاء فی القبور کے قائل ہیں۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، مسند ابویعلیٰ ج ۶ ص ۱۴۸)

یہ نظریات اور بھی بہت سے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ لیکن بندہ عاجز انہیں پر اکتفاء کرتا ہے۔ (العاقل تکفیہ الاشارہ)

یہی نظریات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے سن کر روایت کئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان انہی نظریات کا خوب چرچا ہوا۔ اگر کوئی صحابہ ان چیزوں کا قائل نہ ہوتا تو وہ ضرور ان کو رد کرتا اور اس پر اعتراض کرتا۔ لیکن یقین جانئے کہ سوائے سماع موتی کے کسی ایک نظریہ پر اعتراض نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ سوائے سماع موتی کے کوئی اور نظریہ ان کے ہاں اختلافی نہ تھا بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ بقیہ نظریات یعنی کلام میت، عذاب میت علم وفہم میت اعادہ روح الی المیت انس میت اور صلوٰۃ الانبیاء فی القبور یہ سب ان کے ہاں مسلمات میں سے تھے ورنہ پہلے ہی دور میں سماع موتی کی طرح ان پر بھی رد اور نکیر کسی طرف سے۔ ضرور ثابت ہوتی۔ ہاں! البتہ سماع موتی کا مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کرام میں کچھ عرصہ مختلف فیہ رہا ہے۔

واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین عام موتی کے سماع میں اختلاف ہوا، حضور اکرم ﷺ کے سماع عند القبر الشریف میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ لہٰذا آپ ﷺ کے سماع میں اتفاق ہے۔ دیکھو (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۷،

۱۴۴) عام سماع موتی میں بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث قلیب بدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور ہوئی کہ تیسرے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنویں کے کنارے پر جا کر آواز دی کہ اے فلاں اے فلاں یعنی جو کافر مر کر اس میں ڈالے گئے تھے۔ آپ نے ان کا نام لے کر آواز دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ جو شکست ذلت وغیرہ کا وعدہ کیا تھا کیا تم نے اس کو سچ کر پایا اور میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا جو وعدہ فرمایا تھا۔ میں نے وہ سچ کر پایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو مردے ہیں۔ آپ کی بات کیسے سنتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔

یہ حدیث جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر بھولے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ سن رہے ہیں بلکہ فرمایا تھا کہ وہ سمجھ رہے ہیں اور جان رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سچ بات کہتے تھے اور ہم باطل پر تھے یعنی مرنے کے بعد ان کو سزا و عذاب کا پورا پورا احساس ہے اور اپنی ذلت و رسوائی کا علم و شعور ہے۔ سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں "انهم ليعلمون الآن ان ما اقول لهم حق" (بخاری ج ۱ ص ۱۸۳) "ما انتم بافهم لقولی منهم او لهم افهم لقولی منكم" (مسند احمد ج ۷ ص ۲۴۴) "لقد علموا ان ما وعدهم حق" ان سب الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اب جان گئے ہیں کہ جو کچھ میں ان کو کہتا تھا وہ حق اور سچ ہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قلیب بدر میں پڑے ہوئے مردوں کے سماع کا تو انکار کر دیا۔ لیکن ان مردوں کے علم اور فہم کو ثابت بھی کر دیا اور تسلیم بھی کر لیا۔ پس معلوم ہوا کہ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میت کے علم و فہم کی قائل تھیں۔ یعنی مردہ کو قبر میں جو جزا و سزا دی جاتی ہے۔ میت کو اس کا شعور اور علم و فہم ہوتا ہے۔ اسی طرح جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پہنچی کہ "الميت يعذب فی قبره بما نيح عليه" یعنی میت و قبر میں نوحہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس پہ نکیر فرمائی کہ میت پر نوحہ کرنے والوں کے نوحہ کرنے سے عذاب نہیں ہوتا۔ بلکہ میت پر جو عذاب ہوتا ہے وہ اس کی اپنی بداعمالی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے "لا تزر وازرة وزر اخرى" یعنی ایک کا بار دوسرے پر نہیں رکھا جائے گا۔ تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے میت کے عذاب کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ عذاب کو تو تسلیم کیا۔ البتہ یہ بتایا کہ عذاب نوحہ خوانی سے نہیں بلکہ اس کو اپنی بداعمالی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

بہرحال یہ سارے نظریات یعنی سماع موتی، عذاب میت، انس میت، علم و فہم میت، کلام میت، صلوٰۃ فی القبر اور اعادہ روح فی القبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور ہوئے۔ لیکن سوائے سماع موتی کے کسی مسئلہ پر نکیر نہیں ہوئی اور پھر عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تسلسل کے ساتھ یہ نظریات امت میں آج تک بلا نکیر و بلا تردید مسلمہ طور پر چلے آ رہے ہیں۔ اگر بالفرض اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک صحابہ یا تابعی یا تبع تابعی یا بعد کا کوئی سنی مسلمان ان نظریات میں سے کسی ایک نظریہ کا قائل نہ ہوتا تو اس کی نکیر بھی ان نظریات کے ساتھ ساتھ منقول ہوتی چلی آتی۔

لیکن یقین جانئے کہ پوری اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی سنی مسلمان ایسا نہیں گزرا۔ جس نے ان کا انکار کیا ہو سوائے سماع موتی کے۔ پس مسئلہ سماع موتی عہد اوّل سے اختلافی چلا آ رہا ہے اور بقیہ نظریات سب اتفاقی اور اجماع ہیں۔

جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عذاب میت، انس میت، کلام میت، علم و فہم میت، سماع میت، صلوٰۃ فی القبر، اعادہ روح فی القبر کے قائل ہیں۔ ان کے متعلق یہ کہہ دینا کہ سارے صحابہ عدم تعلق کے قائل تھے۔ بہت بڑی دیدہ دلیری

اور جسارت ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا سب نظریات کا دارومدار تعلق پر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب نظریات کے قائل تعلق کی وجہ سے تھے۔ اس کے باوجود اگر اب بھی کوئی شخص کہتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدم تعلق کے قائل تھے۔ ورنہ تعلق کا لفظ دکھاؤ تو ایسے شخص سے الجھنا اللہ کے بندوں کا کام نہیں جو شخص دو جمع دو کو پانچ بنائے اور روز روشن کو کالی رات کہے اور چودھویں رات کے چاند کو سیاہ سمجھے۔ اس کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے۔ کیونکہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عذاب میت، انس میت، کلام میت، علم وفہم میت، صلوٰۃ قبر، اعادہ روح فی القبر اور سماع میت ثابت ہے تو روح وجسد کا تعلق خود بخود ثابت ہے۔

جملہ معترضہ: حدیث قلیب بدر اور حدیث قرع النعال روایت کرنے والے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سماع موتٰی کے قائل ہیں۔ البتہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عام موتٰی کے سماع کا انکار فرماتی ہیں۔ ان کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت ہے "انک لا تسمع الموتی" لیکن جمہور علماء امت نے راویان حدیث قلیب بدر وخفق النعال کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ قلیب بدر کے موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے براہ راست حضور اکرم ﷺ سے حدیث سنی۔ جب کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر موجود نہیں تھی۔ باقی رہی "انک لا تسمع الموتی" تو تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں موتٰی سے مراد قبرستان میں مدفون مردے نہیں ہیں۔ بلکہ موتٰی سے مراد زندہ کافر ہیں۔ جن کے دل مردہ ہو چکے تھے اور آیت نفی سماع نافع کی گئی ہے۔ یعنی جس طرح مردوں کا سننا نہ سننا برابر ہے کہ سننا ان کو مفید نہیں ہے اسی طرح ان کافروں کو سننا نہ سننا برابر ہے۔

کیونکہ وہ آپ کی بات سن بھی لیں تو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ مانتے نہیں اور سننے کا فائدہ ماننا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون انک لا تسمع الموتی" کی تفسیر بالکل وہی ہے جو "انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء" کی ہے۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں "ولکن اللہ یسمع من یشآء" بھی آیا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی مردوں کو دعوت تبلیغ کرنے کے لئے قبرستان تشریف نہیں لے گئے۔ جب آپ قبرستان میں مردوں کو تبلیغ کرنے کے لئے گئے ہی نہیں تو آپ کو یہ کہنا کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے کا کیا مطلب؟

پس مطلب یہی ہے کہ مردوں سے مراد زندہ کافر ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور آپ ان کو بار بار دعوت دیتے تھے تبلیغ کرتے تھے کہ شاید مان لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انک لا تسمع الموتی" اے پیغمبر آپ ان مردہ دل لوگوں کو نہیں سنا سکتے۔ کیونکہ سنوانا اللہ کا کام ہے۔ آیت مذکورہ کا یہ مطلب ہر تفسیر میں لکھا ہوا ہے۔ جس تفسیر میں دل چاہے دیکھ لیں۔ لہٰذا اس آیت کو اور اس قسم کی دوسری آیات کو سماع موتٰی یا عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں " سماع موتٰی کا مسئلہ جو پہلے گزر چکا ہے۔ اس آیت سے نہ اس کا اثبات ثابت ہوتا ہے، نہ نفی۔ اس بحث کے دلائل دوسرے ہیں جن کا ذکر سورۃ روم میں مفصل آچکا ہے۔"

(معارف القرآن ج ۷ ص ۳۳۹)

"مسئلہ سماع موتٰی سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ مستقل ہے کہ مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں یا نہیں۔ اس کی مفصل تحقیق سورت روم اور سورت نمل میں گزر چکی ہے۔" (معارف القرآن ج ۷ ص ۳۳۴)

یہی وجہ ہے کہ غالباً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ نے اپنے مؤقف سے رجوع فرمالیا تھا۔ جس کی (دلیل ترمذی

شریف ج ۱ ص ۱۲۵) کی وہ روایت ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر حبشہ کے مقام میں فوت ہوا، اس کی میت کو مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہیں دفن کئے گئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا جب آئیں تو اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کی قبر پر تشریف لے گئیں۔ بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اس کو مخاطب بنا کر چند اشعار پڑھے اور کہا کہ میں اگر تیری وفات کے وقت موجود ہوتی تو وہاں دفن ہوتا جہاں تیری وفات ہوئی اور پھر میں تیری زیارت کے لئے تیری قبر پر بھی نہ آتی۔

یہاں سیدہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کو خطاب فرما رہی ہیں اور ان کے ساتھ باتیں بھی کر رہی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مؤقف انکار سماع موتی سے رجوع فرما لیا تھا۔ ورنہ وہاں جا کر خطاب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر محض اظہار افسوس مقصد ہوتا تو وہ گھر بیٹھے بھی ہو سکتا تھا۔ باقی مردہ انسان کو جمادات پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ انسان اگر چہ مردہ ہو وہ جماد نہیں ہے۔ فافھم ثم فافھم!

کہیں یہ نہ سمجھنا کہ بندہ عاجز عام موتی کے سماع کو ثابت کر رہا ہے بلکہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جن آیات سے عدم سماع موتی ثابت کیا جاتا ہے ان آیات کو سماع اور عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ باقی سماع موتی ایک اختلافی اور فروعی مسئلہ ہے اور اس مسئلہ میں کسی جانب سے تشدد نہ ہونا چاہئے۔ البتہ انبیاء کرام کا سماع اتفاقی و اجماعی عقیدہ ہے اس پر ایمان لانا ایک سنی مسلمان کے لئے ضروری ہے اور اس کا انکار گمراہی ہے۔

کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع ان کی خصوصیات میں سے ہے۔ عام مردوں کے سماع کے بارے میں مسلک اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے ترجمان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے۔ وہاں سننے کا عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں۔ اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی۔'' واللہ سبحانہ وتعالی اعلم'' (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۰۴) خیر تو بندہ عاجز عرض کر رہا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ حدیثوں کے پیش نظر جن سے عذاب میت، انس میت، علم وفہم میت، سماع میت، حیات میت، خطاب میت ثابت ہوتا ہے۔ خود ان کے نظریات بھی معلوم ہو جاتے ہیں کہ وہ ان سب چیزوں کے قائل تھے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود یہ کہہ دینا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدم تعلق کے قائل تھے بہت بڑی دیدہ دلیری اور سینہ زوری ہے۔

عقیدہ حیات قبر کی شرعی حیثیت

فائدہ ۱۶: عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی، آیات بینہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع امت مستزاد ہے۔ اسی لئے علماء اہل سنت والجماعت نے اس عقیدہ کو ضروریات دین میں سے شمار کیا ہے اور اس عقیدہ کے منکر کو کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ طاہر ابن احمد الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں'' ولا یجوز الصلوة خلف من ینکر شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وینکر الکرام الکاتبین وعذاب القبر کذا من ینکر الرویة لانه کافر'' (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۹)

یعنی جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اور اسی طرح جو شخص کراماً کاتبین اور عذاب قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کافر ہے۔

محقق ابن ہمام محمد ابن عبدالواحد الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:'' ولا یجوز الصلوة خلف منکر الشفاعة والرؤیة وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانه کافر لتوارث هذه الامور من الشارع صلی اللہ علیہ وسلم'' (فتح الباری ج ۱ ص ۲۴۷)

یعنی شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ عذاب قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے۔
اس لئے کہ یہ امور حضور اکرم ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ علامہ عبد الشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فاما عذاب القبر للؤمنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات واللہ تعالٰی یقول: النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا۔ یعنی فرعون وقومه دل انه کان صحیح فی ای موضع وعلی ای حال ومن انکر ھذا یصیر کافر۔ واللہ اعلم'' یعنی عذاب قبر مومنین کے لئے جائز اور کافروں کے لئے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: کہ فرعون اور اس کی قوم صبح وشام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے۔ جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو۔ جو اس کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم! (تمہید ص ۱۲۵)

بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''منکر الشفاعة لاھل الکبائر والرؤیة وعذاب القبر وکرام الکاتبین کافر'' یعنی اہل کبائر کے لئے شفاعت کا منکر، رؤیت باری تعالیٰ کا منکر، عذاب قبر کا منکر اور کراماً کاتبین کا منکر کافر ہے۔ (رسائل بحر العلوم ص ۹۹)

فتاویٰ عالمگیریہ (ج ۲ ص ۱۰۳) میں بھی عذاب قبر کے منکر کو کافر لکھا ہے۔

کسی چیز کے انکار کی انوکھی صورت

<u>فائدہ ۷۱</u>: عقائد اسلامیہ اور عبادات شرعیہ کے دین اسلام میں نام بھی متعین ہیں اور ان کے مفہوم ومصداق اور شکل وصورت بھی متعین ہے اور یہ دونوں چیزیں توارث کے ساتھ مسلمانوں میں چلی آرہی ہیں۔ ہر عقیدہ اور ہر عمل کے نام کو اس کے شرعی مفہوم کے ساتھ ماننا ضروری ہے۔ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام اور حج وغیرہ ارکان اسلام ہیں اور ان کا مفہوم اور شکل وصورت شرعاً متعین ہے۔ جو شخص ان عبادات کے نام کو تو مانتا ہے۔ لیکن ان کے شرعی مفہوم اور مصداق کو نہیں مانتا بلکہ ان کی کوئی اور شکل وصورت بناتا ہے تو وہ شخص ان عبادات کا منکر سمجھا جائے گا۔ اسی طرح جو شخص جنات، ملائکہ، پل صراط، جنت وجہنم وغیرہ کے نام کو تو مانتا ہے۔ لیکن ان کے شرعی مفہوم کو تبدیل کرتا ہے اور کسی اور چیز کو ان کا مصداق قرار دیتا ہے تو وہ شخص ان کا منکر سمجھا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص خاتم النبیین ﷺ، حیات عیسیٰ اور معراج کے الفاظ کو تو مانتا ہے۔ لیکن ان کے شرعی مفہوم ومصداق کا انکار کرتا ہے۔ بلکہ خاتم النبیین کا اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کا اور معراج کا کوئی اور مفہوم بتاتا ہے تو وہ شخص ان عقائد کا منکر تصور کیا جائے گا۔

اسی طرح عقیدہ عذاب قبر کا مفہوم ومصداق شرعاً متعین ہے کہ میت کو اسی زمین والی حقیقی قبر میں یا پھر مجازی قبر میں الغرض میت جہاں بھی ہو۔ وہاں اس کو بہ تعلق روح جزا وسزا دی جاتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص عقیدہ عذاب قبر کے لفظ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے مفہوم کو تبدیل کرتا ہے تو وہ عذاب قبر کا منکر ہی سمجھا جائے گا۔ انکار کی یہ ایک انوکھی صورت ہے۔ جس کو علماء شریعت زندقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا شیخ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زندیق کا لفظ بخاری میں موجود ہے (ص ۱۰۲۳ پارہ نمبر ۲۸) کتاب استتابۃ المرتدین۔

کفار الملحدین میں اس کی تشریح کر دی ہے کہ لفظ شرعی کو باقی رکھ کر معنی و مطالب کو بدل دے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آ گیا ہے۔ لہٰذا ابوالکلام آزاد کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ زندیق کا لفظ بعد کی اختراع ہے۔

(ملفوظات محدث کشمیری ص ۲۳۸)

یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت والجماعت: اہل اشاعت اور ان کے ہم مذاق لوگوں کو عذاب قبر کا منکر کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ عذاب قبر کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے عذاب قبر کے لفظ کو باقی رکھ کر اس کے مفہوم اور مطلب کو تبدیل کر دیا ہے۔ جس طرح قادیانی دعویٰ کرتے ہیں کہ ختم نبوت پر ہمارا ایمان ہے اور ہم حضور اکرم ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ لیکن اس دعویٰ کے باوجود علماء اسلام قادیانیوں کو ختم نبوت کا منکر کہتے ہیں۔ کیونکہ قادیانیوں نے ختم نبوت کے لفظ کو برقرار رکھ کر اس کے شرعی مطلب و مفہوم کو تبدیل کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کا یہ ماننا نہ ماننا برابر ہے اور انکار کے مترادف ہے۔

بعینہٖ اسی طرح عقیدہ عذاب قبر کے لفظ کو ماننے کے ساتھ ساتھ اس کے شرعی مفہوم و مطلب کو تبدیل کر دینا انکار عذاب قبر کی ایک انوکھی صورت ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ پس عقائد اسلامیہ اور عبادات شرعیہ کو اپنے شرعی ناموں اور معنوں کے ساتھ ماننا ضروری ہے۔ نام اور معنی کسی ایک کے انکار سے آدمی اس چیز کا منکر ہی سمجھا جاتا ہے۔

فتنہ انکار عذاب قبر کی پیش گوئی

فائدہ ۱۸: ’’عن ابن عباس قال سمعت عمر بن الخطاب وھو یقول انہ سیخرج قوما منا بعدکم یکذبون بعذاب القبر ویکذبون بالرحمن ویکذبون بالدجال ویکذبون بالحوض ویکذبون بقوم یخرجون من النار ‘‘ ترجمہ: یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ عنقریب ایسی قوم نکلے گی جو عذاب قبر، رحمن، دجال، حوض اور (گنہگار مسلمانوں) کے جہنم سے نکلنے کا انکار کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۸۸، مسند احمد ج ۱ ص ۴۱)

گویا حضور اکرم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو عذاب قبر، حوض، دجال وغیرہ کا انکار کر دیں گے۔ جس کا مصداق یہی لوگ ہیں۔ جو اجساد مدفونہ کی جزا و سزائی القبر کے قائل نہیں ہیں۔

ضروریات دین میں ناجائز تاویلات خطرناک ہیں

فائدہ ۱۹: اہل سنت والجماعت سے کٹ کر گمراہیوں کے گڑھوں میں جانے والے لوگوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی وہ دین اسلام کے کسی ضروری عقیدہ کا بایں صورت انکار کرتے ہیں کہ اس کے نام کو برقرار رکھ کر اس کے شرعی مفہوم و معنی کو تبدیل کر دیتے ہیں تو کتاب و سنت کی بے شمار نصوص میں ناجائز تاویلات بلکہ تحریفات کر کے ان کو اپنے خانہ ساز مطلب و معنی کے مطابق بنانے کی سعی ناتمام کرتے ہیں۔ چنانچہ قادیانی ختم نبوت اور رفع عیسیٰ علیہ السلام کے دلائل و براہین کو انہیں تحریفات کا نشانہ بناتے ہیں۔ الغرض ہر گمراہ شخص اپنے من مانے عقیدہ فاسدہ کو بچانے اور تحفظ دینے کے لئے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے روشن دلائل کو ناجائز تاویلات

وتحریفات کا نشانہ بناتا ہے۔ چنانچہ منکرین عذاب قبر نے بھی انہی لوگوں کی راہ پر چل کر عقیدہ عذاب قبر کے واضح دلائل میں تحریفات کر کے اپنے من مانے مطلب کو کتاب وسنت کی زد سے بچانے بلکہ کتاب وسنت کو اپنے من مانے عقیدہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔لہٰذا ان لوگوں کی چند ناجائز تاویلات ملاحظہ فرمائیں۔

۱...... حدیثوں میں قبر کی جزاوسزا کا تذکرہ بکثرت موجود ہے۔لیکن یہ لوگ یہ تاویل کرتے ہیں کہ قبر سے مراد روح کی قبر ہے۔اس کو تاویل کے بجائے تحریف کہنا زیادہ مناسب ہے۔

۲...... علماء اسلام کی تشریح کا من مانا مطلب لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبر سے مراد برزخ ہے۔ پھر ایک قدم آگے اٹھا کر کہتے ہیں کہ برزخ سے مراد علیین اور سجین ہے۔نتیجہ یہ نکلا کہ قبر سے مراد علیین اور سجین ہے۔حالانکہ یہ بات نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں اور نہ ہی علماء کرام کی تشریحات کا یہ مطلب ہے۔لہٰذا اس کو بھی تاویل کی بجائے تحریف کہنا ہی بہتر ہے۔تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۳...... جب حدیثوں سے ثابت کیا جاتا ہے کہ زمین والی قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۴ ص ۶۹)
تو کہتے ہیں یعنی تاویل کرتے ہیں کہ برزخ کی زمین مراد ہے۔ان لوگوں کی یہ تاویل بھی غلط ہے۔ کیونکہ برزخ ظرف مکان نہیں ہے۔ بلکہ ظرف زمان ہے۔

۴...... جب حدیثوں سے ثابت کیا جاتا ہے کہ عذاب قبر کو جانور سنتے ہیں۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۱۷)
تو کہتے ہیں کہ جانوروں سے مراد برزخ کے جانور ہیں۔حالانکہ یہ بھی بے جا تاویل ہے۔

۵...... قرآن وحدیث کے بے شمار نصوص سے ثابت ہے کہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کو اعمال کے مطابق جزاوسزا دی جاتی ہے۔جس کو علماء شریعت عذاب قبر سے تعبیر کرتے ہیں۔لیکن منکرین عذاب قبر ان سب کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ جزاوسزا صرف اور صرف روحانی ہے اور جسد اس میں شریک نہیں ہے۔حالانکہ ان کی یہ تاویل بھی بدیہی البطلان ہے۔کیونکہ نصوص میں انسان کی جزاوسزا کا تذکرہ ہے اور انسان روح اور جسد کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔روح مجرد کا ایسا تذکرہ تو کہیں بھی نہیں ہے۔جس سے جسد کی نفی ہوتی ہو۔جن لوگوں نے عالم قبر و برزخ کی حیات کو روح اور روحانی سے تعبیر کیا ہے۔ان کا مقصد اس عالم کی کارروائی کی صورت بتلانا ہے کہ وہاں جزاء وسزا میں روح اصل اور جسد اس کے تابع ہوتا ہے۔جیسا کہ عالم دنیا میں جسد اصل اور روح اس کے تابع ہوتی ہے۔پس حیات روحانی سے جسد کی نفی سمجھنا علمی غفلت ہے۔لہٰذا عالم برزخ وقبر کی کارروائی کی صرف اور صرف روحانی سے تاویل کرنا بدیہی البطلان ہے۔

۶...... جب کتاب وسنت سے ثابت کیا جاتا ہے کہ عالم قبر کی کارروائی میں روح کے ساتھ جسد بھی شریک ہوتا ہے تو تاویل کرتے ہیں کہ جسد سے مراد جسد مثالی ہے۔ان لوگوں کی یہ تاویل بھی درحقیقت تحریف کے برابر ہے۔اوّلاً تو اس لئے کہ کتاب وسنت کی عبارات اس کی متحمل ہی نہیں ہیں۔ثانیاً اس لئے کہ یہ عدل خداوندی کے خلاف ہے۔کیونکہ نیکی اور برائی کرنے میں اور جسد شریک کار تھا اور جزاوسزا میں اور جسد کو شامل کیا گیا۔حالانکہ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو کرے وہ بھرے۔لیکن کرے اور بھرے اور یہی تو ناانصافی ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے پس ہر جگہ جسد سے مثالی جسد مراد لینا ناروا تاویل ہے۔

۷...... اگر ان لوگوں کے سامنے براہین قاطعہ اور حجج مقنعہ سے ثابت کر دیا جائے کہ عالم قبر میں جسد عنصری کے ساتھ مردہ انسان کو جزاوسزا دی جاتی ہے۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۸۶ بخاری ج ۱ ص ۴۹۵)

تو یہ لوگ تاویل کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے قانون نہیں ہے۔ اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ بطور عبرت کے اپنی قدرت کا اظہار فرماتے ہوئے عذاب دکھادیتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قانون نہیں ہے کہ مردہ انسانوں کو قبر میں جزاوسزا دے۔ ان لوگوں کی یہ تاویل نہایت خطرناک اور مردود ہے۔ کیونکہ گنہگار انسان، اللہ تعالیٰ کا باغی ہے اور عالم دنیا مہلت کا جہان ہے اور موت مجرم وباغی کی گرفتاری ہے اور قبر اس کے لئے قید خانہ ہے۔ ایک مجرم کو قید خانہ میں محبوس کر کے سزا دینا تو عین قانون کا تقاضہ ہے۔ اس میں کون سی لاقانونیت ہے۔ بہر حال قبر میں ایک مجرم کو سزا دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی ہے اور قانون بھی ہے۔ اسی طرح فرمانبرداروں کو راحت دینا قدرت بھی ہے اور قانون بھی۔ قبر کی جزاوسزا کو لاقانونیت قرار دینا تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے۔

۸...... صحاح ستہ کی حدیثیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں زمین والی قبروں میں اجساد مدفونہ کو عذاب ہوتا ہوا خود دیکھا ہے۔ جب ان کے سامنے رکھی جاتی ہیں تو یہ لوگ جان چھڑانے کے لئے یوں تاویل کرتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے۔ جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ یہ کارروائی ایک وقتی چیز تھی جو اس وقت دکھائی گئی۔ ویسے قبروں میں عذاب نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ تاویل بھی ان کو قطعاً مفید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک عذاب کا ہونا دوسرا عذاب کا دیکھنا جہاں تک تعلق ہے عذاب ہونے کا وہ تو دائمی چیز ہے۔ جو ان کو ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے۔ جو ان کو مل رہی ہے اور جہاں تک تعلق ہے عذاب دیکھنے کا وہ واقعی حضور ﷺ کا معجزہ ہے۔

کیونکہ عالم قبر کی ساری کارروائی غیب کی چیز ہے جو عام لوگوں کو نظر نہیں آتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ بطور معجزہ کے اپنے پیغمبر کو یہ کارروائی دکھاتے تھے۔ پس قبروں میں عذاب کا ہونا معجزہ نہیں ہے وہ تو جرم کی سزا ہے۔ لیکن عذاب کا دیکھنا حضور اکرم ﷺ کا معجزہ ہے۔ لہٰذا عذاب قبر کو محض معجزہ کہنا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی ایسی تاویل سے گلوخلاصی ہوتی ہے۔ کیونکہ معجزہ تو ایسے عذاب کو دیکھنا ہے۔

دشمنان اسلام کے شبہات سے ڈر کر راہ فرار اختیار کرنا

فائدہ ۲۰: منکرین عذاب قبر نے عقیدہ عذاب قبر کی شرعی شکل وصورت کو کیوں مسخ کیا؟ اور پھر نصوص شرعیہ میں ناجائز تاویلات کا ارتکاب کیوں کیا؟ وجہ یہ ہے کہ دشمنان اسلام نے اس عقیدہ میں بہت سے شبہات پیدا کئے ہیں اور اس پر بہت اعتراضات وارد کئے ہیں اور منکرین عذاب قبر ان کے شبہات کا جواب نہ دے سکے اور ان کے اعتراضات کو دفع نہ کر سکے۔ چنانچہ ان لوگوں نے عاجز آ کر یہ راہ فرار اختیار کی کہ عقیدہ کی شکل بھی تبدیل کر دی اور نصوص میں تاویل بھی کر دی۔ حالانکہ یہ طریقہ مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے بلکہ گمراہی کا ایک راستہ ہے۔ کیونکہ مخالفین تو اسلام کے ہر عقیدہ اور ہر مسئلہ میں شبہات پیدا کرتے ہیں اور اعتراض وارد کرتے ہیں۔ اگر ان کے ڈر کی وجہ سے عقائد اور اعمال کی صورت مسخ کر دی جائے اور نصوص میں تاویل کر دی جائے تو دین اسلام کا خدا حافظ۔ ان اللہ کے بندوں کو تو چاہئے تھا کہ علماء حقہ کی طرف رجوع کرتے۔ کیونکہ علماء حقہ کی کتابوں میں دشمنان اسلام کے تمام شبہات کے تسلی بخش اور دندان شکن جوابات موجود ہیں۔ لیکن ان بے چاروں نے اسلاف کی راہ چھوڑ دی اور خود شبہات کا جواب نہ دے سکے تو قبر کے مفہوم کو بدل ڈالا اور نصوص میں تاویل کر ڈالی۔

کاش کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ شرعی قبر پر اتنے شبہات وارد نہیں ہوتے جتنے شبہات ان کی مصنوعی قبر پر وارد ہوتے ہیں۔ ان بیچاروں نے جس چیز کو سلامتی کی راہ سمجھی وہ درحقیقت گمراہی کی دلدل ہے، جس میں یہ پھنس چکے ہیں۔

قارئین کرام! اس قسم کے لوگوں کے متعلق حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان افروز بیان ملاحظہ فرمائیں۔ ''یہ بات قاعدہ کلیہ کی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ دین کا کوئی مسئلہ اپنے دلائل کے ساتھ روشنی میں آجائے تو اس پر بے تامل جزم و یقین کر لینا چاہئے۔ اب اگر اس میں کچھ شبہات و اعتراضات دل میں گزرتے ہوں تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ان شبہات ہی کا جواب تلاش کرنا چاہئے اور ان کو حل کر لینا چاہئے نہ کہ اس ثابت شدہ حقیقت ہی کا انکار کر دیا جائے کیونکہ شبہات زیادہ سے زیادہ دلائل کی روشنی مدہم تو کر سکتے ہیں۔ مگر کوئی دوسری روشنی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لئے جب کبھی آپ اپنا رخ خود ان شبہات ہی کی طرف پھیر دیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ اور تاریکی در تاریکی میں جا گرے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شبہ کی بنیاد پر ختم نبوت کا اجماعی عقیدہ بدل دیا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جتنے اشکالات اس عقیدہ میں پیدا ہو سکتے تھے اس سے کہیں بڑھ کر شبہات دوسری صورت میں پیدا ہونے لگے۔ درحقیقت یہ شیطان کا ایک بڑا علمی فریب ہے کہ جب وہ کسی گمراہی کی دعوت دیتا ہے تو پہلے ایک حق بات میں شبہات ڈالنا شروع کرتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان شبہات کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقت کی صورت پہنچا دیتا ہے۔ پھر اس کے دلائل کی تلاش لگاتا ہے اور اس تمام تدریجی سلسلہ میں ایک بار بھی انسان کا ذہن اصل عقیدہ کے دلائل کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ حتی کہ وہ عقیدہ جو پہلے ان شبہات کے وجود سے مجروح ہو چکا تھا۔ اب ان وہمی دلائل سے باطل نظر آنے لگتا ہے اور ان دلائل پر دماغ میں کسی ادنیٰ شبہ کا گزر ہونے نہیں دیتا۔ اس کے بعد پھر انسان کو ایسا دلیر بنا دیتا ہے کہ اس کے نو ساختہ عقیدہ کے خلاف انسان واضح سے واضح دلائل کی تاویل بلکہ تحریف میں ذرا نہیں شرماتا اور اس طرح وہ انسان کو دین سے منحرف کر دیتا ہے اور اس کے ایمان بالغیب کی ساری دنیا برباد کر ڈالتا ہے۔ اس کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ ہے۔ یہاں بھی صرف شبہات پیدا کر کے پہلے وہ اس یقین کو متزلزل کرنے کی سعی کرتا ہے اور جب اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو بیسوں حدیثوں کی تاویل بلکہ انکار پر آمادہ کر دیتا ہے۔ مثلاً یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ دجال کو قتل کرنے کے لئے خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی ضرورت کیا پڑی ہے۔ پھر اتنے دن ان کا زندہ رہنا کیوں تسلیم کیا جائے اور اس کے لئے جتنے مقدمات ہو سکتے ہیں۔ ان کو برہن کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن ایک مومن ان شبہات کی بنا پر قرآن و حدیث کی تاویل کرنے کی بجائے خود ان شبہات ہی کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صرف وساوس و اوہام سے اپنے قیمتی ایمان کو زخمی نہیں کرتا۔'' (ترجمان السنہ ج ۳ ص ۵۶۰، ۵۶۱)

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں صریح الفاظ اور صریح بیانات کو پیچیدہ بنانے اور ان کی تاویلات کرنے کا نتیجہ کبھی اچھا برآمد نہیں ہوا۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی پیش گوئی میں تاویل کی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے دجال کا مصداق سمجھا اور جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کو مسیح ہدایت سمجھ کر اس کی اتباع کریں گے۔ اسی طرح نصاریٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف صاف پیشگوئیوں کی تاویلات کیں۔ آخر اس کا بھی جو نتیجہ ظاہر ہونا تھا وہ ہوا اور انہوں نے بھی اسی غلطی کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ لہٰذا صاف اور واضح بیانات میں تاویلات کرنا نہایت خطرناک قدم ہے۔

اور اس کا ثمرہ بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ غلط مسیح، مسیح حق مان لئے جائیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں تو یہودیوں کی طرح ان کا انکار کر دیا جائے۔ اگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اتنے واضح اور صریح الفاظ میں بھی تاویلات یا مجازات واستعارات جاری کر دینا صحیح ہے تو پھر یہودی ونصاریٰ کو بھی قصوروار ٹھہرانا غلط ہوگا۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئیوں میں تاویلیں کر کے اپنا ایمان برباد کیا ہے۔ والعیاذ باللہ من الزیغ والحاد! (ترجمان السنہ ج ۳ ص ۵۲۶)

قارئین کرام! حضرت مولانا بدرعالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ تشریحی نوٹ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شبہات سے ڈر کر کسی عقیدہ یا عبادت کی شکل وصورت کو تبدیل کرنا پھر اپنی من مانی صورت کے ساتھ ٹکرانے والی ہر نص کی تاویل بلکہ تحریف اور انکار کرنا ایمان کے لئے ایک خطرناک راستہ ہے جسے الحاد اور گمراہی کہنا ہی زیادہ موزوں ومناسب ہے۔

مغالطات

فائدہ ۲۱: منکرین عذاب قبر نے عقیدہ حیات قبر کے متعلق بہت سے لوگوں کو بہت سے مغالطوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ لہٰذا یہاں ان کے چند مغالطے ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ کوئی شخص ان مغالطات میں پھنس نہ جائے۔

کیا علماء حق آنحضرت ﷺ کی وفات کے منکر ہیں؟

مغالطہ ا: منکرین عذاب قبر عوام الناس کو مغالطہ دیتے ہیں کہ علماء اہل سنت والجماعت حضور اکرم ﷺ کی وفات کے قائل نہیں ہیں۔ پھر اس پر کئی آیات اور احادیث پڑھتے یا لکھتے ہیں۔ جن سے آپ ﷺ کی یا ہر انسان کی موت ثابت ہوتی ہے اور پھر اس پر یوں حاشیہ آرائی کرتے ہیں۔

اگر حضور اکرم ﷺ زندہ ہیں تو کیا زندہ نبی کا جنازہ پڑھا گیا؟ کیا زندہ نبی کو درگور کیا گیا؟ وغیرہ وغیرہ!

حالانکہ علماء حق حضور اکرم ﷺ کی وفات حسرت آیات کے قائل ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات پر ''کل نفس ذائقة الموت'' کا وعدہ پورا ہوا۔ آپ ﷺ کی وفات ہوئی پھر آپ ﷺ کی تجہیز وتکفین عمل میں آئی۔ آپ ﷺ پر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ پھر آپ ﷺ کو باقاعدہ دفن کیا گیا۔ لیکن علماء حق آپ ﷺ کی حیات بعد الوفات کے قائل ہیں مرنے کے بعد ہر انسان کو جزا یا سزا کے لئے خاص قسم کی ایک زندگی عطا کی جاتی ہے اور اس زندگی کے درجات اعمال کے مطابق مختلف ہوتے ہیں اور اس زندگی کا یہ سب سے اونچا درجہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو دیا جاتا ہے۔

پس علماء حق الحیات بعد الوفات پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی وفات کی آیات پڑھنا یا ہر انسان کی موت کی آیات پڑھنا اور لوگوں کو یہ تاثر دینا کہ اتنی آیتوں اور حدیثوں سے آپ ﷺ کی موت ثابت ہوتی ہے اور علماء حق موت کو نہیں مانتے۔ یہ نرا مغالطہ ہے۔

محل نزاع کیا ہے؟

مغالطہ ۲: منکرین عذاب قبر کو مغالطہ دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا جھگڑا اہل حیات سے یہ ہے کہ ہم حیات برزخی کے قائل ہیں اور وہ حیات دنیوی کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ چیز محل نزاع نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی

حیات اور دیگر اموات کی حیات فی القبر یقیناً برزخی حیات ہے اور اس کے برزخی ہونے میں نہ شک ہے نہ اختلاف۔ کیونکہ موت کے بعد عالم برزخ شروع ہو جاتا ہے اور مرنے والا خود بخود عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ حیات برزخی کس کو حاصل ہے۔ صرف روح کو یا روح اور جسد کے مجموعہ کو علماء حق فرماتے ہیں کہ حیات برزخی روح اور جسد دونوں کو حاصل ہے۔ جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جب کہ منکرین عذاب قبر کا عقیدہ یہ ہے کہ حیات برزخی صرف روح کو حاصل ہے یا پھر روح اور جسد مثالی کو حاصل ہے۔ بہر حال یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے جسد اطہر کی حیات برزخی کے قائل نہیں ہیں۔

پس مسئلہ حیات النبی ﷺ میں محل نزاع یہ بات ہے کہ علماء حق اہل سنت والجماعت مکمل نبی یعنی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کی حیات کے قائل ہیں اور روح کی طرح آپ کے جسد عنصری کے مقام کو بھی جنت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی روح کا مقام بھی جنت ہے اور آپ کے جسد عنصری کا مقام بھی جنت ہے اور آپ کی روح مبارک اور جسد اطہر دونوں جنت کے رزق اور نعمتوں سے محظوظ اور مسرور ہیں۔ اس کے برعکس منکرین حیات کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا روح مبارک جنت میں ہے اور وہاں اس کو ایک اور جسد عطا کر دیا گیا ہے اور اسی جسد مثالی عطائی کے ذریعہ آپ ﷺ جنت میں زندہ ہیں۔ باقی رہا جسد عنصری تو وہ ان کے نزدیک جنت سے باہر اور جنت کی ہر نعمت سے محروم ہے۔ (العیاذ باللہ)

یا پھر یوں سمجھئے کہ حضور اکرم ﷺ کو عالم برزخ میں علماء حق کے نزدیک جسد عنصری یعنی اصلی اور حقیقی جسد کے ساتھ حیات حاصل ہے اور ان لوگوں کے نزدیک جسد مثالی (نقلی مصنوعی) کے ساتھ حیات حاصل ہے۔ بہر حال یہ جھگڑا حیات دنیوی اور برزخی کا نہیں ہے۔ بلکہ جھگڑا اس بات میں ہے کہ حیات برزخی اسی دنیا والے جسد عنصری اصلی حقیقی کے ساتھ ہے یا جسد جعلی مصنوعی المعروف مثالی کے ساتھ ہے۔ باقی جن علماء نے آپ ﷺ کی حیات کو دنیوی کہا ہے تو ان کی مراد صرف اتنی ہے کہ آپ کو دنیا والے جسد کے ساتھ حیات حاصل ہے۔ جس کو دنیا کی سی حیات بھی کہہ سکتے ہیں۔ بہر حال وفات کے بعد حضور اکرم ﷺ کو حیات برزخی بایں معنی حاصل ہے کہ آپ عالم برزخ و قبر میں ہیں اور آپ کی یہ حیات برزخی بایں معنی دنیوی بھی ہے کہ روح مبارک کا دنیا والے جسد اطہر کے ساتھ تعلق ہے۔

کیا برزخ سے ارواح کا مخصوص مقام مراد لینا صحیح ہے؟

مغالطہ ۳: منکرین عذاب قبر لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں کہ برزخ سے ارواح کا مخصوص مقام مراد ہے۔ حالانکہ یہ نرا مغالطہ ہے۔ کیونکہ برزخ کسی خاص جگہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تو ظرف زمان ہے البتہ اپنے وسیع مفہوم کی وجہ سے روح اور جسد دونوں کے ہر مقام کو شامل ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

منکرین کا یمسک التی قضیٰ علیھا الموت سے استدلال اور اس کا جواب

مغالطہ ۴: منکرین عذاب قبر مندرجہ ذیل آیت کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو مغالطہ دیتے ہیں کہ عالم برزخ میں روح اور جسد کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ اس آیت کو برزخی تعلق اور عدم تعلق سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے وہ آیت یہ ہے: ”اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمی ان فی ذالک لآیت لقوم یتفکرون“ ترجمہ: اللہ ہی قبض

کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی کہ جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت اور ان جانوں کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد مقرر تک کے لئے رہا کر دیتا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں دلائل ہیں۔ (زمر: ۴۲)

اس آیت کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت بذریعہ قبض ارواح جانوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اور جن جانوں کی موت کا وقت نہیں آیا ان کو بھی بوقت نیند اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے البتہ بوقت نیند مقبوضہ جانوں کو بذریعہ اعادہ روح پہلی حالت پر لا کر کچھ مدت کے لئے عالم دنیا میں واپس بھیج دیتے ہیں اور جن جانوں پر موت کا فیصلہ ہو چکا ہے ان کو پہلی حالت پر لا کر عالم دنیا میں واپس نہیں بھیجتے بلکہ وہیں عالم برزخ میں روک لیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نیند والے انسان کو اللہ تعالیٰ اپنے قبضہ سے رہا فرما کر عالم دنیا میں واپس بھیج دیتے ہیں اور مرنے والے انسان کو دوبارہ دنیا میں واپس نہیں بھیجتے۔ اِلَّا ماشاءاللہ! پس اس آیت میں مردہ انسان کی پہلی حالت پر واپس آ کر عالم دنیا میں آجانے کی نفی ہے۔ عالم برزخ میں رہتے ہوئے روح اور جسد کے برزخی تعلق اور عدم تعلق سے اس آیت کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں آیت کا منشاء یہ ہے کہ ''والبعث بعدالموت'' قیامت کو ہوگا۔ قیامت سے پہلے نہیں ہوگا۔ اِلَّا بخرق العادۃ!

قبر کی زندگی کو ''والبعث بعدالموت'' سے کسی نے تعبیر نہیں کیا ہاں اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مردہ بالکل پہلی حالت پر واپس آجاتا ہے اور جس طرح دنیا میں زندہ تھا۔ اب بھی بعینہٖ ایسا ہی زندہ ہے اس کی روح اس کے جسد میں ایسے حلول کئے ہوئے ہے جیسا کہ دنیا میں تھی تو بے شک یہ آیت اس عقیدہ کی نفی کرتی ہے۔ لیکن یہ عقیدہ رکھنا کہ مردہ انسان عالم برزخ میں رہتا ہے اور وہاں روح اور جسد کا مجہول الکیفیت تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے مردہ انسان جزا وسزا کو محسوس کرتا ہے اور قبر کی زندگی دنیا کی زندگی سے مختلف ہے۔ حتیٰ کہ قبر کے زندہ پر دنیا والے لفظ میت یا مردہ کا اطلاق بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ نوع من الحیات ہے۔ جو دنیا والوں کے فہم وشعور سے بالاتر ہے۔

البتہ اس حیات پر ایمان لانا ضروری ہے تو یہ آیت ایسے عقیدہ کے قطعاً قطعاً خلاف نہیں ہے۔ اگر بندہ عاجز کی بیان کردہ اس تشریح کے بعد بھی کوئی شخص بضد ہے کہ اس آیت سے اعادہ روح کی نفی ہوتی ہے تو جواباً عرض ہے کہ اس آیت میں ہر قسم کے اعادہ کی نفی نہیں ہے بلکہ ایک خاص قسم کے اعادہ کی نفی ہے اور وہ اعادہ یہ ہے جس کو ''یرسل الاخریٰ'' میں ثابت کیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح خواب والے کی روح کا کامل طور پر اعادہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی روح اس کے جسم میں پہلے کی طرح مکمل طور پر عود کر آتی ہے اور ہر شخص اس کی حیات کو محسوس کرتا ہے اور دیکھتا ہے مرنے والے کی روح اس طرح عود نہیں کرتی۔ بلکہ وہاں تو مجہول الکیفیت تعلق جوڑا جاتا ہے۔ جس سے مردہ دکھ وسکھ کو محسوس کرتا ہے اور قبر کی زندگی کسی کو محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کو کوئی شخص دیکھ سکتا ہے۔ اِلَّا ماشاءاللہ! بہر حال یرسل الاخریٰ میں جس اعادہ کو ثابت کیا گیا ہے۔ یمسک میں صرف اسی اعادہ کی نفی کی گئی ہے اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ موت کے وقت روح کا جسد سے بالکلیہ تعلق ختم ہو جاتا ہے ان کی مراد دنیوی تعلق ہے۔ جو یقیناً بالکلیہ ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس سے برزخی تعلق کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ تو موت کے بعد جوڑا جاتا ہے۔ پس دنیوی تعلق کے بالکل ختم ہو جانے سے برزخی تعلق کی نفی سمجھ لینا لاعلمی اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ فافہم ولا تکن من الغافلین!

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد انسان کو عالم برزخ میں روک لیتے ہیں اور اس کو دنیا میں واپس

نہیں آنے دیتے۔ اگر کوئی شخص بضد ہے کہ اللہ تعالیٰ روح کو روک لیتے ہیں تو اس سے روح کو موت ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''فیمسک التی قضی علیھا الموت'' یعنی اس کو روکتا ہے جس پر موت کا فیصلہ ہو چکا۔ جب روح کو روکا گیا تو موت کا فیصلہ بھی اسی پر ہوا۔ حالانکہ یہ لوگ روح کے مردہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اس کو جسد مثالی میں داخل کر کے زندہ سمجھتے ہیں

موت کے بعد آدمی کا دنیا میں واپس آنا قدرت خداوندی ہے قانون نہیں

مغالطہ ۵: بندہ عاجز کی مذکورہ بالا گزارشات کو اگر بغور دیکھا جائے تو اس سے منکرین عذاب قبر کے ایک اور مغالطے کا بھی دفعیہ ہو جاتا ہے وہ مغالطہ یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے پھرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ روح کو ایک دفعہ جسد سے نکال کر قیامت سے پہلے جسم کی طرف واپس نہیں بھیجتے شاید اس کی بنیاد اسی مذکورہ بالا آیت کو بناتے ہیں۔ درحقیقت یہ بھی ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ اعادہ روح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی قانون بیان نہیں فرمایا بلکہ اس آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے جو قانون ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ مرنے کے بعد آدمی دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا۔ الا بخرق العادۃ جیسا کہ ''رب ارجعون۔ لولا اخرتنی الی اجل قریب۔ ترجعونھا ان کنتم صادقین۔ انھم لا یرجعون'' وغیرہ آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا میں واپس نہیں آتا۔ اگر کوئی واپس آیا ہے تو وہ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے۔ قانون نہیں ہے لیکن مردہ انسان کی واپسی بھی اعادہ روح کی صورت میں ہی ہوسکتی ہے۔ چونکہ مردہ انسان نے دنیا میں واپس نہیں آنا۔ لہٰذا ایسا اعادہ روح نہیں ہوگا جس سے انسان پہلی حالت میں عود کر کے دنیا میں واپس آجائے۔

باقی رہا عالم قبر و برزخ میں اعادہ روح کا مسئلہ تو وہ ایسا اعادہ ہرگز نہیں ہے۔ جس سے مردہ پہلی حالت میں لوٹ کر دنیا میں واپس آجائے۔ اس اعادہ روح اور تعلق کی کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ایسا اعادہ اور تعلق چونکہ کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان ضروری ہے۔ قرآن مجید کی کسی آیت سے ہر قسم کی اعادہ اور تعلق کی نفی نہیں ہوتی۔ پس اس قسم کی آیات سے اعادہ اور تعلق کی ہمہ اقسام کی نفی سمجھنا نرا مغالطہ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال اور اس کا جواب

مغالطہ ۶: منکرین عذاب قبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ موت سے بھی عامۃ الناس کو مغالطہ دیتے ہیں کہ اللہ کے نبی موت کے بعد کم و بیش ایک سال تک عصا کے سہارے کھڑے رہے۔ لیکن کسی شخص کو ان کی زندگی کے آثار نظر نہ آئے۔ ان لوگوں کا اس واقعہ سے بھی حجت پکڑنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں موت کے بعد جس زندگی کی اطلاع دی گئی ہے وہ ایک خاص قسم کی حیات ہے جس کو نوع من الحیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ مخصوص زندگی ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ اہل دنیا کو اس کے آثار نظر نہیں آتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے بندوں کو قبر میں ہونے والی کارروائی مشاہدہ کرا بھی دیتے ہیں۔ لیکن عموماً یہ کارروائی عوام الناس کی آنکھوں سے مستور رہتی ہے اسی لئے تو علماء اسلام نے قبر کی جزا و سزا کو غیب کی چیزوں میں شمار کیا ہے۔ جن پر بن دیکھے ایمان لانا ضروری ہے۔ لہٰذا حیات کے آثار نظر نہ آنے سے عدم حیات لازم نہیں آتی۔ پس اس واقعہ سے حیات برزخی یعنی قبر کی زندگی کی نفی کرنا نرا مغالطہ ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال اور اس کا جواب

مغالطہ ۷: منکرین عذاب قبر حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے بھی مغالطہ دیتے ہیں۔ لیکن اس واقعہ سے بھی انکار مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ موت کے بعد والی زندگی بالکل دنیا کی زندگی کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ وہ دنیا کی زندگی سے مختلف ہے۔ حیات دنیا کے آثار وعلامات نمایاں ہوتے ہیں جس کو ہر شخص محسوس کرتا ہے اور قبر کی زندگی کے آثار وعلامات ہر شخص کے سامنے نمایاں نہیں ہوتے۔ قبر کی زندگی کو تسلیم کرنے کے لئے تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر اعتماد اور یقین کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب مغالطے اسی لئے دیئے جارہے ہیں کہ قبر کی زندگی کو دنیا کی زندگی سمجھ لیا گیا ہے اور حیات قبر کو حیات دنیوی پر قیاس کر کے قسم وقسم کے شبہات کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ ایک عالم کو دوسرے عالم پر قیاس کرنا خود غلط ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس واقعہ سے قبر و برزخ کی زندگی کی نفی کرنا خالص مغالطہ ہے۔

نیز: واضح رہے کہ قرآن مجید میں اس موقع پر عزیر علیہ السلام کا نام متعین نہیں کیا گیا بلکہ قرآن مجید میں ''او کالذی مرّ علٰی قریة'' کے مبہم الفاظ میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس شخص سے مراد عزیر علیہ السلام ہیں۔ جب کہ بعض دوسرے مفسرین کے نزدیک اس سے ایک کافر شخص مراد ہے جو قیامت کا منکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو موت دے کر ''والبعث بعد الموت'' کا نظارہ دکھایا۔ بہر حال کوئی بھی ہو اس سے قبر کی مخصوص زندگی کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ البتہ اس سے غیر اللہ کے لئے علم غیب کی نفی ہوتی ہے۔

قصہ اصحاب کہف سے استدلال اور اس کا جواب

مغالطہ ۸: منکرین عذاب قبر اصحاب کہف کے قصہ سے بھی لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اصحاب کہف اور عزیر علیہ السلام وغیرہ واقعات سے حیات وسماع کی نفی کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر ان واقعات میں حیات قبر کی نفی ہوتی تو سابقہ منکرین عذاب قبر ان واقعات کو بطور حجت کے پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ کسی دور میں بھی معتزلہ وغیرہ منکرین عذاب قبر نے ان سے استدلال نہیں کیا۔ اسی طرح تمام اہل سنت والجماعت کے مفسرین محدثین اور فقہاء وعلماء حیات قبر اور عذاب قبر کے قائل چلے آرہے ہیں اور انہوں نے اس عقیدہ کو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت کیا ہے اور منکرین کے دلائل اور شبہات کا قلع قمع بھی کیا ہے۔ لیکن کسی عالم نے بھی ان واقعات کو اپنے مسلک وعقیدہ کے خلاف سمجھ کر جواب دینے کی کوشش نہیں فرمائی۔

پس معلوم ہوا کہ کسی دور میں بھی ان واقعات سے حیات وسماع کی نفی سمجھی گئی نہ قائلین کی طرف سے نہ منکرین کی طرف سے۔ لہٰذا بالاتفاق ان واقعات کا عقیدہ حیات وسماع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں البتہ ان واقعات سے غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ثابت ہوتی ہے اور ہمارے علماء نے علم غیب کی نفی میں ان واقعات سے استدلال بھی کیا ہے۔ لہٰذا منکرین عذاب کا ان واقعات سے استدلال کرنا مغالطہ دینے کے مترادف ہے۔

واذا النفوس زوّجت سے استدلال اور اس کا جواب

مغالطہ ۹: منکرین عذاب قبر قرآن مجید کی یہ آیت ''واذا النفوس زوّجت'' یعنی جب جیوں کے

جوڑے باندھے جائیں پڑھ کر لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں کہ ارواح کو بروز قیامت اجساد کی طرف لوٹایا جائے گا۔ لہٰذا قیامت سے پہلے ارواح کا اعادہ نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بھی ان لوگوں کا ایک مغالطہ ہے اور دھوکہ ہے۔ کیونکہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ مشہور تفسیر یہ ہے کہ میدان محشر میں عقیدہ اور عمل کے مطابق لوگوں کو آپس میں جوڑا جائے گا۔ یعنی مسلم کو مسلم کے ساتھ کافر کو کافر کے ساتھ۔ اسی طرح چور کو چور کے ساتھ اور قاتل کو قاتل کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا۔ یعنی ہم عمل اور ہم عقیدہ لوگوں کی الگ الگ جماعتیں بنا دی جائیں گی اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ارواح کو اجساد کی طرف لوٹا کر لوگوں کو زندہ کر دیا جائے گا۔

پہلی تفسیر کے مطابق تو اس آیت کو مسئلہ اعادہ روح سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے البتہ دوسری تفسیر کے مطابق اس میں اعادہ روح کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے یعنی ارواح کو کامل طور پر قیامت کے دن ان کے اجساد کی طرف ایسے طریقے سے لوٹایا جائے گا کہ مردہ انسان پہلی حالت پر واپس آجائے گا اور جیسے دنیا میں زندہ تھا ویسے بروز قیامت زندہ ہو جائے اور اس کی زندگی سب کو محسوس ہو گی۔

قارئین کرام! بیشک ایسا اعادہ روح تو قیامت کے دن ہوگا۔ جس کو ''والبعث بعد الموت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قیامت سے پہلے ایسے اعادہ کا تو کوئی شخص بھی قائل نہیں ہے۔ علماء اہل سنت والجماعت کتاب وسنت اور اجماع امت سے جس اعادہ روح کو ثابت کرتے ہیں۔ وہ ایسا اعادہ نہیں ہے جو قیامت کو ہوگا۔ وہ تو ایسا اعادہ ہے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس اعادہ سے تو میت میں نوع من الحیات یعنی ایک قسم کی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ جس کو عموماً دنیا والے محسوس بھی نہیں کر پاتے۔ لہٰذا کامل اعادہ کی نفی سے ہر قسم کے اعادہ کی اور ہر قسم کے تعلق کی نفی سمجھ لینا مغالطہ سے کم نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں مذکورہ بالا آیت میں یہ بتایا گیا ہے ''والبعث بعد الموت'' قیامت کے دن ہوگا۔ اس سے پہلے نہیں ہوگا اور قبر کی زندگی ''والبعث بعد الموت'' نہیں ہے۔ کیونکہ قبر کی مخصوص زندگی سے مردہ پہلی حالت پر واپس نہیں آتا بلکہ اسی حالت پر رہتے ہوئے جزا وسزا کو محسوس کرتا ہے اور یہ حیات اور اعادہ ''اذا النفوس زوّجت'' کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔ بلکہ قرآن مجید اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

ثم انکم یوم القیامۃ سے استدلال

مغالطہ ۱۰: منکرین عذاب قبر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کے ذریعہ بھی لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں:

''ثم انکم بعد ذالک لمیتون۔ ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون'' (المومنون:۱۶)

یعنی پھر تم اس کے بعد مرو گے پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے حضرت انسان کو تخلیق کے بہت سے مراحل سے گزار کر بالآخر روح حیات پھونک کر جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ پھر اس آیت میں حضرت انسان کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ اس کے بعد تم مرو گے، پھر قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھائے جاؤ گے۔ اس آیت کے مفہوم میں اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قبر کی زندگی کی کوئی نفی موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں دو زندگیوں کا ذکر ہے۔ ایک دنیا کی زندگی اور ایک آخرت کی زندگی۔ کیونکہ یہ دونوں مستقل زندگیاں ہیں۔ جو ہر شخص کو محسوس ہونے

والیاں ہیں قبر کی زندگی چونکہ مستقل حیات نہیں ہے۔ بلکہ نوع من الحیات ہے اس لئے مستقل طور پر اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ حیات دنیوی کا تتمہ وتکملہ بنا کر اس میں شامل سمجھا گیا یا پھر آخرت کی زندگی کا مقدمہ سمجھ کر اس میں داخل کر دیا گیا۔ جیسا کہ ''کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا'' میں پہلے گزر چکا ہے۔ پس یہاں قبر وبرزخ کی زندگی کو دنیا یا آخرت کی زندگی کے ضمن میں ذکر کیا گیا۔ کیونکہ قبر وبرزخ کی زندگی قرآن مجید کی پچاس سے زائد آیات سے اور ستر سے زائد احادیث سے ثابت ہے اور اجماع امت اس پر مستزاد ہے۔ لہٰذا اس آیت میں عدم ذکر سے عدم حیات سمجھنا نرا مغالطہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور متواتر احادیث کے پیش نظر اس آیت میں حیات قبر ضمناً مذکور ہے۔

اگر منکرین عذاب قبر پھر بھی اصرار کرتے ہیں کہ اس میں صرف دو زندگیاں مذکور ہیں اور کسی تیسری زندگی کا ذکر نہیں۔ لہٰذا درمیان کوئی اور زندگی ہے ہی نہیں تو جواباً عرض ہے کہ تمہاری اس منطق سے خود تمہارے اپنے مذہب کی عمارت گر کر ہباء منثورا ہو جائے گی۔ کیونکہ تم لوگ بھی حیات دنیا اور حیات آخرت کے درمیان ایک خاص قسم کی حیات کے قائل ہو۔ جس کو تم حیات کافوری، نورانی، طیوری، روحانی اور برزخی کہتے ہو۔ جسے تم اعلیٰ وارفع اور اکمل حیات سمجھتے ہو۔ جس پر تمہارے واعظین نازاں ہیں کہ علماء دیوبند نبی علیہ السلام کو قبر میں زندہ سمجھتے ہیں اور ہم نبی علیہ السلام کو جنت میں زندہ مانتے ہیں۔

پس بزعم شما اگر اس آیت سے ہر قسم کی حیات کی نفی ہوتی ہے تو پھر تمہاری حیات مزعومہ کی بھی نفی ہو جائے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پورے انسان یعنی روح اور جسد کے مجموعہ کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تم کو مرنا ہے۔ پھر تمہیں قیامت کے دن زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ عالم دنیا کی زندگی روح اور جسد کے مجموعہ کو حاصل ہے اور آخرت کی زندگی بھی روح اور جسد کے مجموعہ کو حاصل ہوگی۔ پس بقول شما اگر درمیان میں کسی قسم کی کوئی زندگی نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہمہ اقسام کی یکسر نفی ہے تو یہ نفی حیات جسمانی کی بھی ہوگی اور حیات روحانی کی بھی ہوگی۔ حالانکہ تم دونوں زندگیوں کے درمیان حیات روحانی کے قائل ہو جب کہ تمہاری ہی بیان کردہ تفسیر کے مطابق تمہاری اپنی حیات روحانی، برزخی، طیوری نہیں بچ سکتی۔ اگر تم لوگ کسی طرح سے اپنی حیات روحانی طیوری برزخی اور مثالی اس آیت کی زد سے بچا لو گے تو بعینہٖ اسی طریقہ سے علماء اہل سنت والجماعت اپنی حیات قبر بھی بچا لیں گے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا!

الحمد للہ ثابت ہو گیا کہ اس آیت سے حیات قبر کی نفی نہیں ہوتی۔ جو شخص اس آیت سے ہمہ اقسام حیات کی نفی کرتا ہے۔ وہ خود مغالطہ میں ہے اور دوسروں کو بھی مغالطہ دینا چاہتا ہے۔ واضح رہے کہ بندہ عاجز نے آیت مذکورہ کا جو مطلب بیان کیا ہے۔ ان کے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔ چنانچہ نیلوی لکھتے ہیں۔ ''اس آیت کا مطلب تو بس یہ ہے کہ ہر انسان اپنا اپنا وقت گزار کر وفات پائے گا اور یہ ایک ایسا قانون الٰہی ہے کہ اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے۔'' (القول الاتم فی حیات عیسیٰ بن مریم ص ۶۵)

بہرحال آیت میں قبر وبرزخ کی زندگی ضمناً مذکور ہے اور اگر کوئی شخص اس کو ضمناً مذکور نہیں سمجھتا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ آیت حیات برزخی سے خاموش ہے۔ قبر وبرزخ کی حیات کی نفی تو کسی صورت میں بھی اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔

اموات غیر احیاء سے استدلال اور اس کا جواب

مغالطہ ۱۱: منکرین عذاب قبر مندرجہ ذیل آیت سے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں: ''والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئاً وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون'' (النحل:۲۱،۲۲) ترجمہ: اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور خود ہی مخلوق ہیں مردے ہیں زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جائیں گے۔

منکرین عذاب قبر یہ آیات پڑھ کر لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام مردہ ہیں اور ان میں کسی قسم کی حیات نہیں ہے۔ حالانکہ ان آیات کا صحیح یہ مطلب ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ سب اتنے عاجز اور بے بس ہیں کہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور وہ سب کے سب موت کے محل وقوع ہیں۔ یعنی موت سے ان کو کوئی چارہ نہیں اور ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں ہیں کہ ان کو موت بھی نہ آئے۔ مقصد مشرکین کو یہ بتانا ہے کہ عبادت کے لائق وہ ذات ہے جو خالق بھی ہو اور ''الحی لا یموت'' ہو اور جو خالق بھی نہیں ہے اور ''حی لا یموت'' بھی نہیں ہے وہ قطعاً عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے چونکہ اللہ تعالیٰ ''الخالق'' اور ''الحی لا یموت'' ہے تو وہ عبادت کا حقدار ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا جتنے ہیں نہ وہ خالق ہیں اور نہ الحی لا یموت ہیں۔ لہٰذا وہ عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہیں۔

اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ''من دون اللہ'' کے معبود ہونے کی نفی فرمائی۔ کیونکہ وہ موت کا محل وقوع ہیں۔ یعنی یا تو ان پر موت واقع ہو چکی ہے اور قانون پورا ہو چکا ہے یا پھر عنقریب ان پر موت واقع ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا قانون ان پر پورا ہوگا۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے اور اس پر موت واقع نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں من دون اللہ کا کوئی فرد موات والے قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے تو مقصد اللہ تعالیٰ کا ان کو موت کا محل وقوع بتا کر ان کی الوہیت کو باطل کرنا ہے۔ باقی رہی موت کے بعد والی زندگی تو یہ آیت اس کی نفی اور اثبات دونوں سے خاموش ہے۔ اس آیت کو الحیات بعد الممات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں قبر و برزخ کی زندگی پچاس سے زائد آیات اور ستر سے زائد احادیث سے ثابت ہے۔ جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لہٰذا اس آیت سے قبر و برزخ کی زندگی کی نفی کرنا نرا مغالطہ ہے اور دھوکہ ہے۔

اس آیت کا جو مطلب یہ لوگ بتاتے ہیں کہ وہ مردہ ہیں اور انہیں کسی قسم کی حیات نہیں تو یہ بالکل بداہۃ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ملائکہ کی بھی عبادت ہوتی ہے۔ اسی طرح جنات و شیاطین کی عبادت بھی ہوتی ہے اور عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور بعض جاہل لوگ زندہ پیروں فقیروں کی عبادت کرتے ہیں تو کیا ملائکہ کو بعض جنات کو، شیطان کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور جاہل لوگوں کے زندہ پیروں اور فقیروں کو قرآن یہی کہتا ہے کہ وہ سب مردہ ہیں انہیں کسی قسم کی حیات نہیں ہے؟ نہیں نہیں! اموات غیر احیاء کا یہ مطلب نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب وہی ہے جو بندہ عاجز نے عرض کیا ہے کہ ''من دون اللہ'' سب کے سب موت کا محل وقوع ہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے اور اس پر موت نہ آئے۔ ملائکہ، عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ جو اب زندہ ہیں وہ بھی موت کا محل وقوع ہیں۔ آخر ان پر موت نے آنا ہے۔

اس لئے تو قرآن نے سب ''من دون اللہ'' کو خواہ مرے ہیں یا نہیں ''اموات غیر احیاء'' کہا ہے کہ بالآخر سب کو موت آنی ہے کسی نے ہمیشہ زندہ نہیں رہنا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ پس وہ اپنی صفت ''الحی الذی لایموت'' میں وحدہ لاشریک لہ میں ہے۔ اہل علم پر مخفی نہ رہے کہ اگر آیت مذکورہ کا وہی مطلب تسلیم کرلیا جائے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ انبیاء کرام وغیرہم مردہ ہیں انہیں کسی قسم کی حیات نہیں تو اس سے خود ان کے اپنے مذہب وعقیدہ کی بیخ کنی ہوجاتی ہے۔ کیونکہ ارواح بھی من دون اللہ میں شامل ہیں اور انبیاء کرام وغیرہم کے ارواح کی عبادت بھی ہوتی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اصل انسان ہی ارواح ہیں۔ جسد عنصری تو محض دچولا ہے یا گھوڑا۔ پس انہیں لوگوں کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق جب ارواح پر اموات غیر احیاء صادق آئے گا تو ارواح کا مردہ ہونا لازم آئے گا۔

جب بقول ان کے ارواح مردہ ہوجائیں گے تو ان کے مذہب کی ساری عمارت بھسم ہوجائے گی۔ حالانکہ ان کے مذہب کی گاڑی چلتی ہی ارواح کی حیات پر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ارواح کو زندہ سمجھتے ہیں اور ان کو کافوری، طیوری، مثالی، نورانی جثے عطا کرتے ہیں اور پھر ان کو جنت میں بھیجتے ہیں۔ پس جب کہ ان کے بیان کردہ مطلب کے مطابق ارواح ہی اموات غیر احیاء کی زد میں آکر مردہ قرار پائیں گے تو کافوری، طیوری، مثالی جثے کیسے محفوظ رہیں گے۔ خدا برا کرے تعصب کا کہ یہ لوگ اہل سنت والجماعت کے خلاف تعصب میں اتنے لبریز ہیں کہ ان کے مسلک حقہ کو کمزور کرنے کی خاطر آیات قرآنی کو غلط استعمال کرکے اپنے عقیدہ کا بھی ستیاناس کردیتے ہیں اور پرواہ بھی نہیں کرتے۔ الی اللہ المشتکی!

آیت مذکورہ کا جو مطلب بندہ عاجز نے بیان کیا ہے یہی مطلب ان کے شیخ الحدیث علامہ محمد حسین شاہ صاحب نیلوی نے بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں: ''مرزا (قادیانی) نے اس آیت کریمہ کا معنی غلط کیا اور پھر اس معنی کی رو سے وفات عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق اپنے باطل دعویٰ کا اثبات کرنے بیٹھ گیا۔ کیونکہ اموات جمع ہے میت کی اور میت صرف اس کو نہیں کہتے جو پہلے سے مرچکا ہو بلکہ جو ابھی زندہ ہے اور اسے مرنا ہے اور موت کے بغیر اسے چارہ کار نہیں تو اسے بھی میت کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اس وقت زندہ موجود تھے۔ لہٰذا میت کا یہ معنی ہی نہیں جو مرزا نے سمجھ لیا۔

نیز: اس آیت کریمہ کا یہ معنی بھی درست نہیں کہ مشرکین جن جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا حاجات ومشکلات میں پکارتے ہیں وہ سب کے سب مرچکے ہیں۔ کیونکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں۔ ان میں فرشتے بھی شامل ہیں جو ابھی مرے نہیں۔ بلکہ یہ فرشتے قیامت میں نفحہ اولیٰ کے وقت مریں گے۔ اس لئے آیت کریمہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جن کو یہ مشرک لوگ پکارتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی موت سے چارہ کار نہیں۔ کیونکہ اگر ان میں سے کوئی زندہ بھی ہے تو آخر کار ان پر موت آئے گی۔ ان کی زندگی جاودانی نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ نہ میرندہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اسی طرح غیر احیاء کے معنی ہیں وہ ہستیاں ایسی نہیں جن کی زندگی ذاتی اور اپنے اختیار میں ہو بلکہ ان کی جان بھی دیگر مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہوتی ہے۔ آیت کریمہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا نوری، ناری یا خاکی وغیرہ مخلوق میں سے جن جن کو پکارتے ہیں ان کے قبضہ میں تو خود اپنی موت وحیات نہیں ہے ان کو موت سے چارہ کار نہیں۔ ''لابدلھم من الموت'' ان میں سے بعض تو وفات پاچکے

ہیں اور بعض عنقریب وفات پانے والے ہیں۔'' (القول الاتم فی حیات عیسیٰ ابن مریم ص ۶۵، ۶۶)

قارئین کرام! اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں تمام مخلوقات کی موت کی اطلاع دی گئی ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں اور جس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ یعنی ''الحیات بعد الممات'' اس کا اس آیت میں ذکر اذ کار نہیں۔

آیات موت سے استدلال اور اس کا جواب

مغالطہ ۱۲: قرآن مجید میں بیسوں ایسی آیات موجود ہیں جن میں تمام انسانوں بلکہ تمام جانداروں کی موت کی اطلاع اور خبر دی گئی ہے اور بعض آیات میں خاص کر حضور اکرم ﷺ کی موت کی بھی اطلاع دی گئی ہے۔ مثلاً ''کل نفس ذائقة الموت، کل من علیها فان، این ما تکونوا یدرککم الموت، انک میت، وما محمد الا رسول، قد خلت من قبله الرسل، افان مات او قتل'' وغیرہ وغیرہ تو منکرین عذاب قبر ان آیات کے ذریعہ بھی لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ بلکہ ان کے واعظین وفات کی آیات پڑھ کر اتراتے ہیں کہ ہمارے پاس حضور اکرم ﷺ کے مردہ ہونے کے اتنے اتنے دلائل موجود ہیں اور پھر یہی آیات پڑھ کر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں مردہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔

حالانکہ اس قسم کی آیات سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کو موت آنی ہے۔ موت سے کوئی چارہ کار نہیں۔ جب کہ مسئلہ موت میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ دیر یا سویر بہرحال ہر ایک نے مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور قانون پورا ہونا ہے۔ لیکن اختلاف تو اس میں ہے کہ مرنے کے بعد آدمی ختم ہوجاتا ہے یا کہ کوئی خاص قسم کی حیات مردہ کو حاصل ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا تمام آیات اس مسئلہ سے خاموش ہیں۔ الحیات بعد الممات کا ان میں کوئی ذکر اذ کار نہیں ہے۔ ہاں قرآن مجید کی پچاس سے زائد آیات اور ستر سے زائد احادیث سے ''الحیات بعد الممات'' کی نفی بھی تسلیم کر لی جائے تو منکرین عذاب قبر کا اپنا مذہب بھی اس کی زد سے نہیں بچ سکے گا۔ کیونکہ یہ لوگ بھی موت کے بعد ایک قسم کی زندگی کے قائل ہیں۔ جس کو یہ لوگ حیات روحانی، برزخی، مثالی اور طیوری سے تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ اہلسنت والجماعت کے علماء ''الحیات بعد الممات'' جسد حقیقی اور اصلی کے تعلق سے مانتے ہیں اور یہ لوگ ''الحیات بعد الممات'' جسد مثالی اور مصنوعی میں دخول روح کے طریقہ سے مانتے ہیں۔ پس اگر ان آیات وفات سے الحیات بعد الوفات کی نفی ہوگی تو ہر قسم کی حیات کی نفی ہوگی خواہ وہ حیات روحانی ہو یا جسمانی ہو خواہ جسم عنصری ہو یا مثالی۔ پس جب نفی ہوگی تو حیات کے ہمہ اقسام کی ہوگی۔ لہٰذا جس طرح تم اپنی حیات ان آیات کی زد سے بچا لو گے۔ علماء اہل سنت والجماعت بعینہٖ اسی طریقہ سے اپنی حیات بھی محفوظ کر لیں گے۔ انشاء اللہ!

اہل علم پر واضح ہو کہ وفات کے متعلق آیات وغیرہ کا یہ مواد سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے جمع کیا اور ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے اس کی محنت سے فائدہ اٹھایا اور اس کے جمع شدہ مواد سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مردہ ہونا ثابت کیا یعنی دلائل تو دونوں کے ایک ہیں۔ البتہ مدعا مختلف ہے۔ قادیانیوں نے انہیں دلائل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کی اور منکرین عذاب قبر نے ان سے انبیاء کرام علیہم السلام کا مردہ ہونا ثابت کیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علماء حق علماء دیوبند اہل سنت والجماعت کثر اللہ سوادہم کو جنہوں نے کتاب وسنت کے دلائل و براہین سے واضح کیا کہ ان آیات بینات میں نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

موت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ''الحیات بعد الممات'' کی نفی۔ بلکہ یہ لوگ ''الذین ضلَ سعیھم فی الحیاۃ الدنیا'' کا مصداق ہیں۔ بندہ عاجز کے اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے ان کے شیخ الحدیث حضرت نیلوی صاحب کا رسالہ ''القول الاتم فی حیات عیسٰی بن مریم'' کافی ہے۔ جس میں انہوں نے قادیانی کے پیش کردہ انہیں دلائل و آیات کا جواب لکھا ہے۔

عقلی شبہات کا جواب

مغالطہ ۱۳: منکرین عذاب قبر عقلی شبہات کے ذریعہ بھی لوگوں کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ مردہ تو قبر میں خاک ہوجاتا ہے اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہوجاتی ہیں اور ہندو اپنے مردوں کو جلا کر راکھ کردیتے ہیں اور مردے پرندوں اور درندوں کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ پس ان کو عذاب کیسے ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی درحقیقت ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ''علی کل شیٔ قدیر'' ہے۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ وہ حسب منشاء سب کچھ کرتے ہیں اور کرسکتے ہیں۔ لہٰذا خاک اور راکھ شدہ مردہ کے ذرات سے روح کا تعلق جوڑ کر جزا و سزا دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔ اس کی قدرت سے کوئی شئی بعید نہیں ہے۔ علماء اہل سنت والجماعت نے اس قسم کے مغالطوں کا یہی جواب لکھا ہے۔

چنانچہ امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ثم المعذب عند اھل السنۃ الجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح الیہ او الی جزء منہ و خالف فیہ محمد بن جریر و عبداللہ بن کرام و طائفۃ فقالوا لا یشترط اعادۃ الروح قال اصحابنا ھذا فاسد لان الالم والاحساس انما یکون فی الحی قال اصحابنا و لا یمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزاءہ کما نشاھدہ فی العادۃ و اکلتہ السباع او حیتان البحر او نحو ذالک فکما ان اللہ تعالٰی یعیدہ للحشر وھم سبحانہ و تعالٰی قادر علی ذالک فکذا یعید الحیات الی جزء منہ و اکلتہ السباع والحیتان'' ترجمہ: پھر اہل سنت والجماعت کے نزدیک عذاب (دنیا والے) جس کو پورے جسد کو یا بعض اجزاء کو اس میں روح لوٹانے کے بعد ہوتا ہے۔ گووہ اس کے کسی ایک جزء میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام (جو فرقہ کرامیہ کا بانی گزرا ہے) اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ روح کا لوٹنا اس کے لئے شرط نہیں۔ ہمارے اصحاب (اہل سنت والجماعت) کا کہنا ہے عذاب میں یہ بات مانع نہیں کہ میت کے بدن کے اجزا مختلف جگہوں میں بکھر گئے ہوں جیسا کہ ہم روز دیکھتے ہیں یا ایسے (میت کو) درندوں نے یا سمندر کی مچھلیوں نے کھالیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب واقع ہوا ہو۔ سو جیسے اللہ تعالیٰ ان ذرات منتشرہ کو حشر کے دن لوٹائے گا اور اللہ تعالیٰ ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ اس پر قادر ہے سو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس میں گو اس کے کسی ایک حصہ بدن میں کیوں نہ ہو حیات لوٹا دیتا ہے گو اسے درندے اور مچھلیاں کھا چکے ہوں۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۸۶)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ انسان کے اجزاء خواہ خاک میں ہوں یا راکھ میں جنگلی درندوں کے پیٹ میں یا سمندری مچھلیوں کے پیٹ میں الغرض جہاں بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ روح کا تعلق اس کے اجزاء کے ساتھ جوڑ کر اس کو قبر کی جزاء و سزا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ ''علی کل شیٔ قدیر'' ہے عجز وغیرہ سے پاک اور برتر ہے۔ ان کے اس مغالطہ کا یہی جواب محقق ابوشکور السالمی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب (التمہید ص ۱۲۵) میں اور علامہ تفتازانی

نے (شرح عقائد ص ۷۷) میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح الباری ج ۳ ص ۷۷ ۴) میں اور محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح القدیر ج ۴ ص ۹۹) میں اور یہی جواب علامہ محقق جلال الدین الدوانی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ (عقائد عضدیہ ص ۹۳) میں اور علامہ قرطبی نے (التذکرہ ص ۱۴۰، ۱۴۱) میں یہی جواب دیا ہے۔

یہ سب علماء اہل سنت والجماعت یہی فرماتے ہیں کہ مردہ جہاں ہے اور جس حال میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس کے اجزاء کے ساتھ روح کا تعلق جوڑ کر اس کو جزا یا سزا دیتے ہیں۔ شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ ہاں اللہ تعالیٰ قادر تو ہے کہ اجزائے منتشرہ کے ساتھ روح کا تعلق جوڑ دے۔

لیکن کرتا نہیں یا یہ وسوسہ پیدا ہو کہ یہ قدرت ہے قانون نہیں ہے تو گزارش ہے کہ مردہ انسان فرمانبردار ہوگا یا نافرمان بہرحال اس کو جزا یا سزا دینا عین انصاف اور قانون خداوندی ہے۔ آخر ایک مجرم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہے۔ اس کو سزا دینا کون سی لاقانونیت ہے۔

نیز: واضح رہے کہ ہر جگہ قدرت اور قانون ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ ایک دوسرے کی ضدیں ہیں بلکہ اکثر و بیشتر قانون قدرت کا اجتماع بھی ہوتا ہے جیسا کہ ناپاک قطرے سے انسان بنانا اللہ تعالیٰ کا قانون بھی ہے اور قدرت بھی اسی طرح بروز قیامت مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا اس کی قدرت بھی ہے قانون بھی بعینہٖ اسی طرح قبر میں مردہ انسانوں کو جزا و سزا دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی ہے اور قانون بھی۔ گویا یہاں پر قدرت اور قانون کا حسین امتزاج ہے۔ ہر جگہ قدرت اور قانون کو ایک دوسرے کے مدمقابل سمجھنا اور ان کو ایک دوسرے کی ضدیں قرار دینا خود ایک مغالطہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ منکرین عذاب قبر کے شیخ الحدیث علامہ محمد حسین نیلوی صاحب نے جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح کے تعلق کو تسلیم کیا ہے۔

(ندائے حق جدید ص ۱۵، ۲۲، ۱۸۸، ۲۰۸، ۲۱۲)

نیز: اہل علم پر مخفی نہ رہے کہ یہ مغالطہ خاک راکھ شدہ مردہ کو عذاب کیسے ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے مشرکین مکہ سے حاصل کیا ہے۔ کیونکہ مشرکین مکہ ''والبعث بعدالموت'' یعنی قیامت کے منکر تھے اور اس عقیدہ کے متعلق قسم وقسم کے شبہات پیدا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے۔ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ہمارا دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ناممکن ہے اور مشکل و محال ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے انہی شبہات کو نقل کر کے جواب دیا ہے کہ ہم قادر ہیں اور خاک و راکھ شدہ ذرات کو دوبارہ زندہ کرنا ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ بلکہ عین ممکن ہے اور تحت القدرت ہے۔

آیت نمبر ۱: ''ایعدکم انکم اذا متم وکنتم ترابا وعظاما انکم مخرجون هیهات هیهات لما توعدون'' ترجمہ: کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو نکالے جاؤ گے۔ بہت بعید ہے اور بہت بعید ہے جو بات تم سے کہی جا رہی ہے۔ (مومنون: ۳۶)

آیت نمبر ۲: ''وقالوا ء اذا ضللنا فی الارض ءانا لفی خلق جدید بل هم بلقآء ربهم کافرون'' ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم جب زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا پھر نئے جنم میں آویں گے بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں۔ (السجدہ: ۱۰)

آیت نمبر ۳: ''قال من یحی العظام وهی رمیم قل یحیها الذی انشأها اول مرة وهو بکل خلق

عظیم'' ترجمہ: کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کرے گا۔ آپ جواب دیں کہ ان کو زندہ کرے گا جس نے اوّل بار ان کو پیدا کیا ہے اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ (یٰسین:۳۶)

آیت نمبر ۴: ''ءاذا متنا و کنا ترابا ذالک رجع بعید'' ترجمہ: جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید بات ہے۔ (ق:۳)

آیت نمبر ۵: ''ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ بلی قدرین علی ان نسوّی بنانہ'' ترجمہ: کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے ہم ضرور جمع کریں گے۔ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کریں گے۔ (القیامۃ:۴)

آیت نمبر ۶: ''یقولون ءانا لمردودون فی الحافرۃ ءاذا کنا عظاما نخرۃ قالوا تلک اذا کرۃ خاسرۃ'' ترجمہ: کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجاویں گے پھر واپس ہوں گے کہ کہنے لگے کہ اس صورت میں یہ واپسی بڑے خسارہ کی ہوگی۔ (النازعات:۱۲)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا یہ ہیں مشرکین مکہ کے دلائل جن کو انہوں نے عقیدہ قیامت کے خلاف استعمال کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہات کو نقل کر کے جواب دیا ہے کہ ہم قادر ہیں۔ خاک اور راکھ شدہ ذرات کو دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں اور اب منکرین عذاب قبر پھر انہیں ہتھیاروں کو عقیدہ عذاب قبر کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ پس فرق صرف اتنا ہے کہ مشرکین مکہ انہیں دلائل سے قیامت کا انکار کرتے تھے اور یہ ان سے عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں۔ الحمدللہ! اس قسم کے شبہات سے نہ تو عقیدہ قیامت پر کوئی اثر پڑتا ہے اور نہ ہی عقیدہ عذاب قبر پر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں ذرات سے روح کا تعلق جوڑ کر قبر میں جزا و سزا بھی دے سکتا ہے اور انہی ذرات کو قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھا بھی سکتا ہے۔

قبر کی کارروائی نظر کیوں نہیں آتی

مغالطہ ۱۴: منکرین عذاب قبر لوگوں کو یہ مغالطہ بھی دیتے ہیں کہ اگر قبر میں عذاب و ثواب کی کارروائی ہوتی ہے تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتی۔ حالانکہ قبر کی کارروائی ایک غیب کی چیز ہے اور ''یؤمنون بالغیب'' کے تحت اس پر بن دیکھے ایمان لانا ضروری ہے۔ چونکہ یہ کارروائی انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہے اور پس پردہ ہے۔ اسی لئے اس کو برزخ کی کارروائی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ برزخ بمعنی پردہ کے ہے علماء اہل سنت والجماعت نے اس مغالطہ کے کئی جواب لکھے ہیں۔ چند ایک آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ فرماتے ہیں۔ ''رہے وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب وعذاب نظر نہیں آتے سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ جنات اور فرشتے کسی کو نظر نہیں آ سکتے۔ مگر موجود ہیں۔ ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے۔ جس کائناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی۔ مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اصول کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات

پر قیاس کرنا خود غلط ہے جب خالق کائنات نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب وثواب کی خبر دے دی تو اس پر ایمان واعتقاد رکھنا لازم ہے۔'' (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۳۶، ۷، ۲۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اہل سنت والجماعت کے اجتماعی عقیدوں میں ایک عقیدہ یہ ہے کہ قبر (یعنی عالم برزخ) میں مومن وکافر سب سے سوال ہوگا اور کافر اور فاسق کو عذاب ہوگا قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ جو دنیا وآخرت کے درمیان واسطہ ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ کیونکہ یہ امر فی نفسہٖ ممکن ہے اور نصوص شریعت سے باجماع امت ثابت ہے اور سوال وجواب کے معنی سمجھنے اور سمجھانے کے ہیں خواہ وہ آواز سے ہوں یا غیر آواز سے ہوں اور سمجھنے کے لئے مطلق زندگی کا ہونا ضروری ہے۔ جو انسان کے کسی جزء سے متعلق ہوسکتی ہے۔ لہٰذا منکرین کا یہ کہنا کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں۔ مگر منکر نکیر کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی میت کی اور ان کی گفتگو سنتے ہیں اور نہ میت کے بدن پر کوئی علامات عذاب کی دیکھتے اور نہ ہی میت کے بدن پر کوئی علامات عذاب کی دیکھتے ہیں اور نہ ہی میت کے بدن میں کسی قسم کی جنبش یا کوئی اور علامت ہی دیکھنے آتی ہے۔

منکرین کا یہ قول صحیح نہیں منکرین کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ وہ عالم ہی دوسرا ہے اس عالم کے احوال کے احوال کے مشاہدہ کے لئے اس عالم کی آنکھیں چاہئیں آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ جبرئیل امین کا کلام سنتے تھے اور جبرائیل کو دیکھتے تھے۔ مگر حاضرین میں یہ استعداد نہ تھی کہ وہ جبرائیل کو دیکھ سکیں اور ان کا کلام سن سکیں۔ بسا اوقات انسان کو خواب میں شدید الم لاحق ہوتا ہے اور کبھی اس کو مسرت لاحق ہوتی ہے۔ مگر پاس والے آدمیوں کو یہ بات محسوس نہیں ہوتی اور خواب دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں بیداری کی حالت میں یہ چیز دیکھ رہا ہوں۔ حالانکہ وہ واقعہ میں سویا ہوا ہے اور اگر کوئی شخص اپنا خواب بیان کرے تو اس سے دلیل عقلی کا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ بعینہٖ یہی کیفیت منکر نکیر کے سوال وجواب کی ہے کہ مردہ ان کا کلام سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے۔

مگر پاس کے لوگوں کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی ابھی سمجھ میں نہیں آتا، جب مرو گے معلوم ہوجائے گا۔

حیرت کا مقام ہے کہ لوگ منکر نکیر کے اور میت کے سوال وجواب کا انکار کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک سمیع وبصیر انسان کا ایک قطرہ آب سے پیدا ہوجانا اس سے ہزاروں درجہ عجیب وغریب ہے۔ مگر چونکہ روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اس لئے اس کے انکار پر قدرت نہیں اور جس امر ممکن کی قرآن وحدیث میں خبر دی ہو۔ مگر ان سائنس دانوں کی آنکھوں نے اس کا مشاہدہ نہ کیا ہو تو بے دھڑک اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ گویا کہ ان کی آنکھوں نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو وہ ناممکن اور محال ہے۔ نابینا کو یہ حق نہیں کہ وہ بینا کے مشاہدہ کا انکار کرے۔''

(معارف القرآن ج ۴ ص ۱۳۸، ۱۳۹، از مولانا محمد ادریس صاحب)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب لکھنوی لکھتے ہیں انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم جو ظاہر ہے اور نظر آتا ہے دوسری روح جو اگرچہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ لیکن اس کے ہونے کا ہم سب کو یقین ہے۔ پھر انسان کے ان دونوں جزؤں کا باہمی تعلق اس دنیا میں اس طرح ہے کہ تکلیف ومصیبت یا راحت ولذت کی جو کیفیت یہاں آتی ہے۔ وہ براہ راست جسم پر آتی ہے اور روح اس سے تبعاً متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً انسان کی چوٹ لگتی ہے وہ زخمی ہوتا ہے یا مثلاً وہ کہیں آگ سے جل جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ چوٹ اور آگ کا تعلق براہ راست اس کے جسم سے ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اثر سے روح کو بھی دکھ ہوتا ہے۔ اسی طرح کھانے پینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ بھی

براہ راست جسم ہی کو حاصل ہوتی ہے۔لیکن روح بھی اس سے لذت حاصل کرتی ہے۔

الغرض اس دنیا میں انسان کے وجود اور اس کے حالات میں گویا جسم اصل ہے اور روح اس کے تابع ہے۔ لیکن قرآن وحدیث میں عالم برزخ کے متعلق جو کچھ بتلایا گیا ہے۔اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔یعنی اس عالم میں جس پر جو اچھی بری واردات ہوگی۔وہ براہ راست اس کی روح پر ہوگی اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے (شاید اسی لئے اس حقیقت کا سمجھنا ہمارے لئے آسان ہوجائے) اس دنیا میں بھی اس کا ایک نمونہ پیدا کردیا ہے اور وہ عالم رؤیا یعنی خواب ہے عقل وہوش رکھنے والا ہر انسان اپنی زندگی میں بار بار ایسے خواب دیکھتا ہے جن میں اس کو بڑی لذت ملتی ہے یا بڑی تکلیف ہوتی ہے۔لیکن خواب میں یہ لذت یا تکلیف براہ راست دراصل روح کے لئے ہوتی ہے اور جسم تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے۔یعنی خواب میں آدمی مثلاً جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ کوئی لذیذ کھانا کھا رہا ہے تو صرف یہ ہی نہیں دیکھتا کہ میری روح کھا رہی ہے یا خیالی قوت کھا رہی ہے۔بلکہ اس وقت وہ یہی دیکھتا ہے کہ بیداری کی طرح وہ اپنے جسم والے منہ سے کھا رہا ہے،جس سے روزانہ کھایا کرتا ہے۔

اسی طرح خواب میں اگر یہ دیکھتا ہے کہ کسی نے اس کو مارا تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی روح کو مارا گیا۔ بلکہ وہ اس وقت یہی دیکھتا ہے کہ مار اس کے جسم پر پڑی اور اس کے جسم پر اس وقت ویسی چوٹ لگی جیسی بیداری میں مار پڑنے سے لگتی ہے۔حالانکہ واقعہ میں جو کچھ گزرتا ہے وہ خواب میں دراصل روح پر گزرتا ہے اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوتا ہے۔البتہ کبھی کبھی جسم کا یہ تاثر اتنا محسوس ہوجاتا ہے کہ آدمی بیدار ہونے کے بعد جسم پر اس کے نشانات اور اثرات بھی پاتا ہے۔الغرض نیند کی حالت میں اچھے یا برے خواب دیکھنے والے شخص پر جو کچھ گزرتا ہے۔اس کی نوعیت یہی ہے کہ وہ براہ راست اور اصلی طور پر روح پر گزرتا ہے اور جسم پر اس کا اثر تبعاً پڑتا ہے۔

اس لئے خواب دیکھنے والے کے قریب والا آدمی بھی اس کے جسم پر کوئی واردات گزرتے ہوئے نہیں دیکھتا۔کیونکہ ہم اس دنیا میں کسی انسان کے انہیں حالات کو دیکھ سکتے ہیں جن کا تعلق براہ راست اس کے جسم سے ہو۔ پس عالم برزخ میں یعنی مرنے کے بعد سے قیامت کے دور میں اچھے برے انسان پر جو کچھ گزرنے والا ہے۔جس کی بعض تفصیلات آگے آنے والی ہیں۔حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں ان کی نوعیت بھی یہی ہے۔ وہ اصلی طور پر اور براہ راست روح پر گزرے گا اور جسم تبعاً اس میں شریک ہوگا اور عالم رویا (خواب) کے تجربات کی روشنی میں اس کو سمجھ لینا کسی سمجھنے والے آدمی کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے۔امید ہے کہ اس دنیا اور عالم برزخ کے اس فرق کو جان لینے کے بعد وہ عامیانہ اور جاہلانہ شبہے اور وسوسے پیدا نہ ہوں گے جو قبر کے سوال وجواب اور عذاب ثواب کی حدیثوں کے متعلق بعض ضعیف الایمان اور کم عقل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔''

(معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۸۸،۱۸۹)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ﷫ مزید لکھتے ہیں:''حضرت انس ﷜ والی اس دوسری حدیث میں اس سوال وجواب کے سلسلے میں قبر کا لفظ بھی آیا ہے اور اسی طرح بعض اور حدیثوں میں بھی قبر کا ذکر ہے۔اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سوال وجواب صرف انہیں سے مردوں سے مخصوص ہے جو قبر میں دفن ہوتے ہیں۔دراصل قبر کا ذکر ان حدیثوں میں صرف اس لئے کردیا ہے کہ وہاں مردوں کو قبروں ہی میں دفن کرنے کا عام رواج تھا اور لوگ صرف اسی طریقہ کو جانتے تھے۔ورنہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی طرف سے یہ سوال وجواب ہر مرنے والے سے ہوتا ہے۔

خواہ اس کا جسم قبر میں دفن کیا جائے۔ خواہ دریا میں بہایا جائے، خواہ آگ میں جلایا جائے، خواہ گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں چلا جائے اور جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے۔ یہ سب کچھ براہ راست اور اصلی طور سے روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو وہ تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے اور خواب کی مثال اس کے سمجھنے کے لئے کافی ہے اور خواب کی مثال سے اس شبہ کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مردہ دو چار دن تک ہمارے سامنے پڑا رہتا ہے اور اس سوال وجواب کی آواز اس کی لاش سے کوئی نہیں سنتا اور نہ اس پر عذاب یا ثواب کا کوئی اثر معلوم ہوتا ہے۔ پس یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ خواب میں ایک آدمی پر سب کچھ گزرتا ہے وہ بات چیت کرتا ہے کھاتا پیتا ہے۔ لیکن اس کے برابر والوں کو کچھ بھی نظر نہیں آتا اسی قسم کے عامیانہ اور جاہلانہ شبہوں میں سے قبر کے اس سوال وجواب پر ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قبر میں جانے کے لئے جب کوئی راستہ اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا روزن بھی نہیں ہوتا تو فرشتے اس میں جاتے کس طرح ہیں۔ یہ شبہ دراصل ان حقیقت ناشناسوں کا ہوتا ہے جو فرشتوں کو شاید اپنی طرح گوشت پوست سے بنے ہوئے مادی مخلوق سمجھتے ہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کے کہیں پہنچنے کے لئے دروازے یا کھڑکی کی ضرورت نہیں۔ ہماری نگاہیں یہ آفتاب کی شعاعیں جس طرح شیشوں میں سے نکل جاتی ہیں اس طرح فرشتے اپنے وجود کی لطافت اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوت سے پتھروں میں سے پار ہو جاتے ہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ شانہ!'' (معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۹۵، ۱۹۶)

قارئین کرام! بندہ صرف انہی تین حوالہ جات پر اکتفا کرتا ہے۔ ورنہ علماء اہل سنت میں جس نے بھی عقیدہ عذاب قبر پر قلم اٹھایا ہے۔ اس نے عذاب قبر کی یہی تشریح کی ہے اور اسی طریقے سے شبہات کا جواب دیا ہے اور عذاب کی یہی صورت برحق اور سچ ہے اور کتاب وسنت کے مطابق ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔ اس کے علاوہ عذاب قبر کا کوئی اور مطلب بیان کرنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ کیونکہ وہ انکار عذاب قبر کے مترادف ہے۔

موت وحیات کی نسبت انسان کی طرف ہوتی ہے

مغالطہ ۱۵: منکرین عذاب قبر ایک مغالطہ یہ بھی دیتے ہیں کہ جب کسی انسان کی طرف مات یموت موتاً کی نسبت کی جاتی ہے۔ اس سے صرف جسد عنصری مراد لیتے ہیں۔ یعنی موت صرف جسد پر وارد ہوتی ہے اور موت کے بعد جب انسان کی طرف حیات، ثواب وعذاب، جزاوسزا اور دخول جنت یا دخول نار کی نسبت کی جاتی ہے تو اس سے صرف روح مراد لیتے ہیں۔ یعنی یہ سب کچھ روح کو حاصل ہوا اور جسد عنصری کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ مثلاً جب کہا جائے کہ ''مات الانسان ودخل الجنۃ'' یہ اپنی کج فہمی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ موت صرف جسد عنصری پر وارد ہوئی اور جن میں صرف روح داخل ہوئی۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ موت کی نسبت بھی انسان کی طرف ہے اور دخول جنت کی نسبت بھی انسان کی طرف ہے اور انسان روح اور جسد کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

لہٰذا موت کا محل وقوع بھی پورا انسان یعنی روح اور جسد کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ موت نام ہے روح اور جسد کے جدا ہونے کا جس طرح بوقت موت روح جسد سے جدا ہوتی ہے اسی طرح جسد روح سے جدا ہوتا ہے۔ پس موت پورے انسان پر وارد ہوتی ہے اور دخول جنت بھی پورے انسان کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کج فہمی کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کے صرف روح مبارک کو رفیق اعلیٰ میں سمجھتے ہیں اور آپ کے جسد اطہر کو رفیق اعلیٰ سے محروم سمجھتے

ہیں۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے رفیق اعلیٰ صرف روح کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لئے مانگا تھا اور یقیناً رفیق اعلیٰ آپ کی ذات اقدس یعنی روح اور جسد کے مجموعہ کو نصیب ہوا نہ کہ صرف روح کو ورنہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ کی آخری دعا آپ کی ذات کے لئے قبول نہ ہوئی۔ اسی طرح یہ بھی ان لوگوں کی کج فہمی کا نتیجہ ہے کہ حدیث بخاری میں آیا کہ حضور اکرم ﷺ نے عالم خواب میں بادل کے اندر ایک مکان دیکھا آپ کے پوچھنے پر بتایا گیا یہ مکان آپ کی ذات مبارک کا ہے۔ (کیونکہ مخاطب آپ کی ذات تھی) آپ ﷺ نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا لیکن آپ کو کہا گیا کہ آپ کی (دنیوی زندگی) کے کچھ ایام باقی ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد برزخی زندگی میں آپ کی ذات بابرکات کو یہ مکان حاصل ہوگا۔ لیکن کج فہم اس مقام کو حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں اور جسد اطہر کو اس مکان سے محروم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس مکان کا وعدہ آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ تھا اور حسب وعدہ وہ مکان آپ کی ذات اقدس کو مل گیا اور آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں سوتے ہوئے روح اور جسد سمیت اس مقام میں ہیں اور رفیق اعلیٰ میں ہیں۔ جیسا کہ ایک مخلص حاجی صاحب عالم خواب میں اپنے مکان میں سوتے ہوئے مکہ اور مدینہ کی سیر کرتا ہے۔

الحمدللہ ثابت ہوگیا کہ موت کی نسبت پورے انسان کی طرف ہوتی ہے اور موت کے بعد حیات کی نسبت اور جزا و سزا کی نسبت اور ثواب و عذاب کی نسبت بھی پورے انسان کی طرف ہوتی ہے۔ ورنہ نسبت کا انتشار لازم آئے گا اور اس انتشار کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

کیا اعادہ روح کی حدیثیں قرآن کے خلاف ہیں؟

مغالطہ ۱۶: منکرین عذاب قبر لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں کہ اعادہ روح کی تمام حدیثیں قرآن کے خلاف ہیں۔ لہٰذا نا قابل قبول ہیں۔ حالانکہ یہ نرا مغالطہ ہے۔ کیونکہ کسی حدیث کا کسی آیت کے خلاف ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ بلکہ علوم شریعت کے ماہرین یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ظاہر بین لوگوں کو تو ''احلت لنا میتتان'' والی حدیث آیت قرآنی کے خلاف نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے دو میتہ حلال کی گئی ہیں۔ جب کہ قرآن مجید میں ہے ''حرمت علیکم المیتۃ'' یعنی تم پر میتہ حرام کی گئی ہے۔ لیکن ماہرین شریعت بتاتے ہیں کہ یہ حدیث آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ حدیث تخصیص کے لئے ہے۔ یعنی مچھلی اور مکڑی اور باوجود میتہ ہونے کے ''حرمت علیکم المیتۃ'' کے عموم سے مستثنیٰ ہے۔ قرآن مجید میں ایسی کئی آیات موجود ہیں۔ جن کا بظاہر کسی حدیث سے تعارض معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت تعارض نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ حدیث اس آیت کی تشریح اور توضیح اور تفصیل ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید بحیثیت متن کے ہے اور حدیث رسول ﷺ اس کی شرح اور تفسیر ہے۔

اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو مخاطب بنا کر فرماتے ہیں ''وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم'' یعنی اے پیغمبر ﷺ ہم نے آپ کی طرف قرآن اتارا ہے تا کہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا فرض منصبی قرآن مجید کو بیان کرنا ہے اور احادیث صحیحہ قرآن مجید کا بیان ہیں نہ خلاف۔ پس پہلی بات یہ ہے کہ یہ لوگ تعارض پہچاننے کے اہل ہی نہیں ہیں جو لوگ اس کے اہل

ہیں انہوں نے اعادہ روح کی حدیثوں کو قرآن مجید کے خلاف نہیں سمجھا بلکہ ان کو صحیح کہا اور ان کے مطابق عقیدہ رکھا اعادہ روح فی القبر حق ہے

یہی وجہ ہے کہ تمام محدثین، مفسرین، فقہاء اور متکلمین اعادہ روح کے قائل ہیں۔ کوئی ایک بھی عدم اعادہ کا قائل نہیں بلکہ اسلام کی چودہ سو سال تاریخ منکرین اعادہ روح سے خالی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ماہرین شریعت یہ کام کر کے فارغ ہو چکے ہیں جو حدیثیں آیات قرآنی کے مخالف تھیں ان کو صحیح نہیں کہا اور جن کو صحیح قرار دیا وہ قرآن کے مخالف نہیں۔ لہٰذا اب یہ کام از سر نو شروع کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ حاجت۔

تیسری بات یہ ہے کہ بقول ان کے اگر اعادہ روح کی حدیثیں قرآن کے خلاف ہیں تو یہ لوگ خود بھی اعادہ روح کے قائل ہیں۔ البتہ فرق اتنا ہے کہ اہلسنت والجماعت کہتے ہیں کہ اعادہ روح جسد عنصری حقیقی کی طرف ہوتا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اعادہ جسد مثالی معنوی کی طرف ہوتا ہے۔ بہر حال اگر اعادہ روح قرآن مجید کے خلاف ہے تو ان کا اپنا اعادہ بھی قرآن مجید کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ جسد عنصری اور جسد مثالی کی تفریق کہیں موجود نہیں ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ در حقیقت اعادہ روح کی حدیثیں قرآن کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی کسی آیت سے اعادہ روح اور تعلق روح کی نفی ہوتی نہیں ''یمسک التی قضی علیھا الموت'' وغیرہ آیات سے اعادہ روح کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ان آیات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مر جانے کے بعد حضرت انسان کا دنیا میں دوبارہ اعادہ نہیں ہوگا۔ بات ہے اعادہ انسان کی اور انہوں نے بنا دی اعادہ روح کی اور اللہ تعالیٰ کا قانون بھی یہی ہے کہ مردہ انسان دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا۔ یہ قانون قرآن مجید میں کہیں نہیں لکھا کہ عالم برزخ میں روح کا اعادہ جسد کی طرف نہ ہوگا اور اس کو قانون خداوندی کہنا کتاب اللہ پر بہتان ہے اور ''یمسک التی قضی علیھا الموت'' سے استدلال کرنا کلمہ حق ''ارید بھا الباطل'' کی شرمناک مثال ہے۔

الحمد للہ بندہ عاجز کے اس دعویٰ کی تصدیق جواہر القرآن میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ مؤلف جواہر القرآن مسئلہ تعلق وعدم تعلق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اس کے بارے میں سکوت احوط ہے۔'' (جواہر القرآن ص ۱۹۴)

اگر بالفرض قرآن مجید عدم تعلق اور عدم اعادہ پر ناطق ہوتا تو شیخ القرآن اس بارے میں ہرگز ساکت اور صامت نہ ہوتے۔ سکوت کو احوط کہنا دلیل ہے۔ اس بات کی کہ قرآن مجید کی کسی آیت سے تعلق اور اعادہ کی نفی نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ القرآن مزید فرماتے ہیں۔ ''اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق کا اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں۔ کیونکہ متقدمین میں ایک کثیر جماعت مختلف عنوان کے ساتھ اس کی قائل ہے۔'' (جواہر القرآن ص ۱۹۴)

اگر عقیدہ تعلق روح اور اعادہ روح قرآن مجید کے خلاف ہوتا تو حضرت شیخ القرآن ہرگز نہ فرماتے کہ اس عقیدہ والا شخص قابل ملامت نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کے خلاف عقیدہ رکھنے والا تو قابل ملامت ہے نہ کہ نا قابل ملامت۔

پس ثابت ہوا کہ اعادہ روح اور تعلق روح کا عقیدہ قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ واضح ہو کہ اعادہ روح بھی تعلق کی ایک قسم ہے اور یہ تعلق روح نامعلوم الکیفیت ہے اس کی کنہ وحقیقت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ اس تعلق کی کیفیت نہ تو ہمیں بتائی گئی ہے اور نہ ہی ہم اس کے جاننے کے مکلف ہیں۔ بہر حال عالم قبر و برزخ میں روح اور جسد کا تعلق ورشتہ برحق ہے۔ کیونکہ یہ تعلق جزا وسزا کا ذریعہ ہے۔

عذاب میت کو ڈاکٹر کے پوسٹ مارٹم پر قیاس کرنا خود غلط ہے

مغالطہ ۱۷: منکرین عذاب قبر لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں کہ مردہ نعش کا ڈاکٹر پوسٹ مارٹم کرتے ہیں اور اس کو چیرتے پھاڑتے ہیں۔ لیکن اس کو تکلیف نہیں ہوتی۔ لہٰذا مردہ کو قبر میں عذاب بھی نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ بھی مغالطہ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو ڈاکٹر پر قیاس کیا ہے۔ یعنی اگر ڈاکٹر تکلیف نہیں دے سکتا تو اللہ تعالیٰ عذاب بھی نہیں دے سکتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ''لیس کمثلہ شئ'' اور ''علی کل شئ قدیر'' ہے وہ مردہ انسان کو جزا وسزا دینے پر قادر ہے صرف قدرت ہی نہیں بلکہ جزا وسزا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو آگ، پہاڑ، زمین و آسمان وغیرہ سے باتیں کرتا اور ان کی باتوں کو سمجھتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ اس کی تسبیح پڑھتا ہے اور وہ ان کی تسبیحات کو سنتا ہے اور سمجھتا ہے۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے۔ پس جو قادر مطلق پتھروں پہاڑوں وغیرہ کو بات سننے اور کرنے کی لیاقت اور صلاحیت دے سکتا ہے وہ مردہ انسان کو جزا وسزا بھی دے سکتا ہے اور ان میں جزا وسزا کا ادراک وشعور بھی پیدا کر سکتا ہے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز!

تعجب ہے کہ بابانگ دہل توحید وسنت کی اشاعت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے متعلق گمان کریں کہ وہ مردہ کو جزا وسزا نہیں دے سکتا۔ کیا اللہ تعالیٰ تو بہ نعوذ باللہ عاجز ہو گیا ہے؟ یا مردہ، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نکل گیا ہے؟

جب کچھ بھی نہیں ہوا تو کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جزا وسزا نہ دے، حالانکہ مردہ انسان اگر نافرمان ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آچکا ہے اور اس کو سزا دینا عین انصاف اور قانون الٰہی ہے اور اگر فرمانبردار ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان خاص ہے اور اس کا اکرام واحترام کرنا عدل واحسان والے قانون کا مقتضی ہے۔ پس مردہ انسان کو جزا وسزا دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور مردہ انسان میں جزا وسزا کے ادراک کی صلاحیت ہے اور یہ جزا وسزا قانون خداوندی کے تحت ہے اس کو خلاف قانون کہنا خود خلاف عقل ہے۔ الحمد للہ علی ذالک!

مغالطہ ۱۸: منکرین عذاب قبر میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ انسان صرف روح ہے اور جسد انسان نہیں ہے۔ یہ بھی ان لوگوں کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایسی بیسیوں آیات موجود ہیں جن میں نطفے اور مٹی سے تیار ہونے والے جسد کو انسان کہا گیا ہے اور اگر ان لوگوں کی بات تسلیم کر لی جائے تو مسئلہ حشر اجساد کی کوئی اہمیت وحیثیت باقی نہیں رہتی۔ حالانکہ مسئلہ حشر اجساد قرآن مجید میں معرکۃ الآراء ہے کیونکہ مشرکین مکہ حشر اجساد کے قائل نہیں تھے اور کہتے تھے کہ آدمی مرجانے کے بعد خاک وراکھ ہو جاتا ہے اور اس کی ہڈیاں چورا چورا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ناممکن اور محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے بڑے زوردار دلائل سے ثابت کیا کہ خاک وراکھ شدہ آدمی کو دوبارہ زندہ کرنا میری قدرت میں ہے اور میں یہ سب کچھ کر سکتا ہوں۔ اگر ان لوگوں کی منطق صحیح ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ کو ایسے طریقے سے جواب دینے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ مشرکین کو یوں جواب دیا جاتا کہ تمہارے سارے اشکال وشبہات تو جسد عنصری سے متعلق ہیں۔ حالانکہ یہ جسد عنصری تو انسان ہی نہیں اور انسان تو روح ہے اور اسی کا دوبارہ حشر ہوگا۔ اس آسان جواب کو چھوڑ کر زور دینا کہ ہم قادر ہیں۔ اس خاک وراکھ شدہ آدمی کو دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں حتیٰ کہ اس کی انگلیوں کے پوروں تک کو بھی دوبارہ بنائیں گے۔ ''بلی قادرین علی ان نسوی بنانہ'' دلیل ہے اس بات کی کہ جسد عنصری پر انسان اور آدمی کا اطلاق صحیح ہے۔

جسد بھی دکھ وسکھ کو محسوس کرتا ہے

مغالطہ ۱۹: بعض منکرین عذاب قبر یہ کہتے ہیں کہ جسد عنصری کو دکھ سکھ کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ ثواب وعقاب سے متاثر ہوتا ہے دکھ وسکھ کو صاف روح محسوس کرتی ہے اور وہی جزا وسزا سے متاثر ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی ان لوگوں کا مغالطہ ہے اور بالکل بداہت کے خلاف ہے۔ جس کو کوئی عقل مند باور نہیں کر سکتے۔ یہ تو ایسے ہیں جیسے کوئی شخص کہے کہ جسد عنصری کھاتا پیتا ہے اور کرتا سہتا ہے اور روح نہ کچھ کرتی ہے اور نہ کچھ سہتی ہے۔ حالانکہ یہ دونوں نظریے غلط ہیں دکھ سکھ اور رنج وراحت سے یہ دونوں متاثر ہوتے ہیں اور جزا وسزا دونوں کو محسوس ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ جسد عنصری جو کچھ کرتا ہے وہ روح کے تعلق کی وجہ سے کرتا ہے۔ اگر روح جدا ہو جائے تو جسد کچھ نہیں کر سکتا تو کہا جائے گا کہ روح بھی جو کچھ کرتی ہے جسد عنصری کے شامل ہونے کے بعد کرتی ہے۔ اکیلی روح بغیر جسد کے کچھ بھی نہیں کر سکتی حتیٰ کہ وعدہ الست میں روح کے لئے جسد مہیا کیا گیا۔ تب خطاب سنا اور جواب دیا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ کسی کام کرنے یا نہ کرنے میں یہ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ان کے اشتراک اور تعلق سے کام اعمال وجود میں آتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے دونوں دکھ وسکھ اور ثواب وعقاب سے متاثر ہوتا ہے۔ البتہ عالم دنیا میں روح اور جسد کا رشتہ اور قسم کا ہے اور عالم برزخ میں یہ تعلق اور طرح کا ہے اور پھر عالم آخرت کا تعلق اور طرح کا ہوگا۔ بہر حال یہ تعلق باختلاف انواع ہر عالم میں مسلم ہے۔ آخر میں مسلم شریف کی ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسد رنج وراحت سے متاثر ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میدان محشر میں جب بندے کے خلاف اس کے اپنے اعضاء گواہی دیں گے تو بندہ غصہ میں آکر اپنے جسم کے اعضاء کو کہے گا ''بعدا لکن وسحقا فعنکن اناضل'' یعنی تم غارت برباد ہو میں نے تو دنیا میں جو کچھ کیا تمہارے ہی آرام پہنچانے کے لئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسد آرام دہ چیزوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

منکرین اپنے عقیدہ کو کیوں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں

مغالطہ ۲۰: منکرین عذاب قبر نے اپنے عقیدہ کے متعلق لوگوں کو مغالطہ میں رکھا ہوا ہے اس لئے کھل کر واضح لفظوں میں اپنا عقیدہ بیان نہیں کرتے اور بہت کم شاذ ونادر اپنے عقیدہ کو ظاہر کرتے ہیں اور اکثر وبیشتر اجمال سے کام لیتے ہیں تاکہ اس پر پردہ پڑا رہے۔ جب بھی ان سے ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے تو کہتے ہیں ہم حیات برزخ کے قائل ہیں۔ ہم اعلیٰ، ارفع، اکمل حیات کے قائل ہیں۔ تم حضور اکرم ﷺ کو قبر میں مانتے ہو اور ہم آپ ﷺ کو جنت میں مانتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کو علیین میں مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب اجمالی باتیں ان سے عقیدہ کھل کر سامنے نہیں آتا۔ کیونکہ تمہارے نزدیک حیات برزخی کا کیا مفہوم ہے؟ اس کو واضح نہیں کیا گیا اسی طرح اعلیٰ، ارفع، اکمل حیات سے تمہاری مراد کیا ہے؟ اس کو واضح نہیں کیا گیا۔ اسی طرح تم لوگ حضور اکرم ﷺ کو جنت یا علیین میں مانو لیکن آپ ﷺ کس شکل وصورت کے ساتھ جنت میں ہیں؟ تم لوگ حضور اکرم ﷺ کی ''الحیات بعد الممات'' کو بے شک حیات برزخی کہو۔ اس کو اعلیٰ، ارفع اور اکمل اجمل کہو۔ آپ ﷺ کو جنت، علیین اور رفیق اعلیٰ میں مانو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس حیات برزخی میں آپ کا جسد عنصری میں شامل

ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ کو حیات برزخی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعام اکرام مل رہے ہیں۔ ان سے جسد عنصری محفوظ ہے یا محروم۔ خدانخواستہ اگر جسد عنصری ہر قسم کی حیات اور انعام وکرام سے (معاذ اللہ) محروم ہے تو کیا آپ ﷺ کی روح مبارک کو کوئی اور جسد عطا کیا جاتا ہے یا نہ؟ اس سب باتوں کو پردے میں رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ''الاّ قلیل'' ان تفصیلات کو پس پردہ رکھنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں کا ان تفصیلات میں ایک نظریہ نہیں ہے۔ بلکہ جتنے منہ اتنی باتیں والا قصہ ہے۔ کسی ایک کا عقیدہ کسی دوسرے سے نہیں ملتا۔

لہٰذا یہ لوگ اپنی خیر اسی میں سمجھتے ہیں کہ ان تفصیلات میں نہ پڑا جائے ورنہ خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور اخفاء کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عقیدہ اہل سنت والجماعت سے ہٹ کر یہ لوگ جو عقیدہ الحیات بعد الممات کے متعلق بتائیں۔ اس عقیدہ کی قرآن مجید میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے عقیدہ کی تفصیلات کھول کر بیان کریں تو اس کی قرآن وحدیث سے دلیل بھی دینی پڑے گی اور کتاب وسنت سے دلیل ملتی نہیں۔ لہٰذا خیر اسی میں ہے کہ تفصیلات میں نہ پڑا جائے تاکہ راز فاش نہ ہو۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اہل سنت والجماعت کے مسلک حقہ کو چھوڑ دیا ہے اور جو شخص بھی مسلک اہل سنت والجماعت کو چھوڑتا ہے اس کا انجام ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ کیونکہ صراط مستقیم اہل سنت والجماعت کا راستہ اور یہی لوگ ''منعم علیھم فماذا بعد الحق الا الضلال''

چونکہ یہ لوگ الحیات بعد الممات کے متعلق مختلف نظریات وخیالات رکھتے ہیں۔ لہٰذا بندہ عاجز ان سب خیالات ونظریات کو علیحدہ علیحدہ ذکر کر کے ہر ایک کا بے بنیاد اور بے اصل ہونا ثابت کرتا ہے۔

پہلا نظریہ

بعض منکرین عذاب قبر کا یہ نظریہ ہے کہ مرنے کے بعد جزا وسزا یا ثواب وعقاب صرف روح مجرد کو ملتی ہے اور جسد عنصری بالکل اس میں حصہ دار نہیں ہوتا۔ یہ نظریہ اس لئے باطل ہے کہ اس نظریہ کے دو جز ہیں۔ ایک یہ کہ جزا وسزا روح مجرد کو ملتی ہے۔ دوسرا یہ کہ جسد عنصری کو جزا وسزا نہیں ملتی۔ یعنی روح مجرد کے لئے اثبات اور جسد کے لئے نفی۔ خیر سے اس نظریہ کی دونوں جزئیں نہ قرآن سے ثابت نہ حدیث سے۔ کیونکہ عالم قبر و برزخ کی جزا وسزا کے سلسلہ میں عموماً قرآن وحدیث میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

وہ یہ ہیں ''المیت، المؤمن، الکافر، المنافق، الفاسق، المشرک، الرجل، الصالح، الفاجر، الیھود، الذین آمنوا، الذین کفروا، آل فرعون، قوم نوح وغیرہ، العبد، الموتٰی'' مثلاً حدیث میں ہے ''اذا اقبر المیت اتاہ ملکان۔ اذا ادخلت المیت القبر، المسلم اذا سئل فی القبر فیجلس الرجل فی قبرہ، یسلط علی الکافر فی قبرہ تسعۃ وتسعین تنینا، ان العبد اذا وضع فی قبرہ وغیرہ وغیرہ''

اور اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ان الفاظ کا اطلاق ارواح مجردہ پر نہیں بلکہ روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں روح کا لفظ استعمال بھی ہوا ہے تو اس سے روح مجرد ہرگز مراد نہیں۔ بلکہ جسد عنصری بالتبع اس میں مذکور ہے۔ کیونکہ اس عالم قبر و برزخ میں روح اصل ہوتی ہے اور جسد اس کے تابع۔ پس جس طرح دنیاوی تکلیف کو جو کہ جسد اور روح دونوں کو ہوتی ہے۔ اذیت جسمانی کہہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس عالم میں جسد اصل ہے اور روح اس

کے تابع ہے اسی عالم قبر و برزخ میں روح اور روحانی کے لفظ سے جسد کی نفی نہیں ہوتی بلکہ جسد بالتبع مذکور ہوتا ہے۔اس لئے کہ روح کے ساتھ جسد کا جزا وسزا میں شریک ہونا آیات کثیرہ اور آحادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس پر اجماع امت ہے پس اگر کسی روایت میں جسد کا لفظ بالتصریح مذکور نہیں ہے تو اس سے جسد کی نفی سمجھ لینا کج فہمی کا نتیجہ ہے۔

بعض روایات میں اس سلسلہ میں لفظ النسمہ اور النفس بھی استعمال ہوا۔لیکن نسمہ اور نفس سے روح مجرد مراد نہیں ہے۔کیونکہ اکثر و بیشتر ان الفاظ کا اطلاق پورے انسان یعنی روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نسمہ انسان کو کہتے ہیں (کتاب الروح ص ۱۳۱ اور مجمع البحار ج ۳ ص ۳۵۳) میں بھی یہی لکھا ہے اور ان کے شیخ الحدیث صاحب نے بھی یہی لکھا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ عہد نسمہ سے ہوا جو جسم مع الروح کا نام ہے (ندائے حق جدید ص ۲۰۶) اسی طرح قرآن مجید کی بیسوں آیات ایسی ہیں جن میں لفظ نفس پورے انسان یعنی روح اور جسد کے مجموعہ پر بولا گیا ہے۔مثلاً ''اذ قتلتم نفساً'' اور ''النفس بالنفس'' اور ''لا یکلف اللہ نفسا'' وغیرہ آیات میں نفس سے مراد پورا انسان ہے اور ''یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی'' میں بھی نفس سے مراد پورا انسان ہے۔ کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ کو خطاب فرما رہے ہیں کہ میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ آیت میں لفظ عبادی، استعمال ہوا ہے اور عبادی عبد کی جمع ہے جب نفس کو کہا جا رہا ہے کہ میرے عباد میں داخل ہو جا تو نفس مطمئنہ بھی عبد ٹھہرے گا۔اسی تو اس کو عباد میں شامل کیا جا رہا ہے اور عبد روح اور جسد کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔اگر دلیل مطلوب ہے تو ''سبحان الذی اسری بعبدہ'' کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں اطمینان نصیب ہو جائے گا۔

باقی رہا یہ اشکال کہ نفس و نسمہ کا جنت میں داخل ہونا یقینی ہے کیونکہ قرآن و حدیث سے ثابت، ادھر جسد عنصری کا قبر میں ہونا بھی ظاہر ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی تو جواباً عرض ہے کہ مردہ انسان کا قبر میں ہوتے ہوئے جنت میں روح مع الجسد سیر و سیاحت کرنا ایسے ہے جیسا کہ خواب دیکھنے والا شخص اپنی چارپائی پر سوتے ہوئے روح مع الجسد مختلف مقامات کی سیر کرتا ہے۔

بر سبیل تنزل: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نفس و نسمہ سے مراد روح ہے تب بھی اس سے جسد عنصری کی نفی نہیں ہوتی۔کیونکہ عالم قبر و برزخ میں روح کے ذکر کے ساتھ جسد بھی بالتبع مذکور ہوتا ہے اور تابع ہونے کی وجہ سے اس کے نام کی تفسیر ضروری نہیں سمجھی جاتی۔بھلا ایسے انداز سے جسد عنصری کی نفی کیونکر متصور ہو سکتی ہے۔جب کہ آیات کثیرہ و احادیث متواترہ سے جسد عنصری کا جزا وسزا میں شامل ہونا ثابت ہے۔

اور اسی پر اجماع امت ہے پس کسی ایک آدھ جگہ میں جسد کی تصریح نہ ہونے کی وجہ سے خود جسد کی نفی سمجھ لینا کوتاہ فہمی ہے۔پس اس عقیدہ و نظریہ کے دونوں اجزا روح مجرد کے لئے جزا وسزا کا اثبات اور جسد عنصری کی نفی بے بنیاد اور بے اصل ہے۔کیونکہ کتاب و سنت میں اس نظریہ کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔لہٰذا یہ نظریہ باطل ہے۔ نیز یہ نظریہ اس لئے بھی باطل ہے کہ روح بولنے اور سننے اور دیکھنے وغیرہ میں جسد کی محتاج ہے۔کیونکہ وہ تو جسد کی آنکھوں سے دیکھتی ہے اور جسد کی زبان سے بولتی ہے اور جسد کے کانوں سے سنتی ہے۔پس جب عالم برزخ میں اس کو کوئی جسد مہیا نہیں کیا گیا تو وہ بغیر جسد کے کیسے کام چلاتی ہے۔

دوسرا نظریہ

بعض منکرین عذاب قبر کا یہ نظریہ ہے کہ عالم قبر و برزخ میں روح مجرد پر جزا و سزا وارد نہیں ہوتی۔ کیونکہ روح جزا و سزا بھگتنے کے لئے کسی جسد کی ضرور محتاج ہے۔ لیکن یہ لوگ جسد عنصری اصلی حقیقی کی بجائے روح کے لئے ایک اور جسد تجویز کرتے ہیں۔ جس کا نام ہے جسد مثالی۔ یعنی مصنوعی اور نقلی۔ گویا اس نظریہ کے تین اجزاء ہیں۔ ایک یہ کہ جزا و سزا کے لئے روح کی جسد کی طرف احتیاج، دوسرا جسد مثالی کی تجویز، تیسرا جسد عنصری سے جزا و سزا کی نفی۔ جہاں تک تعلق ہے پہلی جز کا تو وہ صحیح ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق ہے۔ واقعی روح جزا و سزا کے معاملہ میں جسد کی محتاج ہے۔ لیکن اس نظریہ کی بقیہ دونوں جز ئیں بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ کیونکہ:

اوّلاً: عالم برزخ میں روح کے لئے جسد مثالی تجویز کرنا پھر روح کو اس میں داخل سمجھ کر زندہ کہنا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ کسی صحیح حدیث سے۔

ثانیاً: جب جسد عنصری حقیقی چاہے جس حال میں بھی ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں محفوظ ہے تو اللہ تعالیٰ کو دوسرے جسد مثالی بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

ثالثاً: عالم دنیا میں یہ جسد عنصری نیکی اور برائی میں روح کا شریک کار رہا ہے اگر عالم برزخ میں اس کو محروم کر دیا جائے اور جسد مثالی کو شامل تفتیش کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف ناانصافی کی نسبت لازم آتی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور منزہ ہے۔ ''ان اللہ لا یظلم الناس شیئا''

رابعاً: منکرین عذاب قبر قبر کی زندگی کو اس لئے ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اس سے ایک تیسری حیات لازم آتی ہے حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ دو موتیں ہیں اور دو حیاتیں۔

حالانکہ علماء اہل سنت والجماعت بار بار وضاحت کر چکے ہیں کہ قبر کی زندگی کوئی مستقل حیات نہیں ہے۔ بلکہ وہ نوع من الحیات ہے اور وہ حیات اتنی خفیف قسم کی ہے کہ جسد کو گلنے، سڑنے پھٹنے سے بھی محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ الّا ماشاءاللہ! وہ صرف اتنی حیات ہے جس سے مردہ انسان قبر کی جزا و سزا کو محسوس کرتا ہے۔ چونکہ قرآن مجید میں جہاں دو موتیں اور دو حیاتیں بیان ہوتی ہیں وہ مستقل حیاتیں ہیں اور قبر کی زندگی مستقل حیات نہیں ہے۔ اس لئے اس کو بالتصریح ان کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس حیات دنیا کا تتمہ بنا کر اس میں ضمناً مذکور سمجھا گیا یا پھر حیات آخر کا مقدمہ بنا کر اس میں ضمناً مذکور سمجھا گیا۔ ان لوگوں نے اس وضاحت کے باوجود شور مچا رکھا ہے کہ علماء اہل سنت والجماعت دیوبند تین حیاتوں کے قائل ہیں۔ جب کہ قرآن مجید میں ہے کہ دو موتیں اور دو حیاتیں ہیں۔

لہٰذا ان کا عقیدہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ پس جب یہ لوگ عالم برزخ میں روح کو جسد مثالی میں داخل سمجھیں گے تو دو حیاتوں پر تیسری حیات مستقل کا اضافہ ہوگا اور جب بروز قیامت روح جسد عنصری کی طرف واپس آئے گی تو جسد مثالی سے اس کو نکالا ہی جائے گا تو اسی کا نام موت ہے تو دو موتوں پر تیسری موت کا بھی اضافہ ہوگا۔ لہٰذا جسد مثالی کا نظریہ بقول ان کے قرآن مجید کے خلاف ہوگا۔

انصاف کی دردمندانہ اپیل

علماء اہل سنت والجماعت قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق اگر عالم قبر و برزخ میں میت کے اندر

نوع من الحیات کے قائل ہیں تو مورد الزام ہیں اور خلاف قرآن۔ اس لئے کہ دو حیاتوں پر تیسری حیات کا اضافہ کر دیا اور منکرین عذاب قبر عالم برزخ میں ایک نئے جسد مثالی میں روح کو داخل سمجھ کر ایک اور مستقل حیات کا اضافہ کرتے ہیں اور پھر قیامت کے دن جب جسد عنصری کی طرف لوٹانے کے لئے جسد مثالی سے روح نکالی جائے گی تو ایک اور مستقل موت کا اضافہ بھی ہو جائے گا۔ گو یا ان کے نظریہ کے مطابق تین مستقل زندگیاں ہیں۔

(۱) دنیا کی زندگی (۲) برزخ کی مستقل زندگی (۳) اور آخرت کی مستقل زندگی۔ اسی طرح موتیں بھی تین بن گئیں۔ (۱) عدم محض (۲) دنیا کی موت (۳) اور برزخ کی موت۔ یک نہ شد دو شد کی مثل تو مشہور ہے۔ لیکن یہاں دو نہ شد، سہ شد کی مثل زیادہ چسپاں ہیں۔ تعجب کی انتہاء ہے کہ یہ ہمارے کرم فرما بقول خود قرآن مجید کی بیان کردہ دو حیاتوں اور دو موتوں کو تین تین بنانے کے باوجود عامل بالقرآن بھی رہتے ہیں اور توحید وسنت کی اشاعت کنندہ بھی۔ ''فوا اسفا علی ضیعة العلم و الادب'' ناطقہ سر بگر یباں ہے کہ اسے کیا کہئے۔ ہر منصف مزاج اہل علم حضرات سے پر درد اپیل ہے کہ انصاف فرمائیں عالم قبر و برزخ میں ایک معمولی خفیف اور نوع من الحیات برائے جزا وسزا ماننے سے تو آدمی قرآن کے خلاف ہو جاتا ہے اور جو شخص عالم برزخ میں مستقل، کامل اور مکمل حیات کا قائل ہو تو وہ کتنا قرآن کے خلاف ہوگا۔ ''فھل من منصف ینصفنی''

اگر کسی شخص کو یہ خیال گزرے کہ اس جسم عنصری کی دو موتیں اور دو حیاتیں ہیں تو یہ خیال بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں جسد عنصری کی کوئی تصریح موجود نہیں ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی جن آیات سے دو موتیں اور دو حیاتیں ثابت کی جاتی ہیں۔ وہ یہ ہیں ''کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا'' اور ''ربنا احییتنا اثنتین و امتنا اثنتین'' پہلی آیت میں پورا انسان یعنی روح اور جسد کا مجموعہ مخاطب ہے نہ کہ صرف جسد عنصری اور دوسری آیت میں پورا انسان متکلم ہے نہ کہ صرف جسد عنصری تو معلوم ہوا روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کے لئے دو موتیں ہیں اور دو حیاتیں تو اس خیال کے مطابق جسد عنصری کے لئے تو دو موتیں اور دو حیاتیں ثابت ہوں گی۔ لیکن روح کے لئے تو پھر بھی تین موتیں اور تین حیاتیں برقرار ہی رہیں گی۔ کیونکہ وہ بھی مخاطب اور متکلم ہے۔ خصوصاً وہ لوگ جو صرف روح کو اصل انسان قرار دیتے ہیں اور جسد عنصری کو تو صرف آلہ کہتے ہیں تو ان کے اصل انسان کے لئے قرآن مجید میں دو موتیں اور دو حیاتیں ہیں لیکن انہی کے نظریہ کے مطابق دو کی بجائے تین ہو رہی ہیں۔

خیر یہ تو درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے بندہ نے دردمندانہ اپیل آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔ ورنہ میں تو عرض کر رہا تھا کہ جسد مثالی کے متعلق یہ نظریہ کہ موت کے بعد روح اس میں داخل کر دی جاتی ہے اور پھر اس سے نکالی جائے بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ کتاب وسنت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ شاید کوئی شخص یہ سمجھے کہ حدیث طیور خضر جسد مثالی کی دلیل ہے تو یہ بھی اس کی سمجھ کا قصور ہے۔ کیونکہ حدیث طیور کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کرام اور مومنین سے یہ انسانی شکل وصورت صلب کر کے ان کی ارواح کو پرندوں کے قالبوں میں رکھ کر ان کی انسانیت کو تبدیل کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ تو تناسخ ہے اور تناسخ کا نظریہ اسلام میں باطل ہے۔ بلکہ حدیث طیور کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کرام اور مومنین کو طائر نما ہوائی جہاز عطا فرماتے ہیں جن میں یہ لوگ بشکل انسانی بیٹھ کر جنت کی سیر وسیاحت کرتے ہیں۔ جیسا کہ افغانستان میں درہ کیاں کا اسمبلی حال عقاب نما تھا جس کو طالبان نے توڑ دیا کیونکہ اسلام میں ذی روح کی تصویر سازی حرام ہے۔ اس عقاب نما اسمبلی حال میں بیٹھنے والا

عقاب نہیں بن جاتا اور مچھلی نما ہوائی جہاز میں بیٹھنے والا مسافر مچھلی نہیں بن جاتا۔ اسی طرح طائر نما ہوائی جہاز میں بیٹھ کر جنت میں سیر و سیاحت کرنے والا شہید و مومن پرندہ نہیں بن جاتا۔ بلکہ وہ انسان ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت فرمانبردار انسانوں کے لئے بنائی اور سجائی ہے نہ کہ طوطوں اور چڑیوں کے لئے۔ قبروں میں رہتے ہوئے بشکل انسانی جنت کی سیر کرنا کوئی مشکل اور محال نہیں ہے۔ بلکہ ممکن الوقوع ہے۔ کما فی العالم الرؤیا!

دوسری بات یہ ہے کہ طیوری جسم کو جسد مثالی نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ جسد مثالی کا مطلب ہے جسد عنصری کے مماثل اور مشابہ حالانکہ جسد عنصری اور جسد طیوری میں کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں ہے۔ لہٰذا جو مثالی ہوگا وہ طیوری نہ ہوگا اور جو طیوری ہے وہ مثالی نہیں بن سکتا۔

غلط فہمی کا ازالہ

شاید کسی صاحب کو یہ غلط فہمی لاحق ہو جائے کہ جب جسد مثالی والا نظریہ بے اصل و بے بنیاد ہے تو بعض علماء اسلام اس کے کیوں قائل ہیں تو جواباً عرض ہے کہ بعض علماء اسلام جس جسد مثالی کے قائل ہیں وہ اور ہے اور جس جسد مثالی کو یہ لوگ ثابت کرتے ہیں وہ اور ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جسد مثالی کسی خاص مادہ اور خمیر سے تیار ہوتا ہے اور پھر باقاعدہ روح کا اس میں حلول ہوتا ہے۔ جس طرح عالم دنیا میں روح کا جسد عنصری میں حلول ہوتا ہے اور پھر قیامت میں روح کا اس سے اخراج ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ جسد عنصری سے روح کے تعلق کو نہیں مانتے۔ کیونکہ یہ لوگ جسد مثالی میں روح کا حلول تسلیم کر چکے ہیں۔ پس اگر جسد عنصری سے بھی روح کا تعلق مان لیں تو ان کو بیک وقت ایک روح کا دو جسموں سے تعلق ماننا پڑے گا اور یہ بات ان کو گوارہ نہ ہوئی۔ اس لئے جسد مثالی کو تسلیم کر کے جسد عنصری کے تعلق کا یکسر انکار کر دیا اور جو علماء اسلام جس جسد مثالی کے قائل ہیں وہ کسی اور مادے سے اور خمیر سے بنایا ہوا مستقل جسد نہیں ہوتا بلکہ قبر میں موجود ہوتے ہوئے جو جسد عنصری جنت میں روح کے ساتھ مل کر سیر و سیاحت کرتا ہے اور وہاں کی نعمتوں سے محظوظ ہے اسی کو انہوں نے جسد مثالی کا نام دے دیا ورنہ درحقیقت چیز ایک ہی ہے۔

البتہ اعتباری اور صرف نام کا فرق ہے۔ پس یہی دنیا والا حقیقی جسد انسانی باعتبار قبر کے عنصری ہے اور باعتبار جنت کے مثالی ہے۔ گویا جمہور اہل سنت والجماعت اس اعتباری فرق کا لحاظ نہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قبر میں موجود ہوتے ہوئے روح کے ہمراہ جنت میں سیر و سیاحت کرنے والا یہی جسد عنصری ہے اور بعض علماء نے اسی کا نام مثالی تجویز کر لیا۔ پس ایک ہی چیز کے دو نام ہو گئے یعنی جس کو علماء اہل سنت جسد عنصری کہتے ہیں بعض علماء اس کو جسد مثالی کا نام دیتے ہیں۔ جیسا کہ عالم خواب میں خواب دیکھنے والے شخص کا جسد چارپائی پر بھی پڑا ہوتا ہے اور بے حس و حرکت نظر آتا ہے اور ادھر اس عالم میں روح کے ہمراہ مصروف عمل اور شریک رنج و راحت بھی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم خواب میں یہی چارپائی والا جسد روح کے ہمراہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس عالم میں روح پر دکھ دسکھ کے جو حالات طاری ہوتے ہیں۔ یہ چارپائی والا جسد برابر اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر خواب میں روح کو کوئی جسد اور عطا کیا جاتا تو دکھ دسکھ کے حالات اس پر اثر انداز نہ ہوتے بلکہ اسی دوسرے جسم پر اثر انداز ہوتے۔ پس اگر کوئی شخص عالم خواب میں روح کے ہمراہ ہونے والے جسد کا نام جسد خیالی رکھ دے تو اس نئے نام سے اس کی ذات تبدیل نہیں ہوگی۔ کیونکہ جسد تو وہی ہے جو چارپائی پر پڑا ہے اور یقیناً وہی ہے۔ لیکن اب اس کا نام تبدیل کر دیا گیا ہے۔ یعنی جسد خیالی رکھا گیا۔ بعینہٖ جنت میں روح کے ہمراہ یہی قبر والا جسد عنصری ہی ہے۔

البتہ بعض علماء نے اس کا نام جسد مثالی تجویز کرلیا۔ لہٰذا نام کی تبدیلی سے ذات کی تبدیلی لازم نہیں آتی اور صرف دوسرا نام تجویز کرنے میں وہ علماء قابل ملامت بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ''لا مناقشۃ فی اصطلاح'' اسی طرح اسراء کی رات جن پیغمبروں نے حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی وہ نماز انہیں اجساد عنصریہ کے ہمراہ تھی جب کہ یہی اجساد اپنی اپنی قبروں میں بھی موجود رہے اور ادھر روح کے ہمراہ آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز بھی ادا کی تو بعض علماء نے روح کے ہمراہ نماز پڑھنے والے جسد عنصری کا نام جسد مثالی رکھ دیا۔ حالانکہ یہ وہی قبر والا جسد عنصری ہی ہے۔ صرف اس کا نام دوسرا تجویز کرلیا گیا ہے ذات ہرگز تبدیل نہیں ہوئی۔

بندہ عاجز نے یہ جو دعویٰ کیا کہ بعض علماء جس جسد مثالی کے قائل ہیں وہ درحقیقت کوئی اور چیز نہیں ہے بلکہ یہی قبر والا جسد عنصری ہے۔

البتہ جنت میں روح کے ہمراہ مصروف عمل ہونے کی وجہ سے اس کا نام مثالی تجویز کرلیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہی علماء جو جسد مثالی کے قائل ہیں روح کا جسد عنصری سے تعلق بھی مانتے ہیں اور جسد عنصری کی طرف اعادہ روح کے بھی قائل اور سماع موتی کے بھی قائل ہیں اور قبر میں مدفون جسد عنصری کی جزاوسزا کے بھی قائل ہیں۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جسد صرف ایک ہی ہے۔ جس کو بعض اعتبار سے مثالی کا نام بھی دے دیا گیا اور ایسے نظریات کے حامل علماء اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں۔ کیونکہ ان کا اختلاف نزاع لفظی سے زیادہ نہیں۔ ہاں جو لوگ جسد مثالی ثابت کرنے کے بعد نہ تو جسد عنصری کی طرف اعادہ روح کے قائل ہیں اور نہ ہی اس کے تعلق کے قائل ہیں اور نہ ہی اس کو جزاوسزا میں شریک سمجھتے ہیں۔ ان کا اہل سنت والجماعت سے حقیقی اختلاف ہے اور ایسے نظریات والے لوگ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔

بندہ عاجز نے ان کے اور علماء اسلام کے جسد مثالی کے درمیان جو فرق واضح کیا ہے بالفرض اگر اس کو نظر انداز بھی کردیا جائے تو پھر بھی ان علماء کرام کی عبارات کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کرنا دھوکہ اور مغالطہ سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ علماء جسد مثالی کے قائل ہونے کے باوجود جسد عنصری کی جزاوسزا کے بھی قائل ہیں اور تعلق کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ ان سب باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی راہ اور ہے اور ان کی راہ اور۔

برسبیل تنزل اگر ان سب باتوں کو نظر انداز بھی کردیا جائے اور فرض کرلیا جائے کہ جسد مثالی کے قائلین علماء بالکل ان کے ہم خیال ہیں۔ ان کے اور ان کے مسلک میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر کیا ان علماء کے اقوال میں عقیدہ ثابت ہوجائے گا؟ جب کہ ان ہی لوگوں کا دعویٰ ہے کہ عقیدہ بزرگان دین کے اقوال سے نہیں قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر ان لوگوں کے سامنے انہیں علماء کے اقوال سے جسد عنصری کی جزاوسزا، اعادہ روح، تعلق روح، سماع موتی اور مسئلہ توسل وغیرہ مسائل ثابت کئے جائیں تو فوراً یہ کہہ کر رد کردیتے ہیں کہ اقوال اور کتابیں حجت نہیں ہیں۔ قرآن وحدیث حجت ہے۔

لہٰذا جسد مثالی کا ثبوت بھی قرآن وحدیث سے ہونا چاہئے۔ حسبنا کتاب اللہ! کا نعرہ مارنے والوں کو، امام غزالی، امام رازی، امام سیوطی، امام آلوسی اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بزرگان اور علماء شرح متین کے دامن میں پناہ لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جسد عنصری کے تخلیق کے متعلق ابتداء سے لے کر انتہاء تک تمام مراحل کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ انسان کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر علقہ مضغہ وغیرہ کے مراحل سے گزار کر

حسین وجمیل شکل وصورت میں تیار کیا گیا پھر اس میں روح پھونک کر جیتا جاگتا انسان بنایا گیا۔

کیا جسد مثالی کے متعلق بھی قرآن مجید میں اس قسم کی تفصیل ملتی ہے؟

قرآن مجید میں تو جسد مثالی کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔اسی طرح کسی صحیح حدیث میں بھی جسد مثالی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔لہٰذا جسد مثالی کا یہ نظریہ بے اصل اور بے بنیاد ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔اسی طرح اس نظریہ کی دوسری جز یعنی جسد عنصری سے جزاوسزا کی نفی تو یہ بھی بے اصل اور بے بنیاد ہے۔کیونکہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت اور حضور اکرم ﷺ کی کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ جسد عنصری جزاوسزا میں شریک نہ ہوگا یا ثواب وعقاب کا مورد نہ بنے گا۔بلکہ آیات کثیرہ اور احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ عالم برزخ میں روح کے ساتھ ساتھ جسد عنصری معذب یا منعم ہوتا ہے اور ہر جزاوسزا میں شریک ہوتا ہے۔پس اس عقیدہ کی دو جزئیں یعنی جسد مثالی کا اثبات اور جسد عنصری کی نفی بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔

تیسرا نظریہ

ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ عالم برزخ میں روح کو جسد مثالی عطا کیا جاتا ہے اور روح اس میں داخل کر دی جاتی ہے اور روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ بھی جوڑا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے جسد عنصری کے اجزاء دکھ وسکھ کو محسوس کرتے ہیں۔اس نظریہ کے دو اجزاء ہیں ایک جسد مثالی کا اثبات، دوسرا روح کا اجزاء اصلیہ کے ساتھ تعلق اس عقیدہ کی پہلی جز یعنی جسد مثالی کا اثبات تو بے اصل اور بے بنیاد ہے اور اس کا بطلان ابھی آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے لیکن دوسری جزء یعنی روح کا اجزاء اصلیہ کے ساتھ تعلق تو یہ صحیح ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور علماء حق جہاں جسد عنصری استعمال فرماتے ہیں۔ان کی مراد اجزاء اصلیہ ہوتے ہیں۔کیونکہ جسد عنصری کے زائد اجزاء تو آتے جاتے رہتے ہیں مثلاً بال، ناخن وغیرہ۔

چنانچہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: بدن انسانی میں دو قسم کے اجزاء ہیں۔ایک اجزاء اصلیہ کہ جو اوّل سے آخر تک باقی رہتے ہیں اور دوسرے اجزاء زائدہ اور عارضہ کہ جن میں تغیر اور تبدل کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔جیسا انسان بچہ اور جوان اور بوڑھا ہوتا ہے۔اوّل عمر سے اخیر عمر تک زید ہی کہلاتا ہے۔حالانکہ اس مدت میں اس کے جسم میں ہزاروں تغیر وتبدل پیش آئے اور وقتاً فوقتاً جسم گھٹتا اور بڑھتا رہا۔معلوم ہوا کہ زید کے اجزاء اصلیہ میں کوئی تغیر نہیں ہوا صرف اجزاء زائدہ میں تغیر اور تبدل ہوتا رہا۔پس حشر کے وقت ہر انسان کے اجزاء اصلیہ علیحدہ کر دیئے جائیں گے اور ہر شخص اپنے اجزاء اصلیہ کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔(علم الکلام ص ۲۷۹)

حضرت مولانا محمد دریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں: پس روح کا اصل تعلق انہیں اجزاء اصلیہ اور ذرات کے ساتھ ہے انہیں سے عہد الست لیا گیا اور پیدائش کے وقت بھی روح کا اصل تعلق ان اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور اجزاء زائدہ ملا کر جسم کو مکمل کر دیا جاتا ہے اور اسی طرح نفخ صور کے بعد روح کا تعلق ان ہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوگا اور اجزاء زائدہ ملا کر شخص تام یعنی مکمل اور پورا انسان بنا دیا جائے گا اور اسی طرح سے انسان کا دوبارہ زندہ کرنا بعینہٖ اعادہ سمجھا جائے گا۔مرنے کے بعد انسان کے اجزاء کتنے ہی متفرق اور منتشر ہو جائیں۔مگر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی اور قدیم میں اجزاء اصلیہ واجزاء زائدہ سب علیحدہ علیحدہ محفوظ اور ممتاز ہیں وہاں

ذرہ برابر کوئی اختلاف اور انتشار نہیں۔ پس حقیقی انسان جو احکام شرعیہ کا مخاطب اور مکلف ہے۔ وہ روح اور ان اجزاء اصلیہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسی انسان سے قبر میں سوال ہوتا ہے اور یہی انسان بعینہٖ دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اسی کو ثواب و عقاب ہوگا۔ (علم الکلام ص ۲۸۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ لکھتے ہیں اور جن اجزاء کا قیامت کے دن اعادہ ہوگا یا جن اجزاء کے ساتھ قبر و برزخ میں روح کا تعلق قائم کیا جاتا وہ اجزاء اصلیہ ہیں گو وہ ذرہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ (تسکین الصدور ص ۱۷۸)

پس یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک روح اور دوسرا جسد عنصری اور علماء اہل سنت کے ہاں جب جسد عنصری بولا جاتا ہے تو اس سے اجزاء اصلیہ ہی مراد ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس نظریہ کا یہ جز کہ روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ قبر کی جزا و سزا اور دکھ و سکھ کو محسوس کرتا ہے۔ صحیح ہے اور عقیدہ اہل سنت والجماعت کے مطابق ہے۔ لیکن جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ تعلق کو تسلیم کر لینے کے بعد جسد مثالی کو ثابت کرنا ایک بے فائدہ سی بات رہ جاتی ہے۔ کیونکہ مقصد مردہ انسان کو جزا وسزا دینا ہے اور یہ مقصد تعلق تسلیم کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اب روح کو جسد مثالی میں داخل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بایں ہمہ جو شخص روح اور جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے درمیان تعلق کو تسلیم کرتا اور اسی تعلق کی وجہ سے دونوں کو جزا وسزا کا مورد سمجھتا ہے اس کو عذاب قبر کا منکر نہیں کہا جائے گا۔

اگرچہ یہ جسد مثالی کا قائل بھی بنا پھرے۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت کے ہاں بنیادی چیز ہے روح اور جسد کا جزا وسزا میں شریک ہونا اور وہ اس کو تسلیم کر چکا ہے۔ لہٰذا یہ منکر نہیں بلکہ قائل ہے۔ لہٰذا اس کو یہاں صرف بحیثیت ایک نظریہ کے ذکر کیا گیا ہے۔

چوتھا نظریہ

بعض لوگوں کا یہ نظریہ بھی ہے کہ عالم برزخ میں روح کو جسد مثالی دیا جاتا ہے اور اسی جسد مثالی کے ذریعہ قبر و برزخ کی جزا وسزا دی جاتی ہے باقی رہا روح کا جسد عنصری سے تعلق تو اس میں خاموشی اختیار کی جائے۔ یعنی نہ تو اس تعلق کا اثبات کیا اور نہ انکار۔ اس عقیدہ و نظریہ کے بھی دو اجزاء ہیں ایک جسد مثالی کا اثبات اور دوسرا جسد عنصری کے تعلق سے خاموشی۔ اس نظریہ کے دونوں جز بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔ جسد مثالی کا بے بنیاد ہونا واضح ہو چکا ہے۔ اسی طرح تعلق سے خاموشی اختیار کرنا بھی بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ آیات کثیرہ اور احادیث متواترہ سے روح اور جسد عنصری دونوں کا مورد ثواب و عقاب اور حقدار جزا وسزا ہونا ثابت ہو چکا ہے باوجود ایک دوسرے سے جدا ہو جانے کے ان دونوں کی بیک وقت جزا وسزا کی معقول اور صحیح صورت یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک خاص قسم کا تعلق ہے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

اسی نامعلوم الکیفیت تعلق کی وجہ سے دونوں کو جزا وسزا ملتی ہے۔ جن دلائل سے ان دونوں کی جزا وسزا اور ثوب و عقاب ثابت ہے۔ انہیں دلائل سے ان کا آپس کا تعلق بھی ثابت ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے معذب یا منعم ہونے کو تعلق اسی طرح لازم ہے جیسے سورج کو روشنی اور برف کو ٹھنڈک لازم ہے۔ بعض لوگ تعلق کے علیحدہ دلائل

طلب کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ تعلق کا لفظ قرآن وحدیث سے دکھاؤ۔ ان لوگوں کا یہ مطالبہ فضول ہے۔ کیونکہ جتنے دلائل سے روح اور جسد عنصری دونوں کی جزاوسزا ثابت ہے۔ وہ سب کے سب ان کے مابین تعلق پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ تعلق ہی کے ذریعہ ان دونوں کو جزاوسزا میں شریک کرنا ایک معقول بات اور صحیح صورت ہے۔

لہٰذا تعلق سے خاموشی اختیار کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ بلکہ تعلق کا عقیدہ ضروری ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ تعلق سے خاموشی اختیار کر لینے کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ یہ لوگ بلا تعلق جسد عنصری کی جزاوسزا کے قائل ہیں یا نہ، اگر قائل ہیں تو ان کو عذاب قبر کا منکر نہ کہا جائے گا۔

کیونکہ ان لوگوں نے جسد عنصری کی جزاوسزا تسلیم کر لی۔ اگرچہ بلا تعلق سہی۔ البتہ جزاوسزا کی یہ معقول صورت نہیں بنتی اور اگر یہ لوگ جسد عنصری کی جزاوسزا کے قائل نہیں ہیں تو ان کو عذاب قبر کا منکر کہا جائے گا۔

پانچواں نظریہ

بعض لوگ عالم برزخ میں روح کے لئے جسد مثالی تجویز کرتے ہیں اور روح کو اس میں داخل جانتے ہیں اور اسی کو ثواب وعقاب کا مورد سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ سے بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ تیسرے نظریے والے کہتے تھے لیکن ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جب بوقت موت جسد عنصری سے روح نکالی جاتی ہے تو اجزاء اصلیہ بھی جسد عنصری سے نکال لئے جاتے ہیں اور ان کو روح کے ساتھ روح کے مقام میں پہنچا دیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا یہ لوگ بھی قبروں میں رہنے والے اجساد عنصریہ کے عذاب وثواب کے قائل نہیں ہیں۔ اس نظریہ کے تین اجزاء ہیں۔ ایک جسد مثالی کی تجویز، دوسرا جسد عنصری سے جزاوسزا کی نفی۔ تیسرا جسد عنصری سے اجزاء اصلیہ کا نکل کر روح کے مقام پر چلا جانا۔ اس عقیدہ کی تینوں اجزاء بے اصل و بے بنیاد ہیں۔ پہلی دو اجزاء کا بطلان واضح ہو چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں اور اس نظریہ کی تیسری جزء بدیہی البطلان ہے۔ کیونکہ جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ قبر میں جسد عنصریہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ کیونکہ اصل انسان وہی اجزاء اصلیہ ہیں۔

اور اسی انسان کو اللہ تعالیٰ مخاطب کر کے فرماتے ہیں ''منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى'' یعنی ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور مٹی میں دوبارہ لوٹائیں گے اور مٹی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔ پس یہ انسان مرنے کے بعد مٹی میں نہ جائے جس سے یہ پیدا ہوا۔ بلکہ روح کے ہمراہ علیین یا سجین میں چلا جائے تو قیامت کے دن بھی وہاں سے برآمد ہوگا نہ کہ اس زمین سے۔ پس یہ نظریہ اس لئے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا خلاف لازم آتا ہے اور اس لئے بھی کہ قرآن وحدیث میں یہ کہیں ثابت نہیں کہ جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ روح کے ہمراہ علیین یا سجین میں جا بستے ہیں۔ پس اس نظریہ کو بھی انکار عذاب قبر لازم آئے گا۔

تنبیہ: اس نظریہ کو کوئی شخص مفروضہ نہ سمجھے۔ کیونکہ سرگودھا کے ایک صاحب سے بندہ کی بذریعہ خط وکتابت اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی ہے اس نے اپنا یہی نظریہ خط میں تحریر کیا۔ وہ خط میرے پاس محفوظ ہے اور اسی طرح بقیہ نظریات بھی قوم کی کتب مثلاً ندائے حق، جواہر القرآن، اقامۃ البرہان، مسالک العلماء وغیرہ سے حاصل کردہ ہیں کسی نظریہ کو مفروضہ خیال نہ کریں۔ بلکہ ان سب نظریات کے حاملین دنیا میں آباد ہیں۔

چھٹا نظریہ

یہ نظریہ حضور اکرم ﷺ و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی ''الحیات بعد الممات'' کے متعلق قائم کیا گیا ہے۔
اس نظریہ کو حاملین نظریہ کی زبانی سنئے۔ ''باقی رہی یہ بات کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح ان کے ابدان سے نکلنے کے بعد کہاں رہتی ہے اور ان کا مستقر کہاں ہے تو اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ عالم برزخ میں ان کی ارواح کو ان کے عنصریہ بدنوں کے ہم شکل اور مماثل مشک و کافوریہ مثالی اجسام عطا کئے جاتے ہیں اور ان کا مقام و مستقر جنت کا اعلیٰ ترین اور سب سے اونچا درجہ اعلیٰ علیین ہے۔ یسے جنت میں وہ جہاں چاہیں آتے جاتے اور جنت کے میوے تناول فرماتے ہیں۔'' (جواہر القرآن ص ۱۹۳، ندائے حق جدید ص ۴۴۵) ندائے حق کے مؤلف نے ایک اور لفظ کا اضافہ بھی کیا ہے ''یعنی اجسام نورانیہ کافوریہ۔'' (ندائے حق ص ۴۶۶)

قارئین کرام! چونکہ یہ نظریہ ہمارے ملک کی بہت بڑی قدر آور شخصیات نے اپنایا ہے۔ اس لئے اکثر اہل علم نے ان کے رعب سے مرعوب ہو کر اس نظریہ کے حاملین سے اپنے اس نظریہ کی کتاب و سنت سے کوئی دلیل طلب نہیں کی بندہ عاجز ادب و احترام کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ اس نظریہ کا کوئی ایک جزء بھی قرآن حدیث سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔ ڈھونڈنے والے ڈھونڈیں۔ اہل علم مطالعہ کی گہرائیوں تک پہنچیں۔ محققین تحقیق کے گھوڑے دوڑائیں، تلاش کرنے والے تلاش کریں اور زور لگائیں۔ لیکن قرآن مجید کی کسی آیت اور حضور اکرم ﷺ کی کسی صحیح حدیث سے اجسام نورانیہ کافوریہ قیامت تک نہیں ملیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز!

حدیث صحیح تو بڑی بات ہے یہ نظریہ تو کسی ضعیف حدیث بلکہ کسی موضوع روایت میں بھی مذکور نہیں ہوا۔
حدیث صحیح ''من صلی علی عند قبری فسمعته'' پر سدی صغیر کی وجہ سے گرجنے برسنے والو اس کا وجود تو حدیث کی کتابوں میں ہے۔ اگرچہ سند کے لحاظ سے آپ اس کو جو کچھ بھی کہہ لو لیکن اس نورانی کافوری اجسام والے نظریہ کا تو سرے سے وجود ہی نہیں۔ اگر آپ میں ہمت ہے تو سدی صغیر سے بھی کسی بڑے کذاب اور دجال کی روایت سے یہ نظریہ ثابت کردو۔ ہمارے علماء آپ کی روایت کے راویوں پر جرح نہیں کریں گے۔ لیکن کسی سچی یا جھوٹی روایت سے ثابت تو ہو۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ یہ نظریہ سرے سے ثابت ہی نہیں لطف کی بات یہ ہے کہ اس نظریہ کے حاملین نے اپنا یہ نظریہ جن کتابوں میں تحریر کیا ہے وہاں بھی اس کی تائید میں نہ تو آیت قرآنی درج ہے اور نہ ہی حدیث نبوی۔ ہاں اس نظریہ کی تائید میں بعض علماء کے چند اقوال نقل کئے ہیں۔ مثلاً امام سیوطی، امام آلوسی، امام ابن رجب، حنبلی امام ابن قیم، امام قرطبی، قاضی ثناء اللہ رحمہم اللہ وغیرہم کی عبارات پیش کی گئی ہیں۔

لیکن بندہ عاجز عرض کر چکا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا جسد اطہر عنصری قبر شریف میں آرام فرما ہوتے ہوئے چونکہ جنت میں روح کے ہمراہ بھی سیر و سیاحت میں مصروف ہے۔ پس جنت میں روح کے ہمراہ مصروف عمل ہونے کی وجہ سے بعض علماء نے اسی جسد کو مثالی کا نام دے دیا ہے ایک ہی چیز کے مختلف اعتبار سے دو نام تجویز ہوئے ہیں۔

لہٰذا مذکورہ بالا علماء اہل سنت ہیں ان سب کا عقیدہ اہل سنت والجماعت والا ہے محققین ہوں یا صوفیاء کرام سب یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اسی حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں ان سب علماء رحمہم اللہ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کا جسد عنصری باعتبار قبر شریف میں موجود ہونے اور باعتبار جنت میں موجود

ہونے کے الغرض دونوں اعتبار سے مشک کافور، عنبر اور کستوری سے زیادہ خوشبودار اور معطر و معبر ہے اور یہی کچھ ان علماء کرام کی عبارات کا حاصل ہے۔ جن کو خواہ مخواہ اپنی تائید میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر واقعی جواہر القرآن اور ندائے حق کے مؤلفین کو ان علماء محققین اور صوفیاء کرام کا عقیدہ پسند ہے تو پھر ان حضرات کا پورا پورا عقیدہ اپنا لیں تو یہ سارا اختلاف اسی وقت خود بخود ختم ہو جائے گا۔

یہ سب محققین علماء خواہ سیوطی ہوں یا آلوسی، ابن قیم ہوں یا ابن رجب حنبلی، قاضی ثناء اللہ ہوں یا قرطبی رحمۃ اللہ علیہ الغرض جو بھی ہوں سب کے سب حیات قبر کے قائل روح اور جسد عنصری کے تعلق کے قائل ہیں اور ان دونوں کی جزا و سزا کے بھی قائل ہیں۔ سماع الانبیاء علیہم السلام عند قورہم بلکہ عام موتی کے سماع کے بھی قائل ہیں جن کتابوں سے یہ چند حوالہ جات نقل کئے گئے ہیں۔ انہیں کتابوں میں ان حضرات کے یہ سارے عقائد درج ہیں۔ لیکن یہ ہمارے کرم فرما جسد مثالی تک تو ان کو اپنے ہمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن مسئلہ تعلق اور مسئلہ سماع میں ان کے ہمراہ چلنا گوارہ کیوں نہیں کرتے۔ کیا جن علماء کو خود محققین اور صوفیاء کا لقب دے چکے ہیں۔

ان کا آدھا مذہب صحیح ہے اور آدھا غلط؟ کیونکہ ان کا آدھا مذہب تو اپنایا گیا ہے اور آدھا ٹھکرایا گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس آدھے کو اپنایا گیا ہے وہ بھی نہ اپنانے کے برابر ہے۔ کیونکہ جس جسد مثالی کو علماء محققین و صوفیا کرام تسلیم کرتے ہیں وہ اور ہے اور جس کو یہ ہمارے کرم فرما بناتے ہیں وہ اور ہے۔ مسئلہ تعلق میں وہ ناطق ہیں اور یہ ساکت۔ مسئلہ سماع میں وہ قائل ہیں اور یہ منکر۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک وقت میں جواہر القرآن کے مؤلف نے علماء محققین کی ان سب باتوں کو تسلیم کیا ہے جب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ حیات کے نزاع کو ختم کرنے کے لئے قدر مشترک کے طور پر ایک فیصلہ تحریر فرمایا جس پر فریقین کے علماء کرام کے دستخط بھی ہیں اور جواہر القرآن کے مؤلف نے بھی اس پر تصدیق و دستخط فرما کر اور اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن اگست ۱۹۶۲ء میں شائع فرما کر مسئلہ حیات، مسئلہ تعلق اور مسئلہ سماع کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن جواہر القرآن میں روح کے لئے دوسرا جسد مثالی، کافوری تجویز کر کے مسئلہ تعلق سے سکوت فرما لیا۔ سچ فرمایا استاذ العلماء حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا غلام اللہ خان موقع کے مطابق اپنے خیال تبدیل فرماتے رہتے ہیں۔ بحوالہ (ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن ص ۵۷)

خیر یہ تو ایک تحقیق تھی جو آپ کی خدمت میں پیش کر دی گئی اور اس کا پیش کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ یہ کتاب کا ایک حصہ ہے بایں ہمہ بندہ عاجز حسن ظن رکھتا ہے کہ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کا حسن خاتمہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ پر ہوا۔ جس پر ان کے تصدیق دستخط موجود ہیں اور اس کو ماہنامہ تعلیم القرآن میں شائع بھی فرما دیا تھا اور اسی حسن ظن کی بنیاد پر بندہ ان کے حق میں بارگاہ الٰہی میں بدست دعا ہے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔ اللھم برد مضجعہ ووسع مدخلہ واکرم نزولہ واعذہ من عذاب القبر وادخلہ الجنۃ برحمتک یا ارحم الراحمین۔ آمین یا رب العالمین!

خیر جو لوگ عالم برزخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام کے لئے نیا جسد مثالی نورانی کافوری تجویز کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح اقدس کا جسد عنصری سے تعلق نہیں مانتے تو ایسے لوگوں سے بندہ عاجز کے چند سوال ہیں۔ ان لوگوں کو چاہئے کہ جواب دیں۔

منکرین عدم تعلق سے چند سوالات

سوال ۱: حضور اکرم ﷺ کے جسد عنصری نے روح کے ساتھ مل کر دین اسلام کی ساری خدمات سرانجام دیں۔ دعوت تبلیغ کا کام کیا، نماز، روزہ وغیرہ عبادات ادا کیں، جہاد کئے، ہجرت کی، طائف میں پتھر کھائے، احد میں پتھر لگنے سے زخم کھائے۔ الغرض آپ کا جسد مبارک ہر قربانی اور ہر مشقت میں روح کا شامل حال رہا ہے اور جسد مثالی نے کوئی کام بھی نہیں کیا ذرا سوچ کر بتائیں جس نے سب کچھ کیا۔ اس کو کچھ نہ ملا، نہ حیات ملی، نہ جنت ملی، نہ اکرام ہوا، نہ اعزاز، نہ راحت نصیب ہوئی، نہ سکون۔ بلکہ ان سب چیزوں سے اس کو محروم رکھا گیا اور جس نے کچھ بھی نہ کیا اس کو سب کچھ مل گیا۔ حیات مل گئی جنت مل گئی، راحت وسکون نصیب ہو گیا اعزاز واکرام مل گیا اور جنت کی سیر وسیاحت حاصل ہوئی کیا یہی انصاف خداوندی ہے؟

سوال ۲: قرآن مجید میں ہے کہ ہر انسان کا خمیر خاک اور مٹی سے ہے اسی خاک اور مٹی سے جسد عنصری تیار کیا جاتا ہے۔ جب تک حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک جسد عنصری میں رہی تو آپ انسان بھی تھے بشر بھی تھے اور آدمی وخاکی بھی تھے۔ جب آپ ﷺ نے انتقال فرمایا تو روح اور جسد عنصری کا دنیوی تعلق ختم ہو گیا اور برزخی تعلق کو تم مانتے نہیں بلکہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو نورانیہ کافوریہ جسم میں داخل سمجھتے ہو تو کیا آپ ﷺ اب بھی انسان بشر اور آدمی وخاکی ہیں؟ یا اب آپ ﷺ نور ہیں کیونکہ نورانی جسم میں آپ کی روح مبارک کا حلول ہو چکا ہے؟

سوال ۳: حضور اکرم ﷺ جب عالم دنیا میں بجسد عنصری تشریف فرماتے تو آپ کے لوگوں سے بہت سے خونی ونسبی رشتے قائم ہوئے مثلاً آپ سردار عبداللہ اور بی بی آمنہ کے بیٹے تھے اور اپنی تمام اولاد کے باپ اور ازواج مطہرات کے خاوند وغیرہ وغیرہ اور جب آپ ﷺ انتقال فرما گئے اور عالم برزخ میں بھی آپ کی روح مبارک کا جسد عنصری سے برزخی تعلق قائم نہ ہوا بلکہ آپ کی روح مبارک کو نورانی اور کافوری جسد میں بالکل داخل کر دیا گیا تو یہ دنیا والے رشتے کس جسد کی طرف منسوب ہوں گے عنصری کی طرف یا مثالی کی طرف؟

سوال ۴: حضور اکرم ﷺ جب عالم دنیا میں بجسد عنصری تشریف فرماتے تو رسول اللہ بھی تھے اور نبی اللہ بھی تھے اور جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا اور وہاں عالم برزخ میں بھی روح اور جسد کا تعلق قائم نہ ہوا بلکہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو جسد نورانی کافوری مثالی میں داخل کر دیا گیا تو کیا محمد رسول اللہ ﷺ دو ہو گئے یا اب بھی ایک رہا۔ اگر دو ہو گئے تو کیا دوسرے کو نیا نبی اللہ کہہ سکتے ہیں یا نہ؟ اگر ایک رہا تو کونسا، عنصری یا کافوری نورانی مثالی۔ اگر جسد عنصری اب بھی نبی اللہ، رسول اللہ ﷺ ہے تو نبی ورسول ہونے کے باوجود جنت اور اس کی نعمتوں سے کیوں محروم ہے۔ جب کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کو جنت میں مانتے ہیں اور آپ کو وہاں اعلیٰ، ارفع، اکمل اور اتم حیات حاصل ہے۔

پس جسد عنصری کو نبی اللہ ورسول اللہ کہنے کے باوجود اس کی حیات کا انکار کرو گے تو کیا تمہارے دعویٰ کی تکذیب لازم نہ آئے گی؟ اگر تم جسد عنصری کو نبی اللہ اور رسول اللہ ﷺ نہیں سمجھتے تو صحابہ کرام ﷡ نے وفات کے بعد جسد عنصری کو نبی اللہ ورسول اللہ کیوں کہا؟ حدیث کی تقریباً تقریباً تمام کتابوں میں صحابہ کرام ﷡ کے یہ الفاظ موجود ہیں، غسل رسول اللہ، دفن رسول اللہ، کفن رسول اللہ، قبر رسول اللہ ﷺ۔ اگر جسد عنصری کو آپ لوگ رسول اللہ ونبی اللہ ﷺ نہیں سمجھتے تو کیا وفات کے بعد آپ ﷺ سے وصف نبوت ورسالت سلب کر لی گئی ہے؟ کیا

آپ ﷺ اب وصف نبوت و رسالت سے موصوف نہیں ہیں؟ کیا یہ عقیدہ کفر یہ نہیں ہے۔ اگر آپ ﷺ کا جسد عنصری وصف نبوت و رسالت سے موصوف نہیں ہے تو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا؟ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہیں اور آپ کے جوار میں ہیں؟

سوال ۵: بقول شما جب حضور اکرم ﷺ کے دو جسد ہو گئے تو قیامت کے دن آپ ﷺ کو دونوں جسدوں میں اٹھایا جائے گا یا کسی ایک میں۔ اگر آپ کو دونوں جسدوں میں اٹھایا جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ اگر آپ کو کسی ایک جسد میں اٹھایا جائے گا تو کون سا جسد ہوگا عنصری یا مثالی۔ اگر آپ کو بروز قیامت جسد مثالی میں اٹھایا جائے گا تو ''اذا القبور بعثرت'' کا وعدہ تو پورا نہ ہوگا اور ''البعث بعد الموت'' بھی نہ ہوگا اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے کی کیا صورت ہوگی اور اس جسد عنصری کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اگر حضور اکرم ﷺ کو جسد عنصری میں اٹھایا جائے گا تو لامحالہ جسد مثالی سے آپ کی روح مبارک نکالی جائے گی تو کیا اسی کا نام موت نہیں ہے؟ کیا آپ پر جنت میں بھی موت طاری ہوگی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی وفات کے بعد جو خطبہ دیا تھا کیا اس میں یہ نہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آئندہ موت کی تکلیف نہیں چکھائے گا۔ اگر جسد مثالی کو موت دے کر آپ ﷺ کی روح مبارک کو جسد عنصری کی طرف لوٹایا جائے گا تو پھر مردہ جسد مثالی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ اس کی تجہیز، تکفین اور تدفین بھی عمل میں لائی جائے گی یا نہ۔

سوال ۶: نبی اکرم ﷺ کے لئے نیا جسد مثالی تجویز کرنے سے آپ ﷺ کی ختم نبوت پر تو کوئی اثر نہ پڑے گا؟

سوال ۷: حضور اکرم ﷺ کا جسد عنصری عالم قبر و برزخ میں محفوظ ہے۔ پس جسد اصلی اور حقیقی کی موجودگی میں کسی دوسرے مثالی وغیرہ بنانے کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت پڑی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ خبر دی ہے کہ میں اپنے پیغمبروں کے لئے عالم برزخ میں نورانی، کافوری، مثالی جسم تیار کروں گا؟ کیا اللہ تعالیٰ کے نبی کو اس کا علم تھا کہ ہمارے لئے عالم برزخ میں نئے مثالی، کافوری، نورانی، جسم تیار کئے جائیں گے؟

کیا حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اس جسد مثالی کے متعلق کچھ بتایا تھا؟ خیر القرون میں جسد مثالی، کافوری، نورانی پر ایمان رکھنے والے لوگ موجود تھے؟ کیا آپ ﷺ کے جسد مثالی پر ایمان لانا ضروری ہے؟ جو شخص جسد مثالی کو نہ مانے اس پر آپ کا کیا فتویٰ ہوگا؟

سوال ۸: قبر کی زندگی پر اگر قرآن و حدیث کی بتائی ہوئی صحیح شکل و صورت کے ساتھ ایمان لایا جائے تو اس پر غیر مسلم قوموں کی طرف سے بہت سے اشکالات اور شبہات وارد ہوتے ہیں۔ اگرچہ علماء اہل سنت کے محققین نے ان سب اشکالات کے احسن طریقے سے جوابات لکھے ہیں اور ان کے شبہات کا معقول طریقے سے رد بھی کیا ہے۔ لیکن آپ لوگ غیر مسلم قوموں کے شبہات سے اتنے مرعوب ہوئے کہ عقیدہ حیات قبر کی صحیح اور اصلی شکل وصورت سے راہ فرار اختیار کر کے جسد مثالی کو تجویز کر لیا تاکہ غیروں کے شبہات سے جان چھوٹ جائے۔ لیکن سچ بتاؤ کہ شبہات اور اشکالات سے بچنے کے لئے آپ نے جو جسد مثالی کی تجویز پیش کی ہے کہیں پہلے سے زیادہ شبہات و اشکالات میں تو مبتلا نہیں ہوئے؟ اور سچ تو یہ ہے کہ قبر کی زندگی کے حقیقی اور شرعی مفہوم پر اتنے اعتراض وارد نہیں ہوتے جتنے جسد مثالی، کافوری، نورانی کے تجویز کرنے پر وارد ہوتے ہیں۔ آپ پر تو آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا کی مثال صادق آتی ہے۔ افسوس! آپ نے اشکالات سے بچنے کے لئے عقیدہ حیات قبر کے حقیقی مفہوم کو بھی بدلا اور

اشکالات سے بھی نہ بچ سکے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ پھنس گئے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ ''فر من المطر قر تحت المیذاب'' (بارش سے بھاگا پرنالے کے نیچے ٹھہرا)

ساتواں نظریہ

بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ عالم برزخ کی مطلق حیات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ باقی رہا سوال کہ وہ حیات روحانی ہے یا جسمانی۔ اگر جسمانی ہے تو کس جسم کے ساتھ ہے عنصری کے ساتھ یا مثالی کے ساتھ۔ روح اور جسد عنصری کے مابین کوئی تعلق ہے یا نہ؟ یہ سب باتیں فضول اور لایعنی ہیں۔ ان میں پڑنا تضیع اوقات ہے۔ لہٰذا کسی تفصیل پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ بس مطلق حیات کا عقیدہ کافی ہے۔ یہ نظریہ دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی کے نائبین، مفتی افضال احمد، مفتی محمد احمد، مفتی محمد موسیٰ کا ہے۔ ان لوگوں کا اصل فتویٰ بمع دستخط و مہر بندہ کے پاس محفوظ ہے۔ آپ جب چاہیں نقل حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ نظریہ مجمل بلکہ مبہم ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا بلکہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے وزن کو کم کرنے اور اس کی اہمیت گرانے کی ایک خطرناک سازش ہے۔ کیونکہ قبر و برزخ کی زندگی کے متعلق جتنی تفصیلات قرآن وحدیث میں آچکی ہیں ان پر تو ایمان لانا ضروری ہے۔ ہاں اس عقیدہ کی جو تفصیلات قرآن وحدیث میں نہیں آئیں تو ان میں پڑھنا مناسب نہیں ہے۔

قارئین کرام! معلوم کر چکے ہیں کہ پچاس سے زائد آیات بینات اور سو سے زائد احادیث متواترہ قبر کی زندگی جزا و سزا اور قبر کے ثواب وعقاب پر دلالت کرتی ہیں اور یہ وضاحت اور تفصیل بھی انہیں آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ قبر کی حیات اور جزا و سزا روح اور جسد عنصری دونوں کے مجموعہ کو حاصل ہوتی ہے۔ جس کی صحیح اور معقول صورت یہ ہے کہ ان کے مابین ایک خاص قسم کا تعلق ہے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اسی تفصیل پر اجماع امت مستزاد ہے۔

پس یہ تفصیلات جب قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہیں تو ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان پر ایمان لائے بغیر آدمی اہل سنت والجماعت کہلوانے کا حقدار نہیں بن سکتا۔ ہاں! یہ تفصیل کہ وہ تعلق کیسا ہے؟ روح اور جسد دونوں کی جزا و سزا کی کیفیت کیسی ہے؟ اور اس قسم کی دوسری باتیں جو قرآن وحدیث میں نہیں بتائی گئیں تو ان پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ عوام الناس کو ایسی باتوں میں پڑنا مناسب نہیں ہے۔ اہل علم جانیں اور ان کا کام۔

بہرحال اس نظریہ کے حامل اہل سنت والجماعت ہرگز نہیں ہیں۔ ان کرم فرماؤں سے کوئی شخص پوچھے کہ اگر حیات عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ میں ان کی مطلق حیات کا قائل ہوں اور بس۔ خواہ وہ حیات روحانی ہو یا جسمانی، جسد عنصری کے ساتھ ہو یا مثالی کے ساتھ۔ میں ان تفصیلات میں نہیں جاتا میں تو ان کی مطلق حیات کا قائل ہوں۔ کیا ایسے شخص کو صحیح العقیدہ کہا جائے گا؟ یہی مفتیان کرام ایسے گول مول عقیدہ رکھنے والے کو خارج از اسلام قرار دیں گے، کہیں گے کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو تفصیلات قرآن وحدیث میں آئی ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں حضور اکرم ﷺ کے معراج پر ایمان لاتا ہوں۔ لیکن اس کی تفصیلات میں نہیں پڑتا کہ معراج روحانی تھا یا جسمانی، خواب میں تھا یا بیداری میں، تو یہی مفتیان کرام ایسے گول مول عقیدہ رکھنے والے شخص پر فتویٰ صادر فرمادیں گے کہ یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ مبہم ہے اور قرآن وحدیث کی بیان کردہ تفصیلات پر ایمان لانا ضروری ہے۔

بس جس طرح حیات عیسیٰ علیہ السلام اور مسئلہ معراج النبی ﷺ کی تفصیلات پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح عقیدہ حیات قبر کے متعلق جو تفصیلات قرآن وحدیث میں بیان کی گئیں ہیں ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے کہ قبر وبرزخ کی جزا وسزا روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر وارد ہوتی ہے۔ روح اور جسد عنصری کے درمیان ایک مجہول الکیفیت تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دونوں دکھ، سکھ اور رنج وراحت کو محسوس کرتے ہیں اور ثواب وعقاب کا مورد بنتے ہیں اور جزا وسزا کا ادراک کرتے ہیں۔ پس دارالافتاء والارشاد کے نائبین کا یہ گول مول نظریہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ سے متصادم ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

آٹھواں نظریہ

بعض لوگ عقیدہ حیات قبر میں علماء اہل سنت والجماعت سے پورے پورے متفق ہیں کہ اسی زمین والی قبر میں میت کی طرف روح کا اعادہ ہوتا ہے اور اس میں نکیرین اترتے ہیں اور روح اور جسد عنصری کے درمیان ایک نامعلوم الکیفیت تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے روح اور جسد عنصری دونوں جزا وسزا کے مورد بنتے ہیں اور دونوں کو ثواب وعقاب ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ اس عقیدہ میں اہل سنت والجماعت سے متفق نہیں ہیں بلکہ اختلاف رکھتے ہیں۔ مثلاً تعلق کو منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تعلق نہیں ہے تو وہ ان کو بھی حق پر سمجھتے ہیں اور اہل حق کہتے ہیں۔ یہ نظریہ ''اعلام البحر بما ورد فی اثبات عذاب القبر'' کے مؤلف کا ہے۔

جہاں تک اس نظریے کا تعلق ہے تو وہ بالکل صحیح ہے اور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے عین مطابق ہے۔ علماء اہل سنت والجماعت کا بھی یہی عقیدہ اور نظریہ ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعت کے عقیدہ سے اختلاف کرنے والوں کو اہل حق کہنا محل نظر ہے اور یہ بات ہمارے فہم وشعور سے بھی بالاتر ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں نے اہل سنت والجماعت سے کٹ کر اپنے مخصوص عقائد تیار کر رکھے ہیں اور بعض اجماعی عقائد میں وہ اہل سنت والجماعت سے اختلاف کرتے ہیں۔ مثلاً عقیدہ ختم نبوت، مسئلہ معراج، عقیدہ حیات ونزول ابن مریم، وزن اعمال، معجزات وکرامات، جنات وملائکہ کا وجود، پل صراط، مسئلہ قربانی وغیرہ۔ بیسیوں عقائد ومسائل ہیں جن پر علماء اہل سنت والجماعت کا اجماع اور اتفاق ہے اور ان اجماعی مسائل وعقائد میں اہل سنت والجماعت سے اختلاف کرنے والے لوگ قطعاً اہل حق نہیں رہ سکتے۔ عقیدہ حیات یا عذاب قبر بھی انہی اجماعی عقائد میں سے ہے۔ لہٰذا اس عقیدہ میں اختلاف کرنے والا نہ تو اہل حق ہے اور نہ ہی اہل سنت والجماعت۔ بلکہ اہل سنت والجماعت برحق اور اہل حق ہیں اور اس سے کٹ جانا ضلالت اور گمراہی ہے۔ بہر حال خود قبر کی زندگی کو صحیح معنوں میں تسلیم کر کے منکرین حیات قبر کو اہل حق اور علماء حق کے زمرہ میں شمار کرنا کس چیز کی طرف غمازی کرتا ہے۔ اہل علم خود اس کا کھوج لگا لیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احادیث الرسول ﷺ فی اثبات الشعور لاہل القبور

قبر کی زندگی پر دلالت کرنے والی احادیث شریفہ

آپ نے پچاس سے زائد آیات بینات پڑھ لیں جن سے قبر کی جزا وسزا اور قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔

ہر آیت سے استدلال کرنے کے ساتھ ساتھ حضرات مفسرین کرام کی تصدیق بھی بحوالہ درج کر دی گئی ہے۔ کسی آیت کے متعلق یا خود عقیدہ حیات قبر کے متعلق جتنے شکوک وشبہات کے ابھرنے کا امکان تھا ان سب کے شافی وکافی جوابات سپرد قلم کر دیئے گئے ہیں اور اب آپ کی خدمت میں ذخیرہ احادیث متواترہ سے چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جن سے قبر کی جزا وسزا اور قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ بندہ عاجز نے یہاں صرف ان حدیثوں کو نقل کیا ہے جن سے خاص کر جسد عنصری کا جزا وسزا میں شریک ہونا واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ روح کی جزا وسزا میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ تو اتفاقی مسئلہ ہے اور اختلاف جسد عنصری میں ہے کہ آیا یہ جزا وسزا میں حصہ دار ہے یا نہ۔ لہٰذا بندہ عاجز کی توجہ زیادہ تر اسی کی طرف ہے۔

حدیث نمبر ۱: ''عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ اذا وضعت الجنازۃ فاحتملھا الرجال علی اعناقھم فان کانت صالحۃ قالت قدمونی وان کانت غیر صالحۃ قالت لاھلھا یاویلھا این تذھبون بھا یسمع صوتھا کل شیئ الا الانسان ولو سمع لصعق'' ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب میت کو (چارپائی) پر رکھا جاتا ہے اور لوگ اس کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے چلتے ہیں۔ پس اگر وہ نیک ہے تو کہتی ہے مجھے جلدی لے چلو اور اگر غیر صالح ہے تو کہتی ہے ہائے میری ہلاک مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ اس کی یہ آواز سوائے انسان کے ہر چیز سنتی ہے اور اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔

(بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۵، ۱۷۶، مشکوٰۃ ص ۱۴۴، نسائی شریف ج ۱ ص ۲۱۰)

اس صحیح اور صریح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسد عنصری برزخ وقبر کی جزا وسزا میں شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ جسد عنصری جس کو لوگوں نے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے اگر نیک صالح ہے تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو اور اگر غیر صالح ہے تو فریاد کرتا ہے کہ ہائے میری ہلاکت مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ پس نیک صالح کو اپنا انجام خیر اور جزائے خیر نظر آتی ہے۔ اس لئے پیش قدمی کا حکم کرتا ہے اور غیر صالح کو اپنا انجام بد اور سزا نظر آتی ہے جس کی وجہ سے فریاد کرتا ہے۔ باقی مردے کا چارپائی پر کلام کرنا زبان قال سے ہے نہ کہ زبان حال سے۔ کیونکہ حدیث میں یسمع صوتہا اور صوت زبان قال کی ہوتی ہے نہ کہ زبان حال کی۔

اسی طرح سماع زبان قال کا ہوتا ہے نہ کہ زبان حال کا، نیز حدیث میں ہے کہ اس کی آواز سوائے انسان کے ہر شئی سنتی ہے۔ حالانکہ زبان حال یعنی میت کی حالت کو تو انسان محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ وہ شعور کامل رکھتا ہے اور دوسری چیزیں تو اس حال کو محسوس نہیں کر سکتیں کیونکہ ان میں شعور کامل نہیں ہے اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ اس کی آواز کو انسان نہیں سنتا باقی سب چیزیں سنتی ہیں۔ لہٰذا وہ زبان قال ہی ہے جو اللہ تعالیٰ انسان کو نہیں سناتا۔ کیونکہ یہ برداشت نہ کر سکے گا اور بے ہوش ہو جائے گا۔ اسی لئے تو امام بخاری نے اس حدیث پر یوں باب قائم کیا ہے ''باب کلام المیت وھو علی الجنازۃ'' یعنی مردے کا چارپائی پر کلام کرنا۔ اگر مردہ کا کلام کرنا زبان حال سے بھی ہو تو پھر بھی اہل سنت کا مدعا ثابت ہے۔ کیونکہ زبان حال کا مطلب یہ ہے کہ نیک صالح بندے کی حالت خوشی پر دلالت کرتی ہے اور غیر صالح کی حالت غمی پر دلالت کرتی ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا مدعا اور عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کو جو خوشی وغمی یا جزا وسزا ملتی ہے اس میں جسد عنصری شریک وسہیم ہوتا ہے اور یہ حدیث اس عقیدہ پر نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔

حدیث نمبر ۲: ''عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اسرعوا بالجنازۃ فان تک صالحۃ فخیر

تقدمونها اليه وان تک سوی ذالک فشر تضعونه عن رقابکم متفق عليه(مشكوة ص ۱۴۴، بخاری ج ا ص ۱۷۶، مسلم ج ا ص ۳۰۶ وفي رواية فان كانت صالحة قربتموها اليه، مسلم ج ا ص ۳۰۷)'' ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنازہ کو جلدی لے چلو پس اگر وہ خیر ہے تو تم اس کو خیر کی طرف بڑھا رہے ہو اور اگر خیر نہیں بلکہ شر ہے تو تم اپنی گردنوں سے اتار رہے ہو۔

(ف) اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ جسد عنصری کو جلد دفنانے کا حکم فرما رہے ہیں۔ وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ اگر نیک صالح ہے تو اس کو خیر تک جلدی پہنچا دو اور اگر خیر نہیں ہے بلکہ شر ہے تو اپنی گردنوں سے جلدی اتار دو معلوم ہوتا ہے کہ نیک صالح میت یعنی جسد عنصری کو قبر میں رکھنا خیر کی طرف پہنچانا ہے۔ پس یہ قبر کی راحت کی دلیل ہے۔ نیز اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے جسد عنصری کو خیر یا شر فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسد عنصری نیکی اور برائی کرنے میں روح کا شریک کار ہے۔ پس جو نیکی و برائی میں شریک ہے اس کو جزا و سزا میں بھی ضرور شریک ہونا چاہئے۔ بہر حال یہ حدیث صحیح و صریح جسد عنصری کی جزا و سزا کی واضح اور بیّن دلیل ہے۔

__حدیث نمبر ۳:__ ''عن انس قال قال رسول الله ﷺ اذا وضع العبد في قبره وتولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فيقعدانه فيقولان ما كنت تقول في حق هذا الرجل لمحمد واما المومن فيقول اشهد انه عبدالله ورسوله فيقال له انظر الى مقعدک من النار قد ابدلک الله به مقعداً من الجنة فيراهما جميعاً واما المنافق والكافر فيقال له كا كنت تقول في حق هذا الرجل فيقول لا ادری كنت اقول ما يقول الناس فيقال له لا دريت ولا تليت ويضرب بمطارق من حديد حزبة فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين متفق عليه ولفظه للبخاری (مشكوة ص ۲۵، بخاری ج ا ص ۱۸۴، مسلم، نسائی ج ا ص ۲۲۳)''

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دفن کرنے والے ساتھی واپس لوٹتے ہیں یقیناً وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں اس کو بٹھلا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے سو مومن کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پس اسے کہا جاتا ہے کہ تو اپنا آگ کا ٹھکانہ دیکھ لے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کے بدلے جنت کا ٹھکانہ عطا فرمایا ہے۔ پس وہ دونوں مقاموں کو دیکھتا ہے اور لیکن منافق اور کافر پس اسے کہا جاتا ہے تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے پس وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا۔ جس طرح لوگ کہتے تھے میں بھی اسی طرح کہتا تھا۔ پس اسے کہا جاتا ہے نہ تو نے جانا نہ تو نے پڑھا اور لوہے کے ہتھوڑوں سے اسے ایسا مارا جاتا ہے کہ وہ چیخیں مارتا ہے اور اس کی چیخ و پکار جن اور انس کے علاوہ اردگرد کے جانور سنتے ہیں۔

(ف) اس صحیح اور صریح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جسد عنصری کو لوگ قبر ارضی میں دفن کر کے واپس ہوتے ہیں۔ ابھی وہ ان کی جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے اس کے پاس دو فرشتے نکیرین آجاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں اور اس کے ایمان وعمل کے مطابق اس کو جزا یا سزا دیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جسد عنصری جزا و سزا میں شریک و سہیم ہوتا ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

__حدیث نمبر ۴:__ ''عن عائشة قالت دخلت علي عجوز ان من عجز يهود المدينة فقالتا ان اهل القبر يعذبون في قبورهم قالت فكذبتهما ولم انعم ان اصدقهما فخرجتا ودخل علیّ رسول الله ﷺ فقلت

له یا رسول اللہ ان عجوزین من عجز الیهود المدینة دخلتا علیَّ فزعمتا ان اهل القبور یعذبون فی قبورهم فقال صدقتا انهم یعذبون عذابا تسمعه البهائم'' (مسلم ج ۴ ص ۲۱۷، مسند احمد ج ۷ ص ۶۸)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میرے پاس یہود مدینہ کی بوڑھیوں میں سے دو بوڑھیاں آئیں اور انہوں نے کہا کہ قبروں میں اہل قبور کو عذاب دیا جاتا ہے۔ میں نے ان کی بات کی تصدیق کرنا اچھا نہ سمجھا اور ان کو جھٹلا دیا پس وہ دونوں چلی گئیں اور رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہود مدینہ کی بوڑھیوں میں سے دو بوڑھیاں میرے پاس آئیں ان کا گمان ہے کہ قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سچ کہتی ہیں۔ یقیناً اہل قبور کو قبروں میں ایسا عذاب دیا جاتا ہے جس کو بہائم یعنی جانور، چوپائے وغیرہ سنتے ہیں۔

(ف) اس حدیث میں ہے کہ عذاب قبر کی چیخ و پکار اور فریاد بہائم سنتے ہیں۔ بہائم یعنی چوپائے وغیرہ جانور یہاں ہیں جہاں اجساد عنصریہ مدفون ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ان ارضی قبروں میں اجساد عنصریہ کو عذاب ہوتا ہے جس کو اردگرد کے بہائم سنتے ہیں۔علیین اور سجین میں بہائم کا موجود ہونا ثابت نہیں ہے۔

<u>حدیث نمبر ۵</u>: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں''مر النبی ﷺ علی قبرین فقال انهما لیعذبان وما یعذبان من کبیر ثم قال بلی اما احدهما فکان یسعی بالنمیمة واما لاحدهما فکان لا یستتر من بوله قال ثم اخذ عودا رطبا فکسره باثنین ثم غرز کل واحد منهما علی قبر ثم قال لعله یخفف عنهما مالم ییبسا'' ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا دو قبروں پر گذر ہوا تو آپ نے فرمایا ان دونوں قبروں میں عذاب دیا جارہا ہے اور کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں دیا جارہا بلکہ ایک چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی تازہ ٹہنی کو لے کر اس کے دو حصے کئے اور ہر ایک قبر پر ان کو گاڑھ دیا اور فرمایا کہ شاید جب تک خشک نہیں ہوتیں عذاب میں تخفیف رہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۴، ۱۸۲، نسائی ج ۱ ص ۲۲۵)

(ف) حضور اکرم ﷺ کا گزر انہیں زمین والی قبروں پر ہوا جہاں اجساد عنصریہ مدفون تھے اور آپ ﷺ نے انہیں اجساد عنصریہ کو عذاب میں گرفتار دیکھا تو ان کے لئے دعا بھی فرمائی اور بطور علامت کے سبز ٹہنی بھی گاڑھ دی شاید جب تک یہ خشک نہیں ہوتی عذاب ہلکا ہو جائے۔ پس یہ حدیث جسد عنصری کی جزا و سزا کے لئے نص قطعی ہے۔

شاید کوئی شخص یہ سمجھے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کا معجزہ ہے یعنی ایک وقتی چیز ہے جس کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے۔ یہ دائمی عذاب نہیں ہے جواباً عرض ہے کہ یہاں دو مختلف امر ہیں۔ ایک ہے عذاب کا ہونا اور دوسرا ہے اس ہونے والے عذاب کو دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا۔ امر اول یعنی عذاب کا ہونا معجزہ نہیں۔ امر ثانی یعنی عذاب کو دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا بے شک معجزہ ہے۔ یعنی ان کو عذاب اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں وضاحت مذکور ہے۔ لیکن قبر کی کارروائی اور جزا و سزا ایک نہ نظر آنے والی چیز ہے جس کو عام لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ یہ غیب اور برزخ کی چیز ہے۔ پس عام لوگوں کو نظر نہ آنے والی چیز کو آپ ﷺ کا دیکھ لینا ایک معجزہ ہے اور ہمارا استدلال عذاب ہونے سے ہے۔ عذاب دیکھنے سے نہیں ہے عذاب کا ہونا معجزہ نہیں ہے بلکہ ضابطہ اور قانون ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عذاب قبر کا ہونا وقتی چیز نہیں بلکہ دائمی چیز ہے جو آپ ﷺ کے دیکھنے سے پہلے بھی ہو رہا تھا اور اس کے بعد بھی ہوتا رہا۔ البتہ آپ کا اس کو دیکھنا اور مشاہدہ کرنا ایک وقتی امر اور معجزہ ہے۔ ان دو امور میں فرق نہ

کرنے کی وجہ سے یہ شبہ پیدا ہوا۔ ورنہ جس سے استدلال ہے وہ معجزہ نہیں اور جو معجزہ ہے اس سے استدلال نہیں۔

حدیث نمبر ۶: ”عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء ملک الموت الی موسی علیہ السلام بن عمران فقال له اجب ربک فقال فلطم عین ملک الموت ففقاءھا قال فرجع الملک الی اللہ فقال انک ارسلتنی الی عبد لک لا یرید الموت وقد فقاء عینی قال فرد اللہ الیه عینه وقال ارجع الی عبدی فقل الحیوۃ ترید فان کنت ترید الحیات فضع یدک علی متن ثور فما توارت یدک من شعرۃ فانک تعیش بھا سنة قال ثم مه قال ثم تموت قال فالآن من قریب رب ادننی من الارض المقدسة رمیة بحجر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لو انی عنده لاریتکم قبره الی جنب الطریق عند الکثیب الاحمر متفق علیه“ (مشکوٰۃ ص ۵۰۷، ۵۰۸، بخاری ج ۱ ص ۱۷۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا ان سے کہا کہ تمہارا رب تمہیں بلا رہا ہے (پیغام موت تھا) پس موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر تھپڑ مارا اور اس کی آنکھ کو نکال ڈالا ملک الموت اللہ تعالیٰ کی طرف گیا اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کو درست کر دیا اور کہا کہ میرے بندے کی طرف واپس جاؤ اور کہہ کہ اگر تو دنیا کی زندگی چاہتا ہے تو اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھ دے۔ جتنے بال تیرے ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے تیری زندگی کے اتنے سال بڑھا دیئے جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا پھر کیا ہوگا؟ ملک الموت نے کہا پھر موت آئے گی تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا پھر اب موت دے دے اور کہا اے رب مجھے بیت المقدس کے قریب ایک پتھر مارنے کے فاصلہ پر کر دے (تاکہ میری موت اور میرا دفن بیت المقدس کے قریب انبیاء کرام کی قبروں کے پاس ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں وہاں ہوتا تو آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا جو راستے کے قریب سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔

(ف) اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارض مقدس یعنی پاک زمین میں انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کے ساتھ دفن ہونے کو پسند فرمایا اسی لئے وہاں تک جانے کی مہلت طلب کی۔ پس ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد کسی متبرک مقام میں دفن ہونے اور صالحین کی قبور کے پاس دفن ہونے سے مردہ کو فائدہ اور نفع ہوتا ہے۔ اسی لئے تو اس حدیث پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں باب قائم کیا ہے ”باب من احب الدفن الی الارض المقدسة ونحوھا“ اور قبروں میں اجساد عنصریہ مدفون ہوتے ہیں۔ لہٰذا ارض متبرکہ اور قرب صالحین سے جسد عنصری نفع اٹھاتا اور فوائد و برکات سے مستفیض ہوتا ہے۔ کیونکہ روح کا اس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہو گیا کہ جسد عنصری روح کے ساتھ شریک حیات بھی ہوتا ہے اور شریک رنج و راحت بھی اور یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

حدیث نمبر ۷: ”عن ابی ھریرۃ ان امرأۃ سوداء کانت تقم المسجد او شاب ففقدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عنھا او عنه فقالوا مات قال افلا کنتم اٰذنتمونی قال فکانھم صغروا امرھا او امره فقال دلّونی علی قبره فدلّوه فصلی علیھا ثم قال ان ھذه القبور مملوۃ ظلمة علی اھلھا وان اللہ ینوّرھا لھم بصلوٰتی علیھم متفق علیه ولفظه لمسلم“ ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالے رنگ کی عورت مسجد نبوی کی صفائی کرتی تھی یا ایک مرد تھا جب آپ نے ایک دفعہ اس کو نہ پایا تو اس کے بارے میں سوال کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ وہ فوت ہو گئی ہے (اور دفن بھی ہو چکی ہے) آپ نے فرمایا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ راوی کہتا ہے کہ

صحابہ نے گویا یہ معمولی بات سمجھ کر آپ کو تکلیف نہ دی آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھلاؤ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبر دکھلائی آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صف بندی کا حکم دیا اور قبر پر نماز جنازہ ادا کی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ قبریں اندھیرے سے بھری ہوئی ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ میری نماز جنازہ ادا کرنے کی وجہ سے ان کو منور فرما دیتے ہیں۔

(مشکوٰۃ ص ۱۴۵، مسلم ج ۱ ص ۳۱۰)

(ف) یہ حدیث بھی قبر کی زندگی اور اس کی جزا و سزا کی دلیل ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے انہی قبور جن میں اجسام عنصریہ مدفون ہیں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ قبریں ظلمت اور اندھیروں سے پر ہوتی ہیں اور دعا وصلوٰۃ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو منور فرما دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قبروں میں مردوں کو اندھیروں سے تکلیف اور روشنی سے راحت نصیب ہوتی ہے۔ اگر میت میں رنج و راحت کا ادراک نہ ہو تو اس کے لئے اندھیرا اور اجالا یکساں ہوں گے۔ پھر تو حضور اکرم ﷺ کی دعا وصلوٰۃ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ معاذ اللہ!

پس ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی دعا وصلوٰۃ کی برکت سے جب اندھیرا اجالے میں تبدیل ہوتا ہے تو قبروں میں پڑے اجساد عنصریہ کو راحت نصیب ہوتی ہے اور اندھیرا ان کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ ارواح کا اجساد عنصریہ سے تعلق ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۸: ''وعن زید بن ثابت قال بینا رسول اللہ ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلة له و نحن معه اذ حادت به فکادت تلقیه و اذا اقبرہ ستة او خمسة فقال من یعرف اصحاب ھذا الاقبر قال رجل انا قال فمتٰی ماتوا قال فی الشرک فقال ان ھذہ الامة تبتلی فی قبورھا فلو لا ان لا تدافنوا الدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه ثم اقبل علینا بوجھه فقال تعوذوا باللہ من عذاب النار قالوا نعوذ باللہ من عذاب النار قال تعوذوا باللہ من عذاب القبر قالوا نعوذ باللہ من عذاب القبر۔ الحدیث'' ترجمہ: حضرت زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنی نجار کے باغ میں تھے اور ہم بھی آپ کے ہمراہ تھے آپ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے اچانک آپ کا خچر بدکا اور قریب تھا کہ آپ کو گرا دے اچانک سامنے پانچ چھ قبریں تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان قبروں والوں کو کون پہچانتا ہے۔ ایک شخص نے کہا میں پہچانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ کب مرے تھے۔ اس نے شرک میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً اس امت کو قبروں میں آزمایا جاتا ہے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم مردے دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا کہ وہ تمہیں سب کچھ سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔ پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آگ کے عذاب سے پناہ مانگو۔ ہم نے آگ کے عذاب سے پناہ مانگی پھر فرمایا قبر کے عذاب سے پناہ مانگو ہم نے قبر کے عذاب سے پناہ مانگی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵ رواہ مسلم ص ۳۸۶)

(ف) اس صحیح اور صریح حدیث کا ایک ایک جملہ بتاتا ہے کہ قبر میں مدفون جسد عنصری بہ تعلق روح، ہر جزا و سزا اور رنج و راحت میں شریک اور سہیم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور آپ کے خچر کا گزر انہیں قبروں سے ہوا جن میں اجساد عنصریہ مدفون ہیں اور ان کے عذاب کو دیکھ کر خچر بدکا۔ پھر آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں اگر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قبروں میں ہوتا ہوا عذاب دکھا دے تو تم مردے کو دفن کرنا بھی چھوڑ دو گے۔ دلالت کرتا ہے کہ انہی قبروں میں عذاب ہوتا ہے جن میں اجساد عنصریہ کو دفن کیا جاتا ہے۔ اگر ان قبروں میں عذاب نہ ہوتا تو آپ یہ بات نہ فرماتے کہ ڈر ہے کہ تم مردے دفن کرنا چھوڑ دو گے۔ اس حدیث کو علیین

اور سجین پر چسپاں بھی نہیں کیا جا سکتا اور اسی طرح معجزہ کہہ کر گلو خلاصی بھی مشکل ہے۔ کیونکہ قبر میں ہوتے ہوئے عذاب کو دیکھنا تو معجزہ ہے لیکن عذاب کا ہونا معجزہ نہیں ہے۔ کیونکہ عذاب تو ان کو شرک کرنے کی وجہ سے ہو رہا تھا اور ہمیشہ مجرموں اور نافرمانوں کو قبر میں عذاب ہوتا رہتا ہے۔ لیکن عامۃ الناس کو نظر نہیں آتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو نہ نظر آنے والی چیز کبھی دکھا بھی دیتے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا نبی دیکھے تو معجزہ اور اگر ولی دیکھے تو کرامت اور کوئی دیکھے تو درس عبرت ہے۔ لیکن استدلال دیکھنے سے نہیں بلکہ عذاب ہونے سے ہے۔ بہرحال یہ حدیث حیات قبر اور عذاب قبر کی بڑی وزنی دلیل ہے۔

<u>حدیث نمبر ۹</u>: ''عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر وللآخر النکیر فیقولان ما کنت تقول فی ھذاالرجل فیقول ھو عبداللہ ورسولہ اشھدان لاالہ الااللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ فیقولان قد کنا نعلم انک تقول ھذا ثم یفسح لہ فی قبرہ سبعون ذراعاً فی سبعین ثم ینور لہ فیہ ثم یقال لہ نم فیقول ارجع الی اھلی فاخبرھم فیقولان نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیہ حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک وان کان منافقا قال سمعت الناس یقولون قولا فقلت مثلہ لا ادری فیقولان قد کنا نعلم انک تقول ذالک فیقال للارض التئمی علیہ فتلتئم علیہ فتختلف اضلاعہ فلا یزال فیھا معذبا حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک'' ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مردے کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔ جن کا رنگ کالا ہوتا ہے اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ پس اسے کہتے ہیں کہ تو اس شخص یعنی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ پس وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ اور رسول ہے اور کلمہ شہادت پڑھتا ہے تو اسے کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا۔ پھر اس کی قبر کو ستر در ستر ہاتھ فراخ کر دیا جاتا ہے اور اس کی قبر کو منور کر دیا جاتا ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے سو جا پس وہ کہتا ہے میں اپنے اہل وعیال کی طرف جاتا ہوں اور ان کو خبر دیتا ہوں وہ کہتے ہیں تو ایسے سو جا جیسے دلہن سوتی ہے جسے گھر کے سب سے زیادہ محبوب بندے کے سوا یعنی خاوند کے سوا کوئی نہیں جگاتا۔ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے روز اسی جگہ سے کھڑا کرے گا اور اگر منافق ہو تو کہتا ہے میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا سو میں نے بھی اسی طرح کہہ دیا۔ پس کہتے ہیں ہم جانتے تھے تو یہی کہے گا۔ پس زمین کو کہا جاتا ہے کہ تو اس پر مل جا۔ پس زمین اس پر مل جاتی ہے اور اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ پس وہ ہمیشہ اس میں معذب رہے گا حتی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اسی جگہ سے کھڑا کرے گا۔ (رواہ الترمذی ج ۱ ص ۲۲۷، مشکوۃ ص ۲۵)

(ف) اس حدیث کا ایک ایک لفظ دلالت کرتا ہے کہ قبروں میں پڑے ہوئے اجسام عنصریہ سے سوال ہوتا ہے اور انہیں عذاب وراحت دی جاتی ہے۔ مثلاً حدیث کا پہلا جملہ ''اذا اقبر المیت'' جب میت کو دفن کیا جاتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں ظاہر ہے کہ دفن تو جسد کیا جاتا ہے نہ کہ روح کو پھر لفظ میت کا استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا اطلاق روح اور جسد کے مجموعہ پر بھی ہوتا ہے اور صرف جسد پر بھی ہوتا ہے۔ صرف روح مجرد کو میت نہیں کہا جاتا اور ''حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک'' کا جملہ دال ہے کہ عذاب وراحت وہاں ہو رہا ہے جہاں سے مردے نے قیامت کے روز اٹھنا ہے اور یہ تو یقینی بات ہے کہ مردے انہیں قبروں سے اٹھیں گے۔ لہٰذا ثابت

ہوا کہ عذاب وراحت بھی انہیں قبروں میں ہے فیقال الارض سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کارروائی انہیں قبروں میں ہوتی ہے۔ جوز مین میں ہیں پھر یہ فرمانا کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ عذاب جسد عنصری کو دیا جاتا ہے۔ کیونکہ پسلیاں بھی جسد کی ہوتی ہیں اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ نم یعنی سوجا تو یہ سونا بھی جسد کے اندر متحقق ہوسکتا ہے۔ کیونکہ روح سوتی نہیں بلکہ وہ تو جنت کی سیر وسیاحت میں مشغول رہتی ہے۔ البتہ جسد کے ساتھ یہ سب کچھ بہ تعلق روح ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۰: ''عن جابر عن النبی ﷺ قال اذا دخل المیت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فیجلس یمسح عینیه ویقول دعونی اصلی'' ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے سورج غروب ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پس وہ بیٹھتا ہے اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ و میں نماز پڑھ لوں۔ (رواہ ابن ماجہ، مشکوۃ ص ۲۶)

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی کارروائی میت سے متعلق ہوتی ہے۔ کیونکہ حدیث کے لفظ ہیں: ''اذا دخل المیت فی القبر'' پس جسد عنصری میت میں داخل ہے۔ المیت کا مفہوم اس کو شامل ہے۔ کیونکہ میت کا اطلاق جسد عنصری پر ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۱: ''عنه قال کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا له بالتثبیت فانه الآن یسأل'' ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دفن میت سے فارغ ہوجاتے تو وہاں ٹھہر جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو یقیناً اس سے ابھی سوال کیا جائے گا۔ (رواہ ابوداؤد مشکوۃ ص ۲۶)

(ف) اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں جس کو ابھی دفن کیا گیا ہے اسی سے ابھی سوال ہونے والا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے استغفار کرو اور ثابت قدمی کی دعا بھی کرو اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری کو ہی دفن کیا گیا ہے۔ لہٰذا جسد عنصری سوال میں شامل ہے۔ نیز اس حدیث میں بھی لفظ میت وارد ہوا ہے جس کا اطلاق بھی جسد عنصری پر ہوتا ہے اور لفظ دفن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوال وجواب مدفون سے ہوتا ہے اور مدفون بھی جسد عنصری ہے اور یہ سب کچھ روح کے تعلق سے ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲: ''عن ابی سعید قال خرج النبی ﷺ لصلوۃ فرأی الناس کانهم یکتشرون قال اما انکم لو اکثرتم ذکر هاذم اللذات لشغلکم فانه لم یأت علی القبر یوم الا تکلم فیقول انا بیت الغربة وانا بیت الوحدة وانا بیت التراب الدودة واذا دفن العبد المؤمن قال له القبر مرحباً واهلاً اما ان کنت لاحب من یمشی علی ظهری الیّ فاذ ولیتک الیوم وصرت الیّ فستریٰ صنیعی بک قال فیتسع له مد بصره ویفتح له باب الی الجنة واذا دفن العبد الفاجر او الکافر قال له القبر لا مرحباً ولا اهلاً اما ان کنت لابغض من یمشی علی ظهری الیّ فاذ ولیتک الیوم وصرت الیّ فستری صنیعی بک قال فیلتئم علیه حتی تختلف اضلاعه قال وقال رسول اللہ ﷺ باصابعه فادخل بعضها فی جوف بعض قال ویقیض له سبعون تنیناً لو ان واحداً منها نفخ فی الارض ما انبت شیئاً ما بقیت الدنیا فینهسنه ویخدشنه حتی یفضی به الی الحساب قال وقال رسول اللہ ﷺ انما القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار'' (رواہ الترمذی مشکوۃ ص ۴۵۷)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ نماز کے لئے تشریف لائے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ کھلا کھلا کر ہنس رہی تھی اور ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو کثرت سے یاد کرو تو جو حالت میں دیکھ رہا ہوں وہ پیدا نہ ہو لہٰذا موت کو کثرت سے یاد کرو قبر پر کوئی ایسا دن نہیں گزرتا جس میں وہ یہ آواز نہ دیتی ہو کہ میں بیگانگی کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، مٹی کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مومن قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ قبر کہتی ہے تیرا آنا مبارک، بہت اچھا کیا تو آ گیا جتنے آدمی میری پیٹھ پر چلتے تھے تو ان سب میں مجھے زیادہ پسند تھا آج تو میرے اندر آیا ہے تو میرے بہترین سلوک کو دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ قبر جہاں تک مردے کی نظر پہنچ سکے وہاں تک وسیع ہو جاتی ہے اور ایک دروازہ اس میں جنت کا کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوا اور خوشبوئیں اسے آتی رہتی ہیں اور جب کوئی بدکار قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے تیرا آنا نامبارک برا کیا جو تو آیا۔ میری پیٹھ پر جتنے آدمی چلتے تھے ان سب میں تجھ ہی سے مجھے زیادہ نفرت تھی۔ آج تو میرے حوالہ ہوا ہے تو میرے برتاؤ کو بھی دیکھ لے گا۔ اس کے بعد اس طرح سے اسے دباتی ہے کہ پسلیاں آپس میں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور ستر اژدھے اس پر مسلط ہو جاتے ہیں کہ اگر ایک بھی زمین پر پھونک ماردے تو اس کے اثر سے زمین پر گھاس تک باقی نہ رہے وہ اسے قیامت تک ڈستے رہتے ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا گڑھا۔

(ف) حدیث بالکل واضح ہے تشریح کی ضرورت نہیں ہے قبر کی ہر کاروائی میں جسد عنصری شریک اور سہیم ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۳: ''عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ قال رجل لم یعمل خیرا قط لاهله وهی روایة اسرف رجل علی نفسه فلما حضره الموت اوصی بنیه اذا مات فحرقوه ثم اذروا نصفه فی البر ونصفه فی البحر فواللہ لئن قدر اللہ علیه لیعذبنه عذابا لایعذبه احدا من العالمین فلما مات فعلوا ما امرهم فامر اللہ البحر فجمع ما فیه و امر البر فجمع ما فیه ثم قال له لم فعلت هذا قال من خشیتک یا رب و انت اعلم فغفر له۔ متفق علیه'' (مشکوٰۃ ص ۲۰۷، نسائی ج ۱ ص ۲۲۶، بخاری ج ۱ ص ۴۹۵، مسلم ج ۲ ص ۳۵۶، ۳۵۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص جس نے کبھی نیکی نہیں کی تھی مرتے وقت اپنے اہل کو وصیت کر گیا کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دینا اور آدھی راکھ کو دریا میں بہا دینا اور آدھی راکھ کو جنگل میں اڑا دینا خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگی اور گرفت فرمائی تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ ایسا عذاب کسی کو بھی نہیں دیا۔ پس جب وہ مر گیا تو انہوں نے اس کے حکم کے مطابق اس کو جلا دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا اس کے ذرات کو جمع کیا اور جنگل کو حکم دے کر اس کے ذرات کو جمع کیا اور پوچھا کہ ایسا تو نے کیوں کیا تھا اس نے کہا اے رب تو جانتا ہے یہ سب کچھ تیرے ڈر کی وجہ سے کیا پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

(ف) یہ حدیث مسلک اہل سنت کی تائید میں نص کی حیثیت رکھتی ہے جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ عالم قبر و برزخ کی جزا و سزا میں جسد عنصری بالکل شامل ہوتا ہے اور دکھ و سکھ میں شریک حیات۔

حدیث نمبر ۱۴: ''عن ابن عباس قال ضرب بعض اصحاب النبی ﷺ خباءه علی قبر وهؤلاء یحسب انه قبر فاذا فیه انسان یقرء سورة تبارک الذی بیده الملک حتی ختمها فاتی النبی ﷺ فاخبره فقال النبی ﷺ هی المانعة هی المنجیة تنجیه من عذاب اللہ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب مشکوة ص ۱۸۸)'' ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعض اصحاب نے ایک قبر پر خیمہ لگا دیا

حالانکہ انہیں معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے اچانک کوئی شخص قبر کے اندر سورۃ ملک پڑھنے لگا اور اسے ختم کیا صحابی نے حضور اکرم ﷺ کو واقعہ کی خبر دی آپ نے فرمایا کہ یہ سورۃ عذاب قبر سے اور اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

(ف) یہ حدیث حیات قبر یعنی قبر کی زندگی کی واضح دلیل ہے مزید تشریح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۵: ''عن عائشة قالت كنت ادخل بيتي الذى فيه رسول الله ﷺ وانى اوضع ثوبى واقول انما هو زوجى وابى فلما دفن عمر معهم فوالله ما دخلته الا وانا مشدودة علىّ ثيابى حياء من عمر (رواه احمد مشكوة ص ۱۵۴، مسند احمد ج ۷ ص ۲۸۸)'' ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں جب میں اپنے حجرہ میں داخل ہوتی جس میں رسول اللہ ﷺ مدفون تھے تو میں اپنے پردہ کی چادر اتار کر جاتی تھی اور کہتی تھی کہ ایک میرا خاوند ہے اور دوسرا باپ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیونکہ وہ بھی وہاں دفن ہو چکے تھے۔ پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے تو میں پردہ والی چادر اپنے اوپر لپیٹ کر جاتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کرتے ہوئے۔

(ف) مشکوۃ شریف کے حاشیہ پر اسی حدیث کی شرح میں بحوالہ لمعات یہ لکھا ہے ''اوضح دليل على حياة الميت وعلى انه ينبغى الاحترام الميت عند زيارته مهما امكن لاسيما الصالحون'' یہ روایت حیات میت پر واضح دلیل ہے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ بوقت زیارت حتی المقدور میت کا احترام کیا جائے خصوصاً صالحین کا۔

حدیث نمبر ۱۶: ''عن عمرو بن العاص قال لابنه وهو فى سياق الموت اذا انا مت فلا تصحبنى نائحة ولا نار فاذا دفنتمونى فشنوا علىّ التراب شنا ثم اقيموا حول قبرى قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى استأنس بكم واعلم ماذا اراجع به رسل ربى۔ (رواه مسلم ج ۱ ص ۷۶، مشكوة ص ۱۴۹)'' ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمانے لگے جب میں مر جاؤں میرے جنازہ کے ساتھ بین کرنے والی عورت بھی نہ ہو اور آگ بھی نہ ہو اور جب مجھے دفن کر چکو اور میرے اوپر مٹی ڈال لو تو میری قبر کے اردگرد اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تمہارے ساتھ مانوس ہو کر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کے سوال کا جواب معلوم کر سکوں۔

(ف) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ انہیں قبروں میں جہاں اجساد عنصریہ مدفون ہیں۔ نکیرین آتے ہیں اور میت سے سوال وجواب کرتے ہیں اور یہی میت کو جزا وسزا دی جاتی ہے اور قبر کے اردگرد کھڑے ہو کر میت کے حق میں دعا کرنے والوں کی دعا سے میت مانوس ہوتی ہے۔

میت کے انس کو صحابی رسول ﷺ نے واضح لفظوں میں ثابت کیا ہے اور یہ حیات قبر کی بہت بڑی وزنی دلیل ہے۔

بہرحال یہ ایک صحابی کا نظریہ وعقیدہ ہے جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی ہوگی تو لازماً اس وقت کچھ لوگ موجود ہوں گے اور وہ صحابہ یا پھر تابعین ہوں گے۔ کیونکہ ان ہی کا دور تھا ان سب نے صحابی رسول ﷺ کے عقیدہ ونظریہ کو سنا۔ لیکن کسی نے نکیر نہیں فرمائی۔ اعتراض نہیں کیا کہ صحابی رسول ﷺ بھول گیا ہے۔ کیونکہ اس قبر میں حساب نہیں ہوتا حساب تو روح کی قبر میں ہوتا ہے۔ یعنی علیین یا سجین میں جزا وسزا بھی وہاں ہوتی ہے جسد عنصری سے حساب نہیں لیا جاتا بلکہ مثالی سے لیا جاتا ہے۔ جسد عنصری میں نہ حیات ہوتی ہے نہ انس ہوتا ہے۔ یہ تو بالکل بے حس اور بے شعور ہوتا ہے سب کچھ روح اور جسد مثالی کے ساتھ ہوتا ہے۔

یقین جانئے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے عقیدہ پر کسی ایک نے وصیت سننے والوں میں سے نکیر نہیں

فرمائی۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد والے لوگوں میں نکیر کا عام رواج تھا جو بات ان کے مسلک کے خلاف ہوتی فوراً نکیر فرماتے۔ دیکھو جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے قلیب بدر والی حدیث بیان فرمائی جس میں سماع موتی کا ثبوت ہے۔ چونکہ یہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کے اس وقت کے نظریہ کے خلاف تھی تو فوراً نکیر فرمائی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھولتے ہیں اس قسم کی کئی مثالیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ الغرض اس دور میں نکیر کا رواج عام تھا۔ لیکن حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر وصیت سننے والوں نے نکیر نہیں فرمائی۔

پس معلوم ہوا کہ وصیت سننے والے سب کے سب اسی عقیدہ ونظریہ کے قائل تھے۔ اسی لئے تو سکوت فرمایا اور نکیر نہ فرمائی۔ پھر وصیت کے مطابق ان کی قبر پر دعا کرائی گئی تو دفن کے وقت صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا جتنا مجمع موجود تھا تو سب نے وصیت کو سنا اور اس پر عمل ہوتا ہوا دیکھا لیکن انہوں نے بھی نکیر نہیں فرمائی بلکہ سکوت کرکے تصدیق کردی۔ پس معلوم ہوا کہ بوقت دفن جتنے صحابہ وتابعین موجود تھے سب کا یہی عقیدہ ونظریہ تھا۔ اگر کسی کا نظریہ حضرت عمرو بن عاص کے خلاف ہوتا تو وہ ضرور نکیر فرماتا۔

پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت اور ان کا یہ عقیدہ خیر القرون میں روایت ہوتا رہا۔ اس کی نقل چلتی رہی۔ لیکن خیر القرون کے دور میں کسی ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے حیات قبر کا عقیدہ سن کر نکیر نہیں فرمائی۔ معلوم ہوا کہ خیر القرون کے تمام لوگوں کا یہی عقیدہ ونظریہ تھا کہ قبر میں میت کو حیات حاصل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے سوال وجواب بھی ہوتا ہے اور ثواب وعقاب بھی۔ اگر کوئی شخص اس عقیدہ کا قائل نہ ہوتا تو اس پر نکیر ضرور کرتا۔

پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت وصیت اور حیات قبر کا عقیدہ محدثین مفسرین اور فقہاء و متکلمین تک پہنچا۔ لیکن کسی نے ان کے عقیدہ حیات قبر پر نکیر نہیں فرمائی۔ بلکہ سب کے سب نے اس قسم کی بیسیوں آیات اور احادیث کو سامنے رکھ کر حیات قبر کا عقیدہ تسلیم کیا اور قبول کیا۔ چنانچہ محدثین کرام نے انہیں آیات اور احادیث کے پیش نظر اثبات عذاب قبر کے ابواب قائم کئے ہیں اور مفسرین کرام ''یثبت اللہ الذین آمنوا'' وغیرہ آیات کے تحت عقیدہ عذاب قبر وحیات قبر کی حدیثیں جمع کیں اور متکلمین اسلام نے عقائد کی کتابوں میں لکھا کہ ''اعادۃ الروح فی القبر حق عذاب قبر حق سوال المنکر والنکیر حق'' اور فقہاء کرام نے فقہ کی کتابوں میں یہ عقیدہ تسلیم کیا ''ومن یعذب فی القبر فیوضع فیہ نوع من الحیات''

پس معلوم ہوا کہ اسلام کی پوری چودہ سوسالہ تاریخ میں کوئی ایسا اہل علم نہیں گزرا جس نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت و وصیت پر اور اس کے عقیدہ حیات پر نکیر فرمائی ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خیر القرون سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا عقیدہ حیات قبر پر اتفاق اور اجماع چلا آرہا ہے اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت اس عقیدہ پر برہان قاطع ہے۔

<u>حدیث نمبر ۱۷</u>: حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث جس میں مومن اور کافر کی موت کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ اس میں مومن کے بارے میں یہ ارشاد بھی مذکور ہے ''حتی ینتھی بھا الی السماء السابعۃ فیقول اللہ اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منھا خلقتکم وفیھا اعیدھم ومنھا اخرجھم تارۃ اخری فتعاد روحہ فی جسدہ فیأتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک الحدیث'' ترجمہ: مومن کی روح کو پھر آسمان پر پہنچایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کا نام ونامہ اعمال علیین میں درج کردو اور اسے

زمین کی طرف لوٹا دو کیوں کہ میں نے ان کو زمین سے پیدا کیا اور اسی زمین میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ نکال لوں گا۔ پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھلا کر من ربک الخ سوال کرتے ہیں۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۸، مشکوٰۃ ص ۲۵، ۱۴۲، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۱، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷)

(ف) یہ حدیث اعادہ روح پر قطعی الدلالۃ ہے۔ اور روح و جسد عنصری دونوں کے معذب و منعم ہونے پر نص ہے۔ سو فیصد محدثین اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اسناد کے متعلق مفصل بحث تسکین الصدور میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱۸: مسلم شریف کی روایت ہے کہ جب فرشتے مومن کی روح نکال کر آسمان کی طرف جاتے ہیں تو آسمان والے فرشتے اس روح کو مندرجہ ذیل الفاظ سے دعا دیتے ہیں: ''صلی اللہ علیک وعلی جسدک کنت تعمرینہ'' یعنی اے پاکیزہ روح تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور تیرے جسد پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں جس کی تعمیر و تدبیر تو دنیا میں کرتی رہی۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

(ف) حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی روح کو آسمان کے فرشتے دعا دیتے ہیں کہ اے پاکیزہ روح تجھ پر بھی اللہ کی رحمتیں اور تیرے جسد عنصری پر بھی رحمتیں نازل ہوں جس کو تو نے دنیا میں آباد کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد مومن فرمانبردار کی روح اور جسد عنصری دونوں پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان نامعلوم الکیفیت تعلق قائم کیا جاتا ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

حدیث نمبر ۱۹: ''عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال المیت تحضرہ الملائکۃ فاذا کان الرجل صالحاً قالوا اخرجی ایتھا النفس الطیبۃ کانت فی الجسد الطیب، اخرجی حمیدۃ وابشری بروح وریحان ورب غیر غضبان فلا یزال یقال لہ حتی تخرج ثم یعرج بھا الی السماء فیفتح لھا فیقال من ھذا فیقولون فلان فیقال مرحبا بالنفس الطیبہ کانت فی الجسد الطیب ادخلی حمیدۃ وابشری بروح وریحان ورب غیر غضبان فلا یزال یقال لہ ذالک ینتھی بھا الی السماء التی فیھا اللہ عزوجل وذا کان الرجل سوء قال اخرجی ایتھا النفس الخبیثۃ کانت فی الجسد الخبیث اخرجی ذمیمۃ ابشری بحمیم وغساق وآخر من شکلہ ازواج فلا یزال یقال لھا ذالک حتی تخرج ثم یعرج بھا الی السماء فلا یفتح لھا فیقال من ھذا فیقال فلان فیقال لا مرحبا بالنفس الخبیثۃ کانت فی الجسد الخبیث ارجعی ذمیمۃ فانھا لا تفتح لک ابواب السماء فیرسل بھا من السماء ثم تصیر الی القبر'' (ابن ماجہ ص ۳۲۴)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مرنے والے کے پاس ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ پس اگر مرنے والا شخص نیک صالح ہو تو اس کو ملائکہ کہتے ہیں کہ اے پاک جسد میں رہنے والی پاک روح قابل تعریف ہو کر باہر نکل تجھے رحمت و ریحان اور رضائے الٰہی کی خوشخبری ہو۔ ہمیشہ اسے یہ باتیں کہی جاتیں ہیں یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جاتا ہے اور اگر مرنے والا شخص بدکار ہو تو اسے کہا جاتا ہے اے خبیث جسد میں رہنے والی خبیث روح قابل مذمت ہو کر نکل تجھے گرم پانی اور پیپ کی اور اس قسم کے دوسرے عذابوں کی خوشخبری ہو، اسے ہمیشہ یہ باتیں کہی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی روح باہر نکل آتی ہے۔ پھر اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور کہا جاتا ہے

کون ہے؟ جواب دیا جاتا ہے کہ فلاں ہے پھر کہا جاتا ہے جسد خبیث میں رہنے والی روح خبیث کو کوئی مرحبا نہیں تو قابل مذہب ہو کر واپس چلی جا پھر اسے آسمان سے نیچے پھینکا جاتا ہے اور وہ قبر کی طرف جاتی ہے۔

(ف) یہ حدیث بھی اہل سنت والجماعت کے مسلک کی پوری پوری تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں لفظ میت وارد ہوا ہے اور جسد عنصری میت کے اطلاق میں شامل ہے۔ پھر حدیث میں ''الرجل الصالح والرجل السوء'' کے الفاظ موجود ہیں۔ جس کے مفہوم میں جسد عنصری داخل ہے۔ پھر اس حدیث میں نیک آدمی کے روح اور جسد عنصری دونوں کو طیب کہا گیا ہے اور بدکار آدمی کے روح اور جسد عنصری دونوں کو خبیث کہا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جزا و سزا کے حقدار اور سزاوار ہیں اور یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

حدیث نمبر ۲۰: ''ان النبی ﷺ قال ان المیت لیعذب ببکاء الحی وفی روایۃ المیت یعذب فی قبرہ بما نیح علیہ'' ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا یقیناً میت کو زندوں کے رونے اور نوحہ کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۲)

(ف) اس حدیث میں المیت یعذب کے الفاظ موجود ہیں جن کا معنی ہے میت کو یقیناً عذاب دیا جاتا ہے اور میت کے اطلاق میں جسد عنصری شامل ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بھی جسد عنصری کی جزا و سزا کی دلیل ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ میت کو عذاب کس وجہ سے ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مؤقف یہ ہے کہ زندوں کے بین و نوحہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا موقف یہ ہے کہ زندوں کی نوحہ خوانی سے نہیں بلکہ میت کو اپنی بداعمالی کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ بہر حال عذاب کی وجہ جو بھی ہو، میت کو عذاب ضرور ہوتا ہے یعنی عذاب میت میں کوئی اختلاف نہیں، وجہ خواہ کوئی بھی ہو۔

حدیث نمبر ۲۱: ''عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ان کان من اهل الجنۃ فمن اهل الجنۃ وان کان من اهل النار فمن اهل النار فیقال هذا مقعدک حتی یبعثک اللہ یوم القیامۃ'' ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ شخص بہشتی ہے تو بہشت کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اور اگر وہ شخص جہنمی ہے تو جہنم کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن یہاں سے اٹھائے گا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۴)

(ف) اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں ہر شخص کو اپنا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے بہشتی کو بہشت کا ٹھکانہ اور جہنمی کو آگ کا ٹھکانہ اور کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تجھ کو قیامت کے دن اٹھائے گا یہ تیرا ٹھکانہ ہوگا۔ کیونکہ قیامت کے دن یقیناً جسد عنصری نے اٹھنا ہے۔ لہٰذا یہ ٹھکانہ بھی صبح و شام جسد عنصری پر پیش کیا جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قبر و برزخ کی جزا و سزا میں جسد عنصری شریک ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۲: بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جب مومن آدمی سے قبر میں حضور اکرم ﷺ کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اور مومن آدمی صحیح صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کو کہا جاتا ہے نم صالحا یعنی مزے سے سوجا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۹)

(ف) علماء اہل سنت والجماعت قبر کی زندگی اور قبر کی جزا و سزا کو اقرب الاذہان کرنے کے لئے جو خواب کی مثال دیتے ہیں۔ اس کی بنیاد یہی حدیث ہے جس طرح عالم خواب میں روح جسد سے باہر ہونے کے باوجود جسد

کو اپنے ہمراہ محسوس کرتی ہے اور عالم خواب کے دکھ دسکھ سے دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ اسی طرح عالم برزخ وقبر میں روح جسد سے نکلنے کے باوجود جسد عنصری کو اپنے ہمراہ محسوس کرتی ہے اور وہاں کے دکھ دسکھ کو دونوں محسوس کرتے ہیں۔ البتہ عالم قبر کی زندگی اور خواب کی دنیا کی زندگی اور دنیا کے خواب پر پورا پورا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا کی زندگی اور دنیا کا خواب محسوس ہوتا ہے لیکن قبر کی زندگی اور قبر کا خواب، ہمارے لئے غیر محسوس ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اس عالم کی زندگی اور خواب کی اطلاع دی ہے اس لئے اس پر ایمان ضروری ہے۔

حدیث نمبر ۲۳: ''ان ابن عمر اخبرہ قال اطلع النبی ﷺ علی اهل قلیب فقال وجدتم ما وعد کم ربکم حقا فقیل له تدعوا اموا تأ قال ما انتم باسمع منهم فلکن لا یجیبون وعن عائشة قالت انما قال النبی ﷺ انهم لیعلمون الآن ان ما کنت اقول لهم حق وقد قال الله انک لا تسمع الموتی'' ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ قلیب بدر (جس میں مشرکین کے مقتولین کی نعشوں کو پھینکا گیا تھا) والوں کو جھانک کر فرمایا تھا کہ میرے رب نے تمہارے ساتھ جو ذلت وشکست اور عذاب کا وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے وہ سچ کر پایا آپ کو کہا گیا، کیا آپ مردوں کو آواز دے رہے ہیں جس میں روح نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ اب جان رہے ہیں کہ میں ان کو جو کچھ کہتا ہوں وہ حق وسچ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے پیغمبر آپ موتی کو نہیں سنا سکتے۔ یعنی وہ کافر جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں آپ ان کو نہیں سنا سکتے۔ یعنی نہیں منوا سکتے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۳)

(ف) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے سماع میت ثابت ہے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے علم میت ثابت ہے سماع میت بھی میت کی حیات پر دلالت کرتا ہے اور علم وفہم میت بھی میت کی حیات پر دلالت کرتا ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے اندر اتنی حیات اور اتنا علم وشعور اور فہم وادراک پیدا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے میت دکھ دسکھ اور جزا وسزا کو محسوس کرتی ہے۔ مسند احمد کی روایت میں سیدہ سے یسمعون کے لفظ بھی مروی ہیں۔ بہر حال سیدہ میت کے علم وفہم اور شعور وادراک کی قائل ہے۔ جیسا کہ خود بخاری کی روایت سے بھی ظاہر ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ''باب ماجاء فی عذاب القبر یعنی حیات القبر'' میں لایا ہے اور بخاری شریف کے حاشیہ پر بحوالہ قسطلانی لکھا ہے کہ یہ حدیث حیات قبر پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بہت بڑے زاہد وعابد صحابی تھے صوم وصلوٰۃ کے ساتھ وہ بڑی محبت رکھتے تھے اور عبادات میں اتنے منہمک رہتے تھے کہ اپنے جان کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے بیوی کی طرف بھی خیال نہیں جاتا تھا اور کسی دوست ومہمان کی طرف بھی التفات نہ فرماتے تھے حضور اکرم ﷺ کو ان کی کثرت عبادت کا علم ہوا آپ ﷺ نے بلا کر فرمایا کہ کچھ دیر قیام کیا کر اور کچھ دیر آرام کیا کر۔ کبھی نفلی روزہ رکھ لیا کر اور کبھی افطار بھی کر لیا کر۔ کیونکہ ''فان لجسدک علیک حقا وان لعینک علیک حقا وان لزورک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا'' یعنی تجھ پر تیرے جسد کا حق ہے، تیری آنکھوں کا حق ہے، تیرے ملاقاتی کا حق ہے، تیری بیوی کا حق ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۰۵)

(ف) حضور اکرم ﷺ کی زبان فیض ترجمان نے فرمادیا کہ جسد عنصری کا حق ہے۔ لہٰذا اس کو کسی عالم میں اپنے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا میں بھی جسد عنصری حق دار ہے اور قبر و برزخ میں بھی حقدار ہے اور آخرۃ میں بھی حقدار ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جسد عنصری ہر عالم میں جزاو سزا کا حقدار ہے۔

حدیث نمبر ۲۵: ''قد روی ابن منده عن ابن عباس انه قال یختصم الناس یوم القیامة حتی تختصم الروح مع الجسد فتقول الروح للجسد انت فعلت ویقول الجسد للروح انت امرت و انت سولت فیبعث الله ملکا یفصل بینهما فیقول لهما ان مثلکما کمثل رجل مقعد بصیر والآخر ضریر دخلا بستانا فقال المقعد للضریر انی اراههنا ثمارا ولکن لا اصل الیها فقال له الضریر انی اری ههنا ثمارا ولکن لا اصل الیها فقال له الضریر ارکبنی فتناولها فرکبه فتناولها فایهما المعتدی فیقولان کلاهما فیقول لهما الملک فاکنا قد حکمتما علی انفسکما یعنی ان الجسد للروح کالمطیه وهو راکبه'' ترجمہ: محدث ابن منده نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے مخاصمات اس قدر طول پکڑ جائیں گے کہ روح اور جسد بھی آپس میں جھگڑا کریں گے روح جسد کو کہے گا جو کچھ ہوا تو نے کیا اور جسد کہے گا کہ سب کچھ تیرے حکم سے ہوا اور تو نے منصوبے بنائے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجیں گے وہ فرشتہ ان دونوں کے سامنے ایک مثال بیان کرے گا کہ کسی باغ میں دو شخص داخل ہوئے لیکن دونوں معذور تھے ایک اندھا تھا جس کو کچھ نہ آتا تھا دوسرا لنگڑا اپاہج جو چلنے کے قابل نہ تھا دونوں کی خواہش تھی کہ پھل توڑیں اور کھائیں لیکن ہر شخص بوجہ معذوری کے پھل نہ توڑ سکتا تھا۔ چنانچہ اندھے نے لنگڑے سے کہا کہ تو نے میرے اوپر سوار ہو کر پھل توڑ لے۔ پس ایسا کیا گیا پھر فرشتے نے پوچھا بتاؤ مجرم اور چور کون؟ وہ کہیں گے دونوں! فرشتہ کہے گا تم نے اپنا فیصلہ خود کر لیا۔ پس اندھا بمنزلہ سواری کے ہے اور روح بمنزلہ سوار کے ہے یعنی جس طرح اندھے اور لنگڑے کے اشتراک عمل سے چوری سرزد ہوئی اسی طرح روح اور جسد کے اشتراک عمل سے چوری سرزد ہوئی۔ اسی طرح روح اور جسد کے اشتراک عمل سے نیکی یا برائی وجود میں آئی۔ لہٰذا یہ دونوں جزاو سزا کے حق دار اور سزاوار ہیں اور یہی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۳، کتاب الروح ص ۲۵۱)

حدیث نمبر ۲۶: ''اخرج ابن ابی الدنیا فی البعث وابو الشیخ فی السنة والحاکم فی الکنی والبیهقی فی کتاب عذاب القبر والاصفهانی فی الحجة وغیرهم عن عمر قال قال لی رسول الله ﷺ یا عمر کیف انت اذا کنت فی اربعة اذرع من الارض فی ذراعین ورأیت منکرا ونکیرا فقلت یا رسول الله ﷺ وما منکر ونکیر قال فتانا القبر یبحثان القبر بانیا بهما ویطاءن فی اشعارهما اصواتهما کالرعد القاصف والبصارهما کالبرق الخاطف معهما مزربة لو اجتمع علیها اهل منی لم یطیقوا رفعها هی الیسر علیهما من عصای هذه وبید رسول الله ﷺ عصیة یحرکها فامتحمناک فان تعابیت او تلویت ضرباک بها ضربة تصیر بها رمادا قلت یا رسول الله ﷺ وانا علی حالی هذا قال نعم قال اذن اکفیکهما کذا فی الکنز (ج ۸ ص ۱۲۱) واخرجه سعید ابن منصور نحوه حیات الصحابه (ج ۳ ص ۱۱) اخرج ابو داؤد فی البعث والحاکم فی التاریخ والبیهقی فی عذاب القبر عن عمر بن الخطاب مثله (شرح الصدور) وفی الترغیب للمنذری

ذکرہ بروایۃ احمد وفی لفظہ نعم کھیئتک الیوم فقال عمر بفیہ الحجر قال المنذری رواہ احمد والطبرانی باسناد جید (ترغیب ج ۴ ص ۱۸۳، احکام القرآن ج ۴ ص ۹۴) وفی الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان عن عبداللہ بن عمرو مثلہ الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان (ج ۵ ص ۴۷)''

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر تیرا کیا حال ہوگا جب تو زمین کی چار ہاتھ کی جگہ میں ہوگا جو دو ہاتھ چوڑی ہوگی اور منکر نکیر کو دیکھے گا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکر نکیر کون ہیں؟ فرمایا قبروں میں امتحان لینے والے فرشتے قبر کو اپنے دانتوں سے کریدیں گے اور ان کے بال پیروں تک لمبے ہوں گے ان دونوں کی آوازیں مانند سخت گرجنے والی بجلی کے ہوں گی اور ان دونوں کی آنکھیں مانند اچک لینے والی بجلی کی ہوں گی۔ ان کے پاس گرز ہوگا جو اتنا وزنی ہوگا کہ اگر منیٰ کے تمام باشندے اس کو اٹھانا چاہیں تو اس کو نہ اٹھا سکیں گے اور یہ گرز ان دونوں فرشتوں کے لئے اٹھانا ایسا آسان ہوگا جیسے میرا یہ عصا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک عصا تھا جس کو آپ ہلا رہے تھے وہ دونوں تیرا امتحان لیں گے اگر تو جواب سے عاجز آ گیا یا تو نے ذرا بھی انکار کیا تو تجھ کو اس گرز سے ایک ایسی مار ماریں گے جس کی وجہ سے تو راکھ ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی اسی حالت پر ہوں گا کیا میرا عقل و ہوش ٹھکانے ہوگا؟ آپ نے (ف) فرمایا ہاں تیرا عقل اور ہوش و حواس ایسے ہوگا جیسے آج ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تب تو میں ان دونوں کے لئے کافی ہوں یعنی پھر میرے لئے جواب دینا کوئی مشکل نہیں ہے۔

''وفی مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما مثلہ (مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۶۲) واخرج عبدالرزاق فی مصنفہ عن عمرو بن دینار مثلہ (مصنف عبدالرزاق ج ص ۵۸۳)'' یہ روایت احیاء علوم الدین للغزالی (ج ۴ ص ۵۰۳، اعلام الموقعین لابن قیم ج ۴ ص ۲۸۸، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۷، کتاب احوال القبور للحافظ ابن رجب ص ۱۲، میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ ص ۳۹۳، شرح فقہ اکبر لعلی قاری ص ۱۰۲، التذکرہ للقرطبی ص ۱۴۸، ریاض النضرہ ج ۲ ص ۳۴) میں بھی موجود ہے۔

(ف) یہ حدیث اس بات پر نص صریح ہے کہ قبر کے اندر میت میں ادراک شعور عقل اور سمجھ باقی رہتی ہے اور یہ سب باتیں حیات قبر کی دلیل ہیں ادراک شعور اور عقل نہ ہو تو منکرین کے سوالوں کو کیسے سمجھے گا اور کیا جواب دے گا پس قبر کے سوال و جواب کے لئے جتنے ادراک و شعور کی ضرورت ہوتی ہے۔ اتنا میت کو عطا کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ سب کچھ دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اس لئے اس پر اہل ایمان کا ایمان بالغیب ہے اہل ایمان کو اتنا یقین اپنی آنکھوں پر نہیں ہے۔ جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی بات پر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واضح طور پر موجود ہے۔ ''نعم کھیئتکم الیوم'' جیسے آج تمہارا عقل و ہوش باقی ہے اس طرح قبر میں بھی باقی ہوگا۔

حدیث نمبر ۲۷: ''عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا'' ترجمہ: حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبروں پر مت بیٹھو اور ان کی طرف رخ کر کے نماز بھی نہ پڑھو۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

حدیث نمبر ۲۸: ''عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر'' ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور

اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے پر بیٹھ جائے اور وہ انگارہ اس کا کپڑا جلا کر اس کے جسم تک پہنچ جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قبر کے اوپر بیٹھے۔ (رواہ مسلم ومشکوٰۃ ص ۱۴۸)

(ف) مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں دو کاموں سے منع کیا گیا ہے ایک تو قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے بت پرستوں سے مشابہت لازم آتی ہے اور دوسرا قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ صاحب قبر واجب الاحترام ہے اور قبر پر بیٹھنا اس کے احترام کے خلاف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قبر میں مدفون جسد عنصری احترام کا حقدار ہے اور اگر مجرم ہے تو پھر سزا کا حقدار بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۹: ''عن بریدۃ قال کان رسول اللہ ﷺ یعلمھم اذا خرجوا الی المقابر السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ'' ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ مسلمانوں کو سکھلایا کرتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو وہاں یہ کہیں ''السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسأل لنا ولکم العافیہ'' یعنی سلام ہو تم پر اے گھر والے مؤمنین اور مسلمین میں سے یقیناً ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم سے ضرور ملیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں۔ (رواہ مسلم ومشکوٰۃ ص ۱۵۴)

حدیث نمبر ۳۰: ''عن ابن عباس قال مر النبی ﷺ بقبور المدینۃ فاقبل علیھم بوجھہ فقال السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر'' ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو آپ ﷺ قبروں کی طرف منہ مبارک کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا ''السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم لنا سلف ونحن بالاثر'' یعنی اے قبروں والے تم پر سلام ہو تم ہم سے پہلے پہنچے ہوئے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے ہی والے ہیں۔

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

(ف) ان دونوں حدیثوں میں حضور اکرم ﷺ نے زیارۃ قبور کے آداب، سکھلائے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ تو اہل قبور کو مخاطب بنا کر ان کو سلام کرو اور دعا دو۔ حضور اکرم ﷺ کا اپنا معمول بھی یہی تھا اور صحابہ کرام کو بھی یہی تعلیم دی اہل قبور کو یہ سلام اگرچہ ایک قسم کی دعا ہے بصیغہ خطاب ہے اور خطاب میت حیات میت کی دلیل ہے۔ ورنہ خطاب بے سود ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''وھذا السلام والخطاب والنداء لموجود یسمع ویخطاب ویعقل ویرد وان لم یسمع المسلم الرد'' (کتاب الروح ص ۱۴، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸، احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۶) یعنی اس طریقہ سے سلام، خطاب اور نداء اس کے لئے ہوتا ہے۔ جس میں سننے سمجھنے اور جواب دینے کی صلاحیت موجود ہو اگرچہ سلام کرنے والا جواب کو سن نہیں سکتا۔ واضح رہے کہ انسان کو اگرچہ مردہ کیوں نہ ہو جمادات پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ انسان حیاً ومیتاً اشرف المخلوقات ہے اور جمادات ارذل ہیں۔ بہر حال پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اہل قبور کو سلام وخطاب کرنا حیات قبر کی بہت بڑی وزنی دلیل ہے اسی لئے تو علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں ''والسلف مجمعون علی ھذا'' یعنی سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے۔

حدیث نمبر ۳۱: ''عن سعید المریۃ قالت مر عمر بطلحۃ بعد وفات رسول اللہ ﷺ فقال مالک

کئیبا اسأتک امرۃ ابن عمک قال لا ولکن سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انی لاعلم کلمۃ لایقولھا احد عند موتہ الا کانت نور الصحیفۃ وان جسدہ وروحہ لیجدان لھا روحا عند الموت فلم اسأل حتی توفی قال انا اعلم ھی التی ارادعمہ علیھا ولو علم ان شیئاً انجی لہ منہ لامرہ'' (ابن ماجہ ص ۲۷۷، مسند ابویعلی ج ۲ ص ۱۴)

ترجمہ: حضرت بی بی سعدی مریہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں حضرت عمر بن خطاب، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد گزرے کہا تجھے کیا ہے تو کیوں غمگین بیٹھا ہے۔ کیا تجھے اپنے چچازاد بھائی کی خلافت ناپسند ہے؟ کہا نہیں اور لیکن میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا تھا آپ فرماتے تھے میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جو شخص بھی اس کو موت کے وقت پڑھ لے تو وہ اس کے صحیفہ کا نور ہوگا اور بوقت موت اس کی روح اور جسد دونوں راحت وآرام پائیں گے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ وفات پاگئے اور میں وہ کلمہ آپ سے پوچھ نہ سکا۔ اس لئے غمگین بیٹھا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں وہ کلمہ جانتا ہوں اور یہی کلمہ تو ہے جو آپ نے اپنے چچا ابو طالب پر پیش کیا تھا اور آپ چاہتے تھے کہ آپ کا چچا یہ کلمہ پڑھ لے اور اس سے اگر زیادہ نجات دہندہ کلمہ کوئی اور ہوتا تو حضور علیہ السلام اسی کا حکم کرتے یعنی وہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے۔

(ف) حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مرتے وقت کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لے تو اس کی روح اور جسد عنصری دونوں کو راحت، سکون اور آرام نصیب ہوتا ہے۔ پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ موت اور موت کے بعد والی جزا وسزا روح اور جسد عنصری دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا آپس میں تعلق ہوتا ہے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۲: ''عن عثمان انہ کان اذا وقف علی قبر بکی حتی یبل لحیتہ فقیل لہ تذکر الجنۃ والنار فلاتبکی وتبکی من ھذہ فقال ان رسول اللہ ﷺ قال ان القبر اول منزل من منازل الآخرۃ فان نجا منہ فما بعدہ ایسر منہ وان لم ینج منہ فما بعدہ اشد منہ قال وقال رسول اللہ ﷺ ما رأیت منظرا قط الا والقبر افظع منہ''

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو (خوف خدا سے) اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی (آنسوں سے) تر ہوجاتی ان سے کہا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس قبر کو دیکھ کر روتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے۔ لہٰذا جس نے اس منزل سے نجات پائی اس کو اس کے بعد آسانی ہے اور جس نے اس منزل سے نجات نہیں پائی اس کو اس کے بعد سخت دشواری ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کبھی کوئی منظر قبر سے زیادہ سخت نہیں دیکھا۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ ص ۳۲۵، مشکوٰۃ ص ۲۶)

(ف) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسی زمین والی قبر پر جہاں اجساد عنصریہ دفن ہیں کھڑے ہوکر روتے تھے معلوم ہوتا ہے انہیں ارضی قبروں میں اجساد عنصریہ کو جزا وسزا دی جاتی ہے۔ کیونکہ ارواح کا ان سے تعلق ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۳: ''عن جابر قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ الی سعد بن معاذ حین توفی فلما صلّی علیہ رسول اللہ ﷺ ووضع فی قبرہ وسوی علیہ سبح رسول اللہ ﷺ فسبحنا طویلا ثم فکبر فکبرنا فقیل یا رسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ'' ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہم حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ ان کے جنازہ

پر گئے جب حضور اکرم ﷺ ان کی نماز جنازہ پڑھ چکے تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتار کر مٹی برابر کر دی گئی۔ پھر حضور اکرم ﷺ کافی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے اور ہم نے بھی تسبیح پڑھی۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے تکبیر پڑھی اور ہم نے بھی تکبیر پڑھی۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے تسبیح اور تکبیر کیوں پڑھی فرمایا اس بندہ صالح پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری تکبیر و تسبیح کی وجہ سے اسے کشادہ کر دیا۔

(رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۲٦ ومثلہ عن ابن عمر فی النسائی)

(ف) جس قبر میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جسد عنصری اتارا گیا وہی قبر تنگ ہوگئی۔ اسی قبر پر حضور ﷺ نے تسبیح و تکبیر پڑھی۔ آپ کی تسبیح و تکبیر و دعا کی برکت سے یہی قبر کشادہ ہوگئی۔ قبر کی اس ابتدائی تنگی کو **ضغطہ** قبر کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص **ضغطہ** قبر سے نجات پاتا تو حضرت سعد نجات پاتے۔ اسی لئے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے ''ضغطة القبر حق'' یعنی قبر کا **ضغطہ** برحق ہے اس کی توجیہہ جو بھی ہو بہر حال قبر کا **ضغطہ** حیات قبر کی دلیل ہے۔ کیونکہ بغیر کسی قسم کی حیات کے مردہ **ضغطہ** کو کیسے محسوس کرتا ہے۔ پس جس طرح عذاب وثواب قبر کے لئے حیات شرط ہے۔ اسی طرح **ضغطہ** قبر کے لئے بھی حیات شرط ہے اور ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۳۴: ''عن ابی ایوب قال خرج رسول اللہ ﷺ بعد ما غربت الشمس فسمع صوتا فقال یهود تعذب فی قبورها'' ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ غروب شمس کے بعد باہر تشریف لائے اور آواز سنی۔ پس فرمایا کہ یہودیوں کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۸٦)

(ف) ظاہر ہے کہ جن قبروں میں یہودیوں کے اجساد عنصریہ مدفون تھے وہاں سے آپ ﷺ نے عذاب کی آواز سنی اور فرمایا کہ یہودیوں کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بھی عذاب قبر یعنی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۳۵: ''انها سمعت عائشة زوج النبی ﷺ قالت انما مر النبی ﷺ علی یهودیة یبکی علیها اهلها فقال انهم یبکون علیها وانها لتعذب فی قبرها'' ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور اکرم ﷺ کا ایک یہودی عورت پر یا یہودی مرد پر گزر ہوا (جو کہ قبر میں دفن ہوگیا تھا) اور اس کے رشتہ دار اس پر رورہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ اس پر رورہے ہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۲)

(ف) حضور اکرم ﷺ کا گزر یہودی کی مردہ لاش یعنی جسد عنصری پر ہوا جو کہ قبر میں دفن ہو چکا تھا اسی مردہ لاش یعنی جسد عنصری کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی کو قبر میں عذاب دیا جارہا ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جسد عنصری جزا وسزا میں شامل ہوتا ہے اور یہی عذاب قبر حیات قبر کی دلیل ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ آپ ﷺ کا گزر اس وقت ہوا کہ ابھی یہودی کی میت دفن نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ باہر پڑی تھی تو پھر بھی اہل سنت والجماعت کے مدعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اسی مردہ لاش کی عذاب کی اطلاع دی ہے خواہ وہ دفن ہو چکی تھی یا ابھی دفن نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال عذاب تو اسی مردہ لاش کو ہو رہا تھا جس پر آپ ﷺ کا گزر ہوا اور وہ جسد عنصری ہی ہے۔ مردہ لاش کے باہر ہونے کی صورت میں بھی ''انها لتعذب فی قبرها'' کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ پس موت کے بعد اور دفن سے پہلے جو عذاب دیا جاتا ہے۔ اس کو مجازاً یا تغلیباً عذاب قبر کہہ دیا جاتا ہے۔ ''فلا اشکال فیه فافهم''

حدیث نمبر ۳٦: ''انه سمع جابر بن عبداللہ عنهما یقول لما اراد معاویة ان یجری الکظامة قال من

کان لہ قتیل فلیات قتیلہ یعنی قتلی احد فاخرجھم رطابا یتثنون قال فاصابت المسماۃ رجل رجل منھم فانفطرت دما فقال ابو سعید لا ینکر بعد ھذا منکر ابداً'' ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہاڑ احد کے دامن میں نہر کھودنے کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمایا کہ شہداء احد میں سے اگر کسی کا وہاں شہید دفن ہو تو وہ نکال لے پس شہداء کی لاشوں کو نکالا گیا ان کے جسم تروتازہ اور نرم نرم تھے فرمایا کھدائی کے دوران ایک شہید (سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ) کے پاؤں پر لوہے کا پھاوڑا لگا پس اس سے خوب بہنے لگا۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی منکر اس کا (حیات قبر کا) انکار نہیں کر سکے گا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۴۸، تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۷۰، بحوالہ بیہقی و ابن سعد حیات الصحابہ ج ۳ ص ۸۵۲)

(ف) یہ روایت حیات قبر کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ شہداء کرام کے اجساد عنصریہ میں دیکھنے والوں نے حیات کے آثار دیکھے۔ حالانکہ ان کی وفات کی اس وقت تک چالیس سال سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ یاد رہے کہ حیات کا موجود ہونا خرق عادت نہیں وہ بحکم قانون خداوندی ہر شہید کو ملتی ہے۔ لیکن عامۃ الناس کو نظر نہیں آتی۔ پس اس نہ نظر آنے والی زندگی کو کبھی کبھی دیکھ لینا کرامت اور خرق عادت ہے اور نفس حیات وہ تو قانون کے تحت ہے بہرحال حیات کا موجود ہونا اور بات ہے اور دنیا والوں کے سامنے اس کا ظہور بالکل اور بات ہے۔ اوّل الذکر قانون ہے اور ثانی الذکر کرامت ہے اور دونوں میں فرق ہے۔

حدیث نمبر ۳۷: ''ان عمر بن الجموع و عبداللہ بن عمرو الانصاریین ثم المسلمین کانا قد حضر السیل من قبریھما و کان قبر اھما مما یلی السیل و کانا فی قبر واحد وھما ممن استشھد یوم احد فحضر عنھما لیغیرا من مکانھما فوجدا لم یتغیر کانھما ماتا بالامس و کان احدھما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وھو کذالک فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت و کان بین احد و بین یوم حفر عنھما ستۃ و اربعون سنۃ'' ترجمہ: حضرت عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو انصاری سلمی رضی اللہ عنہ جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے ان کی قبر کو پانی کے بہاؤ نے اکھیڑ دیا تھا اور ان کی قبر پانی کے بہاؤ کے قریب تھی اور دونوں ایک قبر میں دفن تھے تو قبر کی کھودائی گئی تا کہ ان کی لاشیں نکال کر دوسری جگہ دفن کریں دیکھا تو ان کی لاشیں ویسی ہی ہیں جیسے وہ شہید ہوئے تھے گویا کل مرے ہیں ان میں سے ایک شخص کو زخم لگا تھا تو اس نے اپنے ہاتھ زخم پر رکھ لیا تھا جب ان کو دفن کرنے لگے تو ہاتھ وہاں سے ہٹایا گیا مگر ہاتھ پھر وہیں آلگا جب ان کی قبر کھودی گئی تو جنگ احد کو چھیالیس برس گزر چکے تھے۔ (موطا امام مالک ص ۴۸۲، ۴۸۳، حیات الصحابہ ج ۳ ص ۸۵۰، ۸۵۱، بحوالہ ابن سعد و زرقانی)

(ف) یہ روایت حیات قبر کی دلیل ہے کیونکہ شہداء احد کے اجساد عنصریہ میں حیات کے اثرات دیکھے گئے اور یہی اہل حق کا مسلک ہے۔

حدیث نمبر ۳۸: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ میت پر نماز جنازہ کی دعایوں بتاتے ہیں ''اللھم صعد روحہ فی السماء و وسع عن جسدہ الارض اللھم نور لہ فی قبرہ'' اے اللہ اس کے روح کو آسمان میں بلند فرما۔ زمین کو اس کے جسد عنصری سے وسیع فرما اس کی قبر کو منور فرما۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۹۰)

(ف) اس روایت میں روح کی بلندی کی علیحدہ دعا مانگی گئی ہے اور جسد عنصری کے لئے قبر کی فراخی کی علیحدہ دعا مانگی گئی ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی جزا وسزا میں یہ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ جس کی صحیح اور معقول

صورت یہی ہے کہ روح اور جسد عنصری کا تعلق جوڑا جاتا ہے جس کی کیفیت صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۹: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عذاب قبر کے متعلق تفصیلی حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں "فترسل من السماء الی القبر" یعنی جب برے آدمی کی روح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے تو اس کی روح کو آسمان سے قبر کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔ (مسند احمد ج ۷ ص ۲۰۲)

(ف) یہ حدیث اعادہ روح الی القبر کی نص صریح ہے چونکہ اس کو روایت کرنے والی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ لہٰذا ان کا اپنا مسلک بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ اعادہ روح کی قائل ہیں۔

حدیث نمبر ۴۰: "عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ قال یرسل علی الکافر حیتان واحدة من قبل راسه واخری من رجلیه تقرضانه قرضاً کلما افرغتا عادتا الی یوم القیامة" ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قبر میں) کافر پر دو سانپ چھوڑے جاتے ہیں۔ ایک اس کو سر سے کاٹنا شروع کرتا ہے اور دوسرا پاؤں سے۔ پس جب وہ دونوں ایک دفعہ کاٹنے سے فارغ ہوجاتے ہیں تو دوبارہ کاٹنا شروع کردیتے ہیں اور قیامت تک ایسا کرتے رہتے ہیں۔ (مسند احمد، ج ۷ ص ۲۱۹، ریاض السنن الشیخ محمد موسیٰ روحانی بازی ج ۲ ص ۲۳۲)

(ف) یہ حدیث بھی عذاب قبر یعنی حیات قبر کی دلیل ہے۔ جس کو دو سانپ سر اور پاؤں سے کاٹتے ہیں وہ جسد ہی ہے کیونکہ سر اور پاؤں اسی کے ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۱: "اخرج فی الاوسط عن ابی سعید الخدری قال کنت مع رسول اللہ ﷺ فی سفر وھو یسیر علی راحلته فنفرت فقلت یا رسول اللہ ﷺ ما شان راحلتک نفرت قال انها سمعت صوت رجل یعذب فی قبرہ فنفرت لذلک" ترجمہ: امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ کسی سفر میں تھا اور آپ اپنی سواری پر سوار تھے۔ پس آپ کی سواری بدکی، میں نے عرض کیا سواری کو کیا ہوگیا؟ کیوں بدکی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے سواری نے اس کی آواز سنی ہے اس لئے بدکی ہے۔ (ریاض السنن ج ۲ ص ۲۳۳)

(ف) حضور اکرم ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوکر اسی زمین پر سفر کر رہے تھے اور اسی زمین والی قبر میں عذاب ہو رہا تھا اور اسی عذاب کی آواز سن کر آپ کی سواری بدکی۔ چونکہ اس زمین والی قبروں میں اجساد عنصریہ ہی مدفون ہیں۔ لہٰذا یہ عذاب بھی جسد عنصری کو ہی ہو رہا تھا اور یہی عذاب قبر حیات قبر کی دلیل ہے۔ کیونکہ عذاب کے لئے حیات شرط ہے۔

حدیث نمبر ۴۲: "اخرج احمد والنسائی وابن خزیمه والبیهقی عن رافع قال مررت مع رسول اللہ ﷺ بالبقیع فقال اف اف فظننت انه یریدنی فقلت یا رسول اللہ ﷺ احدثت شیئا قال معاذ اک قلت اففت منی؟ قال لا ولکن صاحب ھذا القبر فلان بعثه ساعیا علی بنی فلان فغل دعا فدرع الآن مثلها من النار" ترجمہ: حضرت ابو رافع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ بقیع کے قبرستان سے گزرا آپ ﷺ نے فرمایا۔ اف اف میں نے گمان کیا کہ آپ مجھے اف اف کہہ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول مجھ سے کیا ہوا؟ کہ آپ مجھے اف اف یعنی افسوس افسوس فرما رہے تھے آپ نے فرمایا میں تجھے نہیں کہہ رہا۔ لیکن اس قبر والے فلاں شخص کو میں نے (وصولی کے لئے) ساعی بنا کر بھیجا تھا پس اس نے ایک درع چرالی تھی اب وہ درع اس پر آگ بن گئی ہے اس لئے میں اس قبر والے شخص کو اف اف کہہ رہا ہوں۔ (ریاض السنن ج ۲ ص ۲۳۴)

(ف) حضور اکرم ﷺ کا گزر جنت البقیع کے قبرستان سے ہوا جہاں اجساد عنصریہ مدفون ہیں۔ اسی جسد عنصری پر آپ نے آگ کی درع دیکھی اور افسوس کیا۔ پس معلوم ہوا کہ جسد عنصری قبر کی جزا وسزا میں شریک ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۴۳: ''اخرج ابویعلی والا جری وابن منده عن ابی هریرة عن رسول الله ﷺ قال المؤمن فی قبره فی روضة ویرحب له قبر سبعون ذراعا وینور له کالقمر لیلة البدر اتدرن فیم نزلت هذه الآیة وان له معیشة ضنکا قالوا الله ورسول اعلم قال عذاب الکافر فی قبره والذی نفسی بیده انه یسلط علیه تسعة وتسعون تنینا ینفخون فی جسمه ویلسعونه ویخدشونه الی یوم القیامة'' ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی قبر میں ایسے ہوتا ہے جیسے باغ میں ہو اور اس کی قبر ستر ہاتھ فراغ ہو جاتی ہے اور اس کی قبر چودھویں کے چاند کی مانند منور کر دی جاتی ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ''وان له معیشة ضنکا'' کس میں نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس آیت میں کافر کے لئے عذاب قبر کا بیان ہے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یقینا کافر پر قبر میں ننانوے اژدھا مسلط کئے جاتے ہیں جو اس کے جسم میں پھونک مارتے ہیں اس کو ڈنگ مارتے ہیں اور اس کو نوچتے ہیں۔ قیامت تک ایسا ہوتا رہتا ہے۔ (ریاض السنن ج ۲ ص ۲۳۲، التذکرۃ للقرطبی ص ۱۵۲)

(ف) اس حدیث میں جسم کی تصریح موجود ہے کہ قبر میں مدفون جسد عنصری پر بڑے سانپ مسلط کئے جاتے ہیں جو اس میں پھونک مارتے ہیں اور اس کو ڈستے ہیں اور نوچتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ قبر و برزخ کی جزا وسزا میں جسد عنصری بھی شامل ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۴۴: ''اخرج الطبرانی فی الاوسط وابن ابی الدنیا فی کتاب القبور وابن منده عن ابن عمر قال بینما اسیر بنجنبات بدر اذ خرج رجل من حفرة فی عنقه سلسلة فنادانی یا عبدالله اسقنی فلا ادری ءاعرف اسمی او دعانی بدعایة العرب وخرج رجل من تلک الحفرة فی یده سوط فنادانی یا عبدالله لا تسقه فانه کافر ثم ضربه بالسوط حتی عاد الی حفرة فاتیت النبی ﷺ فاخبرته فقال لی او قد رأیته؟ قلت نعم ذاک عدو الله ابو جهل وذاک عذابه الی یوم القیامة'' ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں میدان بدر کے کنارے سے گزر رہا تھا اچانک گڑھے سے ایک شخص نکلا اس کی گردن میں زنجیر تھی۔ پس مجھے آواز دی اے عبداللہ مجھے پانی پلا۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ میرا نام جانتا تھا یا عرب کے دستور کے مطابق مجھے یا عبداللہ اے اللہ کے بندے کہا اور اس گڑھے سے ایک اور شخص نکلا۔ اس کے ہاتھ میں چابک تھا۔ اس نے مجھے آواز دی۔ اے عبداللہ اس کو پانی مت پلا۔ کیونکہ یہ کافر ہے پھر اس کو کوڑے مار کر گڑھے میں واپس لے گیا۔ پس میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور سارا ماجرا سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کو دیکھا میں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابوجہل تھا قیامت تک اس کے ساتھ ایسا ہوتا رہے گا۔

(ریاض السنن ج ۲ ص ۲۳۳ کتاب الروح ص ۹۳، ۹۴، التذکرۃ للقرطبی ص ۱۵۴، حیات الصحابہ ج ۳ ص ۸۴۲)

(ف) اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جسد عنصری عالم قبر و برزخ کی جزا وسزا میں شریک رہتا ہے۔

حدیث نمبر ۴۵: ''عن انس بن مالک قال کنا مع رسول الله ﷺ فدخل دار من دور بنی النجار فخرج الینا منتقعا لونه فقال من اهل هذه القبور قالوا ماتوا فی الجاهلیة قال ثم اقبل علینا فقال تعوذوا بالله من

عذاب القبر فو الذی نفسی بیدہ لقد رآیت ابدانھم یعذبون فی قبورھم'' ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بنی نجار کے کسی دار میں تھے آپ ہمارے پاس تشریف لائے۔ جب کہ آپ پر ناگواری کے اثرات نمایاں تھے آپ نے فرمایا یہ قبروں والے کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں مرنے والوں کی قبریں ہیں۔ پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑو۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ یقیناً میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے جسموں کو قبروں میں عذاب دیا جارہا ہے۔ (مسند ابویعلی ج ۷ ص ۲۷۸)

(ف) اس حدیث میں تصریح ہے کہ انہی قبروں میں اجساد عنصریہ کو عذاب ہورہا ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لہٰذا یہ حدیث عذاب قبر یعنی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۴۶: ''عن علی ان رسول اللہ ﷺ قال یوم الخندق حبسونا عن صلوٰۃ الوسطی صلوٰۃ العصر ملاء اللہ بیوتھم و قبورھم نارا'' ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے جنگ خندق کے دن فرمایا کہ مشرکین نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز سے روکے رکھا لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۶۳، مسند ابویعلی ج ۱ ص ۳۱۴، ۳۱۵)

(ف) چونکہ مشرکین نے جنگ خندق کے موقع پر اتنا سخت حملہ کیا کہ جس کے دفاع کی وجہ سے مسلمانوں کی عصر کی نماز فوت ہوگئی جو بعد میں قضاء کی گئی تو آپ ﷺ کو نماز عصر کے فوت ہوجانے کا بڑا صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے مشرکین کو بددعا دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے۔ کیونکہ انہوں نے نماز عصر قضا کرادی۔ بیوتھم سے یہ دنیا والے گھر ہیں اور قبورہم سے مراد یہی قبریں ہیں جن میں اجساد عنصریہ دفن کئے جاتے ہیں۔ پس یہ حدیث عذاب قبر یعنی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۴۷: ''عن عائشۃ انھا قالت کان رسول اللہ ﷺ کلما کان لیلتھا من رسول اللہ ﷺ یخرج آخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم مومنین و اتانا و ایاکم ماتوعدون غدا موجلون و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد'' ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں جس رات حضور اکرم ﷺ کی میرے پاس رہنے کی باری ہوتی تھی تو آپ رات کے آخری حصہ میں جنت البقیع کے قبرستان میں چلے جاتے تھے اور فرماتے تھے اے قوم مؤمنین کے گھر والے تم پر سلام ہو ہمارے اور تمہارے پاس کل قیامت کا وعدہ آنے والا ہے جس کی بھی ہمیں مہلت دی گئی ہے اور بے شک ہم آپ کے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اے اللہ بقیع الغرقد والوں کی مغفرت فرما۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۲۷، مسلم ج ۱ ص ۳۱۳ ص ۳۱۴ و مثلہ فی الموطا امام مالک ص ۲۲۴)

(ف) آپ حضور اکرم ﷺ کی دعا کے الفاظ میں غور فرمائیں آپ فرماتے ہیں ''اللھم اغفر لاھل البقیع الغرقد'' اے اللہ بقیع الغرقد والوں کی بخشش فرما ظاہر ہے کہ جنت البقیع کے قبرستان میں اجساد عنصریہ ہی مدفون تھے جن کے لئے آپ ﷺ دعا مغفرت فرمارہے ہیں۔ پس اجساد عنصریہ کے لئے دعا مغفرت ان کی حیات کی دلیل ہے اور مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''ان ربک یامرک ان تاتی اھل البقیع فتستغفر لھم'' یعنی اے پیغمبر آپ کو آپ کا رب حکم فرماتا ہے کہ بقیع والوں کے پاس جائیں اور ان کے لئے استغفار کریں۔ ظاہر ہے کہ اہل بقیع اجساد عنصریہ ہیں۔

حدیث نمبر ۴۸: ''عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا مررتم بقبورنا وقبورکم من اھل الجاھلیۃ فاخبروا ھم انھم فی النار'' ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم زمانہ جاہلیت کی قبروں سے گزرو خواہ وہ ہمارے قبیلہ کے ہوں یا تمہارے قبیلہ کے ان کو کہو کہ تم جہنمی ہو۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۱۰۵)

(ف) اہل دنیا کا انہی قبروں پر گزر ہوتا ہے جس میں اجساد عنصریہ دفن ہیں اور حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب تم ان قبروں سے گزرو تو ان کو کہو کہ تم جہنمی ہو پس معلوم ہوا کہ جسد عنصری جزا و سزا میں شریک ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۴۹: ''عن سعید بن المسیب ان زید ابن خارجۃ الانصاری ثم من بنی الحارث بن الخزرج توفی زمن عثمان بن عفان فسجی بثوبہ ثم انھم سمعوا جلجلۃ فی صدرہ ثم تکلم ثم قال احمد احمد فی الکتاب الاوّل صدق صدق ابوبکر الصدیق الضعیف فی نفسہ القوی فی امر اللہ فی الکتاب الاوّل صدق صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الکتاب الاوّل صدق صدق عثمان بن عفان علی منھاجھم الخ (حیات الصحابہ ج ۳ ص ۸۴۲ بحوالہ بیھقی، حاکم، طبرانی، ابن ابی الدنیا، البدایہ والنھایہ باسانید صحیحہ ورجال ثقات)'' ترجمہ: سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت زید بن خارجہ انصاری جو بعد میں بنی حارث میں آبسے تھے حضرت عثمان بن عفان کے زمانہ میں وفات دیئے گئے تو یہ ایک کپڑے میں ڈھانپ دیئے گئے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گنگناہٹ ان کے سینے میں سنی۔ پھر انہوں نے کلام کیا اور کہا احمد احمد اللہ کی پہلی کتاب میں ہے۔ سچ کہا سچ کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو فی نفسہ کمزور تھے اور اللہ کے معاملہ میں انتہائی قوی، اللہ کی پہلی کتاب میں اسی طرح ہے۔ سچ کہا سچ کہا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جو قوی اور امین تھے۔ اللہ کی پہلی کتاب میں اسی طرح ہے۔ سچ کہا سچ کہا عثمان بن عفان نے جو ان حضرات کے طریقہ پر ہیں۔ الخ

(ف) حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ دونوں باپ بیٹا حضور اکرم ﷺ کے صحابی ہیں۔ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں، جب کہ ان کے والد ماجد جنگ احد کے شرکاء میں سے ہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مرنے کے بعد کلام کرنا محدثین کے ہاں مشہور بات ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے حالات میں لکھتے ہیں: ''ذکرہ البخاری وغیرہ انہ الذی تکلم بعد الموت'' یعنی بخاری وغیرہ محدثین نے ذکر کیا ہے کہ یہ وہ صحابی ہیں جس نے مرنے کے بعد کلام کیا ہے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ج ۱ ص ۵۶۵، ج ۲ ص ۲۴) امام ابن عبدالبر لکھتے ہیں ''وھو الذی تکلم بعد الموت لا یختلفون فی ذالک'' حضرت زید بن خارجہ وہ ہیں جس نے مرنے کے بعد کلام کیا اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ ص ۵۶۱ برہامش الاصابۃ)

حضرت زید بن خارجہ کا موت کے بعد کلام کرنا چونکہ اسانید صحیحہ سے مروی ہے۔ لہٰذا یہ حیات قبر کی واضح دلیل ہے۔ یاد رہے کہ میت کا کلام کرنا سوالوں کے جواب دینا اور عذاب کی وجہ سے آہ وفغاں کرنا وغیرہ امور قانون خداوندی کے تحت ہیں۔ اس لئے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں یہ باب قائم کر کے اپنا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ ''باب قول المیت وھو علی الجنازۃ'' یعنی میت کا چارپائی پر باتیں کرنا۔ پھر حدیث قدموني سے اپنے عقیدہ کو مدلل فرمایا ہے بہرحال عالم قبر و برزخ میں یہ سب امور قانون انہی کے تابع ہیں۔ البتہ بعض اوقات ان امور کا دنیا والوں کے لئے ظاہر ہو جانا بے شک خرق عادت ہے اور بندہ عاجز کا استدلال اس قسم کے واقعات کے

موجود ہونے پر مبنی ہے نہ کہ ان کے ظہور پر۔

حدیث نمبر ۵۰: ''قد ذکر الحافظ ابن عساکر فی ترجمة عمرو بن جامع من تاریخه ان شابا کان یتعبد فی المسجد فهویته امرأة فدعته الی نفسها فمازالت به حتی کاد یدخل معها المنزل نذکر هذه الآية ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا فاذاهم مبصرون فخر مغشیا علیه ثم آفاق فاعادها فمات فجاء عمر فعزی فیه اباه وکان قد دفن دلیلا فذهب فصلی علی قبره لمن معه ثم ناداه فقال یافتی ولمن خاف مقام ربه جنتان فاجابه الفتی من داخل القبر یا عمر قد اعطانیها ربی فی الجنة مرتین'' ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نوجوان مسجد میں بکثرت عبادت کرتا تھا۔ پس ایک عورت اس پر فریفتہ ہوگئی اس کو اپنے نفس کی طرف بلایا اور ہمیشہ اس کو ورغلاتی رہی حتی کہ قریب تھا کہ وہ شخص اس عورت کے گھر میں داخل ہوجائے لیکن قرآن مجید کی یہ آیت اس کے ذہن میں آئی اور اس کی تلاوت شروع کی۔ یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں۔ جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ پس وہ نوجوان بے ہوش ہوکر گر گیا پھر ہوش آیا تو اسی آیت کا اعادہ کیا پس جان بحق ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے باپ کے پاس گئے اور اس کی تعزیت کی۔ چونکہ اس نوجوان کو رات میں دفن کیا گیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکے اس لئے اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں نماز جنازہ پڑھی اور جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے انہوں نے بھی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان کو آواز دی اے نوجوان جو شخص اپنے رب کی پیشی کا خوف کرتا ہے اس کو دو باغ ملتے ہیں، نوجوان نے قبر سے جواب دیا اے عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باغ دے دیئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۹، حیات الصحابہ ج ۳ ص ۸۴۱ بحوالہ حاکم، بیہقی کنز العمال، ابن عساکر)

(ف) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسی قبر پر تشریف لے گئے جس میں اس نوجوان کا جسد عنصری مدفون تھا اسی پر آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔ اسی کو آواز دی اس قبر سے نوجوان نے جواب دیا کہ اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باغ عطا کردیئے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ عالم قبر و برزخ کی جزا و سزا میں جسد عنصری شریک ہوتا ہے۔ پس یہ روایت حیات قبر کی صریح دلیل ہے ایسے امور کا ظہور خرق عادت ہے اور ان کا وجود قانون الٰہی کے تحت ہے۔

حدیث نمبر ۵۱: ''قال حیث مامررت بقبر کافر فبشره بالنار'' ترجمہ: حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ تو جب کسی کافر کی قبر سے گزرے تو اس کو آگ کی بشارت دینا۔ چنانچہ وہ اعرابی ساری زندگی اپنی یہ ڈیوٹی ادا کرتا رہا۔

(معرفۃ الصحابہ ج ۱ ص ۴۲۰، ابن ماجہ بزاز وطبرانی رجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۸)

(ف) یہ اعرابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق انہیں قبروں پر جاکر جن میں کافروں کے اجساد عنصریہ مدفون تھے ان کو آگ کی خوشخبری دیتا رہا۔ کیونکہ علیین وسجین میں تو کسی انسان کی قبل از موت رسائی ممکن نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا انہیں قبروں میں مردہ انسان کو جزا و سزا دی جاتی ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

حدیث نمبر ۵۲: ''عن عمرو بن حزم قال رانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی قبر فقال لاتوذ صاحب هذا القبر او لا تؤذه'' ترجمہ: حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ میں قبر پر تکیہ لگانے والا تھا۔ آپ نے فرمایا اس قبر والے کو یا اس قبر کو تکلیف نہ دے۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

(ف) حضور اکرم ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں میں مدفون اجسادِ عنصریہ کو تکلیف اور ایذاء محسوس ہوتی ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ و مسلک ہے۔

حدیث نمبر ۵۳: ''عن ابی قتادة بن ربعی انه کان یحدث ان رسول اللہ ﷺ مر علیه بجنازة فقال مستریح او مستراح منه قالوا یا رسول اللہ ﷺ ما المستریح وما المستراح منه قال العبد المؤمن یستریح من نصب الدنیا واذاها الی رحمة اللہ والعبد الفاجر یستریح منه العباد والبلاد والشجر والدواب'' ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر ایک جنازہ گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مستریح ہے یا مستراح منہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ مستریح کسے کہتے ہیں اور مستراح منہ کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بندہ مومن مستریح ہے یعنی جب مرجاتا ہے تو دنیا کی تکلیفوں اور اذیتوں سے نجات پاکر اللہ تعالیٰ کی رحمت میں راحت پاتا ہے اور بندہ فاسق مستراح منہ ہے جب وہ مرجاتا ہے تو لوگوں کو بستیوں کو اور درختوں اور جانوروں کو اس سے راحت ملتی ہے۔ (موطا امام مالک ص ۲۲۴)

(ف) اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے مومن بندہ کو مستریح یعنی دنیا کی مشقتوں سے نجات حاصل کرکے اللہ کی رحمت میں راحت پانے والا بتایا ہے تو معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد مومن آدمی کا جسد عنصری بھی راحت اور سکون پاتا ہے کیونکہ آپ نے جسد عنصری کو مستریح بتایا ہے۔

حدیث نمبر ۵۴: ''قال ابو امامة ایها الناس انکم قد اصبحتم وامسیتم فی منزل تقتسمون فیه الحسنات والسیئات وتوشکون ان تظعنوا منه الی منزل آخر وهو هذا یشیر الی القبر بیت الوحدة وبیت الظلمة وبیت الدود وبیت الضیق الا ما وسع اللہ ثم تنتقلون منه الی منزل آخر الحدیث'' ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی، صحابی رسول ﷺ دمشق میں کسی میت کی نماز جنازہ سے فارغ ہوکر لوگوں کو یوں نصیحت فرماتے ہیں اے لوگو تم صبح شام اپنے ان دنیا کے گھروں میں رہتے ہوئے نیکیاں اور برائیاں اکٹھی کررہے ہو اور عنقریب تم ایک دوسرے گھر میں چلے جاؤ گے اور گھر یہی قبر ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے اسی قبر کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ گھر وحدت کا گھر ہے، اندھیروں کا گھر ہے اور کیڑوں کا گھر ہے اور تنگی کا گھر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جس کے لئے وسیع کردے پھر تم وہاں سے ایک دوسری منزل کی طرف منتقل ہوجاؤ گے اور وہ آخرت کی منزل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۰۸)

(ف) صحابی رسول ﷺ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگو تم نے انہیں زمین والی قبروں میں جانا ہے اور اسی میں ساری حساب وکتاب کی کارروائی ہونی ہے۔ یہی قبر بندوں پر تنگ ہوجاتی ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے وسیع فرمادیتے ہیں اور یہی وحدت وظلمت کے گھر ہیں اور اسی میں کیڑے اور مکوڑے عذاب کا ذریعہ بنتے ہیں اور یہی عقیدہ اہل سنت کا ہے اور قبر کی یہ کارروائی قبر کی خاص قسم کی زندگی کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۵۵: اہل علم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مختلف نماز جنازوں میں مختلف دعائیں پڑھی ہیں ان میں سے یہ مندرجہ ذیل کلمات بھی پڑھنا آپ سے ثابت ہے۔ ''اللهم عبدک ابن عبدک ابن امتک'' یعنی اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا بیٹا ہے تیری باندھی کا بیٹا ہے۔

آپ ﷺ کے یہ دعائیہ کلمات ایسے ہیں کہ روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر صادق آتے ہیں روح مجرد پر ان کا اطلاق کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کی دعا مغفرت روح اور جسد عنصری دونوں

کے لئے ہوتی ہے۔لہٰذا یہ دونوں مغفرت اور رحمت کے حقدار ہیں اور حصہ دار ہیں اور یہی مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے۔ نیز نماز جنازہ کی دعاؤں میں آپ ﷺ یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔''اللھم برد مضجعه و وسع مدخله'' مضجعه کا معنی ہے میت کے لٹانے کی جگہ اور مدخل کے معنی میت کے داخل کرنے کی جگہ۔یعنی اے اللہ اس کے لٹانے کی جگہ کو ٹھنڈا فرما اور اس کے داخل ہونے والی جگہ کو وسیع فرما۔حضور اکرم ﷺ کے یہ دعائیہ جملے جسد عنصری کے لئے موزوں ومناسب ہیں اور اسی زمین والی قبر پر صادق آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ جسد عنصری کو قبر کے وسیع اور ٹھنڈے ہونے کی وجہ سے راحت وسکون نصیب ہوتا ہے۔ ورنہ اس دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ عالم قبر اور برزخ کی کارروائی میں روح کے ساتھ جسد عنصری شریک ہوتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان مجہول الکیفیت تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے دونوں ثواب وعقاب کا مورد بنتے ہیں اور رنج وراحت میں شریک حیات ہے۔

حدیث نمبر ۵۶: ''عن عائشة قالت لما مات النجاشي كنا نتحدث انه لا يزال يرىٰ على قبره نور'' ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حبشہ کا نجاشی بادشاہ فوت ہوا تو وہاں سے ہمیں یہ اطلاع ملتی رہی کہ ہمیشہ اس کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۹)

(ف) جس قبر میں حبشہ کے بادشاہ کو دفن کیا گیا تھا اسی قبر پر انوار کی ایسی بارش ہوتی تھی۔جس کو وہاں کے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور یہی خبریں مدینہ منورہ تک پہنچتی رہیں جن کو یہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرما رہی ہیں ظاہر ہے کہ قبر میں جسد عنصری تھا جس پر انوار نازل ہو رہے تھے اور دیکھنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔اب سوال یہ ہے کہ ان انوار کے نزول کا علم واحساس جسد عنصری کو ہو رہا تھا تو یہ اس کی حیات قبر کی دلیل ہے اور اگر صاحب قبر کو اس چیز کا کوئی علم واحساس نہیں ہے تو اس کا کیا فائدہ؟ بہر حال اس قبر پر انوار کا نزول قبر کی زندگی کی دلیل ہے۔ واضح رہے کہ یہ خبر امام ابوداؤد کے نزدیک اتنی مصدقہ ہے کہ انہوں نے اپنی سنن میں یہ باب قائم کیا ہے''باب في النور يرى عند قبر الشهيد''یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شہید کی قبر پر نور دیکھا گیا اور یہی امام ابوداؤد کا عقیدہ ہے۔ بین السطور لکھا ہے کہ نجاشی بادشاہ کو کسی درجہ کی شہادت نصیب ہوئی ہے۔اس لئے اس کو شہید کیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۵۷: حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے مشہور صحابی ہیں جنگ احد میں اوّلاً شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی رات کو بیوی سے قربت کی۔غسل جنابت کے لئے بیٹھے تو کانوں میں مسلمانوں کی شکست کی آواز پہنچی۔فوراً ہتھیار سنبھالے اور احد کے میدان میں پہنچے اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرما گئے۔ چونکہ جنبی تھے اور مسلمانوں کو اس کے جنبی ہونے کا علم نہ تھا اور شہید کی میت کو غسل نہیں دیا جاتا۔اگر شہید جنبی ہو تو غسل ضروری ہوتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعہ اس کی میت کے غسل کا انتظام فرمایا اس لئے اس کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:''فقال رسول اللہ ﷺ ان صاحبكم يعني حنظلة لتغسله الملائكة'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ملائکہ غسل دے رہے ہیں۔(حیات الصحابہ ج ۳ ص ۴۷۸ بحوالہ ابونعیم فی الحلیہ، ابن اسحاق فی المغازی، الاصابہ ج ۱ ص ۳۶۱، الحاکم وقال ہذا حدیث صحیح علی شرط مسلم حکایات صحابہ ص ۸۴، کاروان جنت مصنف مولانا محمد عبداللہ صاحب ص ۱۱۶)

(ف) معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی جسد عنصری اکرام واحترام کا حق دار ہے اسی لئے تو ملائکہ نے

جسد عنصری کو غسل دیا ورنہ غسل دینے سے کیا فائدہ؟ پس ثابت ہوا کہ عالم قبر و برزخ میں روح کے ساتھ ساتھ جسد عنصری کا بھی، اکرام واحترام ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۵۸: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد جنگ احد میں، شہید ہوئے، مشرکین نے اس کی لاش کا مثلہ کر دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی میت کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بار بار چادر کو منہ سے ہٹا دیتے تھے۔ ادھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی بھائی کی میت اور مثلہ کو دیکھ کر رو رہی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے روکا اور فرمایا ''فمازالت الملائکۃ تظلہ باجنحتھا'' فرشتے ہمیشہ سے اس پر اپنے پروں سے سایہ کر رہے تھے۔ (بخاری ج ا ص ۱۶۶، ۲، ۱۷۲، ۳۹۵، حیات الصحابہ ج ۳ ص ۷۸۶ بحوالہ شیخین)

(ف) شہید کے جسد عنصری پر ملائکہ کے پروں کا سایہ کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ شہید کا جسد عنصری اکرام واحترام کا حقدار اور حصہ دار ہے اور یہی ان کی حیات کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۵۹: حضرت عاصم رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں جو غزوہ رجیع میں شہید ہوئے۔ انہوں نے جنگ بدر میں مکہ کے ایک سردار کو قتل کیا تھا اور اس سردار کی ماں سلافہ نامی عورت نے منت مانی کہ میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی اور جو شخص مجھے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر لا کر دے گا تو میں اسے اتنا اتنا انعام دوں گی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اس عورت کی منت کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ شہید ہوتے وقت دعا کی کہ اے اللہ میرے سر کی حفاظت کرنا۔ جب شہید ہوئے تو کچھ لوگ انعام کی لالچ میں سر کاٹنے کے لئے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جسد عنصری پر شہد کی مکھیوں کا پہرہ لگا دیا۔ لوگوں نے کہا کہ رات کو سر کاٹ لیں گے لیکن رات کو زبردست بارش ہوئی اور زوردار سیلاب آیا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو بہا کر لے گیا۔

(حیات الصحابہ ج ۳ ص ۷۸۵، کاروان جنت ص ۱۱۹ حکایات صحابہ ص ۶۹)

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید کا جسد عنصری احترام واکرام کا حقدار ہے اور اللہ تعالیٰ شہداء کرام کے اجساد عنصریہ کے اکرام واحترام کے انتظامات غیب سے فرماتے ہیں اور یہ ان کی حیات کی دلیل ہے۔ ورنہ ایسے احترام کا کیا فائدہ؟

حدیث نمبر ۶۰: بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے جسد عنصری کو شہادت کے بعد آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۷، حیات الصحابہ ج ۳ ص ۸۵۳، بحوالہ بخاری، بیہقی، واقدی)

(ف) شہید کے جسد عنصری کی یہ تعظیم دلیل ہے اس بات کی کہ مومن بندوں کی عالم قبر و برزخ میں تعظیم وتکریم ہوتی ہے جس میں جسد عنصری شامل ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۶۱: احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے اور باقاعدہ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''فقال رسول اللہ ﷺ لقد نزل سبعون الف ملک شھدوا جنازۃ سعد او سریر سعد ما وطعوا الارض قبل الیوم'' حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر ستر ہزار ملائکہ نازل ہوئے جو اس سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوئے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں ''فقال والذی نفسی بیدہ لقد کانت الملائکۃ تحمل سریرہ'' حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یقیناً اس کی

چار پائی کو ملائکہ اٹھا رہے تھے۔(حیات الصحابہ ج ۳ بحوالہ ابن سعد، بزاز)''قال الھیثمی رواہ البزاز باسنادین ورجال احدھما رجال الصحیح''

نیز: یہ بات بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر کی مٹی سے مشک و کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں''اقتبض انسان من تراب قبر سعد ففتحھا فاذا ھی مسک وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ سبحان اللہ حتی عرفک ذالک فی وجھہ کذافی الکنز (ج ۸ ص ۴۱) وقال سندہ صحیح''ایک شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کی مٹی سے مٹھی بھر لی اور اس کو کھولا تو وہ کستوری کی طرح خوشبودار تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ! سبحان اللہ! اور اس کے اثرات آپ کے چہرہ انور سے محسوس ہو رہے تھے۔ (حیات الصحابہ ج ۳ ص ۸۵۲، بحوالہ ابونعیم وابن سعید)

(ف) اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جسد عنصری کی تعظیم وتکریم فرمائی کہ ستر ہزار فرشتے اس پر نازل فرمائے اور اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھول کر قبر کی مٹی کو کستوری کی طرح خوشبودار بنا دیا۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار سبحان اللہ پڑھا۔ اگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اپنی اس تعظیم وتکریم کا ادراک، علم اور شعور نہ ہو تو یہ ایک بے فائدہ سی بات بن جائے گی۔ جب کہ صاحب التعظیم کو پتہ بھی نہ ہو کہ میری تعظیم وتکریم ہو رہی ہے۔ قبر جنت کی خوشبو سے معطر ہو اور صاحب قبر کو علم بھی نہ ہو کہ میں جنت میں ہوں اور جنت کی خوشبو میں ہوں۔ آخر اس تعظیم وتکریم کا کیا فائدہ۔ کیا یہ سب کچھ لوگوں کے دکھانے کے لئے ہے؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ جس کی اتنی عزت ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنا ادراک وشعور رکھا ہے۔ جس سے وہ اپنی تعظیم وتکریم کو محسوس کرتا ہے اور اس میں اتنی حیات رکھی جاتی ہے۔ جس سے وہ سمجھتا ہے کہ میں جنت میں ہوں اور جس طرح دنیا والے اس کی قبر کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ جنت کی خوشبو وغیرہ سے متمتع ہوتا ہے جس کی صحیح اور معقول صورت یہ ہے کہ روح کا جسد عنصری سے تعلق ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے روح اور جسد دونوں دکھ وسکھ اور رنج و راحت کو محسوس کرتے ہیں اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور یہی کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

<u>حدیث نمبر ۶۲</u>: جنگ خیبر کے دوران ایک سیاہ فام حبشی بکریاں چراتا ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور فوراً جہاد میں شامل ہو گیا اور لڑتے لڑتے درجہ شہادت سے سرفراز ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے جسد عنصری کو خیمہ میں لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جسد عنصری کے پاس آئے اور فرمایا اس شہید کے سرہانے جنت کی دو حوریں بیٹھی ہیں جو اس کی بیویاں ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''ثم قال لقد رأیت زوجتیہ من الحور العین'' پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً میں نے اس کے پاس دو حوریں خوبصورت دیکھیں جو اس کی بیویاں ہیں۔ (زادالمعاد فی ہدی خیر العباد ج ۲ ص ۱۵۰، کاروان جنت ص ۱۲۷، ۱۲۸)

(ف) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچشم خود دیکھ رہے ہیں کہ شہید کے پاس جنت کی دو حوریں بیٹھی ہوئی ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ شہید کے اندر کسی قسم کی حیات نہیں ہے اور نہ ہی علم وشعور ہے اور نہ ہی کسی قسم کا ادراک وفہم ہے تو ایسے شخص کے پاس جنت سے سپیشل دو حوریں بھیج دینے کا کیا فائدہ؟ دلہا کو علم وخبر نہیں اور دلہنیں اس کے پاس بیٹھی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ شہید کے ساتھ جو بھی حسن سلوک ہوتا ہے اور اس کی جو بھی تعظیم وتکریم ہوتی ہے۔ وہ اس سب سے باخبر ہوتا ہے ان چیزوں کا اس کو پورا پورا ادراک وشعور ہوتا ہے۔ البتہ یہ چیزیں اکثر اہل دنیا سے پوشیدہ

رکھی جاتی ہیں۔ ہاں بعض اوقات اللہ تعالیٰ ان کو اہل دنیا پر ظاہر بھی فرما دیتے ہیں۔ علماء اہل سنت والجماعت کا استدلال اس قسم کے واقعات کے موجود ہونے سے ہے۔ کیونکہ اس قسم کے واقعات کا موجود ہونا اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت ہے۔ کیونکہ فرمانبردار کو انعام واکرام دینا اور اس کی تعظیم وتکریم کرنا قانون الٰہی ہے اور نافرمان کو سزا دینا اور اس کی توہین وتذلیل کرنا بھی قانون الٰہی ہے اور عالم قبر میں ہر مردہ کے ساتھ جزا وسزا کا یہ معاملہ اور کارروائی اسی اصول وقانون کے تحت ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔

البتہ عالم قبر میں موجود ہونے والی کارروائی کا اہل دنیا کے لئے کبھی کبھی ظاہر ہو جانا خرق عادت ہے اور کرامت۔ یہ فرق اس لئے واضح کیا جا رہا ہے کہ شاید کوئی ان سب واقعات کو کرامت اور خرق عادت کہہ کر گلو خلاصی کرنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اہل سنت والجماعت کا استدلال وجود سے ہے نہ کہ ظہور سے اور دونوں میں فرق واضح ہے۔ مثلاً بیت المقدس کا وجود حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے پہلے کا ہے اور حضور اکرم ﷺ کے وقت میں بھی موجود تھا اور اب بھی وہ موجود ہے۔ لیکن معراج کے موقع پر جب مشرکین مکہ نے بیت المقدس کی علامات کے متعلق سوالات کئے تو اللہ تعالیٰ نے مسافت بعیدہ کے باوجود بیت المقدس کو حضور اکرم ﷺ کے سامنے ظاہر فرما دیا۔ آپ نے بیت المقدس کو دیکھ کر علامات بتا دیں۔ پس یہاں بیت المقدس کا وجود آپ کا معجزہ نہیں اور نہ ہی اس کا وجود خرق عادت ہے بلکہ اس کا ظہور آپ کے سامنے خرق عادت بھی ہے اور معجزہ بھی ہے۔ اسی طرح عالم قبر وبرزخ میں یہ تعظیم وتکریم خرق عادت نہیں ہے بلکہ اس تعظیم وتکریم کا ظہور خرق عادت ہے۔ اس فرق کو سمجھ لیں۔ داشتہ بکار آید۔

حدیث نمبر ۶۳: بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا آخری وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ جا کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو میرے سلام پہنچائے اور درخواست پیش کرے کہ مجھے اجازت دیں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ حجرہ مبارک میں دفن ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا اگر سیدہ سے اجازت مل جائے تو مجھے حجرہ مبارک میں دفن کر دینا ورنہ مجھے جنت البقیع کے قبرستان میں عام مسلمانوں کے ساتھ دفن کر دینا۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سیدہ کے پاس سلام اور پیغام لے کر پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی ہوئی تھی۔ لیکن اب میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں۔ لہٰذا اس کے لئے میری طرف سے اجازت ہے۔ پس جب ابن عمر رضی اللہ عنہما اجازت لے کر واپس آئے اور خوشخبری سنائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا ''ما کان شئ اھم الی من ذالک المضجع'' یعنی میرا سب سے اہم مقصد یہی تھا کہ مجھے روضہ اقدس میں دفن ہونا نصیب ہو جائے اور الحمد للہ کہ میری یہ دلی تمنا پوری ہو گئی۔ (بخاری ج ا ص ۱۸۶)

(ف) اگر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ عقیدہ ہوتا کہ مردہ انسان میں نہ کسی قسم کی حیات ہوتی ہے اور نہ ہی ادراک وشعور اور نہ ہی علم وفہم تو وہ دونوں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دفن ہونے کی ہرگز تمنا نہ کرتے۔ کیونکہ اس صورت میں صالحین کے ساتھ دفن ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ پس ان جلیل القدر ہستیوں کا یہ تمنا کرنا کہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن نصیب ہو۔ دلیل ہے اس بات کی کہ مردہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ اتنا شعور ضرور پیدا فرما دیتے ہیں کہ میں کس کے ساتھ دفن ہوں اور میں کس حال میں ہوں، رنج میں ہوں یا راحت میں اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور مردہ انسان کے اندر یہ ادراک وشعور روح کے تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۶۴: ''عن محمد بن حمیر ان عمر بن الخطاب مر ببقیع الغرقد فقال السلام علیکم

یا اهل القبور اخبار ما عندنا ان نساء کم قد تزوجت و دور کم سکنت و اموالکم قد فرقت فاجابه هاتف اخبار ما عندنا ان ما قدمناه وجدناه و ما انفقنا ربحناه و ما خلفناه فقد خسرناه'' ترجمہ: محمد بن حمیر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گزر بقیع غرقد کے قبرستان سے ہوا تو آپ نے السلام علیکم یا اہل القبور کہا۔ یعنی اے قبروں والو تم پر سلام ہو۔ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہاری عورتوں نے شادی کر لی اور تمہارے مکانوں میں اور لوگ آباد ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم کر دیئے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہاتف، غیب سے یہ جواب ملا کہ ہمارے پاس یہ خبر ہے کہ جو کچھ ہم زندگی میں کر چکے تھے۔ اس کو ہم نے پالیا اور جو کچھ ہم نے خرچ کیا تھا اس کا نفع مل گیا اور جو ہم چھوڑ آئے تھے اس سے ہم خسارہ میں پڑ گئے۔ (حیاۃ الصحابہ ج ۳ بحوالہ ابن ابی الدنیا و ابن السمعانی و کنز العمال ج ۸ ص ۱۲۳)

(ف) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ یہ تھا کہ انہی قبروں میں حساب و کتاب اور جزا و سزا ہوتی ہے۔ جہاں اجساد عنصریہ مدفون ہیں۔ اسی لئے تو انہیں سے خطاب کیا انہیں سے گفتگو کی ا، رانہوں نے جواب دیا۔

حدیث نمبر ۶۵: کمیل ایک شخص ہیں کہتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مرتبہ جا رہا تھا وہ جنگل میں پہنچے پھر ایک مقبرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے مقبرہ والو اے بوسیدگی والو اے وحشت والو اور تنہائی والو! کیا خبر ہے کیا حال ہے؟ پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے بعد اموال تقسیم ہو گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند کر لئے۔ یہ تو ہماری خبر ہے کچھ اپنی تو کہو۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کمیل اگر ان لوگوں کو بولنے کی اجازت ہوتی اور یہ بول سکتے تو یہ لوگ جواب میں یہ کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ یہ فرمایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا اے کمیل قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت بات معلوم ہو جاتی ہے۔
(حکایات صحابہ ص ۵۸ بحوالہ منتخب کنز العمال)

(ف) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ یہی تھا کہ عالم قبر و برزخ کی کارروائی انہیں قبروں میں ہوتی ہے جہاں اجساد عنصریہ دفن ہیں اور یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

حدیث نمبر ۶۶: ''عن عمارة بن عمير قال لما جئ برأس عبيدالله بن زياد و اصحابه نضدت في المسجد في الرجة فانتهيت اليهم ويقولون قد جاءت قد جاءت فاذا حية قد جاءت تخلل الروس حتى دخلت في منخرى عبيدالله بن زياد فمكث هنيصة ثم خرجت فذهبت حتى تغيبت ثم قالوا قد جاءت قد جاءت ففعلت ذالک مرتين او ثلاثا۔ هذا حديث حسن صحيح'' ترجمہ: عمارہ بن عمیر سے روایت ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر مسجد کے قریب ایک کھلے صحن میں تہ بر تہ کر کے رکھے گئے تو میں وہاں پہنچا اور کچھ لوگ وہاں موجود تھے اور کہہ رہے تھے وہ آیا، وہ آیا، پس اچانک ایک سانپ آیا اور ان سروں میں گھس گیا حتی کہ عبید اللہ بن زیاد کے ناک میں داخل ہو گیا۔ پس تھوڑی دیر ٹھہرا پھر نکل گیا اور چلا گیا حتی کہ غائب ہو گیا۔ پھر لوگوں نے کہا وہ آیا وہ آیا۔ پس وہی سانپ آیا اور پہلے کی طرح عبید اللہ بن زیاد کے ناک میں گھس گیا دو دفعہ یا تین دفعہ ایسا کیا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹)

(ف) یہ سانپ عبید اللہ بن زیاد کے جسد عنصری کے ناک میں دو یا تین دفعہ گھس گیا جس کو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عذاب تھا جو اس پر مسلط کیا گیا۔ لہٰذا یہ واقعہ عذاب قبر اور

حیات قبر کی واضح دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۶۷: ''وعن العوام بن حوشب قال نزلت مرة حیا والی جانب ذالک الحی مقبرة فلما کان بعده العصر انشق منها قبر فخرج رجل رأسه رأس الحمار وجسده جسد الانسان فنهق ثلاث نهقات ثم انطبق علیه القبر فاذا عجوز تغزل شعرا او صوفا قالت امرأة تری تلک العجوز؟ قلت مالها؟ قالت تلک ام هذا قلت وما کان قصته؟ قالت کان یشرب الخمر فاذا راح تقول له امه یا بنی اتق الله الی متی تشرب هذه الخمر؟ فیقول لها انما انت ینهقن کما ینهق الحمار قالت فمات بعد العصر قالت فهو ینشق عنه القبر بعد العصر کل یوم فینهق ثلاث نهقات ثم ینطبق علیه القبر۔ رواه الاصبهابی وغیره وقال الاصبهانی حدث به ابو العباس الاهم املاء بینشاپور بمشهد بن الحافظ فلم یتکرره'' (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۳۲)

ترجمہ: عوام بن حوشب کسی قبیلہ کے پاس ٹھہرے اس کے متصل ایک مقبرہ تھا اس قبرستان کی قبر بعد عصر پھٹی اور اس میں سے ایک آدمی نکلا جس کا منہ گدھے کی طرح اور بقیہ جسم انسانی تھا قبر سے نکلنے کے بعد تین مرتبہ گدھے کی طرح کی آواز نکالی پھر قبر میں واپس چلا گیا اور قبر بند ہوگئی قریب ہی ایک بڑھیا سوت کات رہی تھی ایک عورت نے اس کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ یہ اس کی ماں ہے۔ میں نے قصہ دریافت کیا معلوم ہوا کہ یہ ہمیشہ شراب پیتا تھا ماں منع کرتی تھی اور کہتی تھی بیٹا خدا سے ڈر، کب تک شراب پیتا رہے گا، مگر وہ بے حیا ڈانٹ دیتا کہ کیا گدھے کی طرح چلاتی ہے۔ اتفاقاً وہ ایک دن بعد عصر مر گیا۔ اس وقت سے روزانہ بعد عصر اسی طرح گدھوں کی طرح تین بار، بولتا ہے اور غائب ہوجاتا ہے۔ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص ۵۳ بحوالہ الترغیب والترہیب)

(ف) اس روایت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عالم قبر و برزخ کی کارروائی وہاں ہوتی ہے جہاں جسد عنصری مدفون ہوتا ہے اور یہ جسد عنصری باقاعدہ اس جزا وسزا کی کارروائی میں شریک ہوتا ہے۔ یہ واقعہ بیشک دنیا والوں کے لئے سامان عبرت ہے۔ لیکن نری عبرت ہی نہیں بلکہ مجرم کی سزا کا اظہار بھی ہے اور عذاب قبر کی دلیل بھی ہے۔

حدیث نمبر ۶۸: ''لما دفن رسول الله ﷺ بنته فجلس عند القبر فتربد وجهه ثم سری عنه فقال له اصحابه رائیناک وجهک آنفا ثم سری فقال النبی ﷺ ذکرتّ ابنتی وضعفها وعذاب القبر فدعوت الله ففرج عنها وایم الله لقد ضحت ضحة سمعها من بین الخالفین'' ترجمہ: جب حضور اکرم ﷺ اپنی بیٹی کی میت کے دفن کرنے سے فارغ ہوئے تو آپ قبر کے پاس بیٹھ گئے اور آپ کے چہرہ پر افسردگی اور ملال کے اثرات تھے۔ پھر وہ اثرات دور ہوگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حزن وملال کے آنے اور چلے جانے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا مجھے عذاب قبر کی شدت اور اپنی بیٹی کی کمزوری یاد آگئی تو میں افسردہ دل ہوگیا پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جس کی وجہ سے عذاب ٹل گیا اس لئے میری افسردگی اور ملال دور ہوگیا اللہ کی قسم قبر کا ضغط (دبانا) اتنا سخت تھا کہ اس کی آواز زمین وآسمان کے درمیان رہنے والوں نے سنی۔ (کتاب الروح ص ۸۰، التذکرہ للقرطبی ص ۱۱)

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا ضغطہ اور کارروائی جسد عنصری سے متعلق ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۶۹: ''عن بشیر مولی رسول الله ﷺ وکان اسمعه فی الجاهلیة زحم بن معبد فهاجر الی رسول الله ﷺ فقال ما اسمعک فقال زحم قال بل انت بشیر قال بینما انا اماشی رسول الله مر بقبور المشرکین فقال لقد سبق هولاء خیرا کثیرا ثلاثا ثم مر بقبور المسلمین فقال لقد ادرک هولاء خیرا

کثیرا '' ترجمہ: حضرت بشیر رضی اللہ عنہ جو کہ حضور اکرم ﷺ کے غلام ہیں، روایت کرتے ہیں اور ان کا نام زمانہ جاہلیت میں زحم بن معبد تھا۔ جب ہجرت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا زحم۔ آپ نے فرمایا بلکہ تو بشیر ہے وہ کہتے ہیں میں حضور اکرم ﷺ کی معیت میں چل رہا تھا۔ آپ کا گزر مشرکین کی قبروں سے ہوا آپ نے ان کی طرف اشارہ کر کے تین دفعہ فرمایا کہ یہ لوگ بہت سی بھلائی سے محروم ہو چکے ہیں۔ آپ کا گزر مسلمانوں کی قبر سے ہوا تو فرمایا ان لوگوں نے بہت بڑی بھلائی حاصل کر لی ہے۔

(الحدیث ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۴، ابن ماجہ ص ۱۱۳)

(ف) حضور اکرم ﷺ کا گزر انہیں زمین والی قبروں سے ہوا جن میں اجساد عنصریہ دفن ہیں اور انہیں اجساد عنصریہ کی طرف اشارہ فرما کر آپ نے فرمایا کہ مشرکین بہت بڑی بھلائی سے محروم ہو چکے ہیں اور مسلمان بہت بڑی بھلائی حاصل کر چکے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ قبر کی کارروائی میں اجساد عنصریہ شریک ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۷۰: ''عن محمد بن المنکدر قال دخلت علی جابر بن عبداللہ وھو یموت فقلت اقرا علی رسول اللہ ﷺ السلام '' ترجمہ: محمد بن منکدر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ کے پاس گیا جب کہ ان کا آخری وقت تھا۔ یعنی وہ دنیا سے کوچ فرمانے والے تھے۔ میں نے کہا کہ میری طرف سے حضور اکرم ﷺ کو سلام دینا۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۱۰۶، مشکوٰۃ ص ۱۴۳)

(ف) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ و قبر میں مردے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ان کی دعا و سلام بھی ہوتی ہے اور یہی ان کی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۷۱: ''عن عبدالرحمن بن کعب عن ابیہ قال لما حضرت کعباً الوفات اتتہ ام بشر بنت براء بن معرور فقالت یا اباعبدالرحمن ان لقیت فلانا فقرأ علیہ منی السلام فقال غفر اللہ لک یا ام بشر نحن اشغل من ذالک فقالت یا اباعبدالرحمن اما سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ارواح المؤمنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ قال بلی قالت فھو ذاک'' ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن کعب رضی اللہ عنہ اپنے والد مکرم (حضرت کعب رضی اللہ عنہ) کے بارہ میں روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت براء بن معرور کی صاحبزادی حضرت ام بشر رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ اے ابوعبدالرحمن (یہ حضرت کعب کی کنیت ہے) اگر آپ مرنے کے بعد عالم برزخ میں فلاں شخص سے ملیں تو ان سے میرا سلام کہئے گا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ام بشر رضی اللہ عنہا اللہ تجھے بخشے وہاں ہماری مشغولیت اس سے زیادہ ہوگی۔ ام بشر رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ابوعبدالرحمن کیا آپ نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ عالم برزخ میں مومنین کی روحیں سبز پرندوں میں ہوں گی اور جنت کے درختوں سے میوے کھاتی ہوں گی۔ حضرت کعب نے کہا ہاں میں نے یہ ارشاد گرامی سنا ہے۔ ام بشر رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہی وہ فضل و کرامت ہے جس سے تمہارے نوازے جانے کی امید ہے۔

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی کتاب البعث والنشور مشکوٰۃ ص ۱۴۳، ابن ماجہ ص ۱۰۶)

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم قبر و برزخ میں مرنے والوں کی آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتی ہے اور گفتگو بھی ہوتی ہے پس یہ حیات قبر کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۷۲: ''عن مسروق قال سألنا عبداللہ عن ھذہ الآیۃ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل

الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون قال اما انا قد سألنا ذالک فقال ارواحهم فی طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ثم تاوی الی تلک القنادیل فاطلع الیهم بهم اطلاعة فقال هل تشتهون شیئا قالوا ای شئ نشتهی ونحن نسرح من الجنة حیث نشاء ففعل ذالک بهم ثلاث مرات فلما رأوا انهم لن یترکوا من ان یسألوا قالوا یارب نرید ان ترد ارواحنا فی اجسادنا حتی تقتل فی سبیلک مرة اخری فلما رأی ان لیس لهم حاجة ترووا'' (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۳۵، ۱۳۶، ترمذی ج ۲ ص ۱۲۶، ابوداؤد ج ا ص ۳۴۸)

ترجمہ: حضرت مسروق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا یعنی ہرگز ان لوگوں کو مردہ گمان نہ کرو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے اس آیت کے متعلق حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ ان کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے جوفوں میں ہیں ان کے لئے عرش کے نیچے قندیلیں ہیں جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر وسیاحت کرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں کی طرف واپس آجاتے ہیں۔ اللہ ان کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے ہیں کیا تم کوئی چیز چاہتے ہو وہ کہتے ہیں ہم کیا چاہیں؟ حالانکہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر وسیاحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تین دفعہ ان سے یہی سوال کریں گے؟ پس جب وہ دیکھیں گے کہ ہم سے ضرور سوال کیا جائے گا اور چھوڑا نہ جائے گا تو وہ کہیں گے اے رب ہمارے ارواح کو ہمارے اجساد کی طرف مکمل طور پر لوٹا دے جس سے ہم دنیا میں واپس ہوجائیں اور پہلی حالت پر آجائیں۔ تاکہ تیرے راستے میں دوسری دفعہ قتل کئے جائیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ ان کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے تو وہ چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یعنی پھر ان سے سوال نہ کیا جائے گا۔

حدیث نمبر ۷۳: ''ان اباه کعب بن مالک کان یحدث ان رسول الله ﷺ قال انما نسمة المؤمن طیر یعلق فی شجرة الجنة حتی یرجعه الله الی جسده یوم یبعثه'' ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا نسمہ پرندوں کی طرح جنت کے باغوں سے کھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے جسد کی طرف مکمل طور پر لوٹا دیں گے۔

(موطا امام مالک ص ۲۲۱، نسائی ج ا ص ۲۲۵)

(ف) مذکورہ بالا تینوں حدیثوں میں معمولی فرق کے ساتھ تقریباً ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ پہلی حدیث میں کہا گیا ہے کہ مومنین کی روحیں سبز پرندوں میں جنت کے باغات سے کھاتی ہیں اور دوسری حدیث میں کہا گیا ہے کہ شہداء کرام کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کی جوف میں جنت کی سیر وسیاحت کرتی ہیں اور تیسری حدیث میں کہا گیا ہے کہ مومن کا نسمہ پرندے کی مانند جنت کے باغات سے کھاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ روحیں جنت میں پرندوں کی مانند سیر وسیاحت بھی کرتی ہیں اور جنت کے باغات سے پھل وفروٹ بھی کھاتی ہیں۔ پس مذکورہ بالا تینوں حدیثوں سے عالم قبر وبرزخ کی حیات کا ثبوت اظہر من الشمس ہے۔

البتہ ہر قاری کے دل میں لازماً یہ سوال ابھرے گا کہ ان حدیثوں سے تو روح کی حیات فی الجنۃ ثابت ہوتی ہے جب کہ اہلسنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ قبر وبرزخ کی حیات میں جسد عنصری بھی شامل ہے اور جزا وسزا میں شریک تو گزارش ہے کہ روح اور نسمہ کے ذکر سے جسد عنصری کی ہرگز نفی نہیں ہوتی بلکہ روح اور نسمہ کے ضمن میں جسد عنصری تبعاً مذکور رہی ہے۔ کیونکہ ان حدیثوں میں روح کے لئے کھانا پینا پھرنا ثابت کیا گیا اور روح مجرد یہ کام

اکیلی سرانجام نہیں دے سکتی۔ بلکہ اس کو یہ کام سرانجام دینے کے لئے جسد کی ضرورت ہے اور طیور خضر کے اجساد روح کی یہ ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔ کیونکہ سب محدثین کا اتفاق ہے کہ جنت میں روحیں پرندوں کے ابدان میں ایسے حلول نہیں کرتیں۔ جس طرح کہ ان کا دنیا میں اجساد عنصریہ میں حلول تھا اور نہ ہی وہ روحیں ابدان طیور یہ میں تصرف وتدبر کرتی ہیں اور یہ ابدان طیوریہ روح کی ضرورت کو قطعاً پورا نہیں کریں گے۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوگا کہ جب ابدان طیوریہ کھانے پینے وغیرہ ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے تو ان کا کیا فائدہ؟ تو جواباً عرض ہے کہ طیور خضر دراصل طائر نما طیارے ہیں جو کہ اہل جنت کو جنت کی سیر وسیاحت کے لئے عطا کئے جاتے ہیں اور اہل جنت بشکل انسانی انہیں طائر نما طیاروں میں بیٹھ کر جنت کی سیر وسیاحت کرتے ہیں۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ ارواح کو جنت کے پھل فروٹ کھانے کے لئے ابدان کی ضرورت ہے اور طیور خضر اس ضرورت کے لئے نہیں ہیں بلکہ وہ تو سیر وسیاحت کی ضرورت کے لئے ہیں۔ پس جمہور علماء اسلام نے کتاب وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں روح کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کہا ہے کہ روح کا جنت میں ہوتے ہوئے جسد عنصری سے ایک خاص قسم کا تعلق ہے۔ جس کی حقیقت اور کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے روح قبر میں پڑے ہوئے جسد عنصری کو اپنے ہمراہ محسوس کرتی ہے اور جنت کے کھانے پینے کی ضرورت بھی پوری کرتی ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے روح پر دکھ وسکھ اور رنج وراحت کے جو حالات طاری ہوتے ہیں۔ جسد عنصری قبر میں ہوتے ہوئے ان سے برابر متاثر ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح خواب دیکھنے والے کا جسد عنصری ادھر چارپائی پر پڑا ہوتا ہے۔ ادھر روح کے ہمراہ عالم خواب کی سیر وسیاحت میں بھی مصروف ہوتا ہے اور وہاں عالم خواب میں روح پر دکھ سکھ کے جو حالات طاری ہوتے ہیں جسد ان سے بھی متاثر ہوتا رہتا ہے۔

پس عالم قبر وبرزخ کی کیفیت کچھ اس طرح ہے یہ تو جمہور علماء اسلام کا نظریہ ہے اور بعض علماء جنت میں روح کے لئے ایک جسد تجویز کرتے ہیں جس کو وہ جسد مثالی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں روح کی گاڑی اسی سے چلتی ہے لیکن جسد مثالی کے قائلین روح کا تعلق جسد عنصری سے بھی تسلیم کرتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے وہ جسد کی حیات اور جزاوسزا کے بھی قائل ہیں۔ بلکہ اسی تعلق کی وجہ سے وہ سماع موتیٰ کے بھی قائل ہیں۔ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ میں کوئی ایک ایسا عالم نہیں گزرا جس نے جسد مثالی ثابت کر کے جسد عنصری کے تعلق یا اس کی جزاوسزا کا انکار کیا ہو بلکہ بندہ عاجز اپنے دعویٰ میں سولہ آنے سچا ہے کہ جسد مثالی کے قائلین سب کے سب جسد عنصری کے تعلق کے بھی قائل ہیں اور اس کی جزاوسزا کے بھی قائل ہیں۔

میرے اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے ان کی کتابوں کا مطالعہ شرط ہے کوئی صاحب منصف مزاج عالم اس دعویٰ کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہ علماء جسد مثالی کو ثابت ماننے کے باوجود جسد عنصری سے تعلق کے قائل ہیں اور اسی کو جزاوسزا کا مورد سمجھتے ہیں۔ ان کے اس طرز عقیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جسد مثالی کسی خمیر ومادہ سے تیار شدہ کوئی اور نئی مخلوق نہیں ہے۔ بلکہ یہی جسد عنصری ہے جو قبر میں محو استراحت ہوتے ہوئے وہاں جنت میں روح کے ہمراہ مصروف عمل نظر آتا ہے۔ اس اعتبار سے اس کو جسد مثالی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یعنی ایک ہی چیز ہے جس کو باعتبار قبر میں ہونے کے عنصری اور باعتبار جنت میں ہونے کے مثالی کہا گیا ہے برخلاف

منکرین عذاب قبر کے جو چودھویں صدی کی اواخر کی پیداوار ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جسد مثالی کو ثابت کر کے جسد عنصری سے ہر قسم کے تعلق کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کا بعض علماء کی عبارات کو اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرنا اور لوگوں کو باور کرانا کہ یہ علماء ہماری طرح جسد مثالی کے قائل ہیں۔ دھوکے اور مغالطہ سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ جسد عنصری سے تعلق کے بالکل قائل نہیں ہیں جب کہ اپنی تائید میں جن علماء کی عبارات پیش کرتے ہیں وہ سب کے سب جسد عنصری سے تعلق کے قائل ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جسد مثالی کے قائل ہیں بالکل صحیح ہے۔ لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ صاحب اعادہ روح، تعلق روح، بلکہ سماع موتی کے بھی قائل ہیں۔

(شرح الصدور ص ۱۶۴، ۱۷۰، ۱۲۲، ۱۶۱، ۱۶۸، ۱۷۰، ۹۶)

اسی طرح علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ جسد مثالی کے قائل ہیں۔ لیکن وہ اس کے باوجود اعادہ روح، تعلق روح اور سماع موتی کے قائل ہیں۔ دیکھئے (اغاثۃ اللھفان ص ۲۱۸، زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۱، ۲۴۲، کتاب الروح ص ۱۴، ۵۶، ۶۰، ۶۲، ۶۴، ۸۰، ۸۱، ۱۰۴، ۱۱۳، ۱۴۰، ۱۵۸، ۸۸، ۸۹) علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے جسد مثالی کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اعادہ روح، تعلق روح، جسد عنصری کی جزاوسزا بلکہ فی الجملہ سماع موتی کے بھی قائل ہیں۔ دیکھئے (تفسیر روح المعانی ج ۸ ص ۱۱۸، ج ۱۵ ص ۱۶۱، ج ۲۱ ص ۵۷، ج ۲۲ ص ۳۰، ۳۸) تحت آیۃ ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم'' آلا یۃ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے جسد مثالی کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اعادہ روح، تعلق روح، جسد عنصری کی جزاوسزا اور سماع موتی کے قائل ہیں۔ دیکھئے (تفسیر مظہری ج ۹ ص ۷۷، ج ۱۰ ص ۲۲۵)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے جسد مثالی کو ثابت کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اعادہ روح، تعلق روح جسد عنصری کی جزاوسزا اور سماع موتی کے قائل ہیں۔ دیکھئے

(تفسیر قرطبی ج ۱۳، ص ۲۳۳، التذکرہ للقرطبی ص ۶۱، ۶۵، ۸۱، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۶۲، ۱۷۵)

الغرض جتنے علماء کرام بھی جسد مثالی کے قائل ہیں وہ سب کے سب جسد عنصری سے تعلق کے بھی قائل ہیں اور اس کی جزاوسزا کے بھی قائل ہیں۔

اسلام کی پوری چودہ سوسالہ تاریخ میں کوئی ایک ایسا سنی عالم نہیں گزرا جس نے جسد عنصری کے تعلق یا اس کی جزاوسزا کا انکار کیا ہو۔ خیر یہ تو میں نے بطور جملہ معترضہ کے عرض کر دیا کہ جو پچھلے علماء کرام جسد مثالی کے قائل ہیں ان کا عقیدہ اور ہے اور منکرین عذاب قبر کا نظریہ اور ہے۔ لہٰذا جسد مثالی کے اشتراک لفظی سے بالکل دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ کیونکہ علماء اسلام کا جسد مثالی اور ہے اور منکرین عذاب قبر کا جسد مثالی اور ہے۔

پچھلے علماء اسلام کا جسد مثالی تنہا روح کی گاڑی نہیں چلاسکتا اس لئے وہ جسد مثالی کے باوجود روح کا جسد عنصری سے تعلق مانتے ہیں تاکہ روح کا کام چل سکے اور منکرین عذاب قبر کا جسد مثالی ایسا ہے کہ وہ تنہا روح کی گاڑی چلاسکتا ہے۔ اسی لئے یہ لوگ جسد عنصری کے تعلق کا انکار کرتے ہیں۔ بہرحال چودہ سوسالوں میں تمام علماء اسلام کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ جنت میں ارواح کے کھانے پینے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ان کا اجساد عنصریہ سے تعلق ضروری ہے۔ پس مذکورہ بالا تینوں حدیثوں سے روح اور جسد عنصری دونوں کی حیات بھی ثابت ہوئی اور تعلق بھی ثابت ہوا اور رنج وراحت میں برابر کا شریک ہونا بھی ثابت ہوا اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور اسی پر اجماع ہے اور اسی پر قرآن وسنت ناطق ہے۔

شاید کسی شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ تمہاری ساری تقریر کا دارومدار اس پر ہے کہ جنت میں روح کو جسد کی محتاجی ہے۔ کیونکہ وہ کھانے پینے وغیرہ امور، میں خود مستقل نہیں بلکہ وہ جسد عنصری کے منہ سے کھاتی ہے اور جسد کی زبان سے بولتی ہے اور جسد کی آنکھوں سے دیکھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ دنیا میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں کہ وہاں جنت میں روح کی یہ محتاجی ختم کر دیں اور روح کو بغیر جسد کے کھانے پینے وغیرہ امور کی صلاحیت عطا فرما دیں۔ کیونکہ حدیث سے روح کا کھانا پینا ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ قادر ہیں، جسد کے بغیر روح کو کھلا پلا سکتے ہیں۔ پس روح وہاں بغیر تعلق جسد کے کھاتی اور پیتی ہے اس کو جسد کے تعلق کی محتاجی ہی نہیں۔ جب کہ تمہاری ساری تقریر اسی پر مبنی ہے۔

جواباً عرض ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ سائل کی اس منطق سے جسد مثالی کا قصہ بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جب روح جنت میں خود مستقل کارمختار ہو جاتی ہے اور اس کو کسی قسم کے جسد کی محتاجی نہیں رہتی تو نہ اس کو جسد عنصری کی ضرورت ہے اور نہ جسد مثالی کی۔ پس اس سے جسد مثالی کا عقیدہ بھی باطل ٹھہرے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سائل کی اسی دلیل سے جسد عنصری کی جزاوسزا بھی ثابت کی جاسکتی ہے کیونکہ صحیح حدیثوں سے قبر میں میت کا بولنا، چیخنا، پکارنا اور اس کی جزاوسزا ثابت ہے بلکہ میت کا علم وفہم اور ادراک وشعور وغیرہ بھی ثابت ہے۔

نیز: انہیں قبروں میں جہاں اجساد عنصریہ مدفون ہیں ثواب وعقاب اور رنج وراحت بھی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ لیکن یہی منکرین عذاب قبر اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ میت تو بے جان ہے بغیر روح کے کیسے بولتی ہے اور کیسے سنتی ہے اور کس طرح اس کو ثواب وعقاب ہوتا ہے۔ جب کہ اس میں روح ہی نہیں ہے۔ پس انہیں لوگوں کی منطق کے مطابق جواب دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے بغیر روح کے خالی جسد عنصری کو جزاوسزا دے سکتا ہے۔ کیونکہ جزاوسزا تو صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ لہٰذا جس طرح روح کی جزاوسزا بغیر جسد کے ممکن ہے اسی طرح جسد کی جزاوسزا بھی بغیر روح کے ممکن ہے۔

پس پھر بھی اہلسنت والجماعت کا مسلک ثابت ہوگا کہ عالم قبر وبرزخ کی جزاوسزا روح اور جسد عنصری دونوں کو ہوتی ہے۔ البتہ علماء اہلسنت والجماعت کا مؤقف یہ ہے کہ ان دونوں کے ثواب وعقاب کی صحیح اور معقول صورت یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک خاص قسم کا تعلق ہے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پس اسی تعلق کی وجہ سے دونوں ثواب وعقاب کے مورد بنتے ہیں اور اسی پر اجماع امت ہے اور یہی کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ بہرحال اس طریقہ سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا تینوں حدیثیں قبر کی زندگی کی دلیل ہیں۔

یا پھر یوں سمجھئے کہ جن حدیثوں سے عالم قبر کی جزاوسزا اور حیات ثابت ہوتی ہے وہ تین قسم پر ہے ایک قسم وہ ہے جس میں نمایاں اور واضح طور پر جسد عنصری کی جزاوسزا اور حیات کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً وہ حدیثیں جن میں **المیت یعذب** کا لفظ آیا ہے یا حدیث قدمونی اور حدیث **خفق النعال** اور حدیث قلیب بدر خواہ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہو یا بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دونوں روایتیں حیات قبر پر اور جسد عنصری کی جزاوسزا پر نمایاں طور پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح جسد عنصری کے اکرام اور توہین کی حدیثیں یا وہ حدیثیں جن میں انہیں قبروں میں ہوتا ہوا عذاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔

یہ سب حدیثیں جسد عنصری کی جزاوسزا اور حیات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں اور دوسری قسم کی وہ

حدیثیں ہیں جن میں روح کی جزاوسزااور حیات نمایاں اور واضح ہے۔مثلاً مذکورہ تینوں حدیثوں میں روح کی تصریح ہے اور حدیثوں کی تیسری قسم وہ ہے جن میں روح اور جسد عنصری دونوں کی تصریح ہے یا پھر دونوں پر صادق آتی ہیں۔مثلاً حدیث مسلم جس میں یہ الفاظ موجود ہیں:''صلی اللہ علیک وعلی جسدک تعمرینہ''یعنی اے روح تجھ پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور تیرے جسد عنصری پر خدا کی رحمتیں۔اس حدیث میں روح اور جسد عنصری کی تصریح موجود ہے۔

اسی طرح حدیث عمر رضی اللہ عنہ جس میں سوال کیا گیا''اترد علینا عقولنا یا رسول اللہ''اے اللہ کے رسول کیا ہماری عقل ہماری طرف واپس کردی جائے گی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''نعم کھیئتک الیوم''یعنی جی ہاں تمہاری عقل اور ہوش ایسی ٹھکانے ہوگی جیسی آج ہے۔اسی طرح وہ حدیثیں جن میں یعاد روحہ کا لفظ موجود ہے یا''ثم یصیر الی الارض یا الی القبر''کے الفاظ موجود ہیں۔یہ سب حدیثیں روح اور جسد عنصری دونوں کی جزاوسزااور دونوں کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔اسی طرح وہ حدیثیں جن میں العبد، الرجل، الانسان، الفاجر، المنافق وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔وہ بھی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر صادق آتی ہیں۔

پس جو بھی منصف مزاج عالم ان تینوں قسم کی حدیثوں پر غور کرے گا وہ یقیناً یہی فیصلہ کرے گا کہ روح جہاں ہے اور جس حال میں ہے اسی طرح جسد عنصری جہاں ہے اور جس حال میں ہے عالم برزخ میں ان دونوں کے مابین اللہ تعالیٰ ایک ایسا نامعلوم الکیفیت تعلق پیدا فرمادیتے ہیں کہ وہاں کی جزاوسزا سے دونوں بیک وقت متاثر ہوتے ہیں۔حالانکہ بظاہر اہل دنیا کی نظر میں ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں۔لیکن تعلق برزخی کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کو اپنے قریب سمجھتا ہے اور اسی صورت پر عالم قبر وبرزخ کی کارروائی کی تمام حدیثیں صادق اور منطبق آتی ہیں یا جن حدیثوں میں آیا ہے کہ روح جنت یا جہنم میں ہے یا سجین اور علیین میں ہے تو وہ بھی صحیح ہیں اور جن حدیثوں میں آیا ہے کہ انہیں قبروں میں عذاب ہوتا ہے وہ بھی صحیح ہیں اور جن حدیثوں میں آیا کہ العبد، الرجل، الانسان وغیرہ کو جزاوسزا دی جاتی ہے تو وہ بھی صحیح ہیں۔

عالم قبر وبرزخ کی حدیثوں کی یہ تطبیق، قاضی ثناءاللہ صاحب نے تفسیر مظہری میں اور علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الصدور میں بیان کی ہے اور باقی تمام علماء نے بھی یہی صورت بیان فرمائی ہے حتی کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس تطبیق کو بیان کیا ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں۔''شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔'' (جواہر القرآن ص ۱۹۴)

البتہ حضرت شیخ القرآن صاحب کا یہ کہنا کہ مسئلہ تعلق چوتھی صدی کے بعد شروع ہوا ہے، محل نظر ہے۔ کیونکہ جب سے قرآن وحدیث شروع ہوا ہے اس وقت سے مسئلہ تعلق شروع ہوا ہے۔قرآن وحدیث اور مسئلہ تعلق کی تاریخ ایک ہے۔ہاں! بقیہ عقائد کی تشریحات کی طرح اس عقیدہ کی تشریح کا ظہور بھی اپنے موقع پر ہوا۔ورنہ عقیدہ حیات قبر کی یہ صورت خود قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

بہر حال عالم قبر وبرزخ کی جزاوسزا کے سلسلہ میں وارد ہونے والی تمام قسم کی حدیثوں کو صورت مذکورہ پر منطبق کر کے تسلیم کرنا اہل سنت والجماعت کا طریقہ اور سلامتی کا راستہ ہے اور کسی ایک قسم کی حدیث کو لے کر بقیہ حدیثوں کو جھٹلانا یا ان کی تاویل تحریف کر کے عذاب قبر کی اصلی شکل وصورت کو مسخ کردینا گمراہی کا خطرناک گڑھا ہے۔اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ!

حدیث نمبر ۴۷:''عن البراء قال لما توفی ابراھیم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لہ مرضعا فی الجنۃ''

ترجمہ: حضرت براء سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یقیناً اس کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی ہے۔ (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۵۶۸)

حدیث نمبر ۷۵: حضور اکرم ﷺ نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا: ''والذی نفسی بیدہ انہ الاٰن لفی انھار الجنۃ ینغمس فیھا'' ترجمہ: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بیشک وہ اب جنت کی نہروں میں غوطے کھا رہا ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۰)

حدیث نمبر ۷۶: جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو کٹ گئے اور بالآخر شہید بھی ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا: ''ان اللہ ابدلہ بیدیہ جناحین یطیر بھما فی الجنۃ حیث شاء'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بازو کے بدلے دو پر عطا کئے ہیں جن سے وہ جنت میں جہاں چاہتا ہے اڑتا ہے اور سیر کرتا ہے۔

(ف) مذکورہ بالا تینوں حدیثوں میں حضور اکرم ﷺ نے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ، حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے متعلق جنت میں داخل ہو جانے کی اطلاع دی اور اسی طرح بیسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق آپ ﷺ نے ان کے جنت میں چلے جانے کی خوشخبری سنائی ہے۔

مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو جنت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے دیکھا ہے۔ اس قسم کی سب حدیثیں قبر کی زندگی کی دلیل ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لے کر ان کے جنت میں جانے کی خوشخبری سنائی۔

مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت ماعز، اسلمی، حضرت جعفر طیار اور حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہم جنت میں ہیں اور ان ناموں کا اطلاق صرف روح پر نہیں بلکہ روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ سب حضرات روح اور جسد سمیت جنت میں ہیں۔ جس کی صورت یہ ہے کہ روح جنت میں ہے اور جسد قبر میں۔ روح اور جسد کے درمیان غیر معلوم الکیفیہ تعلق ہے۔ جس کی وجہ سے روح جسد عنصری کو اپنے ہمراہ جنت میں محسوس کرتی ہے اور جنت میں روح پر جو حالات طاری ہوتے ہیں قبر میں موجود جسد عنصری ان کو محسوس کر رہا ہے۔ پس اس صورت میں اس کو جنت میں کہنا بھی درست ہے اور قبر میں بھی زندہ کہنا صحیح ہے یا پھر یوں سمجھئے کہ اس کے لئے عالم قبر جنت کا باغ ہے۔ پس مذکورہ بالا حدیثوں سے روح اور جسد عنصری دونوں کی حیات بھی ثابت ہوئی اور دونوں کے لئے جنت کا مقام بھی ثابت ہوا اور یہی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

حدیث ۷۷: ''حدثنی عطاء الخراسانی قال حدثنی ابنۃ ثابت بن قیس بن شماس قال لما نزلت: یاایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی، دخل ابوھا بیتہ واغلق علیہ بابہ ففقدہ رسول اللہ ﷺ وارسل الیہ یسألہ ما خبرہ؟ قال انا رجل شدید الصوت اخاف ان یکون قد حبط عملی قال لست منھم بل تعیش بخیر قال ثم انزل اللہ: ان اللہ لا یحب کل مختال فخور۔ فاغلق علیہ بابہ وطفق یبکی ففقدہ رسول اللہ ﷺ فارسل الیہ فاخبرہ فقال یا رسول اللہ ﷺ انی احب الجمال واحب ان اسود قومی فقال لست منھم بل تعیش حمیدا وتقتل شھیدا وتدخل الجنۃ قالت لما کان یوم الیمامۃ خرج مع خالد بن الولید الی مسیلمۃ فلما التقوا وانکشفوا قال ثابت وسالم مولٰی حذیفۃ ماھٰکذا کنا نقاتل مع رسول اللہ ﷺ ثم حضر کل واحد لہ حضرۃ فثبتا وقاتلا حتی قتلا وعلی ثابت یومئذ درع لہ نفیسۃ فمر بہ رجل من المسلمین

فاخذها فبينما رجل من المسلمين نائم اذاتاه ثابت في منامه فقال له او صيتک بو صية فاياک ان تقول هذه حلم فتضيعه انی لما قتلت امس مر بی رجل من المسلمين فاخذ درعی و منز له فی اقصی الناس و عند خبائه فرس کستين فی لحوله وقد کفاء علی الدرع برمة وفق البرمة رحل فأت خالداً فمره ان يبعث الی درعی فيأخذها و ذا قدمت المدينة علی خليفة رسول الله ﷺ يعنی ابابکر الصديق فقل له ان علیّ من الدين کذا وکذا فولان من رفيقی عتيق وفلان فاتی الرجل خالداً فاخبره فبعث الی الدرع فانی بها وحدث ابابکر برؤياه فاجاز وصيته قال ولا نعلم احداً اجيزت وصيته بعد موته غير ثابت بن قيس رضی اللہ عنہ '' (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ ص ۱۹۴ بر ہامش الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ ص ۱۹۵، کتاب الروح ص ۲۳، ۲۴، احکام القرآن لمولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۲۴۹، ۲۵۰ بحوالہ قرطبی وابن عبدالبر، سیر الصحابہ ج ۳ ص ۲۵۲ بحوالہ بخاری وطبرانی)

ترجمہ: عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت، اے ایمان والو نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو، نازل ہوئی تو میرے والد گھر میں آ کر گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھے گئے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے انہیں نہ دیکھا تو ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے آدمی بھیجا۔ بولے میری آواز بلند ہے مجھے ڈر ہے کہیں میرے اعمال برباد نہ ہو گئے ہوں۔ فرمایا نہیں نہیں۔ تم ان میں سے نہیں ہو بلکہ تمہاری زندگی بھی خیر والی ہے اور موت بھی۔ پھر جب آیت اللہ تعالیٰ ہر مغرور شیخی باز کو پسند نہیں فرماتا، نازل ہوئی تو گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے اور رونے لگے حضور اکرم ﷺ نے انہیں نہ دیکھ کر ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے آدمی بھیجا۔ بولے یا رسول اللہ ﷺ مجھے جمال محبوب ہے اور اپنی قوم کی سرداری بھی۔ فرمایا تم مغروروں میں سے نہیں ہو بلکہ تمہاری زندگی بھی قابل تعریف ہے اور موت بھی شہادت کی ہے اور جنتی ہو۔

وہ فرماتی ہیں میرے والد صاحب جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے جب مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کی فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس طرح دشمنوں سے نہیں لڑا کرتے تھے۔ پھر دونوں نے گڑھے کھودے اور ان میں جم کر آخری دم تک لڑتے رہے۔ آخر جام شہادت نوش فرمایا۔ اس جنگ میں ثابت کے جسم پر ایک بہترین زرہ تھی ایک مسلمان نے ان کی لاش سے زرہ اتار لی۔ پھر کسی دوسرے مسلمانوں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ فرما رہے تھے کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں خبردار خواب کی وصیت سمجھ کر اسے ضائع نہ کرنا۔ کل میرے قتل کئے جانے کے بعد ایک مسلمان نے میری زرہ اتار لی ہے۔ اس کا گھر آبادی کے اخیر میں ہے اور اس کے خیمہ کے پاس ایک لمبی رسی میں گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ اس نے زرہ پر ایک ہانڈھی اوندھا دی ہے اور ہانڈھی کے اوپر کجاوہ ہے۔ تم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے کہو کہ وہ زرہ آدمی کو بھیج کر واپس منگالیں اور جب تم مدینہ جاؤ تو رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہو کہ مجھ پر اتنا قرضہ ہے اور میرا فلاں فلاں غلام آزاد ہے وہ شخص حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں اپنا خواب سنایا انہوں نے آدمی بھیج کر زرہ منگوالی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خواب بیان کیا انہوں نے بھی ان کی وصیت جاری فرمائی۔ بجز ثابت کے ہمیں کوئی اور شخص ایسا معلوم نہیں کہ جس کی موت کے بعد والی وصیت کو جاری کیا گیا ہو۔

(ف) حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی خواب والی وصیت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باقاعدہ عمل کیا۔ چنانچہ

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قد اتفق خالد و ابو بکر الصدیق و الصحابة معه علی العمل بهذه الرؤیا و تنفیذ الوصیة بها و انزاع الدرع ممن هی فی یده و هذا محض الفقه'' (کتاب الروح ص ۲۴) تحقیق اس خواب کی وصیت پر عمل کرنے پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پاس والے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق کیا اور جس شخص کے ہاتھ میں زرہ تھی اس سے واپس لینے پر بھی اتفاق کیا اور یہ خالص فقہ ہے۔

پس بندہ عاجز کا استدلال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل سے ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں اور ان کا قول و فعل اہل سنت والجماعت کے نزدیک حجت ہے۔ واضح رہے کہ عالم قبر و برزخ کی کارروائی اور وہاں کے حالات و امور سنت اللہ و عادت اللہ کے مطابق ہیں۔ البتہ ان امور کا بعض اوقات اہل دنیا کے لئے ظہور بے شک خرق عادت ہے، لیکن اہل سنت والجماعت کا استدلال اس قسم کے واقعات کے موجود ہونے پر مبنی ہے۔ ان کے ظہور پر نہیں ہے فی نفسہ موجود ہونا اور چیز ہے اور اس کا کبھی کبھی ظہور ہونا اور چیز ہے۔ کیونکہ اوّل الذکر عادت اللہ ہے جب کہ ثانی الذکر خرق عادت ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی زرہ ان کے جسد عنصری سے اتاری گئی کیونکہ بوقت شہادت ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ اب وہ خواب میں سب کچھ بتا رہے ہیں جو ان کے جسد عنصری پر گزری۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے شخص پر خوشی و غمی کے جو حالات طاری ہوتے ہیں۔ وہ ان سب سے باخبر ہوتا ہے اور دکھ و سکھ اور رنج و راحت کا اس میں ادراک اور شعور ہوتا ہے اور یہ ادراک و شعور روح اور جسد کے مجموعہ یعنی پورے انسان میں ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی زرہ ان کے جسد عنصری سے اتاری گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسد عنصری سے رہتا ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ میرے جسد سے زرہ اتاری گئی۔ پس انہوں نے خواب میں آکر جسد عنصری سے ہونے والی کارروائی بتائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تائید و تصدیق کی اور ان کی وصیت کی تنفیذ کی۔ پس ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد انسان میں کسی درجہ کا ادراک و شعور باقی رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ قبر کی جزا و سزا کو محسوس کرتا ہے اور یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ ہے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مردہ انسان کے ادراک اور فہم و شعور کے قائل نہ ہوتے تو وہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت کو ہرگز نافذ نہ کرتے۔

حدیث نمبر ۷۸: ''عذاب القبر حق فمن لم یؤمن به عذب (ابن منیع عن زید ابن ارقم جامع صغیر ج ۲ ص ۵۸ برمز صحیح)'' ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قبر کا عذاب حق ہے اور جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اس کو عذاب دیا جائے گا۔

(ف) اس حدیث کا پہلا جملہ عذاب القبر حق تو صحاح ستہ بھی موجود ہے۔ اس حدیث میں منکرین عذاب قبر کو عذاب قبر کی وعید سنائی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر کو اپنی شرعی اور حقیقی شکل و صورت میں من و عن تسلیم کرنا ضروری ہے اور اس کی اصلی اور شرعی شکل و صورت کو مسخ کر کے اور کوئی مصنوعی اور بناوٹی صورت تجویز کرنا انکار کے مترادف ہے جس پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

حدیث نمبر ۷۹: ''عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اعمالکم تعرض علی عشائر کم و علی اقاربکم فی قبورهم فان کان خیرا استبشروا به و ان کان غیر ذالک قالوا اللهم الهمهم ان یعملوا بطاعتک۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۷۰ بحوالہ مسند ابوداؤد طیالسی ص ۲۴۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵،

طبرانی شرح الصدور ص ۱۱۰، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۷) ''عرض اعمال کے متعلق تین روایتیں (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۶) میں موجود ہیں۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یقینا تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں پر ان کی قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر اعمال اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر برے ہوں تو وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اپنی طاعت اور بندگی کی توفیق عطاء فرما۔

(احیاعلوم الدین ج ۴ ص ۴۹۷، کتاب الروح ص ۲۰)

(ف) عرض اعمال کی سب حدیثیں اور روایتیں حیات قبر کی واضح دلیل ہیں۔

حدیث نمبر ۸۰: ''عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ احسنوا اکفان موتاکم فانھم یتباھون ویتزاورون فی قبورھم۔ (التذکرۃ للقرطبی ص ۸۱، مثلہ فی کتاب الروح ص ۲۶، ۳۰ الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۵۲)'' ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنے مردوں کو اچھے کپڑوں میں کفن دیا کرو بے شک وہ اس پر فخر کرتے ہیں اور اپنی قبروں میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔

(ف) مذکورہ بالا حدیث قبر کی زندگی کی واضح اور بین دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۸۱: ''وعن سمرۃ بن جندب قال کان النبی ﷺ اذا صلی اقبل علینا بوجھہ فقال من رای منکم اللیلۃ رؤیا قال فان رای احد قصھا فیقول ما شاء اللہ فسألنا یوما فقال ھل رای منکم احد رؤیا قلنا لا قال لکنی رأیت اللیلۃ رجلین اتیانی فاخذا بیدی فاخرجانی الی ارض مقدسۃ الحدیث'' (مشکوٰۃ ص ۳۹۵، بخاری ج ۱ ص ۱۸۵) ترجمہ: اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ (صبح کی) نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا چہرہ اقدس ہماری طرف متوجہ کرتے اور پوچھتے کہ آج کی رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر ہم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ اس کو بیان کرتا اور آپ اس کی وہ تعبیر فرمادیتے جو اللہ تعالیٰ الہام فرماتا۔ چنانچہ (اپنے معمول کے مطابق) ایک دن آنحضرت ﷺ نے ہم سے وہی سوال کیا اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا لیکن میں نے آج کی رات خواب دیکھا ہے (اور وہ یہ ہے) کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر مجھے مقدس سرزمین، ملک شام کی طرف لے چلے۔ پس ایک جگہ پہنچ کر میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص اپنے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا لئے کھڑا ہے اور وہ پھر اس آنکڑے کو بیٹھے ہوئے شخص کے کلے میں ڈالتا ہے اور اس کو چیرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی گدی تک چیرتا چلا جاتا ہے۔ پھر وہ دوسرے کلے کے ساتھ اس طرح کرتا ہے۔ (یعنی اس کو بھی گدی تک چیر دیتا ہے) جب وہ کلہ اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے تو پھر پہلے کی طرح وہی عمل کرتا ہے (یعنی وہ کلے کو چیرتا ہے اور جب وہ کلہ درست ہوجاتا ہے تو پھر چیرتا ہے غرضیکہ بار بار یہی عمل کرتا ہے اور یہ عمل جاری رہتا ہے) آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ میں نے (یہ دیکھ کر) ان دونوں آدمیوں سے پوچھا (جو مجھے اپنے ساتھ لائے تھے) یہ کیا ہورہا؟ ان دونوں نے کہا کہ چلتے رہئے۔ (یعنی یہ مت پوچھئے کہ کیا ہورہا ہے۔ بلکہ آگے چلئے۔ ابھی بہت عجائبات دیکھنے ہیں اس کی تعبیر معلوم ہوجائے گی)

چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ آئے جہاں ایک شخص چت پڑا ہوا تھا اور ایک شخص اس کے

سر کے پاس اتنا بڑا پتھر لئے کھڑا تھا۔ جس سے ہاتھ بھر جائے اور اس سے چت پڑے شخص کے سر کو کچلتا تھا۔ چنانچہ جب وہ پتھر کو (کھینچ کر) اس کے سر پر مارتا تو پتھر (سر کو کچل کر) لڑھکتا ہوا دور چلا جاتا (پھر وہ دوبارہ مارنے کی غرض سے) اس پتھر کو اٹھانے کے لئے جاتا اور جب لوٹ کر آتا تو اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس شخص کا سر درست ہو جاتا اور پھر وہ اس پر پتھر مارتا اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری تھا (کہ) اس کا سر درست ہوتا رہتا اور وہ اس پر پتھر مارتا رہتا۔ میں نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ چلئے چلئے۔

چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایسے گڑھے پر پہنچے جو تنور کی مانند تھا کہ اس کے اوپر کا حصہ تنگ تھا اور نیچے کا حصہ کشادہ تھا اور اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی۔ جب اوپر کی طرف بھڑکتی تو کچھ لوگ جو آگ کے اندر تھے (شعلوں کے ساتھ) اوپر آجاتے۔ یہاں تک کہ اس گڑھے سے نکلنے کے قریب ہو جاتے اور جب شعلے کا زور گھٹ جاتا تو وہ سب پھر اندر چلے جاتے (میں نے دیکھا کہ) اس آگ میں کئی مرد تھے اور کئی عورتیں تھیں اور سب ننگے تھے میں نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے تو ان دونوں نے کہا۔ چلئے چلئے۔ چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسی نہر پر پہنچے جو (پانی کی بجائے) خون سے بھری ہوئی تھی۔ نہر کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہوا تھا اور ایک شخص اس کے کنارے پر تھا جس کے آگے پتھر رکھے ہوئے تھے جب وہ شخص جو نہر کے بیچ میں تھا آگے (کنارے پر) آیا اور چاہا کہ باہر نکل آئے تو اس شخص نے جو کنارے پر تھا اس کے منہ پر پتھر پھینک کر مارا جس سے وہ اپنی جگہ لوٹ گیا اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا کہ نہر کے اندر کا آدمی جب باہر نکلنے کا ارادہ کرتا تھا تو کنارے والا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا تھا اور اس کو اسی جگہ واپس کر دیتا تھا۔ میں نے یہ دیکھ کر پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ تو ان دونوں نے کہا چلئے چلئے۔

چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک سرسبز و شاداب باغ کے پاس پہنچے، اس باغ میں ایک بڑا درخت تھا اور اس کی جڑ پر ایک بوڑھا اور کچھ لڑکے (بیٹھے) تھے۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ اس درخت کے پاس ایک اور شخص بھی ہے جس کے آگے آگ جل رہی ہے اور وہ اس کو بھڑکا رہا ہے۔ پھر وہ دونوں آدمی مجھ کو لے کر درخت پر چڑھے اور مجھ کو ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو درخت کے بالکل درمیان تھا اور یہ گھر اتنا اچھا تھا کہ میں نے کبھی بھی اس سے اچھا کوئی گھر نہیں دیکھا۔ اس گھر میں کتنے ہی جوان بوڑھے مرد تھے، کتنی ہی عورتیں اور کتنے ہی بچے تھے اور اس کے بعد وہ دونوں مجھ کو اس گھر سے نکال کر درخت کے اور اوپر لے گئے اور مجھ کو ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو پہلے گھر سے بھی بہت اچھا اور افضل تھا۔ اس میں بھی بوڑھے اور جوان موجود تھے۔

اب میں نے ان دونوں آدمیوں سے کہا کہ آج کی رات تم نے مجھ کو خوب گھمایا پھرایا۔ لیکن میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی حقیقت سے مجھ کو آگاہ کرو؟ ان دونوں نے کہا کہ اچھا ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ (پھر ان دونوں نے بیان کر شروع کیا کہ) جس شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس کے کلّے چیرے جا رہے ہیں۔ وہ ایسا شخص ہے جو جھوٹا ہے جھوٹ بولتا ہے اور اس کی جھوٹی باتیں نقل کی جاتی ہیں جو دنیا میں چاروں طرف پھیلتی ہیں (جن سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں) چنانچہ اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جا رہا ہے جو آپ نے دیکھا اور اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور جس شخص کو آپ نے دیکھا اس کا سر کچلا جا رہا ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا تھا (یعنی اس کو قرآنی علوم سیکھنے کی توفیق عطا فرمائی تھی) لیکن وہ شخص اس (قرآن سے) بے نیاز ہو کر رات میں سوتا رہا اور دن میں قرآن کے مطابق عمل نہیں کیا۔ چنانچہ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جا رہا ہے جو آپ نے دیکھا ہے اور اس کا سلسلہ قیامت تک

جاری رہے گا اور جن لوگوں کو آپ نے تنور میں دیکھا ہے وہ زناکار ہیں اور جس شخص کو آپ نے نہر میں دیکھا وہ سود خور ہے (ان سب کو بھی اپنے کیئے کی سزا مل رہی ہے اور قیامت تک یوں ہی ملتی رہے گی) اور جس بوڑھے شخص کو درخت کی جڑ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے پاس جو بچے ہیں وہ آدمیوں کی اولاد ہیں اور جو شخص درخت کے کچھ فاصلے پر آگ جلا رہا تھا وہ دوزخ کا داروغہ ہے اور وہ درخت کے اوپر پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے۔ وہ (جنت میں عام) مومنوں کا مکان ہے اور یہ گھر (جو پہلے گھر سے اوپر واقع ہے) شہداء کا مکان ہے، میں جبرائیل ہوں اور یہ (جو میرے ساتھ ہیں) میکائیل ہیں اور آپ اوپر سر اٹھایئے۔

(آنحضرت فرماتے ہیں کہ) میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو کیا دکھتا ہوں کہ میرے اوپر (نہایت بلندی میں) ابر کی مانند کوئی چیز ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تہ در تہ سفید ابر کی مانند چیز ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ ابر کی مانند جو چیز آپ دیکھ رہے ہیں۔ دراصل جنت میں آپ کا مکان ہے میں نے کہا تو پھر تم لوگ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں اپنے مکان میں چلا جاؤں تو ان دونوں نے کہا ابھی تو آپ کی عمر باقی ہے۔ جس کو آپ نے پورا نہیں کیا ہے۔ جب آپ اپنی عمر کو پورا کرلیں گے تو اپنے مکان میں چلے جائیں گے۔

(ف) اس طویل حدیث میں خواب کے اندر حضور اکرم ﷺ کو عالم قبر و برزخ کی کارروائی دکھائی گئی۔ حدیث کے الفاظ واضح ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم قبر و برزخ کی یہ کارروائی روح اور جسد دونوں پر وارد ہوتی ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ باقی عالم قبر میں ہونے والی یہ کارروائی اللہ تعالیٰ جہاں چاہتے ہیں دکھا دیتے ہیں۔ اس سائنس کے دور میں تو اس حقیقت کو سمجھنا بڑا آسان ہوگیا ہے۔ کیونکہ مثلاً عرفات کے میدان میں یوم عرفہ کے دن ہونے والی کارروائی ٹی وی اور ویڈیو کے ذریعہ دنیا کے ہر کونے میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حالانکہ ایسے آلات تیار کرنے کی عقل اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جو انسانوں کے بھی خالق ہیں اور ان کی عقلوں کے بھی خالق ہیں۔ وہ قبر میں ہونے والی کارروائی جہاں چاہتے ہیں۔ اپنے بندوں کو دکھا دیتے ہیں۔ بہر حال قرآن و حدیث سے یہ بات متعین ہے کہ یہ کارروائی قبروں میں ہوتی ہے اور روح اور جسد دونوں پر طاری ہوتی ہے اور یہ بات بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ عالم قبر کی اس کارروائی میں جسد عنصری ہی شریک ہوتا ہے۔ کیونکہ نیکی اور بدی کرنے میں وہی شریک کار تھا۔

حدیث نمبر ۸۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں پھر آپ کا ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے، کچلے جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے پہلے تھے اسی طرح سلسلہ جاری ہے کبھی ختم نہیں ہوتا۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا یہ فرض نماز سے کاہلی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں ضریع اور زقوم یعنی کانٹوں اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

جبرائیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے اور آپ کا پھر ایک ایسی قوم پر گزر ہوا کہ جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے وہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں۔ جبرائیل نے کہا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے۔ مگر وہ ایک زانیہ اور فاجرہ کے ساتھ شب

باشی کرتا ہے اور صبح تک اسی کے ساتھ رہتا ہے یا آپ کی امت میں وہ عورت ہے جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار کے ساتھ رات گزارتی ہے۔ پھر آپ کا ایک قوم پر گزر ہوا کہ جن کی زبانیں اور لبیں لوہے کی قینچی سے کاٹی جارہی ہیں اور جب کٹ جاتی ہیں تو پھر پہلے کی طرح صحیح اور سالم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے۔

جبرائیل امین نے کہا یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ ہیں (جو ''یقولون مالا یفعلون'' کا مصداق ہیں) یعنی دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ (اخرجہ ابن جریر والبزار وابویعلی والبیہقی عن ابی ہریرہ، خصائص کبریٰ ج۱ ص ۱۷۲ و فتح الباری ج ۷ ص ۱۵۳، حدیث الاسراء و زرقانی ج ۶ ص ۴۱ و حدیث قرض الشفاء بمقاریض الحدید اخرجہ ابن مردویہ عن انس خصائص کبریٰ ج ۶ ص ۱۵۶، از سیرت المصطفیٰ ﷺ ج ۱ ص ۲۲۳، ۲۲۴)

حدیث نمبر ۸۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں راستہ میں آپ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان ناخنوں سے چھیلتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جبرائیل امین سے پوچھا تو فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو آدمیوں کا گوشت کھاتے تھے۔ یعنی ان کی غیبت کرتے تھے اور ان کی آبرو پر حرف گیری کرتے تھے۔ (اخرجہ احمد و ابوداؤد عن انس خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۵۶، از سیرت المصطفیٰ ص ۲۲۲)

حدیث نمبر ۸۴: حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کا لقمہ بنا بنا کر کھا رہا ہے۔ آپ نے جبرائیل امین سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سود خور ہے۔ اخرجہ ابن مردویہ عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ۔ (خصائص کبریٰ ج ۱، از سیرت المصطفیٰ ﷺ ج ۱ ص ۲۲۲)

(ف) مذکورہ بالا تینوں حدیثوں میں حضور اکرم ﷺ نے سفر معراج کے دوران دیکھے ہوئے حالات بیان فرمائے ہیں اور معذب قوموں کے نقشے بتائے ہیں۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی تحقیق یہی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ نقشے زمین پر عروج الی السماء سے پہلے دیکھے ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۲۲۴)

لہٰذا یہ ساری کارروائی عالم قبر و برزخ کی ہے جو آپ ﷺ کو آسمان پر جانے سے پہلے دکھائی گئی اور یہ کارروائی روح اور جسد پر وارد ہو رہی تھی۔ جیسا کہ حدیث سے واضح ہو رہا ہے۔ اس دور کے منکرین عذاب قبر کے جسد مثالی کا بطلان پہلے گزر چکا ہے اور پچھلے دور کے بعض علماء جس جسد مثالی کے قائل ہیں۔ وہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ سے ہرگز متصادم نہیں ہے اور دور سابقہ کے قائلین جسد مثالی، جسد عنصری کے تعلق اور اس کی جزا و سزا کے قائل ہیں۔ پس جو جسد مثالی عقیدہ اہل سنت والجماعت سے متصادم ہے۔ وہ ثابت نہیں اور جو ثابت ہے وہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے متصادم نہیں ہے۔ پس سفر معراج کی حدیثوں سے عذاب قبر بھی ثابت ہوا اور روح اور جسد عنصری کا جزا و سزا میں شریک ہونا بھی ثابت ہوا۔

اگر کوئی صاحب اس کارروائی کو زمین کی کارروائی نہیں سمجھتا بلکہ آسمان پر سمجھتا ہے تو پھر بھی اس سے عقیدہ اہل سنت والجماعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ کارروائی دراصل قبر کی ہے اور اس قبر کی کارروائی کو اللہ تعالیٰ جہاں چاہتے ہیں دکھا دیتے ہیں۔ اس کے لئے کوئی مشکل نہیں جیسا کہ سابقہ حدیث میں قبر کی اسی کارروائی کو خواب میں دکھایا گیا۔

حدیث نمبر ۸۵: ''عن قیس بن قبیصہ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یوص لم یؤذن لہ فی الکلام مع

الموتٰی قیل یارسول اللہ ﷺ وھل یتکلم الموتٰی؟ قلم نعم ویتزاورون'' ترجمہ: حضرت قیس ابن قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بغیر وصیت کے مرگیا اس کو موتی کے ساتھ کلام کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا موتی کلام کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں ایک دوسرے کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ (الانباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۹۱، بحوالہ ابوالشیخ فی کتاب الوصایا)

(ف) یہ حدیث بھی حیات قبر اور حیات میت کی واضح دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۸۶: ''اللھم انی اعوذبک من عذاب القبر'' اے اللہ میں نے عذاب قبر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

(ف) حضور اکرم ﷺ کا یہ دعائیہ کلمہ بیسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور حدیث کی سینکڑوں کتابوں میں موجود ہے۔ جس میں آپ نے اپنی ذات کے لئے یعنی روح اور جسد عنصری کے لئے عذاب قبر سے پناہ مانگی ہے اور یہی دعا آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام امت کے لئے تعلیم فرمائی ہے اور ہر شخص اپنی ذات کے لئے عذاب قبر سے پناہ پکڑتا ہے، ہر شخص کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اے اللہ میری ذات یعنی روح اور جسد عنصری کو عذاب قبر سے نجات عطا فرما۔ یہ مطلب تو کسی کا بھی نہیں ہوتا کہ اے اللہ میری روح اور صرف روح کو عذاب قبر سے نجات عطا فرما۔ جسد عنصری چاہے عذاب قبر میں جلتا رہے، پس اپنی ذات کے لئے عذاب قبر سے، نجات اور پناہ مانگنا دلیل ہے۔ اس بات کی کہ عذاب قبر روح اور جسد عنصری دونوں کو ہوتا ہے۔ لہٰذا دونوں کے لئے پناہ مانگی جاتی ہے۔ کیا منکرین حیات قبر صرف اور صرف اپنی روح کے لئے پناہ چاہتے ہیں؟ کیا اپنے جسد عنصری کو عذاب قبر میں مبتلا کرنا پسند کرتے ہیں۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں ہر شخص اپنی ذات کو عذاب قبر اور عذاب نار سے بچانے کے لئے دعا کرتا ہے۔

حدیث نمبر ۸۷: ''عن عبداللہ بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ماالمیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا و ما فیھا و ان اللہ تعالٰی لیدخل علی اھل القبور من دعا اھل الارض امثال الجبال و ان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم'' ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قبر میں مردہ کی حالت ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص ڈوب رہا ہو اور کسی کو پکار رہا ہو (کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر پانی سے باہر نکال لے) چنانچہ وہ مردہ ہر وقت اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ اس کے باپ کی طرف سے یا اس کی ماں کی طرف سے یا اس کے بھائی کی طرف سے یا اس کے دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے۔ پس جب اسے (کسی کی طرف سے) دعا پہنچتی ہے تو یہ دعا کا پہنچنا اس کے لئے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی قبر والوں کو دنیا والوں کی طرف سے دعا کا ثواب پہاڑ کی مانند یعنی بہت زیادہ ثواب اور رحمت و بخشش پہنچاتا ہے اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے بہترین ہدیہ استغفار ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۶)

(ف) یہ حدیث اہل سنت والجماعت کے مدعا پر واضح دلیل ہے کہ قبر میں مردہ غریق کی مانند پریشان ہوتا ہے اور اہل دنیا کی دعا کا منتظر رہتا ہے اور یہی اس کی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۸۸: ''اللھم اسئلک بردالعیش بعد الموت'' ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے موت کے بعد خوشگوار زندگی کا سوال کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ ص ۲۲۰ بحوالہ نسائی)

(ف) یہ حدیث حضور اکرم ﷺ کی ایک لمبی دعا کا ٹکڑا ہے جس میں آپ ﷺ نے موت کے بعد خوشگوار زندگی کا سوال کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد بھی ایک خاص قسم کی زندگی ہے۔ پس آپ کی یہ دعا حیات قبر کی دلیل ہے۔ چونکہ حضور اکرم ﷺ نے یہ قبر کی خوشگوار زندگی اپنی ذات کے لئے طلب کی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قبر کی یہ خوشگوار زندگی روح اور جسد کے مجموعہ کو نصیب ہوتی ہے نہ کہ روح مجرد کو۔ کیونکہ یہ دعا آپ نے صرف صرف روح کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لئے مانگی ہے اور آپ کی ذات ہی کے لئے قبول ہوئی۔

حدیث نمبر ۸۹: ''عن ابی الدرداء قال مر النبی ﷺ بامرأۃ مجح فسأل عنها فقالوا امة لفلان قال ایلم بها قالوا نعم قال لقد هممت ان العنه یدخل معه فی قبره کیف یستخدمه و هو لا یحل له ام کیف یورثه و هو لا یحل له'' ترجمہ: حضرت ابوالدرداء ﷛ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جلد ہی ولادت ہونے والی تھی آپ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا (کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے) صحابہ ﷡ نے عرض کیا فلاں شخص کی لونڈی ہے۔ آپ نے پوچھا کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے، صحابہ ﷡ نے عرض کیا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے (یعنی لعنت جو ہمیشہ رہے) بایں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لئے کہنا یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے یا اس کو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ کسی غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں۔

(مشکوٰۃ ص ۲۸۹، بحوالہ مسلم ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۰)

(ف) ایک شخص نے استبراء رحم سے پہلے اپنی باندی سے جماع کیا، حالانکہ استبراء رحم سے پہلے باندی سے جماع کرنا حلال نہیں ہے۔ اسی جرم کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت کرنے کا ارادہ فرمایا اور لعنت بھی ایسی جو قبر میں بھی ساتھ جائے۔ قبر میں لعنت کا ساتھ جانا عذاب قبر کی دلیل ہے اور عذاب قبر حیات قبر کی دلیل ہے۔ کیونکہ عذاب کے لئے حیات قبر ضروری ہے۔ حدیث مذکورہ تشریح طلب ہے جس کو بخوف طوالت ترک کیا جا رہا ہے۔ لیکن اہلسنت والجماعت کا مدعا اس سے بالکل واضح ہے۔

حدیث نمبر ۹۰: ''عن علی قال بعث النبی ﷺ سریة فاستعمل رجلا من الانصار وامرهم ان یطیعوه فغضب قال الیس امرکم النبی ﷺ ان یطیعونی قالوا بلٰی قال فاجمعونی حطبا فجمعوا فقال اوقدوا نارا فاوقدوها فقال ادخلوها فهموا وجعل بعضهم یمسک بعضا ویقولون فررنا الی النبی ﷺ من النار فمازالوا حتی خمرت النار فسکن غضبه فبلغ النبی ﷺ فقال لو دخلوها ما خرجوا منها الی یوم القیامة''

ترجمہ: حضرت علی ﷛ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک جماعت بھیجی اس کا سردار ایک انصاری مرد کو مقرر کیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی اطاعت کرو ایک بار ایسا ہوا کہ اس انصاری مرد کو غصہ آیا وہ لوگوں کو کہنے لگا آنحضرت ﷺ نے تم کو میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں بیشک دیا ہے تب اس نے کہا اچھا جلانے کی لکڑیاں جمع کرو لوگوں نے جمع کیں۔ اس نے کہا آگ روشن کرو۔ انہوں نے آگ روشن کی۔ اس نے کہا اب اس میں گھس جاؤ۔ لوگوں نے قصد کیا کہ اس میں گھس جائیں مگر ایک دوسرے کو روکنے لگے اور کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ہم اس لئے بھاگ کر آئے کہ آگ سے بچیں۔ خیر وہ یہ کہتے رہے یہاں تک کہ وہ آگ بجھ

گئی اور اس انصاری سردار کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر گھس جاتے تو قیامت تک اس میں سے نہ نکلتے۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۲۲)

(ف) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ اپنے امیر کا کہنا مان کر آگ میں گھستے تو ان کا یہ اقدام خودکشی کے مترادف ہوتا۔ پس وہ لوگ خودکشی کی پاداش میں قیامت تک آگ میں رہتے۔ ظاہر ہے کہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے والی جزا و سزا کو عذاب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث عذاب قبر اور حیات قبر کی دلیل ہے۔ اگر وہ لوگ آگ میں گھستے تو انہی اجسام عنصریہ کے ساتھ گھستے اور انہی اجسام عنصریہ کے ساتھ قیامت تک آگ میں رہتے۔ پس ثابت ہوا کہ اجسام عنصریہ قبر کی جزا و سزا میں شریک ہوتے ہیں۔

<u>حدیث نمبر ۹۱</u>: دعا ماثورہ میں "اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت" یعنی اے اللہ میری موت میں برکت پیدا فرما اور موت کے بعد والی زندگی میں بھی برکت پیدا فرما۔

(ف) حضور اکرم ﷺ کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور آپ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ میری اس قبر والی زندگی کو بابرکت بنا۔ آپ ﷺ نے یہ دعا صرف اپنی روح کے لئے نہیں فرمائی بلکہ اپنی ذات کے لئے فرمائی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے حق میں یہ دعا قبول فرمائی اور عالم قبر میں حضور اکرم ﷺ کی روح اقدس اور جسد اطہر کو بابرکت زندگی عطا فرمائی۔ لہٰذا یہ حدیث بھی (حیات قبر کی واضح دلیل ہے)

<u>حدیث نمبر ۹۲</u>: "عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال یعرض علی ابن آدم مقعدہ من الجنۃ والنار غدوۃ وعشیۃ فی قبرہ" ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم پر صبح و شام، قبر میں، دوزخ و بہشت کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۱۱۳)

(ف) اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قبر میں ابن آدم پر اس کا دوزخ یا بہشت کا ٹھکانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی یہ کارروائی روح اور جسد عنصری دونوں پر وارد ہوتی ہے۔ کیونکہ ابن آدم کا اطلاق روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ پس یہ حدیث بھی حیات قبر کی دلیل ہے۔

<u>حدیث نمبر ۹۳</u>: "ان عائشۃ رضی اللہ عنہا قال لابیھا انی رأیت فی النوم کان قمرا وقع فی حجری حتی ذکرت ثلاثۃ مرات فقال ابوبکر صدقت رؤیاک دفن فی بیتک خیر اھل الارض" ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ماجد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے خواب میں دیکھا تین چاند میرے حجرے میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرا خواب سچا ہے کیونکہ تین شخص جو خیر البریہ ہیں تیرے حجرے میں دفن ہوں گے۔ یعنی حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

(مصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۴۰ طبع امدادیہ ملتان)

(ف) یہ تین حضرات بالترتیب خیر البریہ ہیں، عالم قبر میں اگر ان حضرات کے ارواح کا ان کے اجساد سے تعلق تسلیم کیا جائے تو ان پر خیر البریہ کا اطلاق، موزوں و مناسب ہے ورنہ خالی جسد عنصری کو خیر البریہ کہنا تو کجا، منکرین عذاب قبر تو اس کو انسان کہنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔

بلکہ ان کے نزدیک محض جسد عنصری، کلہاڑی یا سواری اور ڈھانچہ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ انسان تو صرف روح کو سمجھتے ہیں۔ لہٰذا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون تین شخصیات کو خیر البریہ کہنا دلیل ہے اس بات کی

وہاں روح کا اجساد کے ساتھ تعلق ہے۔ جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے نیز حجرہ میں مدفون حضرات کو خیر البریہ کہنے کے باوجود ہر قسم کے انعام واکرام اور راحت وسکون سے ان کو محروم کہنا ایک بے تکی سی بات ہے۔ کیونکہ جو خیر البریہ ہیں ان کو راحت وسکون چاہئے اور ان کا اکرام واحترام ہونا چاہئے اور یہ سب باتیں حیات قبر کی دلیل ہیں۔

حدیث نمبر ۹۴: ''فقال لی عمر یا ابا خالد انی محدثک حدیثا اما احدھما فسرّ واما الآخر فعلانیۃ اما السرّ فانی کنت نزلت فی قبر الولید بن عبدالملک حین دلّوہ فی قبرہ فلما اخذناہ من سریرہ علی الدنیا اضطراب فی اکنانہ فوضعناہ فی قبرہ فقال ابنہ ابی حیّ ابی حیّ فقلت ان اباک لیس بحیّ ولکنھم یلقون ھذا فی قبورھم'' ترجمہ: (یزید ابن مہلب) کہتے ہیں مجھے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا اے ابو خالد میں تجھے بات سنانا چاہتا ہوں ایک مخفی راز ہے اور ایک ظاہر بات ہے لیکن راز کی بات یہ ہے کہ جب لوگوں نے ولید بن عبدالملک کو قبر میں اتارا میں اس وقت اس کی قبر میں تھا۔ پس جب ہم نے اس کو اس چارپائی سے اٹھا کر (قبر میں اتارنے کے لئے) اپنے ہاتھوں پر اٹھایا تو اس نے اپنے کفن میں حرکت کی۔ پس ہم نے اس کو اس کی قبر میں رکھ دیا اس کے بیٹے نے (اس کی حرکت کو دیکھ کر) کہا میرا باپ زندہ ہے میرا باپ زندہ ہے میں نے کہا تیرا باپ زندہ نہیں ہے۔ لیکن (مردہ لوگوں کو) اپنی قبروں میں ایسے حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۹۰)

(ف) اس روایت سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ عالم قبر کی کارروائی میں یہی دنیا والا جسد عنصری شریک اور حصہ دار ہوتا ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

حدیث نمبر ۹۵: ''خرجنا مع معاذ بن جبل علی جنازۃ فقال ما انتم ببارحین وھم یدفنونہ حتی یسمع صاحبکم ضبط نعالکم فیاتیہ صاحب القبر من عند راسہ فتقول لسانہ لا تاتہ من قبلی فانہ قد کان یقوم بکتاب اللہ تعالٰی وینصب فھذا حین استراح ثم یأتیہ من رجلیہ فتقول رجلہ لا تاتیہ من قبلنا فانہ کان یمشی بنا الی الصلوٰۃ فیاتیہ من قبل یمینہ فیقول لا تاتیہ من قبل فانہ کان یبسط یمینہ بالصدقہ فیاتیہ من قبل شمالہ یقول شمالہ لا تاتہ من قبلی فانہ کان یحمل علی السلاح او قال فی السلاح فی سبیل اللہ فیقوم من قبل وجھہ فیقرعہ فیقول ما تقول فی ھذا الرجل؟ فیثبتہ اللہ وان کان شاکا قال لا ادری سمعت الناس یقولون شیئا فیضربہ ضربۃ یسمعہ کل شیٔ یحضرہ الا الثقلان'' (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۸۳)

ترجمہ: ہم لوگ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک جنازہ کے ساتھ نکلے۔ پس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا۔ حالانکہ وہ لوگ میت کو دفن کر رہے ہوتے ہیں اور تم لوگ ابھی یہاں موجود ہو گے اور میت تمہاری جوتیوں کی آہٹ کو سن رہا ہو گا کہ اس کے پاس سر کی جانب سے قبر کا فرشتہ آجاتا ہے تو اس کی زبان کہتی ہے کہ تو میری طرف سے نہ آ کیونکہ وہ نماز میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتا تھا اور تھک جاتا تھا۔ پس یہ اس کے آرام کا وقت ہے۔ پھر وہ فرشتہ اس کے پاؤں کی طرف سے آتا ہے اس کے پاؤں کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے مت آ۔ کیونکہ وہ ہمارے ساتھ چل کر نمازوں کے لئے جاتا تھا پھر وہ فرشتہ اس کی دائیں جانب آتا ہے تو اس کا دایاں ہاتھ کہتا ہے کہ میری جانب سے نہ آ کیونکہ وہ شخص اس دائیں ہاتھ سے صدقہ دیا کرتا تھا۔ پھر وہ فرشتہ اس کی بائیں جانب سے آتا ہے تو اس کا بایاں ہاتھ کہتا ہے کہ میری طرف سے مت آ۔ کیونکہ وہ اس پر جہاد کے سامان وہتھیار اٹھاتا تھا۔ پھر وہ فرشتہ اس کے منہ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کو گھبراہٹ میں ڈالتا ہے پس کہتا ہے کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا

کہتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کو ثابت قدم رکھتا ہے اور اگر شک کرنے والا ہے تو کہتا ہے میں نہیں جانتا لوگوں سے سنا وہ کوئی چیز کہتے تھے۔ پس فرشتے اس کو ایسی مار دیتے ہیں کہ ثقلین کے علاوہ قریب کی ہر چیز اس کی فریاد کو سنتی ہے۔

(ف) اس روایت کا ایک ایک لفظ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ عالم قبر کی کارروائی میں جسد عنصری شریک و سہیم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں بتایا گیا کہ جب فرشتہ حساب کے لئے آتا ہے تو جسد عنصری کے ہاتھ پاؤں اور زبان وغیرہ اعضاء اس کا دفاع کرتے ہیں۔ پس یہ روایت بھی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۹۶: ''من اشھر ذالک ما رواہ ابن عبدالبر مصححاً لہ عن ابن عباس مرفوعاً ما من احد یمرّ بقبر اخیہ المسلم کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام'' ترجمہ: جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس پر پھیر دیتے ہیں حتی کہ وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸، کتاب الروح ص ۱۰، التذکرہ للقرطبی ص ۱۶۵، تفسیر معارف القرآن ج ۶ ص ۶۰۳، احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۵، الصارم المنکی لابن عبدالہادی ص ۲۹۵، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۷۰)

حدیث نمبر ۹۷: ''فروی ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ ما من رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الا استانس بہ ورد علیہ حتی یقوم'' ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو جب تک وہاں بیٹھا رہے وہ اس سے انس پکڑتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸، احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۵، کتاب الروح ص ۱۱، احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۴۹۱، الصارم المنکی ص ۲۹۵، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۷۰)

حدیث نمبر ۹۸: ''وروی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلّم علیہ رد علیہ السلام'' ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا جب کوئی مرد قبر کے ساتھ گزرتا ہے کہ قبر والے کو جانتا تھا پس سلام کرتا ہے تو قبر والا اس کو سلام کو جواب دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸، احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۵، کتاب الروح ص ۱۱، احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۴۹۱، الصارم المنکی ص ۲۹۵، جامع صغیر ج ۲ ص ۱۵۰، بحوالہ ابن عساکر، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۷۰)

حدیث نمبر ۹۹: ''عن زید ابن اسلم قال مرّ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ وصاحب لہ علی قبر فقال ابو ہریرۃ سلم فقال الرجل اسلم علی القبر؟ فقال ابوہریرۃ ان کان رآک فی الدنیا یوما قط انہ لیعرفک الآن'' ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک ساتھی کا قبر سے گزر ہوا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی کو کہا کہ قبر پر سلام کر۔ اس نے کہا میں قبر پر سلام کروں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر صاحب قبر نے تجھے دنیا میں صرف ایک دفعہ بھی دیکھا تھا تو وہ اب تجھے پہچان لے گا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۷۶)

حدیث نمبر ۱۰۰: حضرت عبیدہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب حضور اکرم ﷺ کا شہداء احد پر گزر ہوا تو فرمایا: ''الا فاتوھم وسلّموا علیھم فوالذی نفسی بیدہ لا یسلّم علیھم احد الی یوم القیامۃ الا ردّوا علیہ'' ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا خبردار تم شہداء احد کے پاس آؤ اور ان پر سلام کرو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو شخص بھی ان پر سلام کرے گا وہ جواب دیں گے۔

(تفسیر بغوی ج ۱ ص ۲۷۳، تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۷۰، احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۷ بحوالہ حاکم، بیہقی، طبرانی)

حدیث نمبر ۱۰۱: ”وفی شرح الصدور للسیوطی قال اخرج العقیلی عن ابی ھریرۃ قال قال ابو رزین یا رسول اللہ ﷺ ان طریقی علی الموتٰی فھل من کلام اکلم بہ اذا مررت علیھم؟ قال قل السلام علیکم یا اھل القبور من المسلمین والمومنین انتم سلفنا ونحن لکم تبع وانا ان شاءاللہ بکم لاحقون قال ابو رزین یارسول اللہ ﷺ یسمعون قال یسمعون ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا۔ الحدیث“ ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ میری گزرگاہ قبرستان ہے پس کیا میں ان سے کوئی بات کرسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبرستان سے گزرتے وقت یوں کہا کر، اے مؤمنین مسلمین اہل قبور تم پر سلام ہو تم ہم سے پہلے آگئے اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں اور ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ ابو رزین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا وہ سنتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دیتے۔ یعنی ہم ان کے جواب کو نہیں سنتے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۷ بحوالہ شرح الصدور للسیوطی عن عقیلی)

حدیث نمبر ۱۰۲: ”انہ کان یرجع من صنیعۃ فیمر بقبور الشھداء فیقول السلام علیکم وانا بکم لاحقون ثم یقول لاصحابہ الا تسلّمون علی الشھداء فیردون علیکم“ ترجمہ: حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب اپنی زمین اور کھیتی باڑی سے واپس آتے اور شہداء کرام کی قبروں سے گزرتے تو فرماتے السلام علیکم اور بے شک ہم بھی تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ پھر اپنے ساتھیوں کو کہتے، کیا تم شہداء کو سلام نہیں کہتے؟ تا کہ وہ تمہیں سلام کا جواب دیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸ طبع ملتان، شرح الصدور ص ۹۴ طبع مصر از سماع الموتٰی ص ۲۲۹ مطبوعہ امدادیہ ملتان ج ۳ ص ۲۲۱)

حدیث نمبر ۱۰۳: ”ذکر ابن ابی الدنیا ایضا عن محمد بن واسع انہ کان یذھب کل غداۃ سبت حتی یاتی الجبانۃ فیقت علی القبور فیسلم علیھم ویدعوا لھم ثم ینصرف فقیل لہ لو صیرت ھذا الیوم یوم الاثنین قال بلغنی ان الموتٰی یعلمون بزارھم یوم الجمعۃ یوما قبلہ ویوما بعدہ وذکر عن سفیان الثوری قال بلغنی عن الضحاک انہ قال من زار قبرا یوم السبت قبل طلوع الشمس علم المیت بزیارتہ فقیل لہ کیف ذالک؟ قال لمکان یوم الجمعۃ“ ترجمہ: محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ ہر ہفتہ کی صبح کو قبرستان جایا کرتے تھے اور اہل قبور کو سلام کرتے تھے اور ان کے لئے دعا مانگتے تھے۔ پھر واپس آجایا کرتے تھے۔ اسے کہا گیا کہ آپ ہفتہ کی بجائے سوموار کو قبرستان جایا کریں تو بہتر ہوگا۔ کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ مردے جمعہ کے دن اور ایک دن اس سے پہلے اور ایک دن بعد زائرین کو پہچانتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں مجھے ضحاک سے یہ بات پہنچی ہے وہ فرماتے ہیں جو شخص ہفتہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے قبر کی زیارت کرے تو میت کو اس کا علم دیا جاتا ہے۔ پس اس سے پوچھا گیا کہ کس طرح؟ فرمایا جمعہ کی وجہ سے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۲، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۷۰، کتاب الروح ص ۱۱، احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۵ بحوالہ بیہقی و شرح الصدور، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸، رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۵)

(ف) مذکورہ بالا آٹھ روایتوں سے میت کا سماع اور میت کی معرفت ثابت ہوتی ہے۔ پس اہل قبور کا سماع اور معرفت حیات قبر کی واضح اور بین دلیل ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اور نظریہ ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا آٹھ روایتوں سے اگرچہ بندہ عاجز کا مقصد قبر کی زندگی اور قبر کی جزا و سزا کو ثابت کرنا ہے اور یہ ثابت کرنا ہے کہ عالم قبر و برزخ کی کارروائی میں روح اور جسد عنصری دونوں شریک رہتے

ہیں۔ لیکن چونکہ مذکورہ بالا آٹھ روایتیں سماع موتی کی بھی دلیلیں ہیں۔ لہٰذا مسئلہ سماع موتی کے متعلق چند امور کی وضاحت ضروری ہے۔ پس راہ چلتے ہوئے چند وضاحتیں ذہن نشین فرمالیں۔ تاکہ اس معاملہ میں کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے اور کوئی بات تشنہ تکمیل نہ رہے۔

معدن السرور فی تحقیق سماع اہل القبور

انبیاء کرام کا سماع اتفاقی ہے اور بقیہ کا اختلافی (وضاحت اوّل)

پوری امت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کا عہد اوّل سے لے کر آج تک اس پر اتفاق چلا آرہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور کے نزدیک سلام وغیرہ سنتے ہیں۔ اسلام کی پوری چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی ایک سنی عالم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع کا انکار نہیں کیا۔ پس انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع ایک اجماعی عقیدہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر آدمی اہلسنت والجماعت کہلوانے کا حق دار نہیں ہے۔ کیونکہ اجماع امت کا انکار کم از کم گمراہی تو ضرور ہے۔ اس لئے کہ اجماع امت بھی ایک حجت شرعیہ ہے۔ چنانچہ فقیہ العصر قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ لکھتے ہیں۔ قبر کے پاس جا کر یہ کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے یہ دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیوے۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کوئی خلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارۃ قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے لئے کافی ہے۔　　(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۴، ۶۹)

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے وسیع النظر محقق امام ربانی کی نظر میں انبیاء کرام کے سماع کا منکر دنیا میں نہیں گزرا اور اجماع کی دلیل حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے کہ تمام فقہاء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کے وقت سلام سے فارغ ہو کر زائر کو چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت مغفرت کی درخواست کرے۔ یعنی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے لئے دعا فرمانا کہ اللہ تعالیٰ ہماری بلکہ پوری امت کی مغفرت فرمائے اور زائر کو چاہئے کہ آپ کی خدمت میں سلام بھیجنے والوں کے سلام پہنچائے۔

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فقہاء کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زائرین کے سلام اور درخواست دعا وشفاعت وغیرہ کو سنتے ہیں۔

آداب زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں: (فتح القدیر ج ۳ ص ۹۵، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۷۱۳، فتاویٰ عالمگیریہ ج ۱ ص ۲۶۵، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰، تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۹، احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۵۱، زبدۃ المناسک ص ۲۴۹ ملحق تالیفات رشید)

خلاصہ یہ کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، فقہاء، مفسرین، محدثین اور تمام علماء امت انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع پر متفق اور متحد ہیں اور یہی عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت ہے اور اسی پر پوری امت کا اجماع ہے۔ آج تک کسی ایک مسلمان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت عند القبر الشریف کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی

قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے اور نہ کسی ضعیف سے ضعیف حدیث میں یہ لکھا ہے کہ آپ ﷺ عند القبر الشریف صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ ضعیف تو ضعیف رہی کسی موضوع روایت سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے۔

الغرض دنیا کی کسی کتاب میں یہ لکھا ہوا نہ ملے گا کہ حضور اکرم ﷺ اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام، عند القبور کچھ بھی نہیں سنتے۔ انبیاء کرام کے سماع کے انکار کا نظریہ چودھویں صدی کے اواخر کی پیداوار ہے۔ اس لئے علماء اہلسنت والجماعت نے اس نو ایجاد نظریہ کو بدعت قرار دیا ہے اور ایسے نظریہ کے حاملین کو اہل بدعت کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔

عام موتی کا سماع، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا (وضاحت دوم)

عام موتی کے سماع کا مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ نے ابتداء عام موتی کے سماع کا انکار کیا ہے۔ جب کہ حضرت عمر، ابن عمر، حضرت ابو طلحہ، حضرت انس وغیرہ راویان حدیث قلیب بدر و حدیث قرع النعال سماع موتی کے قائل ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ وغیرہ راویان ما من احد یمر بقبر الحدیث بھی سماع موتی کے قائل ہیں اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبیدہ بن عامر، حضرت ابو رزین، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم راویان سلام علی القبور بھی سماع موتی کے قائل ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاص ''حتی استانس بکم'' کہنے والے صحابی انس میت اور سماع میت کے قائل ہیں۔ الغرض مذکورہ بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی روایت کردہ احادیث کو سن کر بلا نکیر خاموش ہو جانے والے تمام صحابہ کرام سماع موتی کے قائل ہیں۔ بندہ عاجز کے محدود مطالعہ کے مطابق کوئی صحابی رسول ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہم خیال نہیں ہوا۔ ''واللہ اعلم بحقیقۃ الحال'' بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ جس کا انکار کوئی منصف مزاج آدمی نہیں کر سکتا کہ مسئلہ سماع موتی ابتداء سے اختلافی رہا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ القرآن صاحب ﷫ لکھتے ہیں ''سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں کچھ علماء کرام کی یہ رائے رہی ہے کہ مردے سنتے ہیں جب کہ دوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بناء پر سماع موتی کی نفی کی ہے۔'' (جواہر القرآن ص ۹۰۲) البتہ بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ نے اپنے موقف عدم سماع موتی سے رجوع فرما لیا تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ سیدہ اپنے بھائی کے مزار پر گئیں اور وہاں ان کو مخاطب بنا کر ان سے گفتگو فرمائی دوسری وہ حدیث ہے جو ابن ابی الدنیا نے بروایت عائشہ نقل کی ہے۔ بہر حال سیدہ کا جو اختلاف رہا ہے وہ عام موتی کے حق میں تھا۔ حضور اکرم ﷺ اس اختلاف سے یقیناً مستثنیٰ ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات کو اس اختلاف میں شامل سمجھنا ظلم عظیم اور کذب قبیح ہے۔

عام موتی کے سماع کے قائلین و منکرین دونوں قابل ملامت نہیں (وضاحت سوم)

آپ نے پڑھ لیا ہے کہ عام موتی کے سماع میں عہد اول سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ ایک طرف حضور اکرم ﷺ کی حرم محترم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے اور دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جم غفیر ہے۔ اب یہ بھی معلوم کر لیں کہ ہر دو حضرات کے پاس اس کے دلائل ہیں۔ منکرین سماع موتی قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے بزعم خود استدلال کرتے ہیں جب کہا قائلین انہی آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے حجت پکڑتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ

القرآن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے جب کہ قائلین سماع بھی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔'' (جواہر القرآن ص ۹۰۲)

چونکہ عام موتی کے سماع کا مسئلہ اختلافی ہے اور ہر دو جانب کے دلائل ہیں اور اکابرین ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کے کسی ایک پہلو کو عقائد ضروریہ میں سے شمار نہیں کیا گیا بلکہ اسے غیر ضروری اور فرعی مسئلہ قرار دے کر اس میں کسی ایک جانب پر تشدد کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص عام موتی کے سماع کا منکر ہے تو اس کو کوئی ملامت نہ کی جائے۔ کیونکہ اس کے انکار کی بنیاد بھی دلائل پر ہے اور اگر کوئی عام موتی کے سماع کا قائل ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے پاس بھی قرآن وسنت کے دلائل موجود ہیں۔ لہٰذا قائلین اور منکرین ہر دو فریقین کو ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہئے۔ کسی ایک جانب سے تشدد نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت شیخ القرآن صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں۔ جن کی نفی یا اثبات پر کفر واسلام کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی بحث ہے۔ جس میں بحث وتمحیص اور نظر وتحقیق کی گنجائش ہے۔'' (جواہر القرآن ص ۹۰۲)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ سماع موتی ثابت ہے یا نہیں۔ درصورت جواز یا عدم جواز قول راجح کیا ہے؟ اور تلقین بعد دفن ثابت ہے یا نہیں؟ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا کہ: ''یہ مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہا ہے اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن کے اسی پر مبنی ہے جس پر عمل کرے درست ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۸) ان بزرگوں کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں نظر وتحقیق کی گنجائش ہے اور آدمی کا جس جانب رجحان ہو جائے وہ درست ہے کسی جانب کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیر والے سے سوال کیا گیا کہ حضرت جو لوگ سماع موتی کے قائل ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، حضرت نے فرمایا ''میں سماع موتی کے قائلین کو کافر تو درکنار گمراہ بھی نہیں کہتا ہوں۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۱۲، شمارہ جولائی اگست ۱۹۸۴ء)

اور جو کچھ جواہر القرآن میں لکھا ہے وہی کچھ سجاد بخاری صاحب نے لکھا ہے۔ دیکھئے (اقامۃ البرہان ص ۹۷)

قارئین کرام! جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان اشاعت والوں کی کتابیں ہیں اور تعلیم القرآن ان کا ماہنامہ رسالہ ہے ان تینوں کتابوں میں مندرجہ ذیل باتوں کو واشگاف الفاظ میں تسلیم کیا گیا ہے۔ سماع موتی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا ہے۔ سماع موتی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ مسئلہ سماع عقائد ضروریہ سے نہیں ہے قائلین سماع موتی نہ کافر ہیں نہ گمراہ۔ لیکن اب یہی اہل اشاعت ان سب باتوں کے برعکس یوں کہتے ہیں کہ سماع موتی صحابہ کرام کے درمیان مختلف فیہ نہ تھا بلکہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم عدم سماع کے قائل تھے، سماع موتی کہیں سے ثابت نہیں۔ عقیدہ عدم سماع ضروریات دین سے ہے۔ جو لوگ سماع موتی کے قائل ہیں۔ وہ کافر اور مشرک ہیں۔ صبح کچھ اور شام کچھ کہنے والے اور ہر روز اپنے نظریات تبدیل کرنے والے لوگ نامعلوم کس توحید کی اشاعت کرتے ہیں اور کس سنت کا پرچار کرتے ہیں۔

خیر میں تو عرض کر رہا تھا کہ عام موتی کا سماع عہد اوّل سے اختلافی ہے اور عقائد ضروریہ سے نہیں ہے بلکہ ایک غیر اہم مسئلہ ہے کوئی قائل ہے تو وہ بھی اہلسنت ہے اور اگر کوئی منکر ہے تو وہ بھی اہلسنت ہے۔ عام موتی کے سماع اور عدم سماع سے آدمی اہلسنت والجماعت سے خارج نہیں ہوتا۔ اسی لئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں۔ اس مسئلہ کا فیصلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۸) اگر بالفرض یہ مسئلہ ضروریات دین سے ہوتا تو علماء حق نے اس کا پہلے دن سے فیصلہ کردیا ہوتا کہ یہ جانب حق ہے اور یہ ناحق۔ لیکن اس مسئلہ میں کسی ایک جانب کو ترجیح تو دی جاسکتی ہے لیکن کسی کو ناحق نہیں کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ دونوں جانب اہلسنت والجماعت کے اکابرین اور سلف صالحین ہیں اور اہلسنت والجماعت سب برحق ہیں۔

فریقین کے دلائل کی حقیقت (وضاحت چہارم)

عام موتی کے سماع کے منکرین مندرجہ ذیل آیات کے ظاہری الفاظ سے بفہم خود استدلال کرتے ہیں ''انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین'' (النمل: ۸۰) بعینہٖ یہی آیت سورت روم آیت نمبر ۵۲ میں بھی موجود ہے۔ جس کا معنی یہ ہے اے پیغمبر! آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں۔ جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیویں۔ ''ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا نذیر'' (فاطر: ۲۳) یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں بندہ عاجز نے جو یہ لکھا ہے کہ منکرین سماع ظاہری الفاظ سے استدلال کرتے ہیں ایک تو اس لئے کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جواہر القرآن میں ظواہر قرآن کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ دوسرا اس لئے کہ یہ آیات کا ظاہری مطلب ہے۔ حقیقی مطلب نہیں ہے۔

باقی بندہ عاجز نے کہا کہ منکرین سماع بفہم خود استدلال کرتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ قائلین سماع بھی انہیں مذکورہ بالا آیات سے سماع موتی ثابت کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کا استدلال اپنے اپنے فہم پر مبنی ہے ورنہ آیات مذکورہ اس مقصد کے لئے اور یہ مسئلہ بتانے کے لئے نازل نہیں ہوئی کہ مردے سنتے ہیں یا نہ بلکہ آیات مذکورہ کے نزول کا مقصد کچھ اور ہے جو ابھی آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن منکرین وقائلین نے اپنی فہم کے مطابق سماع اور عدم سماع پر استدلال کیا ہے اور ان شاء اللہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے استدلال میں عند اللہ ماجور ہوں گے، کیونکہ ہر دو طرف مخلصین ہیں۔

اور اب آیات مذکورہ کے مطلب اور مقصد کو سمجھئے جس کو تمام مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ آیات مذکورہ میں موتی سے مراد وہ زندہ کافر ہیں جن کے قلوب کفر وعناد کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہیں اور ''لا تسمع'' (نہیں سنا سکتے) کا مطلب ہے آپ ان کو نہیں منوا سکتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مردہ دل زندہ کافروں کو اپنی بات نہیں منوا سکتے۔ پس اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو ''انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء'' کا ہے۔ البتہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مردہ دل زندہ کافروں کو قبر والے مردوں سے تشبیہ دی ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے یہ تشبیہ کس چیز میں ہے؟ منکرین سماع موتی کہتے ہیں کہ یہ تشبیہ نفس سماع میں ہے یعنی جس طرح قبرستان میں مردے نہیں سن سکتے۔ اسی طرح یہ مردہ دل زندہ کافر بھی نہیں سنتے اور قائلین سماع کہتے ہیں کہ یہ تشبیہ سماع کے بعد انتفاع میں ہے۔ یعنی جس طرح قبرستان والے مردے آپ کی بات سن بھی لیں تو وہ اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے چونکہ وجہ تشبیہ ہر فریق نے اپنی فہم کے مطابق متعین کی ہے۔ اس لئے بندہ عاجز نے لکھ دیا کہ ہر فریق کا استدلال مبنی برفہم خود ہے۔ جس نے نفس سماع کو وجہ تشبیہ قرار دیا اس نے اس آیت سے سماع موتی کی نفی سمجھی اور جس نے سماع کے بعد

انتفاع کو وجہ تشبیہ قرار دیا۔ اس نے سماع موتی کا اثبات کیا۔ ''للناس فیما یعشقون مذاھب'' بندہ عاجز نے جو یہ عرض کیا ہے کہ آیات مذکورہ میں موتی سے مردہ دل زندہ کافر مراد ہیں، اس پر کتاب اللہ کے چند قرینے ملاحظہ فرمائیں۔

۱...... آیت میں ''اذا ولوا مدبرین'' کا جملہ موجود ہے۔ جس کا مطلب ہے اے پیغمبر آپ مردوں اور بہروں کو کیسے سنا سکتے ہیں جب کہ وہ آپ کی تبلیغ کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ غور فرمائیں دعوت وتبلیغ کے درمیان بھاگ جانا زندہ کافروں کا کام ہے نہ کہ قبرستان والے مردوں کا۔

۲...... آیت میں ہے ''ان انت الا نذیر'' جس کا مطلب ہے اے پیغمبر آپ تو صرف نذیر یعنی ڈرانے والے ہیں۔ یعنی اگر آپ کی تبلیغ کے باوجود وہ نہیں مانتے تو گھبرائیں مت کیونکہ آپ تو صرف نذیر ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ زندہ کافروں کے لئے نذیر اور منذر بن کر آئے نہ کہ قبرستان والے مردوں کے لئے۔

۳...... آیت میں ہے ''ان تسمع الا من یؤمن بآیتنا'' یعنی اے پیغمبر آپ تو صرف ایمان داروں لوگوں کو سناتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایماندار لوگ جو آپ کی بات کو سنتے ہیں وہ زندہ ہیں۔ اسی طرح جو کافر آپ کی بات نہیں سنتے وہ بھی زندہ ہیں۔ یعنی زندہ ایماندار آپ کی بات سنتے ہیں اور زندہ کافر آپ کی بات نہیں سنتے ہیں۔ اس صورت میں تقابل درست ہوگا۔ اگر کوئی شخص ''انک لاتسمع الموتی'' سے قبرستان والے مردے مراد لیتا ہے تو ''ان تسمع الا من یؤمن'' سے بھی قبرستان والے مردے مراد ہوں گے۔ پھر دونوں کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کافر مردوں کو نہیں سنا سکتے اور ایماندار مردوں کو سنا سکتے ہیں تو پھر بھی ایمان دار مردوں کا سماع اس آیت سے ثابت ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ موتی سے مراد قبرستان والے مردے نہیں ہیں۔ بلکہ مردہ دل زندہ کافر مراد ہیں۔ جو آپ کی بات کو نہیں سنتے تھے یعنی سن کر نہیں مانتے تھے کیونکہ بات کو سن کر نہ ماننا ایسے ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔

یہ تو آیات قرآنیہ کا صحیح مطلب اور مقصد ہے جو آپ کی خدمت میں بیان کیا گیا ہے لیکن اگر آیات مذکورہ کا ظاہری مطلب بھی بر سبیل تنزل تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی آیات مذکورہ میں یہی کہا گیا ہے کہ اے پیغمبر آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں یہ تو قرآن مجید میں کہیں نہیں کہا گیا کہ مردے نہیں سنتے یا مردوں میں سننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے بلکہ کہا تو یہ گیا ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ جس کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سناتا ہے ''ان اللہ یسمع من یشآء'' جس طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے ''انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء'' یعنی اے پیغمبر آپ ہدایت نہیں دے سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ان دونوں آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور آپ کسی کافر کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ مردوں کو سناتا ہے اور کافروں کو ہدایت بھی دیتا ہے۔

چونکہ دونوں آیتیں لفظاً ومعناً ایک جیسی ہیں۔ لہٰذا دونوں کا حکم بھی ایک جیسا ہی ہوگا۔ یعنی اگر ''ولکن اللہ یھدی'' میں قانون کا بیان ہے ''اللہ یسمع من یشآء'' میں بھی قانون کا بیان ہے اور اگر ''ان اللہ یسمع من یشآء'' میں قدرت کا بیان ہے تو ''ولکن اللہ یھدی'' میں قدرت کا بیان ہے یعنی قانون ہیں تو دونوں اور اگر قدرت ہیں تو دونوں، بہر حال مردوں کو سنانا تو ثابت ہے خواہ بطریق قانون ہو خواہ بطریق قدرت ہو جیسا کہ کافروں کو ہدایت دینا تو بہر حال ثابت ہے خواہ بطریق قانون ہو خواہ بطریق قدرت ہو۔

خیر تو میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں ہے کہ مردے نہیں بلکہ قرآن میں ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں۔ ''ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں کسی میں یہ نہیں فرمایا کہ مردے نہیں سن سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر وعنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہوسکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔'' (معارف القرآن ج ۶ ص ۶۰۲)

یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے نزدیک قرآن مجید مسئلہ سماع موتی سے ساکت ہے کیونکہ قرآن مجید کی کسی آیت سے سماع موتی کی نفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے۔ اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں۔'' (معارف القرآن ج ۶ ص ۶۰۲)

''سماع موتی کا مسئلہ جو پہلے گزر چکا ہے اس آیت سے نہ اس کا اثبات ہے نہ نفی اس بحث کے دلائل دوسرے ہیں جن کا ذکر سورت روم میں مفصل آچکا ہے۔'' (معارف القرآن ج ۷ ص ۳۲۹)

''اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ مسئلہ سماع موتی سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں یہ مسئلہ اپنی جگہ مستقل ہے کہ مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں یا نہیں اس کی مفصل تحقیق سورۃ روم میں اور سورۃ نمل میں گزر چکی ہے۔''

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۳۴)

بندہ عاجز نے جو یہ عرض کیا ہے کہ قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ اس پر شاید آپ کا ذہن ''ان تدعوھم لا یسمعوا دعآء کم'' کی طرف چلا جائے تو گزارش ہے کہ اس آیت میں موتی کا ذکر نہیں ہے بلکہ من دون اللہ کا ذکر ہے۔ پس اس آیت کا ظاہری مطلب یہ ہوگا کہ من دون اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں سنتا۔ جس میں زندہ، مردہ، جن، ملک وغیرہ سب شامل ہیں۔ حالانکہ زندہ تو سنتے ہیں۔ پس آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم جن کو بھی پکارتے ہو ان میں اکثر تو تمہاری پکار کو سنتے ہی نہیں۔ مثلاً جمادات وغیرہ یا ان میں سے جس کے اندر سننے کی صلاحیت ہے اور تم دور سے پکارتے ہو اس لیے وہ بھی دور سے نہیں سنتے اور جن میں سننے کی صلاحیت ہے اور تم ان کو نزدیک سے پکارتے ہو جیسے بعض مشرک اپنے زندہ فقیروں کو قریب سے پکارتے ہیں تو وہ اگر کانوں سے تمہاری بات کو سن بھی لیتے ہیں۔ لیکن وہ تمہاری مطلب برآری اور مشکل کشائی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ عاجز و بے بس ہیں حتیٰ کہ قطمیر کے بھی مالک نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ من دون اللہ خواہ مردہ ہوں یا زندہ تمہاری پکار بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری مرادیں پوری نہیں کر سکتے۔ بہر حال یہ آیت خاص کر موتی کے حق میں نہیں ہے۔ بلکہ من دون اللہ کے حق میں ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں ''ان تدعوھم لا یسمعوا دعآء کم ولو سمعوا ما استجابوا لکم'' یعنی یہ بت یا بعض انبیاء یا فرشتے جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو۔ اگر مصیبت کے وقت پکارو گے تو اولاً یہ تمہاری بات سن ہی نہ سکیں گے کیونکہ بتوں میں تو سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں۔ انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے مگر وہ نہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں، آگے فرمایا کہ اگر بالفرض وہ سن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو پھر بھی تمہاری درخواست پوری نہ کریں گے۔ کیونکہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی شفارش نہیں کر سکتے۔'' (معارف القرآن ج ۷ ص ۳۲۹)

یہ بات بھی ذہن نشین فرمالیں کہ منکرین سماع ان آیات کے ظواہر سے تو استدلال کرتے ہیں لیکن کسی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں؟ یہ چیز میری نظر سے نہیں گزری۔

عام موتی کے سماع کے مسئلہ کی حیثیت (وضاحت پنجم)

بندہ عاجز کے اس طرز تحریر سے یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ میں عام موتی کے سماع کلی کا قائل ہوں نہیں نہیں ہرگز نہیں، عام موتی کے سماع کے متعلق میرا عقیدہ وہی ہے جو علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم کا ہے۔ جس کو عنقریب آپ کی خدمت میں پیش بھی کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ، میرا مقصد عام موتی کے سماع کے مسئلہ کی حیثیت بتانا ہے کہ یہ مسئلہ غیر اہم اور غیر ضروری ہے۔ یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اس پر کفر و اسلام کی بنیاد رکھی جائے بلکہ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے۔ اس لئے اس میں تشدد کرنا بالکل جائز نہیں ہے جو شخص عام موتی کے سماع کا قائل ہے وہ بھی حق پر ہے اور سنی مسلمان ہے اور جو قائل نہیں وہ بھی حق پر ہے اور سنی مسلمان ہے، بندہ عاجز کے نزدیک پورے چودہ سو سال تک کے تمام علماء اہلسنت والجماعت واجب الاحترام ہیں خواہ وہ عام سماع موتی کے قائل ہیں یا منکر، کیونکہ یہ مسئلہ حق و باطل کا مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی ہدایت اور ضلالت کا مسئلہ ہے۔ اس لئے تو قرآن مجید میں اس مسئلہ کو مستقل طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ قرآن اس مسئلہ سے ساکت ہے۔ فریقین کا استدلال ان کے فہم پر مبنی ہے لیکن اس دور کے منکرین سماع موتی چونکہ عذاب قبر کے منکر ہیں اس لئے وہ گمراہ ہیں۔

مذاہب اربعہ اہل سنت والجماعت ہیں (وضاحت ششم)

ان میں سے شافعیہ، حنابلیہ، مالکیہ، عام موتی کے سماع کے قائل ہیں۔ حنفیہ میں سے بعض علماء عام سماع موتی کے قائل ہیں اور بعض عام سماع موتی کے منکر ہیں۔ امام رازی اور امام غزالی جیسے فلاسفر اسلام عام موتی کے سماع کے قائل ہیں۔ اسی طرح علامہ قرطبی اور علامہ ابن کثیر جیسے مفسرین عام سماع موتی کے قائل ہیں۔ امام بخاری اور حافظ ابن عبدالبر بھی عام سماع موتی کے قائل ہیں۔ اسی طرح امام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم جیسے امام الموحدین بھی عام سماع موتی کے قائل ہیں۔ امام الائمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں کوئی رائے منقول نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایت سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے۔ کیونکہ اوّل زمانہ قریب دفن کے بہت سی روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایت جو کچھ امام صاحب سے آئی ہیں، شاذ ہیں۔" (فتاویٰ رشیدیہ ملحق تالیفات رشیدیہ ص ۲۴۳)

پس معلوم ہوا کہ جو لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف عدم سماع کی نسبت کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ عام سماع موتی کے بارے میں ان سے کچھ بھی منصوص نہیں ہے۔ نیز حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرات حنفیہ بھی مسئلہ سماع موتی میں باہم مختلف ہیں۔ خیر میں تو عرض کر رہا تھا کہ ائمہ ثلاثہ کے مقلدین سب کے سب عام موتی کے سماع کے قائل ہیں۔ چنانچہ منکرین عذاب قبر کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسین نیلوی لکھتے ہیں۔ "البتہ بعض حنفیہ جو دوسرے ائمہ کے مقلدین کی کتب بینی کر کے ان کے مسلک کے ہمنوا

ہیں اور دوسرے ائمہ کے مقلدین سماع عند قبر النبی ﷺ کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ ان کا اپنا مسلک یہ ہے کہ میت کوئی بھی ہو اس کی قبر پر جا کر السلام علیکم کہا جائے تو میت سنتی ہے خواہ اس سننے کی کیفیت کچھ بھی ہو تو اس عموم کے تحت سب ہی اموات آ جاتے ہیں۔ خواہ عامی ہو یا خواص، خواص میں سے خواہ صوفی ہوں، عالم، فاضل، ہوں، اولیاء اللہ اور صالح ہوں، شہید ہوں یا صدیق ہوں یا پیغمبر ہوں، کچھ فرق نہیں۔ جب قاعدہ کلیہ ہوگا تو اس میں یہ سوال پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں کہ شوافع، مالکیہ، حنابلہ، سماع عند قبر النبی ﷺ کے کس طرح قائل ہو گئے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ مطلقاً سماع موتی کے قائل ہیں تو اس کلیہ میں انبیاء کرام علیہم السلام بھی آ جاتے ہیں یعنی جب دوسرے اموات سنتے ہیں ایسے ہی انبیاء کرام علیہم السلام بھی سنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبدالہادی ہوں یا ابن حجر، سیوطی، نووی، عیاض ہو یا شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملا علی قاری رحمہم اللہ وغیرہ ہوں سب سماع عند قبر النبی ﷺ کے قائل ہیں کہ وہ مطلقاً سماع موتی مانتے ہیں۔'' (ندائے حق ج ۲ اول ج ص ۸۴، ۸۵)

جملہ معترضہ

قارئین کرام! آپ نے گزشتہ اوراق میں پڑھ لیا کہ اہل اشاعت کے رہنماؤں نے اپنی تمام کتابوں مثلاً جواہر القرآن، اقامۃ البرہان، ندائے حق اور ماہنامہ تعلیم القرآن وغیرہ میں یہ تسلیم کیا کہ مسئلہ سماع موتی صحابہ رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا ہے۔ یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے نہیں ہے بلکہ ایک فروعی مسئلہ ہے۔ ائمہ اربعہ کے پیروکار سارے کے سارے عام موتی کے سماع کے قائل ہیں۔ حوالہ جات گزر چکے ہیں۔ لیکن ان سب کے برعکس جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ نے ایک رسالہ شائع کیا ہے۔ جس کا نام ہے ''عقائد علماء دیوبند'' جس میں اشاعت کے دو ذمہ دار حضرات کے مضامین جمع کئے گئے ہیں۔ اس میں یہ لکھا دیا کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ نہیں تھا۔ بلکہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدم سماع موتی کے قائل تھے۔ حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر علماء دیوبند تک کے علماء کی فہرست دے دی کہ ہر دور کے علماء عدم سماع موتی کے قائل تھے۔

اس رسالہ کو دیکھ کر آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اتنا بڑا جھوٹ علی الاعلان شائع کر دیا اور پرواہ بھی نہ کی۔ عقائد علماء دیوبند، نامی رسالہ کی تردید کے لئے تو اہل اشاعت کی اپنی سابقہ تحریریں کافی وافی ہیں۔

البتہ بندہ عاجز صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ، جھوٹ خیانت قطع وبرید اور تاویل القول بمالا یرضٰی بہ القائل کا مرقع ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہر منصف مزاج صاحب مطالعہ، جب اس رسالہ کا مطالعہ کرے گا۔ وہ یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ جو بندہ عاجز نے عرض کیا ہے باقی اس رسالہ کا نام عقائد علماء دیوبند رکھنا ایسا ہے جیسے کالی سیاہ رات کا نام روز روشن رکھ دیا جائے۔ نہند نام کافور زنگی، غلط۔

مجھے یقین ہے کہ اہل اشاعت کے صاحب علم اور انصاف پسند حضرات نے اس رسالہ کو اس نام سے شائع کرنے کو ناپسندیدہ حرکت تصور کیا ہوگا۔ لیکن جس طرح بریلویوں نے اپنے نوجوانوں کو ایک ایسی غلط راہ پر ڈال دیا ہے کہ اب وہ خود ان کے قبضہ کنٹرول سے باہر ہو گئے ہیں حتی کہ ان کے اصاغر خود اپنے اکابر سے اتنے بے قابو ہو گئے۔ خود ان کی بھی نہیں مانتے۔ اسی طرح اہل اشاعت کے پروردہ بھی اپنے مشائخ کے قابو میں نہیں رہے اور نہ ہی اپنے بڑوں کی کوئی سنتے ہیں نہ ہی مانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اہل اشاعت کے اکابرین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور

اب اصاغر کی کتابیں دیکھی ہیں اور باتیں سنی ہیں۔ان کے لئے مجھے اپنے اس دعویٰ کی دلیل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔عیاں راچہ بیان! لیکن اس کے باوجود آپ کی خدمت میں حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مرحوم کا ایک مضمون پیش کیا جاتا ہے جو کہ تعلیم القرآن میں شائع ہوا تھا۔جس سے آپ کو اہل اشاعت کے بزرگوں کی بے بسی اور چھوٹوں کی سرزوری کا خوب اندازہ ہوگا۔

مضمون کا عنوان ہے''مسئلہ سماع موتی کے بارے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب کی رائے گرامی۔''ہمارے شیخ حضرت مولانا علامہ حسین علی صاحب مرحوم ومغفور مسئلہ سماع موتی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس میں زیادہ شدت اور بحث نہیں نہ کی جائے اور زیادہ کوشش توحید وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کی تردید میں کی جائے۔فلہٰذا مسئلہ سماع موتیٰ مختلف فیہ (جس میں راجح مختار اور پسندیدہ مسلک علماء اکابر دیوبند کے نزدیک عدم سماع ہے''(یہ بریکٹ میں دیا ہوا جملہ حضرت قاضی صاحب مرحوم کا نہیں ہے بلکہ اصاغر کی طرف سے اپنے اکابر کی اصلاح کی کوشش ہے کہ اپنے بزرگ کی عبارت میں ایک جھوٹ کی ملاوٹ کردی۔دلیل یہ ہے کہ اسی مضمون میں قاضی صاحب نے صرف اپنا مسلک عدم سماع کا بتایا ہے۔علماء دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ شامل کر کے کذب بیانی نہیں کی۔قاضی صاحب کے مضمون میں بریکٹ کے اندر یہ جملہ لکھ کر اپنی سرزوری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ازمؤلف) کو سٹیج پر موضوع تقریر و بحث بنانے کے بجائے مسئلہ علم غیب، حاضر وناظر، متصرف فی الامور اور غائبانہ ندا غیر اللہ، نذر ومنت غیر اللہ کے نام چڑھاوے چڑھانا، قبور کے طواف کرنا اور قبروں پر سجدہ کرنا کی تردید میں علماء حق تقریر فرمائیں۔کیونکہ ان موضوعات کا تعلق براہ راست توحید وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کی تردید سے ہے۔

رہا مسئلہ سماع صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی ﷺ تو اس بارے میں اپنا مسلک یہ ہے کہ سماع صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی ﷺ ثابت نہیں۔مگر قائلین سماع عند القبر کو بھی اہل سنت والجماعت سے خارج نہیں سمجھتا۔جو لوگ سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کے قائلین کو کافر کہتے ہیں۔ان کے اس موقف کو صحیح نہیں سمجھتا۔کیونکہ جن دلائل کی بناء پر وہ قائلین سماع موتی عند القبر کو کافر کہتے ہیں۔وہ قطعی الثبوت ہیں۔قطعی الدلالۃ نہیں۔لہٰذا اسلاف متقدمین کے مابین مختلف فیہ مسائل میں کسی جانب کو کافر قرار دینا بہت بڑی جسارت ہے۔جس سے احتیاط چاہئے۔بندہ کی یہ تحقیق دیانۃً ہے اور اپنے تمام شاگردوں اور متعلقین کو اسی کی تائید کرتا ہوں۔

جماعتی طور پر اس بارے میں ۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ کو جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے اجلاس ملتان میں جو تحریر لکھی گئی تھی۔جس پر احقر کے اور دیگر بیس علماء کرام کے دستخط ہیں وہ تحریر کسی مصلحت کے تحت نہیں بلکہ اماناً ودیانۃً اور تحقیقاً جماعتی پالیسی کے طور تحریر کی گئی تھی اور اس پر پابندی کرنے میں جماعت کی عافیت بھی ہے اور اس تحریر میں بھی یہی طے پایا تھا کہ سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کے قائل اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں اور ان کو کافر کہنا صحیح نہیں اور اسی تحریر کے بارے میں کسی کا یہ کہنا کہ وہ تحریر مصلحتاً لکھی گئی تھی یہ ساری جماعت کی توہین ہے۔

نوٹ: تحریر شائع کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ چودہ اپریل ۱۹۸۴ء کو میانوالی میں جماعت کی میٹنگ میں بعض افراد سے کچھ باتیں سن کر اکثر ساتھی بڑے پریشان اور دل برداشتہ ہو کر آئے۔احقر شمس الدین عفی عنہ جامعہ العلوم الشرعیہ نعمانیہ مسجد ریلوے کالونی ویسٹریج راولپنڈی ۲۴/ اپریل ۱۹۸۴ء ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی اگست ۱۹۸۴ء۔ (ص ۴۶، ۴۷)

آپ قاضی صاحب کے اس بیان کو بار بار پڑھیں اور بغور پڑھیں اپنے بڑوں کی موجودگی میں اشاعت کے چھوٹے کتنے بے قابو ہو چکے تھے کہ ۱۴۰۲ھ میں ملتان میں اشاعت التوحید کے بڑوں کا اجلاس ہوتا ہے۔ قاضی صاحب سمیت اکیس علماء دستخطی فیصلہ فرماتے ہیں کہ سماع موتی کے قائلین اہلسنت والجماعت ہیں معاذ اللہ کافر نہیں۔لیکن اشاعت کے چھوٹے کہتے ہیں کہ سماع موتی کے قائلین کافر ہیں۔(معاذ اللہ) اور ہمارے بڑوں کا فیصلہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہوا تھا۔یعنی وہ محض دفع وقتی تھی۔ پس ان چھوٹوں کو قابو میں رکھنے کے لئے حضرت قاضی صاحب نے یہ بیان شائع کرایا لیکن ان اصاغر پر اپنے اکابر کی اس تنبیہ کا کیا اثر ہوا ہوگا؟

اس کا اندازہ خود اس بیان ہی سے لگالیں کہ خود قاضی صاحب کے اس بیان میں ایک جھوٹا جملہ اپنی طرف سے شامل کر دیا۔ عام آدمی سمجھے گا کہ یہ جملہ بھی قاضی صاحب کا ہے۔ حالانکہ قاضی صاحب کے بیان سے اس جھوٹے جملے کی کوئی مناسبت ہی نہیں ہے اور بریکٹ میں اس لئے دیا تاکہ اگر قاضی صاحب پوچھ لیں کہ میرے بیان میں یہ جملہ کیوں اضافہ کیا گیا ہے تو اس کو بھی مطمئن کیا جاسکے کہ جی اس لئے تو ہم نے اس کو بریکٹ میں دے کر علیحدہ کر دیا ہے اور یہ اکابر اس معاملہ میں زیادہ سختی بھی نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ ایسی راہ پر ان کو لانے والے وہی تھے۔لیکن ان کے لئے اس کو برداشت کرنا بھی مشکل تھا کہ چھوٹے اپنے بڑوں سے آگے نکل جائیں اور ایسے نکل جائیں کہ قابو میں بھی نہ آئیں۔اس لئے حضرت قاضی صاحب نے مجبوراً یہ بیان دیا، افسوس کہ کوئی فائدہ نہ ہوا۔

اور یہ تو آج سے چودہ پندرہ سال پہلے کی بات ہے اور اس وقت کی بات ہے جب کہ یہ اکابر زندہ موجود تھے اور اپنے اصاغر کو آپ سے آگے بڑھتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔لیکن اب جب کہ یہ بڑے عالم قبر و برزخ میں تشریف لے جاچکے ہیں ان کے پیچھے چھوٹوں نے کیا قیامت برپا کر رکھی ہے؟ وہ ناقابل گفتی ہے۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا کہ شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ سب کے سب عام موتی کے سماع کے قائل ہیں اور بعض حنفیہ عام سماع موتی کے قائل ہیں اور بعض منکر ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو اہل اشاعت کے سب اکابرین نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ جو حنفیہ حضرات سماع موتی کے منکر ہیں وہ کلی طور پر سماع موتی کے منکر نہیں ہیں۔ بلکہ ان حضرات کا مؤقف یہ ہے کہ ضابطہ اور قانون تو یہی ہے کہ موتی نہیں سنتے۔لیکن اس ضابطہ سے بہت سے لوگ اور چند مواقع مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً اس ضابطہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو بالاتفاق مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ انبیاء کرام کے سماع میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے۔اسی طرح حدیثوں میں جہاں جہاں سماع موتی ثابت ہے وہ صحیح ہے لیکن اپنے اسی موقع محل کے ساتھ خاص ہے۔ مثلاً حدیث خفق النعال یا حدیث قلیب بدر، وغیرہ وغیرہ وہ کہتے ہیں۔سماع موتی کی حدیثوں سے سماع کا ضابطہ نہیں بنتا۔ بلکہ ضابطہ عدم سماع ہے اور سماع موتی کی حدیثیں اپنے مقام کے ساتھ مختص ہیں۔ چنانچہ عقائد علماء دیوبند نامی رسالہ میں بحوالہ فتح الملہم دو جگہ یہ عبارت موجود ہے۔جس کو خود جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ نے شائع کیا ہے:''والاحادیث انما اثبت سماعهم بعض الاشیاء فی بعض الاحیان ولهذا یجب ان یقتصر علی اثبات السماع فی ما ثبت بالسمع ولایتجاوز عنه وهذا معنی ما قال الشیخ الانور ان الضابطة انما هو عدم السماع ولکن المستثنیات فی هذا الباب کثیرة الخ''(فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹) ترجمہ: اور حدیثیں مردوں کا صرف بعض چیزوں کو اور وہ بھی بعض اوقات میں سننا ثابت کرتی ہیں۔اس لئے جہاں جہاں نصوص سے سماع ثابت ہے اس کو انہی مواقع میں بند رکھنا اور ان سے تجاوز نہ کرنا واجب ہے۔

حضرت شیخ انور رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ ضابطہ تو یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے لیکن اس باب میں مستثنیات بہت ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ (رسالہ مذکورہ ص ۱۰، ۱۲)

پس اشاعت التوحید والسنۃ کے شائع کردہ رسالہ بنام عقائد علماء دیوبند سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جولوگ سماع موتی کے منکر ہیں وہ بھی سماع کے منکر نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک اس باب میں بہت سے مستثنیات ہیں۔ یعنی بہت سے اشخاص اور بہت سے مقامات مستثنیٰ ہیں۔ اس حقیقت کو حضرت شیخ القرآن صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''جن صحیح روایتوں سے بعض احوال میں میت کا سماع ثابت ہوتا ہے۔ ان سب کا جامع جواب یہ ہے کہ سماع موتی کا تعلق احوال برزخ سے ہے اور وہ اپنے احوال وموارد کے ساتھ مخصوص ہوں گے اور اس لئے عموم احوال میں سماع موتی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ فقہاء حنفیہ کے انداز دبیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔''

(جواہر القرآن ص ۹۰۴)

اس عبارت کے آگے شیخ القرآن صاحب نے سید محمد انور شاہ صاحب کا وہ جملہ بھی نقل فرمایا ہے جو بحوالہ فتح الملہم پہلے گزر چکا ہے۔

پس الحمدللہ! ثابت ہوگیا کہ جو بعض سادات حنفیہ سماع موتی کے منکر ہیں ان کے نزدیک بھی اس ضابطہ سے بہت سے مستثنیات ہیں۔ الغرض سماع کلی کا منکر کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لئے تو مشہور حنفی مفسر سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''والحق ان الموتی یسمعون فی الجملۃ'' یعنی حق اور صحیح بات یہی ہے کہ مردے فی الجملہ سنتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۱ جز ۱۱ ص ۸۷)

قارئین کرام! ذرا توجہ فرمائیں کہ بقول نیلوی صاحب ائمہ ثلاثہ کے مقلدین چونکہ عام سماع موتی کے قائل ہیں۔ اسی لئے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کے بھی قائل ہیں۔ اسی طرح بعض حنفیہ جنہوں نے دوسرے ائمہ کی کتب بینی کی ہے وہ عام موتی کے سماع کے قائل ہیں۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کے بھی بطریق اولیٰ قائل ہیں۔ اب باقی رہے وہ بعض سادات حنفیہ جو سماع موتی کا انکار کرتے ہیں تو وہ بھی سماع کلی کا انکار کرتے ہیں بلکہ بہت سے اشخاص اور مقامات کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ جیسا کہ ''عقائد علماء دیوبند'' نامی رسالہ سے آپ معلوم کر چکے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو ان کے نزدیک ضابطہ عدم سماع سے مستثنیٰ ہیں؟ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی اور شخصیت نہیں ہے جو اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہو۔ لہٰذا یہ بات خود بخود متعین ہوجاتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی لئے تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمادیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں جو نزاع واقع ہوا ہے وہ عام موتی کے سماع میں ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے۔

مزید تسکین صدور اور تسکین قلوب حاصل کرنے کے لئے ذرا تھوڑی سی توجہ فرمالیں کہ شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک تو انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع اس لئے اتفاقی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک عدم سماع کا ضابطہ ہی نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک ضابطہ ہی سماع موتی ہے۔ ان کے ہاں قاعدہ کلیہ ہے کہ مردے سنتے ہیں۔

(دیکھئے ندائے حق جدید اوّل ص ۸۵)

باقی رہے بعض سادات حنفیہ جن کے نزدیک ضابطہ تو سماع کا نہیں ہے۔ لیکن ان کے نزدیک اس اختلاف

سے بہت سی چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ وہ سارے کے سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع السلام عند القبر الشریف کے قائل ہیں۔ ان کا یہ قائل ہونا انبیاء کرام علیہم السلام کے مستثنیٰ ہونے کی محکم دلیل ہے۔

اب بندہ عاجز کو ائمہ ثلاثہ کے مقلدین علماء مفسرین محدثین وغیرہ کی کتب کے حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قاعدہ کلیہ ہی سماع موتیٰ کا ہے۔ البتہ بعض سادات حنفیہ کے نام آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع قائل ہیں۔

۱...... فتاویٰ عالمگیریہ کے پانچ صد مؤلفین علماء حقہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عالمگیریہ (ج ۱ ص ۲۵۶)

۲...... المہند علی المفند یعنی عقائد علماء دیوبند کے چوبیس مصدقین بمع مؤلف علماء حنفیہ المہند۔

۳...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رشیدیہ۔ (ص ۱۱۲ از بدۃ المناسک)

۴...... حضرت مولانا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۹۷، ۱۹۸، ج ۲ ص ۳۴۷، ج ۳ ص ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۴۱، ج ۸ ص ۱۱)

۵...... حضرت مولانا شیخ عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی۔ (لمعات ج ۳ ص ۱۹۲)

۶...... السید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۱، ۵۵)

۷...... علامہ سید احمد طحطاوی حنفی۔ (طحطاوی ص ۳۷۵، ۴۴۸)

۸...... الشیخ الامام کمال الدین محمد بن عبد الواحد رحمۃ اللہ علیہ۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۹۷)

۹...... علامہ شامی، (رد المختار ج ۲ ص ۲۷۹) آداب زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فتح القدیر کی طرف مراجعت کا مشورہ دے کر گویا اس کی تائید و تصدیق کر دی۔ (تقریر الرافعی حاشیہ ابن عابدین ج ۲ ص ۳۲، ۳۳)

۱۰...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ (نشر الطیب ص ۲۱۱، ۲۱۲)

۱۱...... حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۹۳)

۱۲...... علامہ بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (رسائل الدرکان ص ۲۸۱)

۱۳...... علامہ حسن بن عمار شرمبلالی حنفی رحمۃ اللہ علیہ۔ (نور الایضاح ص ۱۹۱)

۱۴...... شارح نور الایضاح مراقی الفلاح۔ (ص ۴۴۸)

۱۵...... علامہ داؤد بن سلیمان بغدادی حنفی رحمۃ اللہ علیہ۔ (المنحۃ الوہبی ص ۱۲)

۱۶...... علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

۱۷...... قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۳، ۳۷۸)

۱۸...... علم الفقہ (ص ۶۰۵، ۶۱۴)

۱۹...... حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی۔ (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۳۰۲)

۲۰...... حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۸۰)

۲۱...... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب۔ (فضائل درود شریف)

۲۲...... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔ (المہند، بذل المجہود ج ۲ ص ۱۶۰)

۲۳...... السید الشیخ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

(عقیدۃ الاسلام ص ۷۵، التصریح بما تواتر من نزول المسیح ص ۲۴۴، ملفوظات محدث کاشمیری ص ۱۳۰)

۲۴...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰)

۲۵...... حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

۲۶...... شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

۲۷...... حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب قلعہ دیدار سنگھ۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ماہ اگست ص ۱۹۶۲ء)

۲۸...... حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

۲۹...... حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۸۸)

۳۰...... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ صفدر دامت برکاتہم۔ (تسکین الصدور)

۳۱...... تسکین الصدور کے مصدقین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔ (تسکین الصدور ص ۱۸)

۳۲...... حضرت مولانا مفتی مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ شاہ صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند۔ (تسکین الصدور ص ۱۹)

۳۳...... حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۲۰)

۳۴...... حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۲۱)

۳۵...... حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۲۲)

۳۶...... حضرت مولانا السید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۲۲)

۳۷...... حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۲۶)

۳۸...... شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۲۷)

۳۹...... حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۲۸)

۴۰...... حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک۔ (تسکین الصدور ص ۲۸)

۴۱...... حضرت مولانا محمد عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مظفر گڑھی۔ (تسکین الصدور ص ۲۹)

۴۲...... حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب کندیاں شریف۔ (تسکین الصدور ص ۳۰)

۴۳...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان۔ (تسکین الصدور ص ۳۲)

۴۴...... حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۳۳)

۴۵...... حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۳۴)

۴۶...... حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرگودھا۔ (تسکین الصدور ص ۳۴)

۴۷...... حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب گجرات۔ (تسکین الصدور ص ۳۵)

۴۸...... حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (تسکین الصدور ص ۳۶)

۴۹...... حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی۔ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۵۱)

۵۰...... علامہ نواب قطب الدین خان صاحب شارح مشکوٰۃ۔ (مظاہر حق جدید ج ۲ ص ۸۰۶، ج ۱ ص ۶۱۷، ۹۲۳)

۵۱...... رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (تحریرات حدیث ص ۲۵۵، ۲۵۶)

۵۲...... حضرت مولانا مفتی عنایت احمد صاحب مصنف علم الصیغہ۔ (تواریخ حبیب ص ۱۵۶)

۵۳...... حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ۔ (انوار الباری ج ۱۱ص ۱۴۵، ۱۴۶)
۵۴...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند۔ (آب حیات، جمال قاسمی)
۵۵...... حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ (حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۴)
۵۶...... حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۳۸۸ تا ۴۰۴)
۵۷...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۷۷)
۵۸...... شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۲۸، ۲۴۳)

آپ نے دیکھ لیا کہ تمام مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ حضور اکرم ﷺ بلکہ عام موتی کے سماع کے قائل ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک سماع موتی ایک ضابطہ اور قاعدہ کلیہ ہے اور بعض حنفیہ کے نزدیک بھی سماع موتی ایک ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے اور بعض دوسرے سادات حنفیہ جن کے نزدیک سماع موتی ضابطہ نہیں ہے بلکہ وہ عام سماع موتی کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک بھی انبیاء کرام اور خصوصاً حضور اکرم ﷺ اس اختلاف سے بالکل مستثنیٰ ہیں۔ عام موتی کے سماع کا انکار کرنے والے علماء سب کے سب انبیاء کرام کے سماع کے قائل ہیں۔ جس طرح کہ ان کی کتابوں سے واضح ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ کے مؤلفین پانچ سو علماء نے حضور اکرم ﷺ کے سماع عند القبر الشریف کو ثابت کیا ہے اور طلب شفاعت کا مسئلہ بھی لکھا ہے۔

اسی طرح المھند علی المفند یعنی عقائد علماء دیوبند کے مؤلف اور مصدقین چوبیس چوٹی کے علماء نے حضور اکرم ﷺ کے سماع کو تسلیم کیا ہے اور ان کے علاوہ بقیہ علماء کی فہرست بھی آپ کے سامنے ہے اور یہ فہرست بھی بندہ عاجز نے اپنے ناقص مطالعہ سے تیار کی ہے ورنہ لاکھوں بلکہ اس سے بھی زیادہ علماء حنفیہ ہیں۔ جو حضور اکرم ﷺ کے سماع السلام عند القبر الشریف کے بھی قائل ہیں اور طلب شفاعت کے بھی قائل ہیں۔ بلکہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی ایک حنفی عالم نے حضور اکرم ﷺ کے سماع کا انکار نہیں کیا۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے شائع کردہ رسالہ بنام ''عقائد علماء دیوبند'' میں جتنے علماء کے نام عدم سماع موتی کی فہرست میں دیئے گئے ہیں۔ وہ سب کے سب حضور اکرم ﷺ کے سماع کے قائل ہیں۔ ان میں سے کسی ایک عالم نے بھی حضور اکرم ﷺ کے سماع کا انکار نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امت مسلمہ کا یہ اجماعی اور اتفاقی عقیدہ ہے اسی لئے تو علماء حقہ نے اس عقیدہ کے منکر کو بدعتی اور خراب العقیدہ والا لکھا ہے۔ کیونکہ انکار سماع النبی ﷺ چودھویں صدی کے اوائل کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔

بہرحال اتنی بڑی حقیقت کو خود تسلیم کرنے کے باوجود اہل اشاعت کا یہ کہنا ہے کہ مسئلہ سماع موتی میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ بلکہ سب لوگ عدم سماع موتی کے قائل گزرے ہیں اور سادات حنفیہ بشمول انبیاء کرام بلا استثناء عدم سماع کے قائل ہیں۔ (رسالہ عقائد علماء دیوبند، ندائے حق جدید ج اول ص ۸۴، ۸۵)

خدا معلوم کہ یہ لوگ اپنی باتوں کی خود آپ کیوں تردید کرتے ہیں ویسے تو ساری جماعت کا مزاج یہی ہے۔ لیکن الشیخ المحقق السید علامہ محمد حسین نیلوی تو اس معاملہ میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کی مایہ ناز کتاب ندائے حق بندہ عاجز کے اس دعویٰ کا زندہ ثبوت ہے۔ بیسیوں مقام ایسے ہیں کہ خود ایک بات لکھتے ہیں اور پھر آپ ہی اس کی تردید کردیتے ہیں۔ کما لا یخفی علی اھل المطالعہ۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب نیلوی صاحب کی باتوں کی مجذوبانہ باتیں کہتے ہیں۔

مسلک علماء دیو بند رحمۃ اللہ علیہ (وضاحت ہفتم)

علماء دیو بند کثر اللہ سوادہم جو در حقیقت اہلسنت والجماعت کے صحیح اور حقیقی ترجمان ہیں۔ مسئلہ عام سماع موتی کے بارے میں ان کا مسلک ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''اس سے دو باتیں ثابت ہوگئیں۔ اوّل یہ کہ مردے سن سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا سننا سنانا ہمارے اختیار میں نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنادیں۔ جب نہ چاہیں نہ سنائیں۔ مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلا دیا کہ حق تعالیٰ مردہ کی روح واپس لاکر اس کو سلام سنا دیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کی بھی قدرت دیتے ہیں۔ باقی حالات وکلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ مردہ ان کو سنے گا یا نہیں۔

اسی لئے امام غزالی اور علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے۔ اسی طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہوجاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں۔ دوسرے وقت نہ سن سکیں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں، بعض کے کلام کو نہ سنیں یا بعض مردے سنیں اور بعض نہ سنیں۔ کیونکہ سورۃ نمل اور سورۃ روم، سورۃ فاطر کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں۔

اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ میں سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں۔ وہاں دونوں احتمال ہیں۔ اس لئے یہ نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔'' (معارف القرآن ج ۶ ص ۶۰۳، ۶۰۴)

حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں ''مسئلہ سماع موتی زمانہ قدیم سے مختلف فیہ ہے کلام اس میں طویل ہے میرا ایک رسالہ بزبان عربی بنام اعدل الاموری سماع اہل القبور بشکل مسودہ موجود ہے۔ مگر ہنوز شائع نہیں ہوا۔ اس میں سے خلاصہ کر کے حقیقت لکھتا ہوں۔ وہ یہ کہ حیات بعد الموت انبیاء وشہداء کی تو اپنے اپنے درجوں کے موافق ثابت ہی ہے۔ عام اموات کی ارواح کا زندہ ہونا بھی ثابت ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ نوعیت اس حیات کی حیات ناسوتی سے مختلف ہے۔ وہ حیات ایک دوسرے عالم کی حیات ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک عالم کے حالات کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ جو شخص اس دنیوی زندگی میں ہمارا کلام سنا کرتا تھا وہ بعد الموت بھی اسی طرح سنا کرے۔ یہ ضروری نہیں۔ اس لئے کوئی دلیل مستقل ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے دلیل عقلی نہ کوئی اثبات پر قائم ہے نہ نفی پر اب صرف دلیل نقلی رہ گئی۔

سواس میں قرآن وحدیث کے متعدد نصوص ہیں۔ بعض اموات کا یا عام اموات کا خاص خاص حالات میں احیاء کا کلام سننے بلکہ بعض جگہ جواب دینے کا بھی ثبوت موجود ہے۔ لیکن ان سے کوئی ضابطہ کلیہ ستفاد نہیں ہوتا کہ ہر مرد وہر شخص کی کلام ہر وقت سن سکتا ہے۔ اس لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ جن مواقع میں سماع موتی کسی روایت سے ثابت ہے اس کا اقرار کرلیا جائے اور جہاں قرآن وحدیث ساکت ہیں وہاں یہ اختیار کیا جائے نہ اثبات کرے نہ نفی۔ ہاں کسی شخص کو بذریعہ کشف سننا معلوم ہوجائے اور وہ اس کو صحیح سمجھے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس سے بھی یہ قاعدہ

کلیہ نہیں بنتا کہ ہر میت ہر وقت اس شخص کا کلام سن سکتا ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اس کے یقین کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ہم جس وقت جس میت سے جو کلام کریں گے وہ ضرور سنے گا اور ایسا عقیدہ رکھنا بے بنیاد اور بے اصل ہے۔

جب اصل حقیقت معلوم ہوگئی تو اب مسئلہ زیر بحث یعنی دعا میں الفاظ مذکورہ کا استعمال اسی بے اصل عقیدہ پر مبنی ہے۔ اس لئے درست نہیں ہاں کسی کا عقیدہ یہ نہ ہو بلکہ اسی احتمال پر کہہ دے کہ شاید سن لیں اور دعا کریں تو فی نفسہٖ مضائقہ نہیں۔ لیکن دوسروں کے سامنے ایسے الفاظ کا استعمال ان کے عقیدہ کو فاسد کرے گا۔ اس لئے احتراز کرنا چاہیئے۔'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۴۳۹، ۴۴۰ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں: ''فالقول باطلاق سماع الموتی فی کل فرد و فی کل حین قول بما لیس لک بہ علم و القول بنفیہ رأساً مزاحمۃ للنصوص المذکورۃ آنفاً و لذالک قلنا بثبوتہ فی الجملۃ اعنی فی حین دون حین لشخص دون شخص فی کلام دون کلام و بذالک تتوافق النصوص و الآثار فی ھذا الباب فالتی یسفتاد منھا السماع ففی بعضھا و التی یستفاد منھا نفیہ ففی بعض آخر'' ترجمہ: مطلقاً تمام موتی کے سماع کا قول کہ ہر فرد ہر وقت سنتا ہے ایک ایسی بات ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور بالکل سماع موتی کی نفی کر دینا نصوص مذکورہ کی مخالفت ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ سماع موتی فی الجملہ ثابت ہے۔ یعنی ایک وقت میں ثابت ہے ایک وقت میں نہیں۔ ایک شخص کے لئے ثابت ہے دوسرے کے لئے نہیں۔ ایک کلام میں ثابت ہے اور دوسری میں نہیں۔ اسی طریقہ سے اس بات میں آنے والی نصوص اور آثار کی موافقت ہو جائے گی۔ پس جہاں سے سماع ثابت ہوتا ہے وہ بعض میں ہے اور جہاں سے سماع کی نفی معلوم ہوتی ہے وہ دوسرے بعض میں ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۶۸)

حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں: ''والعبدالضعیف کان ذات یوم متفکرا فی تزاحم الآثار الواردۃ فی احوال البرزخ فارانی اللہ سبحانہ فیما یراہ النائم کان قائلا یقول ان کل قبر عالم براسہ و لا یقاس عالم علی عالم آخر۔ فاحوال الناس فی قبورھم مختلفۃ علی انواع و اضاف لا یحصھا الا الذی احصی کل شیٔ عددا بل احوال شخص واحد فی اوقات مختلفۃ متفاوتۃ فاستیقظت بحمداللہ منشر حا قلبی و عرضت ھذا الرأیا علی شیخی حکیم الامۃ اشرف المشائخ قدس سرہ فقال انھا ان شاءاللہ رؤیا حق'' ترجمہ: عالم برزخ کے احوال کے متعلق آنے والے مختلف آثار میں ایک دن بندہ ضعیف سوچ بچار کر رہا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجھے خواب میں دکھلا دیا گویا ایک کہنے والا کہتا ہے کہ ہر قبر مستقل جہان ہے اور ایک جہان کو دوسرے جہان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور لوگوں کے اپنی اپنی قبروں میں حالات بہت ہی مختلف ہیں جن کا شمار سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایک ہی شخص کے مختلف اوقات میں مختلف حالات ہوتے ہیں۔ پھر میری جاگ ہوگئی اور الحمدللہ اس مسئلہ میں میرا شرح صدر ہو گیا اور میں نے اپنا یہ خواب اپنے شیخ حکیم الامت اشرف المشائخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ پر پیش کیا تو انہوں نے فرمایا۔ ان شاءاللہ خواب سچا ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۴)

نوٹ: حضرت مفتی صاحب کا اس مسئلہ میں ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے ''تکمیل الحبور بسماع اہل القبور'' جو کہ احکام القرآن کی جز بن کر شائع ہوا ہے۔ رسالہ مطالعہ کے قابل ہے۔ یہ دونوں اقتباس اسی رسالہ کے ہیں۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی سورۃ روم کی آیت ''انک لا تسمع الموتی'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے

ہیں۔''اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائے گا۔ اسی حد تک ہم کو سماع موتی کا قائل ہونا چاہئے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لا سکتے۔ بہر حال آیت میں ''سماع'' کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔'' (تفسیر عثمانی ص ۵۴۵)

الغرض علماء دیوبند اہلسنت والجماعت کے نزدیک مسئلہ سماع موتی ایک غیر ضروری مسئلہ ہے جو عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے جس کا فیصلہ اب ممکن نہیں ہے۔ البتہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس اختلاف سے یقیناً مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ پوری امت ان کے سماع پر متفق اور متحد چلی آ رہی ہے باقی رہے عام موتی تو ان کے سماع کے بارہ میں نہ تو کلی طور پر اثبات کیا جائے اور نہ نفی۔ البتہ حدیث میں جہاں جہاں سماع میت ثابت ہے۔ ان کو تسلیم کیا جائے۔ مثلاً حدیث قرع نعال وغیرہ اور بقیہ مقامات کا سماع اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو سنا دے اور نہ چاہے تو نہ سنائے۔ بہر حال عام موتی کے سماع کا کوئی ضابطہ اور قانون نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ کسی ایک واقعہ پر دوسرے واقعات کو قیاس کرنا خود غلط ہے۔ کیونکہ دوسرے عالم کا معاملہ ہے۔ جہاں قیاس آرائی جائز نہیں ہے۔ بندہ عاجز چونکہ علماء دیوبند اہلسنت والجماعت کو منعم علیہم سمجھتا ہے اور ان کی راہ کو صراط مستقیم جانتا ہے۔

لہٰذا میں بھی انہیں اکابرین کے نظریہ کے مطابق یہی عقیدہ رکھتا ہوں جو ابھی بیان ہوا۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع ایک ضابطہ کے تحت ہے اور باقی موتی کے لئے کوئی ضابطہ نہیں بلکہ اس کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ البتہ جن حدیثوں سے جن اموات کا سماع ثابت ہے وہ صحیح اور برحق ہے۔ کما قال صاحب روح المعانی ''والحق ان الموتی یسمعون فی الجملۃ''

اس لئے جو شخص حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع کا قائل ہے اور عام موتی کے سماع کا منکر ہے بشرطیکہ وہ کسی اور گمراہی میں مبتلا نہ ہو وہ میرے نزدیک ایسا واجب الاحترام ہے جیسے کوئی شخص عام موتی کے سماع کا قائل ہو۔ بشرطیکہ کسی دوسری گمراہی میں مبتلا نہ ہو۔ یعنی صرف اور صرف سماع عام موتی کے انکار و اثبات سے آدمی کے دین و ایمان میں فرق واقع نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ قائلین اور منکرین دونوں مسلمان ہیں اور واجب الاحترام ہیں بشرطیکہ کسی دوسری گمراہی میں مبتلا نہ ہو چکے ہوں۔

سابق دور کے منکرین سماع موتی اور موجودہ دور کے منکرین میں فرق (وضاحت ہشتم)

اس موجودہ دور کے منکرین سماع موتی سابقہ ادوار کے منکرین سماع کو اپنا ہم خیال ظاہر کرتے ہیں اور ان کی عبارات اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں میں کئی فرق ہیں۔ لہٰذا چند فرق ملاحظہ فرمائیں:

۱...... اس دور کے منکرین سماع موتی عذاب قبر یعنی قبر کی زندگی کا انکار کرتے ہیں جب کہ سادات حنفیہ جو عام سماع موتی کے منکر ہیں وہ حیات قبر کے قائل ہیں۔ چنانچہ احناف کی کتابوں میں باب الایمان میں یہ جملہ ملتا ہے ومن یعذب فی قبرہ فیوضع فیہ نوع من الحیاۃ۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ انکار سماع کے باوجود حیات قبر کے قائل ہیں۔

۲...... اس دور کے منکرین سماع موتی سماع کلی کا انکار کرتے ہیں حتی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی مستثنیٰ

نہیں کرتے۔ خود حضور اکرم ﷺ کے سماع عند القبر الشریف کا بھی انکار کرتے ہیں۔ جب کہ بعض سادات حنفیہ ضابطہ عدم سماع سے حضرات انبیاء کرام کو مستثنیٰ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع کے قائل ہیں۔ اسی لئے تو بوقت روضہ اطہر کے، طلب شفاعت کا طریقہ تحریر کرتے ہیں۔ اسی طرح صحیح حدیثوں سے جہاں جہاں سماع ثابت ہے۔ ان جگہوں کو بھی مستثنیٰ کرتے ہیں۔

۳...... اس دور کے منکرین سماع عدم سماع کے عقیدہ کو ضروریات دین سے سمجھتے ہیں اور سماع کے قائلین کو معاذ اللہ کافر و مشرک کہتے ہیں۔ جب کہ سادات حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ فروعی اور غیر ضروری ہے۔ کسی جانب کفر و شرک کا فتویٰ لگانا بہت بڑی جسارت ہے۔ (جواہر القرآن)

۴...... اس دور کے منکرین سماع موتی مسئلہ عدم سماع کو اختلافی نہیں سمجھتے بلکہ عدم سماع کو اتفاقی مسئلہ کہتے ہیں۔ جب کہ سادات حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ عہد اوّل سے اختلافی چلا آ رہا ہے۔ (تعلیم القرآن، جواہر القرآن)

۵...... اس دور کے منکرین سماع موتی نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ عدم سماع یقینی ہے اور قطعی ہے جب کہ سادات حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا حتمی فیصلہ اب ناممکن ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

۶...... اس دور کے منکرین سماع موتی بالکل اور فی الکل سماع موتی کے منکر ہیں۔ جب کہ سادات حنفیہ فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ (روح المعانی)

۷...... اس دور کے منکرین سماع موتی اس مسئلہ میں غلو اور تشدد برتتے ہیں جب کہ سادات حنفیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں غلو اور تشدد ناروا ہے۔ (قاضی شمس الدین صاحب بحوالہ تعلیم القرآن)

۸...... اس دور کے منکرین سماع موتی کو اپنی کسی رائے پر ثبات نہیں ہے بلکہ ہر آئے دن اس مسئلہ میں نیا فیصلہ کرتے ہیں اور نئی رائے تجویز کر لیتے ہیں۔ جب کہ بعض سادات حنفیہ جو عام سماع موتی کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا ہمیشہ سے اس مسئلہ میں ایک پختہ فیصلہ اور مستحکم رائے ہے۔ یعنی ان الضابطة انما هو عدم السماع ولكن المستثنيات فى هذه الباب كثيرة (رسالہ بنام عقائد علماء دیوبند بحوالہ فتح الملہم) شائع کردہ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ یعنی ضابطہ تو عدم سماع ہے لیکن اس باب میں بہت سے مستثنیٰ ہیں۔

۹...... اس دور کے منکرین سماع موتی باہم ایک رائے نہیں رکھتے بلکہ بڑوں کی رائے کچھ اور ہے اور چھوٹوں کی رائے کچھ اور ہے۔ جب کہ بعض سادات حنفیہ جن کے نزدیک ضابطہ تو عدم سماع کا ہے۔ لیکن اس باب میں مستثنیٰ بہت ہیں ان سب کی اس مسئلہ میں یہی صرف ایک ہی رائے ہے۔ وہاں بڑوں اور چھوٹوں کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بہر حال اتنے سارے فروق کی موجودگی میں سادات حنفیہ کی عبارات پیش کر کے ان کو اپنا ہم عقیدہ ظاہر کرنا مغالطہ سے کم نہیں ہے۔ پس سادات حنفیہ عام موتی کے سماع کے انکار کے باوجود برحق اور صحیح العقیدہ ہیں اور اس دور کے منکرین سماع موتی اپنی دیگر بے راہ رویوں مثلاً مسئلہ سماع میں غلو و تشدد، انکار سماع الانبیاء و انکار حیات قبر وغیرہ کی وجہ سے گمراہ ہیں اور مسلک اہل سنت والجماعت سے یقیناً ہٹ چکے ہیں۔

کیا مسئلہ سماع موتی شرک یا شرک کا ذریعہ ہے؟ (وضاحت نہم)

مسئلہ سماع موتی نہ شرک ہے نہ شرک کا ذریعہ۔ کیونکہ شریعت محمدیہ ﷺ میں ہر قسم کے شرک سے روک

دیا گیا اور جو چیزیں شرک کا ذریعہ بن سکتی تھیں ان کو بھی حرام قرار دے دیا گیا ہے لیکن قرآن مجید میں اور حدیث میں نہ تو سماع موتی کو شرک کہا گیا ہے اور نہ ہی اس کو شرک کا ذریعہ سمجھ کر حرام کہا گیا ہے بلکہ بعض مواقع پر اس کا اثبات کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ مردہ پرندوں کو آواز دو وہ آپ کی آواز سن کر زندہ ہو کر آپ کے پاس آجائیں گے اور پھر عملاً ایسا ہوا یہ صحیح ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ لیکن معجزات میں نہ شرک ہوتا ہے اور نہ شرک کا ذریعہ۔

اسی طرح متعدد حدیثوں میں سماع موتی کا اثبات ہے۔ مثلاً حدیث قلیب بدر اور حدیث قرع نعال وغیرہ۔ پس اگر سماع موتی شرک ہوتا تو صحیح حدیثوں سے اس کا اثبات نہ ہوتا۔ بہت سے صحابہ کرام سے سماع موتی ثابت ہے۔ اگر سماع موتی شرک ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے قائل نہ ہوتے۔ اگر سماع موتی شرک ہوتا تو مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ اور بعض حنفیہ بطور قاعدہ کلیہ کے سماع موتی کے قائل نہ ہوتے۔ مسئلہ عام سماع موتی ہر دور میں مختلف فیہ رہا ہے۔ لیکن کسی دور کے علماء نے سماع موتی کو شرک یا شرک کا ذریعہ نہیں کہا سماع موتی کے شرک اور ذریعہ شرک نہ ہونے کی وزنی دلیل تلقین المیت بعد الدفن ہے۔ کیونکہ تلقین میت سماع میت پر موقوف ہے اور تلقین میت کے متعلق علماء کے تین قول ہیں۔ مستحب ہے، مباح ہے، مکروہ ہے۔

امام ابن تیمیہ کے نزدیک اعدل القول یہ ہے کہ تلقین میت مباح ہے۔ دیکھئے (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۵۲، جوہرہ نیرہ شرح قدوری ج ۱ ص ۱۲۳) میں لکھا ہے کہ "انما لاینھی عن التلقین بعد الدفن لانه لا ضرر فیه بل فیه نفع" (فتاویٰ شامی ص ۶۲۸، ۶۲۹) یعنی تلقین بعد الدفن سے منع نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ نفع ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۶۸) میں لکھا ہے: "قیل لایومر و لاینھی عنه" یعنی تلقین کا حکم نہ کیا جائے اور اس سے روکا بھی نہ جائے۔

بہر حال تلقین میت بعد الدفن کا مسئلہ فقہاء کرام کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ حضرات شافعیہ و حنبلیہ اس کو مستحب کہتے ہیں اور ان کے ہاں یہ مسئلہ معمول بہا ہے اور حضرات حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک تلقین میت معمول بہا نہیں ہے۔ بہر حال اختلاف کے باوجود اس تلقین میت کو کسی حنفی اور مالکی عالم نے شرک یا شرک کا ذریعہ نہیں کہا ہے۔ حالانکہ کہنے والوں نے اس کو مکروہ کہا ہے بلکہ بدعت بھی کہا ہے۔ لیکن کسی نے اس کو شرک اور ذریعہ شرک نہیں کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ تلقین کا دارومدار سماع موتی پر ہے۔ پس جب تلقین میت کسی کے نزدیک شرک نہیں ہے تو سماع میت بھی کسی کے نزدیک شرک نہیں ہے۔

پس ثابت ہوا کہ سماع موتی کو شرک کہنا چودھویں صدی کے اواخر اور پندرھویں کی نو ایجاد بدعت ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص مردوں کو متصرف فی الامور، عالم الغیب اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر پکارتا ہے تو یہ یقیناً شرک ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن اس میں مردوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص کسی زندہ کو متصرف فی الامور عالم الغیب اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر پکارتا ہے تو یہ بھی شرک ہے۔ بہر حال یہ شرک مردوں کے سماع کی وجہ سے نہیں بلکہ پکارنے والے کے فاسد عقیدہ کی وجہ سے لازم آرہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو امور مردوں کے لئے شرک ہیں وہی زندوں کے لئے بھی شرک ہیں۔ مثلاً سجدہ نذر و نیاز طواف و اعتکاف وغیرہ عبادات جس طرح مردوں کے لئے شرک ہیں۔ اسی طرح زندوں کے لئے بھی شرک ہیں۔ پس اگر قریب سے میت کا سننا شرک ہوتا تو زندہ کا سننا بھی شرک ہوتا۔ حالانکہ زندوں کے سماع کو کسی نے شرک نہیں کہا۔

پس مردوں کا سماع بھی شرک نہ ہوگا۔ جب تک عقیدہ کا فساد اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ باقی رہا یہ شبہ کہ اگر مردہ سن سکتا ہے تو سب کچھ کر بھی سکتا ہے تو جواباً عرض ہے کہ زندہ قریب سے یقیناً سنتا ہے لیکن کر کچھ نہیں سکتا۔ کیونکہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔ پس جب زندہ سننے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتا تو مردہ سماع کے باوجود کیا کرے گا۔

غیر اللہ کی پکار اور غیر اللہ کے خطاب میں فرق (وضاحت دہم)

بعض لوگ سماع موتی کی تردید ان آیات سے کرتے ہیں جن میں غیر اللہ کی پکار کی تردید اور مذمت بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ''من اضل ممن یدعوا من دون اللہ لا یستجیب له الی یوم القیامة وهم عن دعآئهم غفلون له دعوة الحق والذین تدعون من دونه ما یملکون من قطمیر۔ ان تدعوهم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا مااستجابو لکم'' وغیرہ وغیرہ!

حالانکہ اس قسم کی تمام آیات میں غیر اللہ کی پکار سے منع کیا گیا ہے اور اس کو شرک کہا گیا ہے اور سماع موتی میں خطاب غیر اللہ تو ہوتا ہے لیکن پکار و ندا غیر اللہ نہیں ہوتی اور ان دونوں میں فرق ہے۔ پکار و ندا غیر اللہ کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ پکارنے والا جس کو پکار رہا ہے اس کو متصرف فی الامور اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر پکار رہا ہے اور اس سے اپنی مرادیں مانگ رہا ہے۔ بخلاف خطاب میت کے کہ اس میں یہ عقیدہ فاسدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ خطاب کرنے والا میت کو مخاطب کر کے اس کو سلام عرض کرتا ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کی پکار کی آیات پڑھ کر خطاب غیر اللہ کی تردید کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے پکار و ندا اور خطاب کے مزید چند فرق ملاحظہ فرمائیں۔

۱...... پکار عبادت ہے، خطاب فی نفسہ عبادت نہیں ہے۔ ''الافی ذکر اللہ''

۲...... پکار اللہ تعالیٰ کا حق ہے خطاب بصیغہ سلام مسلمان بھائی (غیر اللہ) کا حق ہے خواہ زندہ ہو یا مردہ۔

۳...... غیر اللہ کی پکار شرک ہے اور خطاب غیر اللہ شرک نہیں ہے۔

۴...... پکارنے والا کچھ لینے کے لئے پکارتا ہے اور خطاب بصیغہ سلام کرنے والا کچھ دینے کے لئے خطاب کرتا ہے۔

۵...... غیر اللہ کی پکار حرام ہے اور غیر اللہ کا خطاب حلال اور جائز ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص حاضر و ناظر سمجھ کر یا نفع و نقصان کا مالک جان کر یارسول اللہ ﷺ مدد کہتا ہے یا علی مدد کہتا ہے یا غوث الاعظم مدد کہتا ہے تو یقیناً یہ غیر اللہ کی پکار ہے اور اس پر ''ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ'' پڑھنا بالکل بجا ہے۔ لیکن اگر کوئی سنی مسلمان حضور اکرم ﷺ کے روضہ اقدس پر جا کر سلام پڑھتا ہے یا قبرستان میں جا کر السلام علیکم یا اہل القبور کہتا ہے تو یہ خطاب ہے پکار غیر اللہ نہیں ہے اور ایسے شخص پر نداء و پکار غیر اللہ کی آیات چسپاں کرنا بالکل بے جا ہے۔

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب مردہ و قیمہ شدہ پرندوں کو بحکم خداوندی ''ثم ادعهن'' خطاب کیا اور آواز دی تو ان پر ''ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ'' والی آیت چسپاں کی جائے گی۔ حالانکہ مردہ پرندوں نے حضرات ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنی اور دوڑ کر ان کے پاس جمع بھی ہوگئے۔ لیکن غیر اللہ کی پکار کی آیات حضرات ابراہیم علیہ السلام پر اس لئے چسپاں نہیں کی جائیں کہ انہوں نے خطاب میت تو کیا ہے لیکن پکار میت نہیں کی۔

بہرحال خطاب میت پر پکار غیر اللہ کی آیات فٹ کر دینا پرلے درجہ کی ناانصافی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احادیث المصطفیٰ فی حیات الانبیاء علیہم السلام

قارئین کرام! الحمدللہ قرآن مجید کی پچاس سے زائد آیات بینات اور سو سے زائد احادیث صحیحہ سے یہ عقیدہ ثابت ہوگیا کہ مرنے کے بعد عالم قبر و برزخ میں ہر انسان کو دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ روح اور جسد عنصری کے درمیان ایک غیر معلوم الکیفیت تعلق جوڑا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے ایمان اور اعمال کے مطابق جزا و سزا اور دکھ و سکھ کو محسوس کرتا ہے۔ قبر و برزخ کی یہ کارروائی عموماً لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔ کیونکہ یہ غیب کی چیز ہے جس پر بن دیکھے ایمان لانا ضروری ہے اور اسی عقیدہ پر اجماع امت ہے۔ پس جس طرح انہیں آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ہر انسان کی قبر کی زندگی ثابت ہے۔ بعینہٖ اسی طرح حضرات انبیاء کرام کی قبر کی زندگی بھی انہیں آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہی پچاس سے زائد آیات بیّنات اور احادیث صحیحہ متواترہ حیات الانبیاء کی بنیاد اور دلیل ہیں۔ انہیں آیات اور احادیث کو ہر انسان کی حیات قبر کی دلیل سمجھنا اور انبیاء کرام کی حیات قبر کی دلیل نہ سمجھنا بلکہ ان کے علاوہ کسی خاص دلیل کا مطالبہ کرنا کوتاہ فہمی اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ کتاب و سنت کے جن دلائل سے ہر انسان کی قبر کی زندگی ثابت ہے، ان سے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر کی زندگی کیوں ثابت نہ ہوگی۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی انسان بلکہ اشرف و اکرم انسان ہیں۔ لہٰذا انہیں پچاس سے زائد آیات اور سو سے زائد احادیث متواترہ سے حیات الانبیاء بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ پس عقیدہ حیات الانبیاء کے اثبات کے لئے کتاب و سنت کے یہی دلائل کافی وافی اور شافی ہیں۔ خاص دلائل کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ لیکن چونکہ انبیاء کرام قبر کی زندگی میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور ان کو قبر میں خصوصی حیات حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا چند احادیث صحیحہ آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں، جن سے انبیاء کرام علیہ السلام کی خصوصی حیات ثابت ہوتی ہے۔ ورنہ نفس حیات قبر کے دلائل سب کے لئے ایک ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصی و امتیازی حیات قبر کے دلائل

حدیث نمبر ۱: "عن انس بن مالک، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (مسند ابویعلی ج ۶ ص ۱۴۷) وعلی ھامشہ اسناد صحیح واخرجہ البیھقی فی حیاۃ الانبیاء ص ۳ من طریق ابویعلی ھذہ واخرجہ البزار فی مسندہ (۲۵۶) وتمام الرازی فی الفوائد رقم (۵۶) نقلا عن الشیخ ناصر الدین البانی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۶۲۱) وعنہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق ۲/۲۸۵/۴ وابن عدی فی الکامل ق ۹۰/۲ والبیھقی فی حیات الانبیاء ص ۳، من طریق الحسن بن قتیبہ المدائنی حدثنا المستلم بن سعید بھذا الاسناد وقال البیھقی یعد فی افراد الحسن بن قتیبہ واخرجہ ابونعیم فی اخبار اصبھان ۲/۳۸ من طریق عبداللہ بن ابراھیم الصباح بہ وذکرہ الھیثمی فی مجمع الزاوئد ۸/۲۱۱ وقال رواہ ابویعلی والبزار ورجال ابویعلی ثقاۃ وذکرہ الحافظ فی المطالب العالیہ برقم (۳۴۵۲) وعزارہ الی ابویعلی والبزار وقال البزار لانعلم رواہ عن ثابت غیر الحجاج ولا عن حجاج الا المستلم ولا روی الحجاج عن ثابت الا ھذا واخرجہ عن محمد بن عبدالرحمن الحرانی عن الحسن بن قتیبہ عن مماد عن عبدالعزیز عن

انس و قال لانعلم احداً تابع الحسن بن قتیبه فی روایته ایاه عن حماد و صحیحه المنادی ویشهد له ایضاً حدیث انس المتقدم برقم ۳۴۲۵ مررت بموسیٰ لیلة اسری بی وهو قائم یصلی فی قبره حاشیه ابویعلی جلد نمبر ۶ ص ۱۴۷ تا ۱۴۸ ۱'' (ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ اس حدیث کو بیہقی نے صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲، فیض الباری ج ۲ ص ۶۴) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ رجال ابویعلی ثقات (مجمع الزوائد جلد نمبر ۸ ص ۲۱۱) یعنی ابویعلی کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ علامہ عزیزی لکھتے ہیں: ''وهو حدیث صحیح'' (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۳۴) یعنی یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ صحیح الخبر الانبیاء احیاء فی قبورهم (مرقات ج ۲ ص ۲۱۲) یعنی یہ حدیث صحیح ہے علامہ عبدالرؤف صاحب منادی فرماتے ہیں۔ ہذا حدیث صحیح (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۸۴) یعنی یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۷، جذب القلوب ص ۱۸۰) قاضی شوکانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین ص ۲۸، نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴) علامہ سید سمہودی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فضائل درود شریف ص ۴۷)

حدیث نمبر ۲: ''عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال مامن احد یسلم علی الا رد اللہ الی روحی حتی ارد علیه السلام'' (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۹، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷، مشکوٰۃ ص ۸۹ بحوالہ ابوداؤد و بیہقی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر اللہ تعالیٰ میری روح (توجہ) مجھ پر لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ امام احمد اور امام ابوداؤد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۵) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ (رواته ثقات فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۹) یعنی اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اسناده حسن، (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۹) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ صححه النووی فی الاذکار۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴) یعنی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی اپنی کتاب الاذکار میں تصحیح کی ہے۔ علامہ زرقانی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔ باسناد صحیح (زرقانی شرح المواہب ج ۸ ص ۳۰۸) نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔ اسنادہٗ صحیح (دلیل الطالب ص ۸۴۳) علامہ سید سمہودی لکھتے ہیں۔ رواہ ابوداؤد باسند صحیح یعنی امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''رواته ثقات'' (عقیدۃ الاسلام ص ۵۲، فتح الملہم ج ۱ ص ۲۳۰) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قال شیخنا رواته ثقات'' (القول البدیع ص ۱۱۷) یعنی ہمارے استاذ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ ہیں اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''هو حدیث جید'' (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۳۶۱) یعنی یہ حدیث جید ہے۔

حدیث نمبر ۳: ''عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ ﷺ ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم و فیه قبض و فیه النفخه و فیه الصعقه فاکثروا علیّ من الصلوٰة فیه فان صلوٰتکم معروضةٌ علی قال قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت قال ان اللہ عزوجل حرم اللہ علی الارض

اجساد الانبیاء'' (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۵، دارمی ص ۱۹۵، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۷۸، ج ۴ ص ۵۶۰، موارد الظمان ص ۱۴۶، ابن ماجہ ص ۷۷، سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۴۹، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶، صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۱۳۲، الصارم المنکی ص ۶۵)

(ترجمہ) حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سوتم جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا۔ جب کہ آپ (بعد از وفات) بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں۔ (یعنی زمین ان کو نہیں کھاتی)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔ (مستدرک ج ۴ ص ۵۶۰) علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی اور نووی نے صحیح کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صححہ، ابن خزیمہ وغیرہ، (فتح الباری پ ۱۳ ص ۲۷۹) یعنی ابن خزیمہ وغیرہ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بالاسانید الصحیحہ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے۔ (کتاب الاذکار ص ۱۰۶)

علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس کے سب راوی صدق وامانت وثقاہت وعدالت میں مشہور ہیں اور اس واسطے حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔ مثلاً ابن حبان حافظ عبدالغنی المقدسی اور ابن دحیہ وغیرہ (الصارم المنکی ص ۱۸۴) حافظ ابن حجر اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ (فتح الباری پ ۲۶ ص ۵۸) علامہ ابن قیم اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ کتاب الروح، علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ اس کو حسن کہتے ہیں اور علامہ عبدالغنی النابلسی رحمۃ اللہ علیہ اس کو حسن صحیح کہتے ہیں۔ (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷، القول البدیع ص ۱۱۹) شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۲۰) علامہ سید مولانا محمد انور شاہ صاحب اس کو صحیح کہتے ہیں۔ (خزائن الاسرار ص ۱۹) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۹۸)

(ف) اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد درود وسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روح اور جسد دونوں کے مجموعہ پر پیش کیا جاتا ہے۔ لہٰذا روح اور جسد دونوں کی حیات ثابت ہوگئی۔ اس حدیث کے آخری جملہ ''ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیآء'' کو منکرین عذاب قبر تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن حدیث کے اوّل حصہ کو نہیں مانتے جس سے روح اور جسد دونوں پر درود وسلام کا پیش ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ ایک ہی حدیث ہے اور ایک سند ہے صحیح ہے تو ساری صحیح ہے اور اگر ضعیف ہے تو ساری ضعیف یہ تو ناممکن ہے کہ آدھی حدیث صحیح ہو اور آدھی ضعیف۔ جب کہ سند بھی ایک ہو۔

حدیث نمبر ۴: ''عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فانہ مشہود تشھدہ الملآئکۃ وان احداً لن یصلی علی الا عرضت علی صلاتہ حتیٰ یفرغ منھا قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیآء فنبی اللہ حی یرزق''

(ابن ماجہ ص ۱۱۹، مشکوٰۃ ص ۱۲۱)

(ترجمہ) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ وہ دن حاضری کا ہے۔ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ مجھ پر کوئی شخص درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس سے فارغ ہو، میں نے کہا وفات کے بعد بھی پیش کیا جائے گا؟ فرمایا کہ ہاں بعد از وفات بھی پیش کیا جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء اکرم علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو کھائے۔ سو اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اور اس کو رزق ملتا ہے۔

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اسنادہ جید'' (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷) یعنی اس حدیث کی سند جید اور کھری ہے۔ علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ورجالہ ثقات'' (السراج المنیر ج ۱ ص ۲۹۰) یعنی اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ علامہ منادی فرماتے ہیں: ''قال الدمیری رجالہ ثقات'' (فیض القدیر ج ۲ ص ۸۷) یعنی دمیری فرماتے ہیں۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں: ''رواہ ابن ماجہ برجال ثقات'' (زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۶) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''قلت رجالہ ثقات'' (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۸) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجہ باسناد جید خلاصۃ الوفا ص ۴۸) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی سند کو جید کہتے ہیں۔ (مرقات ج ۲ ص ۱۱۲) قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی سند کو جید کہتے ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴) مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی بھی اس کی سند کو جید کہتے ہیں۔ (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

(ف) اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد درود وسلام حضور اکرم ﷺ کے روح اور جسد اطہر دونوں پر پیش ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بھی روح اور جسد دونوں کی حیات کی دلیل ہے۔

<u>حدیث نمبر ۵</u>: ''عن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۴۳، مسند احمد ج ۱۱، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷، دارمی ص ۲۷۳، موارد الظمآن ص ۵۹۴، مشکوٰۃ ص ۸۶، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۴، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳، وخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰ تحریرات حدیث ص ۲۱۱، ابن حبان ج ۲ ص ۱۳۴)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے ایسے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نسائی اور اسماعیل القاضی نے صحیح سند سے روایت نقل کی ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۴) علامہ ابن عبدالہادی فرماتے ہیں کہ امام نسائی واسماعیل القاضی وغیرہ نے مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (الصارم المنکی ص ۱۶۸) علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حدیث صحیح، (السراج المنیر ص ۵۱۸) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں۔ رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۴) یعنی محدث بزار نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے جملہ راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ یہ روایت (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۲۱) میں بھی مروی ہے۔ ''قال الحاکم والذہبی صحیح'' امام حاکم اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام سخاوی فرماتے ہیں: ''رواہ احمد، والنسائی، والدارمی وابونعیم والبیہقی والخلفی وابن حبان والحاکم فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد، القول البدیع'' (ص ۱۱۵) یعنی امام، احمد، نسائی، دارمی، ابونعیم، بیہقی، خلفی، ابن حبان اور حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون درجہ تواتر کو پہنچ چکا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۶۹)

حدیث نمبر ٦: ’’عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجعلوا بیوتکم قبوراً و لا تجعلوا قبری عیدا و صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم ‘‘ (ابوداؤد ج ا ص ۲۸۶، جامع صغیر ج ۲ ص ۴۴، کتاب التوحید لمحمد بن عبدالوہاب ص ۵۰، حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱٦، حیات الانبیاء لتقی الدین سبکی ص ۲۸، مشکوٰۃ ص ۸٦، مصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲٦۸، التوسل الوسیلہ ص ۷۷، الصارم المنکی ص ٦۵)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو میلہ نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو۔ یقیناً تمہارا درود مجھ تک پہنچ جائے گا۔ تم جہاں بھی ہو۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں: ’’رواہ ابوداود باسناد حسن ورواتہ ثقات‘‘ (کتاب التوحید ص ۴۹) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع صغیر ج ۲ ص ۴۴)

(نوٹ) جب کوئی مسلمان حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات پر یوں درود شریف پڑھتا ہے، ’’اللھم صل علی محمد‘‘ تو پہلے یہ درود شریف اللہ تعالیٰ کی دربار میں جاتا ہے اور پھر وہاں سے شرف قبولیت حاصل کر کے حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے۔ فافہم!

حدیث نمبر ۷: ’’عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال اتیت وفی روایتہ ھداب مررت علی موسٰی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ‘‘

(مسلم ج ۲ ص ٦٦۸، نسائی ج ا ص ۱۸۵، صحیح ابن حبان ج ا ص ۱۳۱، مسند احمد ج ۳ ص ٦۱٦، مسند ابویعلی ج ٦ ص ۷۱، علی ہامشہ اسنادہ صحیح)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

(نوٹ) اس حدیث کی تائید وتصدیق قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ ’’ولقد اتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (السجدۃ: ۲۳)‘‘ یعنی اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔ پس آپ ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

حدیث نمبر ۸: ’’عن جابر ان رسول اللہ ﷺ قال عرض علی الانبیاء فاذا موسی ضرب من الرجال کانہ من رجال شنوۃ ورائیت عیسی بن مریم فاذا اقرب من بہ شبہا عروۃ بن مسعود ورائیت ابراھیم فاذا اقرب من رائیت بہ شبہا صاحبکم یعنی نفسہ ورائیت جبرائیل فاذا اقرب من رائیت دحیہ‘‘ (مسلم ج ا ص ۹۵، مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۸ فی روایتہ قد رایتنی فی جماعۃ من الانبیاء، مشکوٰۃ ص ۵۲۹، فی روایتہ النسائی فجمع لی الانبیاء از سیرت المصطفیٰ ص ۲۲۵، فی روایۃ احمد عن عبداللہ بن عباس، اذا النبیون اجمعون یصلون معہ، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (سفر معراج واسراء) کے دوران جب انبیاء کرام میرے سامنے لائے گئے تو میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام ہلکے بدن کے ہیں۔ جیسے وہ قبیلہ شنوہ کے کوئی آدمی ہوں اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں عروہ بن مسعود سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو جن لوگوں کو میں دیکھ چکا ہوں، ان میں سے تمہارے دوست (خود حضور اکرم ﷺ) سے وہ بہت مشابہ نظر آئے اور میں نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں دحیہ بن خلیفہ سے بہت مشابہ نظر آئے۔

(ف) سفر معراج کے دوران بیت المقدس کی مسجد میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حضور اکرم ﷺ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ یہ سب باتیں صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں۔ فوت شدہ انبیاء کرام کا (بجز عیسیٰ علیہ السلام کے) بیت المقدس میں آنا، نماز ادا کرنا، اور حضور اکرم ﷺ کی ملاقات کرنا، ان کی حیات قبر و برزخ کی بہت بڑی وزنی دلیل ہے۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام بیت المقدس میں دنیا والے اجسام کے ساتھ آئے تھے۔ اسی لئے تو آپ ﷺ نے ان کے اجسام کے حلیے بتائے اور نماز والا عمل بھی جسم ہی سے ادا ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی موت واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ جسد عنصری کے ساتھ ابھی تک زندہ ہیں۔ لہٰذا ان کی آمد اور نماز یقیناً جسد عنصری ہی سے ہوئی۔ لہٰذا اقرین قیاس یہی ہے کہ بقیہ فوت شدہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی جسد عنصری کے ساتھ تشریف لائے۔ خود حضور اکرم ﷺ کا یہ سفر معراج بھی روح اور جسد عنصری کے ساتھ تھا۔ علماء محققین کی تحقیق بھی یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معراج کے موقع پر جسد عنصری کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ نواب قطب الدین شارح مشکوٰۃ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (مظاہر حق ج ۵ ص ۲۸۶، ۴۵۰) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۱ ص ۲۴۴، ج ۳ ص ۳۹۵) حدیثوں کے ظاہر الفاظ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام روح اور جسد سمیت تشریف لائے اور آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ مثلاً ''عرض علی الانبیاء، جمع لی الانبیاء'' وغیرہ کیونکہ انبیاء کا اطلاق روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے، پس جب انبیاء کرام علیہم السلام نے روح اور جسد سمیت آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی تو یہ ان کی حیات قبر کی دلیل خصوصی ہے۔

توضیح: بعض علماء کا یہ کہنا کہ شب معراج میں انبیاء کرام علیہم السلام کی ملاقات اور نماز جسد مثالی سے ہوئی، قطعاً ہمارے عقیدہ کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی منکرین عذاب قبر کو مفید ہے۔ کیونکہ جو علماء انبیاء کرام علیہم السلام کی جسد مثالی کے ساتھ تشریف آوری مانتے ہیں وہ جسد عنصری کے ساتھ تعلق کو مانتے ہیں۔ انکار نہیں کرتے ہیں اور منکرین عذاب قبر بعد از وفات روح اور جسد عنصری کے تعلق کے منکر ہیں۔ پس ان لوگوں کا اس خاص موقع معراج میں روح کے لئے جسد مثالی ثابت کرنے والوں کو اپنا ہم خیال بتانا خالص دھوکہ ہے۔ کیونکہ اس خاص موقع میں جسد مثالی ثابت کرنے والے علماء روح اور جسد عنصری کے تعلق ماننے کی وجہ سے منکرین عذاب قبر کے قطعاً ہم خیال نہیں ہیں بلکہ وہ علماء اہل سنت ہیں۔ کیونکہ علماء اہل سنت میں سے کوئی ایک عالم بھی عدم تعلق کا قائل نہیں ہے۔

نیز اس دور کے منکرین حیات کا جسد مثالی اور ہے اور پچھلے دور کے علماء کا جسد مثالی اور ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ جب شب معراج کی ملاقات جسد مثالی کے ساتھ ہوئی تو عالم برزخ و قبر کی زندگی اور جزا و سزا بھی جسد مثالی کے ساتھ ہوں گی تو یہ اس کا نرا قیاس ہے اور قیاس سے کبھی عقائد ثابت نہیں ہوتے اور قیاس بھی نص کے مقابلہ میں ہے۔ اس لئے قطعاً مردود ہے۔ کیونکہ گزشتہ اوراق میں یہ بات گزر چکی ہے کہ قرآن و حدیث کے نصوص قطعیہ صریحہ سے جسد عنصری کا حیات بعد الممات اور قبر کی جزا و سزا میں شریک ہونا ثابت ہے اور یہ قیاس اس لئے بھی باطل ہے کہ اس پر ایک تیسرا آدمی یہ بھی قیاس کر سکتا ہے کہ قیامت کے دن بھی آدمی جسد مثالی کے ساتھ اٹھایا جائے گا، جس طرح عالم برزخ میں جسد مثالی ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ قیاس بالکل غلط اور نصوص کے خلاف ہے۔ پس اسی طرح عالم برزخ و قبر میں جسد مثالی ثابت کر کے جسد عنصری سے قطع تعلق کرنا بھی ایک غلط اور بے بنیاد قیاس ہے۔

حدیث نمبر ۹: ''عن ابی ھریرۃ ﷜ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلّی علیّ من ء بعید اعلمتہ'' (جلاء الافہام لحافظ ابن قیم ص۱۹، مشکوٰۃ ص ۸۷، حیات الانبیاء للبیہقی ص۱۸، حیات الانبیاء للسبکی ص ۲۹، انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء ص ۷ ۴، للسیوطی، معارف الحدیث، جامع صغیر ج ۲ ص ۱۷۴، فضائل درود شریف ص ۲۲ بحوالہ سخاوی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ ملائکہ) بتلا دیا جاتا ہے۔

یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے جس کے بعض طرق ضعیف ہیں۔ لیکن ابوالشیخ کی سند بالکل صحیح اور جید ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ اور عادل ہیں اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح فرمائی ہے اور علماء اہل سنت والجماعۃ کا استدلال بھی اسی سند سے ہے۔ اگر کوئی حدیث مختلف سندات سے مروی ہو، جس کے بعض طرق ضعیف اور بعض طرق جید ہوں تو ایک طریقہ سے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کے سب طرق ضعیف نہیں ہو جاتے۔ ایک طریقہ سے ضعیف ہو جانے کی وجہ سے جملہ طرق کو ضعیف کہہ دینا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ بہر حال اہل علم خوب سمجھ لیں کہ حدیث مذکورہ کی ابوالشیخ والی سند میں کوئی ضعیف اور مجروح راوی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی سند میں محمد بن مروان جیسا کوئی جھوٹا راوی موجود ہے۔ پس اسی سند سے علماء حق حجت پکڑتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر ﷫ ابوالشیخ کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ''بسند جید'' (فتح الباری ج ٦ ص ۳۵۲) یعنی یہ سند جید ہے۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں۔ ''وسندہ جید'' (القول البدیع ص ۱۱٦) یعنی اس کی سند جید ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب ''اسنادہ جید'' (دلیل الطالب ص ۸۴۴) یعنی اس حدیث کی اسناد جید ہے۔ حضرت مولانا ملا علی قاری ﷫ فرماتے ہیں۔ ''بسند جید'' (مرقات ج ۲ ص ۱۰) علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: ''بسند جید'' (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

(ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۴۸، اکتوبر ۱۹٦۷ء) میں بھی ابوالشیخ کی سند کو جید کہا گیا ہے۔ بہر حال یہ حدیث علماء محدثین کے نزدیک صحیح اور جید ہے اور حضور اکرم ﷺ کی حیات امتیازی اور خصوصی کی دلیل ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ علامہ ابن عبدالہادی ﷫ نے محمد بن مروان سدی صغیر کی وجہ سے اس حدیث کی سند پر کڑی جرح فرمانے کے باوجود فرمایا ہے کہ یہ حدیث معنی کے لحاظ سے صحیح ہے۔ یعنی اس حدیث سے حضور اکرم ﷺ کی حیات اور سماع جو ثابت ہے، وہ برحق اور صحیح ہے۔ لہٰذا علامہ ابن عبدالہادی بھی آپ ﷺ کے سماع کے قائل ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۲۰۹)

حدیث نمبر ۱۰: ''انہ سمع اباھریرۃ ﷜ یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول والذی نفس ابی القاسم بیدہ لینزلن عیسٰی ابن مریم اماماً مقسطاً وحکماً عدلاً فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الحنزیر ولیصلحن ذات البین ولیذھبن الشحناء ولیعرضن علیہ المال فلا یقبلہ ثم لئن قام علٰی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ'' (مسند ابویعلیٰ ج ۱۱ ص ۴٦۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱، ترجمان السنۃ ص ۵۹۲، بحوالہ تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵، جامع صغیر ج ۲ ص ۱۳۹، بحوالہ مستدرک حاکم، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ص ۲۴۴، بحوالہ ابویعلیٰ وتفسیر روح المعانی فی تفسیر سورۃ الاحزاب، عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسٰی ﷤ ص ۷۵، انباء الانبیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۴۹)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ ﷜ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ

مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے۔ ضرور بالضرور عیسٰی بن مریم امام عادل وحاکم بن کر اترے گا۔ پھر صلیب کو توڑ دے گا (نصرانیت کا خاتمہ کرے گا) اور خنزیر کو قتل کرے گا۔ (یہودیت کا خاتمہ کرے گا) اختلاف کی اصلاح کرے گا، کینہ اور بغض کو ختم کرے گا اور اس پر مال پیش کیا جائے گا۔ پس وہ قبول نہ کرے گا۔ پھر میری قبر کے قریب آ کر کھڑا ہوگا اور یا محمد کہہ کر (مجھے سلام کرے گا) تو میں ضرور اس کو سلام کا جواب دوں گا)

''وعلی هامش ابی یعلی، اسناده صحیح و ابو صخر هو حمید بن زیاد و اخرجه الهیثمی نحوه فی مجمع الزوائد ۵/۸ باب نزول عیسی بن مریم و قال قلت فی الصحیح بعضه انظر الحدیث المتقدم برقم (۵۸۷۷) رواه احمد و فیه کثیر ابن زید وثقه احمد و جماعة و ضعفه النسائی و غیره و بقیه رجاله ثقات و ذکره الحافظ ابن حجر فی المطالب العالیه، ۴/۲۳ باب حیاته ﷺ فی قبره و قال، یاتی فی اشراط الساعة ثم ذکره برقم (۴۵۷۴) حاشیه مسند ابو یعلی ج ۱۱ ص ۴۶۲''

اس حدیث کو امام حاکم اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ (متدرک ج ۲ ص ۵۹۵) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو صحیح کہتے ہیں۔ (جامع صغیر ج ۲ ص ۱۳۹)

بہرحال محدثین کرام کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث حضور اکرم ﷺ کی خصوصی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۱۱: ''عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال مابین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة و منبری علی حوضی'' (بخاری ج ۱ ص ۲۵۳، ۱۵۹، ج ۲ ص ۹۷۵، مسلم ج ۱ ص ۴۴۶، نسائی ج ۲ ص ۸۱، ترمذی ج ۲ ص ۲۳۱، جامع صغیر ج ۲ ص ۱۴۳، بحوالہ بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے گھر (حجرہ جہاں اب آپ کی قبر شریف ہے) اور منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے اور میرا منبر (قیامت کے دن) میرے حوض پر ہوگا۔

صحاح ستہ کی اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے جس حصہ (حجرہ) میں آپ کی قبر شریف ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جنت زندوں کا مقام اور ٹھکانہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ کی قبر شریف جنت کا باغ ہے اور آپ وہاں زندہ ہیں اور آپ کو جنت میں محسوس کرتے ہیں اور جنت کی نعمتوں سے محفوظ ہو رہے ہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ آپ جنت میں ہیں اور آپ کو جنت میں ہونے کا کوئی ادراک اور شعور تک نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا تو کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ اگر آپ جنت میں ہوتے ہوئے بھی مردہ اور بے شعور ہیں تو جنت جنت نہ رہے گی، بلکہ وہ تو ایک لاش خانہ یا مردہ خانہ ہوگی۔ یقیناً جنت لاش خانہ اور مردہ خانہ نہیں ہے بلکہ وہ زندہ لوگوں کے لئے آرام گاہ ہے۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی قبر شریف جنت کا باغ ہے اور آپ ﷺ اس میں پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ یہی علماء اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ یہی کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع امت ہے اور اس عقیدہ سے منحرف ہونے والا شخص اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اور گمراہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۲: ''عن سعید بن مسیب قال لقد رائیتنی لیالی حرة و مافی مسجد رسول اللہ ﷺ غیری و ما یاتی وقت صلوٰة الا سمعت الاذان من القبر'' (رواہ ابونعیم کذا فی الخصائص ترجمان السنۃ ج ۴ ص ۴۸۰، سنن

دارمی ج ۱ ص ۵۷، انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء ص ۴۹، ۵۰ بحوالہ ابونعیم فی دلائل النبوۃ، الزبیر بن بکار فی اخبار المدینہ وابن سعد فی الطبقات والدارمی فی مسندہ، ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۳۰۴)

(ترجمہ) حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ واقعہ حرہ کی راتوں میں میں نے دیکھا اس دن میرے سواء رسول اللہ ﷺ کی مسجد اقدس میں، کوئی اور نہ تھا کہ جب نماز کا وقت آتا۔ آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر سے میں آذان کی آواز سنتا تھا۔

توضیح: حضرت سعید ابن مسیب مشہور تابعی ہیں اور مدینہ منورہ کے بہت بڑے عالم ہیں۔ جب مدینہ منورہ میں واقعہ حرہ پیش آیا جس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے تو اہل مدینہ اپنے گھروں میں محصور ہو گئے۔ قتل عام کی وجہ سے کوئی شخص گھر سے باہر نہ نکل سکتا تھا۔ حتیٰ کہ تین دن تک مسجد نبوی میں آذان اور جماعت نہ ہو سکی اور حضرت سعید بن مسیب اس وقت آنکھوں سے معذور ہونے کی وجہ سے مسجد نبوی میں رہ گئے اور باہر نہیں جا سکے۔ پس ہر نماز کے وقت وہ حضور اکرم ﷺ کی مزار اطہر سے آذان کی آواز سنتے تھے اور اسی کے مطابق اپنی نمازیں ادا کرتے تھے۔

یہ بات بھی ذہن نشین فرمالیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبور میں آذان، نماز وغیرہ عبادات ادا کرنا کوئی خرق عادات چیزیں نہیں ہیں۔ اسی طرح عامتہ الناس کو اپنی قبور میں جزا و سزا کا ملنا بھی کوئی خرق عادت نہیں ہے۔ بلکہ قبور کی ساری کارروائی ضابطہ اور اصول کے تحت ہوتی ہے جس کے دلائل آپ پڑھ چکے ہیں۔ البتہ قبر کی یہ کارروائی اکثر عامتہ الناس کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔ کیونکہ غیب کی چیز ہے، لیکن کبھی کبھی اپنے بعض بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ غیب کی یہ چیزیں، منکشف فرمادیتے ہیں۔ پس نہ نظر آنے والے امور کا بعض اوقات نظر آجانا ضرور خرق عادت ہے۔ لہٰذا علماء اہل سنت کا استدلال اس قسم کے امور کے موجود ہونے سے ہے۔ کیونکہ انکا وجود ضابطہ اور قانون کے تحت ہے۔ ان کے ظہور سے استدلال نہیں ہے جو کہ ایک خرق عادت امر ہے۔ بعض لوگ خواہ مخواہ وجود اور ظہور میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے خلط مبحث کر دیتے ہیں۔ لہٰذا خوب سمجھ لیں کہ واقعہ کا موجود ہونا اور چیز ہے اور اس کا ظہور بالکل اور چیز ہے۔ دنوں کو ایک سمجھ لینا بنیادی غلطی ہے۔

بہرحال یہ روایت بھی حضور اکرم ﷺ کی حیات قبر کی خصوصی و امتیازی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۱۳: ”قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا کان النبی ﷺ یقول فی مرضہ الذی مات فیہ یا عائشۃ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فھذا اوان وجدت انقطاع ابھری من ذلک السم“ (بخاری ج ۲ ص ۶۳۷)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ مرض الوفات میں یوں فرماتے تھے۔ اے عائشہ مجھے اب تک اس (زہر آلود بکری کا گوشت) کھانے کی وجہ سے تکلیف معلوم ہوتی رہی جو خیبر میں میں نے کھایا تھا۔ اب مجھ کو معلوم ہوا اس زہر کے اثر سے میری زندگی کی رگ کٹ گئی ہے۔

بخاری شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات حسرت آیات زہر آلود گوشت کھانے کی وجہ سے واقع ہوئی جو خیبر کے یہودیوں نے آپ ﷺ کو کھلایا تھا۔ لہٰذا آپ شہید ہیں اور شہیدوں کی زندگی نص قطعی سے ثابت ہے۔ پس آپ کی حیات بعد الممات قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہوئی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ولان احلف تسعۃ ان رسول اللہ ﷺ قتل قتلاً احب الی من ان احلف واحدۃ وذلک بان اللہ اتخذہ نبیاً وجعلہ شھیداً“ (مسند ابویعلی ج ۹ ص ۱۳۲، مسند احمد ج ۱ ص ۶۳۰، ۶۷۳

وفیہ کانوا یرون ان الیھود سموہ و ابابکر) یعنی صحابہ آپ ﷺ کو اس لئے شہید کہتے کہ یہودیوں نے آپ کو زہر دی تھی، اس اثر کو علامہ ہیثمی نے صحیح الاسناد کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۴، ۵) امام حاکم اور علامہ ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ (مستدرک ج ۳ ص ۵۸) یہ روایت طبرانی میں بھی موجود ہے۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھے اس بات پر کہ آپ کو قتل کیا گیا نو قسمیں اٹھانے سے یہ زیادہ پسند ہے کہ ایک ہی قسم اٹھاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اپنا نبی بنایا اور شہید بھی بنایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور اکرم ﷺ شہید تھے اور شہید زندہ ہیں۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ بھی زندہ ہیں اور آپ کی یہ برزخ و قبر کی زندگی آپ کی روح اور جسد عنصری دونوں کو حاصل ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴: ''عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم النبی ﷺ قال قال النبی ﷺ ان اقربکم منی یوم القیامۃ فی کل موطن اکثر کم علیَّ صلوٰۃ فی الدنیا، من صلّی علی فی یوم الجمعۃ و لیلۃ الجمعۃ قضی اللہ لہ مائۃ حاجۃً سبعین من حوائج الآخرۃ ثلثین من حوائج الدنیا یو کل اللہ بذٰلک ملکاً یدخلہ فی قبری کما یدخل علیکم الھدایا یخبرنی من صلی علی باسمہ و نسبہ الی عشرتہ فاثبتہ عندی فی صحیفہ بیضاء، حیات الانبیاء للبیھقی ص ۱۵، انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء ص ۴۷، بحوالہ بیھقی و اصبھانی فی الترغیب''

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ جو حضور اکرم ﷺ کے خاص خادم ہیں، روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص مجھ پر دنیا میں کثرت سے درود پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن ہر مقام پر میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ جو شخص جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرماتے ہیں۔ ستر آخرت کی حاجتیں اور تیس دنیا کی۔ اس درود پر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے، جو مجھ پر میری قبر میں ایسے درود پہنچاتا ہے، جسے تم پر ہدایا پہنچائے جاتے ہیں۔ وہ فرشتہ مجھے بتاتا ہے کہ یہ درود فلاں شخص فلاں قبیلے والے نے آپ پر بھیجا ہے۔ پس میں اس کو صحیفہ بیضاء میں اپنے پاس محفوظ کر لیتا ہوں۔

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض خوش بخت لوگ ایسے بھی ہیں جن کا نام اور قبیلہ کا نام لے کر ان کا درود حضور اکرم ﷺ تک پہنچایا اور بتایا جاتا ہے۔ بہر حال یہ روایت بھی امتیازی اور خصوصی حیات الانبیاء کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۱۵: ''عن ابی مسعود الانصاری عن النبی ﷺ انہ قال، اکثروا الصلوٰۃ علی فی یوم الجمعۃ فانہ لیس احد یصلی علی یوم الجمعۃ عرضت علی صلوتہ'' (حیات الانبیاء للبیھقی ص ۱۴)

(ترجمہ) حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ کیونکہ جمعہ کے دن مجھ پر جو شخص بھی درود بھیجتا ہے، اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

(ف) اس حدیث سے گزشتہ احادیث کی تصدیق ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶: ''عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اکثروا علیّ من الصلوٰۃ فی کل یوم الجمعۃ فان صلوٰۃ امتی تعرض علیّ فی کلّ یوم الجمعۃ'' (حیات الانبیاء للبیھقی ص ۱۵)

(ترجمہ) حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش کیا جاتا ہے۔

(ف) یہ حدیث بھی سابقہ احادیث کی تائید وتصدیق میں پیش کی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۷: ''عن ابن عباس قال لیس احد من امتہ محمد ﷺ یصلی علیہ صلوٰۃ الا وھی تبلغہ یقول لہ الملک فلان یصلی علیک کذا وکذا صلوٰۃ'' (حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱۸)

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا کوئی امتی ایسا نہیں جو آپ ﷺ پر درود پڑھے مگر وہ درود آپ ﷺ تک پہنچ جاتا ہے اور فرشتہ آپ ﷺ کو کہتا ہے کہ آپ کے فلاں امتی نے آپ ﷺ پر اتنے اتنے درود بھیجے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۸: ''عن یوسف بن عطیہ قال سمعت ثابت البنانی یقول لحمید الطویل ھل بلغک ان احداً یصلی فی قبرہ الا الانبیاء قال لا'' (انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء ص ۴۶، بحوالہ ابونعیم فی الحلیۃ)

(ترجمہ) حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ نے حمید الطویل محدث سے پوچھا کہ کیا آپ کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی شخص بھی قبر میں نماز پڑھتا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔

(ف) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر القرون میں یہ بات مشہور اور مسلم تھی کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ البتہ سوال یہ تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ بھی کوئی شخص قبر میں نماز پڑھتا ہے؟ لیکن حمید الطویل محدث فرماتے ہیں کہ مجھے غیر انبیاء کے بارے میں کوئی روایت نہیں پہنچی۔

حدیث نمبر ۱۹: ''عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال ان الانبیاء لا یترکون قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنھم یصلون بین یدی اللہ عزوجل حتی ینفخ فی الصور''

(حیات الانبیاء للبیہقی ص ۹، حیات الانبیاء للسبکی ص ۲۶، انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء للسیوطی ص ۴۸، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۷۶)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی قبروں میں چالیس راتوں سے زیادہ ویسے نہیں چھوڑا جاتا بلکہ وہ چالیس راتوں کے بعد اپنی قبروں میں رب کے حضور قیامت تک نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام چالیس دن کے وقفہ کے بعد اپنی قبور میں نمازیں شروع کردیتے ہیں اور نمازیں پڑھنا ان کی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۲۰: ''عن عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ وکل بقبری ملکا اعطاہ اسماع الخلائق فلا یصلی علیّ احد الی یوم القیامۃ الا ابلغنی باسمہ واسم ابیہ ھذا فلان بن فلان قدصلی علیک'' (ترجمہ) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے۔ جس کو ساری مخلوق کی بات سننے کی قدرت عطاء فرما رکھی ہے۔ پس جو شخص مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ (رواہ البزاز کذافی الترغیب وذکر تخریجہ السخاوی فی القول البدیع از فضائل درود شریف ص ۲۰، انباء الاذکیاء فی حیات، الانبیاء للسیوطی ص ۴۷، بحوالہ بخاری فی تاریخہ)

(ف) معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ تک درود پہنچانے کے لئے اجتماعی اور انفرادی دونوں طرح سے انتظام کر رکھا ہے۔

حدیث نمبر ۲۱: ''عن ابن عباس قال سرنا مع رسول اللہ ﷺ بین مکة ومدینة فمررنا بوادٍ فقال ای وادٍ ھذا، قالوا وادی الازرق قال کانی انظر الی موسی فذکر من لونه وشعره شیئاً واضعاً اصبعیه فی اذنیه له جوار الی اللہ بالتلبیه ماراً بھذا الوادی قال ثم سرنا حتی اتینا علی ثنیة قال ای ثنیة ھذه قالوا ھرشی اولفت فقال کانی انظر الی یونس علی ناقة حمراء علیه جبة صوف خطام ناقته خلبة ماراً بھذا الوادی ملبیاً''

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہم مکہ و مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے پوچھا اس وادی کا نام کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یہ وادی، ازرق ہے، آپ نے فرمایا گویا میں اپنی آنکھوں سے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ فرما کر آپ نے اس کا رنگ اور بالوں کا نقشہ بیان فرمایا کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں دیئے ہوئے ہیں۔ اپنے رب کے نام کا تلبیہ زور زور سے پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک گھاٹی اور آئی آپ نے پوچھا اس گھاٹی کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یہ ''ھرشی یالفت'' ہے۔ آپ نے فرمایا، گویا میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ حضرت یونس علیہ السلام ایک سرخ اونٹنی پر ہیں، ان کا جبہ اون کا ہے اور اس کی اونٹنی کی مہار درخت کی چھال ہے وہ تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ (رواہ مسلم از ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۳۰۳)

حدیث نمبر ۲۲: ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال حج رسول اللہ ﷺ فلما اتنی وادی عسفان قال یا ابابکر ای وادٍ ھذا؟ قال ھذا وادی عسفان قال لقد مر بھذا الوادی نوح، وھود، وابراھیم، علی بکرات لھم حمر خطمھم اللیف ازرھم العباء واردیتھم النمار یحجون البیت العتیق'' (رواہ حافظ ابویعلی قال الحافظ ابن کثیر فی البدایۃ فیہ غرابۃ ج ۱ ص ۱۱۹، واخرجہ عن مسند الامام احمد عن ابن عباس نحوہ وفیہ ذکر ھود وصالح علیہما السلام ولیس فیہ ذکر نوح وابراہیم علیہم السلام قال ہذا اسناد حسن کما فی البدایۃ ج ۱ ص ۱۳۸، ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۳۰۴)

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کیا۔ جب آپ وادی عسفان میں پہنچے تو فرمایا۔ اے ابوبکر! اس وادی کا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا اس کا نام وادی عسفان ہے۔ آپ نے فرمایا اس وادی سے حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت ابراہیم علیہم السلام گزرے جو سرخ اونٹوں پر سوار تھے۔ ان کی مہاریں کھجور کی چھال کی اور ان کی لنگیاں عبا اور ان کی چادریں اون کی تھیں۔ خدا تعالیٰ کے قدیم بیت کا طواف کرنے جا رہے تھے۔ ابویعلی، وطبرانی، مسند احمد۔

(ف) مذکورہ بالا دونوں صحیح اور حسن حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام عالم قبر و برزخ میں حج وغیرہ عبادات میں معروف اور مشغول رہتے ہیں اور ان کا حج وغیرہ ادا کرنا روح اور جسد کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ان کے حلئے اور لباس اور سواریوں کی علامات بیان فرمائی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم قبر و برزخ میں ان کا حج کرنا جسد ہی کے ساتھ تھا اور جسد بھی عنصری تھا، کیونکہ حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت یونس، حضرت ہود علیہم السلام وغیرہ اسماء مذکورہ بالا نبیوں کے روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر اطلاق ہوتے ہیں اور جن علماء نے کہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ حج جسد مثالی سے تھا تو ان علماء کو منکرین حیات انبیاء کا ہم خیال ہرگز نہ سمجھیں۔ کیونکہ یہ علماء اس خاص صورت میں جسد مثالی ثابت کرنے کے باوجود عالم قبر و برزخ میں روح اور جسد عنصری کے تعلق اور رشتے کے قائل ہیں۔ لہٰذا جو شخص روح اور جسد عنصری کے تعلق کو تسلیم کرنے کے بعد جسد مثالی کا

قائل ہے تو وہ اہلسنت والجماعت ہے۔ لیکن منکرین عذاب قبر وحیات انبیاء تو تعلق کے قطعاً نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں۔ جسد مثالی ماننے والوں کی عبارات کو پیش کر کے یہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں ورنہ جو لوگ بھی جسد مثالی کو ثابت کرتے ہیں وہی روح اور جسد عنصری کے تعلق کو ثابت کرتے ہیں۔ کما لا یخفی علی اهل العلم!

حدیث نمبر ۲۳: ''نبیه بن وهب ان کعباً علی عائشة فذکروا رسول الله ﷺ فقال کعب ما من یوم یطلع الا نزل سبعون الفاً من الملائکة حتی یحفوا بقبر النبی ﷺ یضربون باجنحتهم ویصلون علی رسول الله ﷺ حتی امسوا عرجوا وهبط مثلهم فصنعوا مثل ذالک حتی اذا انشقت عنه الارض خرج فی سبعین الفاً من الملائکة یزفونه'' (سنن دارمی ج ۱ ص ۵۷، مشکوٰۃ ص ۵۴۶)

ترجمہ: نبیہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب اس مجلس میں رسول کریم ﷺ (کی بعض صفات وخصوصیات یا آپ ﷺ کے وصال کے حالات کا ذکر ہوا تو) انہوں نے کہا کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ فجر طلوع ہو مگر ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور وہ فرشتے رسول کریم ﷺ کی قبر شریف کو گھیر لیتے ہیں اور (قبر کے اوپر سے گرد وغبار صاف کرنے کے لئے یا انوار قبر سے برکت وقرب حاصل کرنے کے لئے) اپنے پروں کو قبر شریف پر مارتے ہیں اور رسول کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب شام ہوتی ہے تو وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور (انہی کی طرح ستر ہزار) دوسرے فرشتے اترتے ہیں جو ان (دن والے فرشتوں) کی طرح (صبح تک یہی کرتے ہیں) یعنی قبر شریف کو گھیر لیتے ہیں اور اس پر اپنے پر مارتے ہیں اور درود پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ (یعنی ہر روز صبح وشام اس طرح ستر ہزار فرشتوں کا اترنا) اس وقت تک جاری رہے گا۔ حتی کہ قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا اور قبر شریف شق ہوگی اور آپ ﷺ قبر سے اٹھیں گے اور ستر ہزار فرشتے (اپنے جلوس لے کر) محبوب کو حبیب تک پہنچائیں گے۔

(ف) حضرت کعب احبار کبار تابعین میں سے ہیں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کا زمانہ تو پایا لیکن آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے باقی رہی یہ بات کہ فرشتوں کا اترنا ان کو کیسے معلوم ہوا۔

چونکہ یہ اہل کتاب کے عالم تھے شاید کسی آسمانی کتاب سے آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی پڑھ کر بیان کی یا بطور کشف وکرامت کے اللہ تعالیٰ نے خود ان کو فرشتے دکھائے ہوں۔ بہر حال جس ذریعہ سے بھی ان کو یہ بات معلوم ہوئی ہو۔ لیکن جب انہوں نے یہ بات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان کی تو کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے نکیر نہیں فرمائی۔ بلکہ خاموشی اختیار کر کے ان کی بات کی تصدیق کر دی۔ لہٰذا حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصدیق وتائید کی وجہ سے حجت اور دلیل ہے اور یہ روایت حیات الانبیاء کی دلیل اس طرح ہے کہ ستر ہزار فرشتوں کا نزول ہوا اور وہ آکر آپ کی قبر شریف پر درود وسلام پڑھیں اور آپ کی قبر شریف کا اکرام کریں اور آپ ﷺ کو اس کا علم وشعور تک نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ درود وسلام تو فرشتے آسمان سے بھی بھیج سکتے تھے اور بھیجتے ہیں۔ لیکن قبر شریف پر آنے کا کیا فائدہ؟ فرشتوں کا نزول دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کو اس بات کا علم وشعور ہوتا ہے اور آپ ان کے درود وسلام کو سنتے ہیں۔ پس یہ حدیث بھی حیات الانبیاء کی خصوصی وامتیازی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۲۴: ''عن عائشة قالت یا رسول اللہ ﷺ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنامان ولا ینام قلبی۔رواہ الشیخان راجع (ترجمان السنة ج ۱ ص ۱۵۴، از ترجمان السنة ج ۳ ص ۲۵۷، بخاری ج ۱ ص ۱۵۴، ۵۰۴) وفیہ کذالک الانبیاء تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم'' ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ کیا نماز وتر پڑھنے سے قبل آپ سو سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا وہ بیدار رہتا ہے۔

(ف) جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند کی یہ امتیازی شان ہے کہ ان کا دل نیند میں بیدار رہتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح عالم قبر و برزخ کی زندگی میں بھی ان کی زندگی کی یہی امتیازی شان ہے۔ کیونکہ نیند اور موت ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور یہی قرین قیاس بھی ہے اور اس قیاس سے سابقہ نصوص کی تائید و تصدیق مقصود ہے۔

حدیث نمبر ۲۵: ''عن ابی بکر قال قال رسول اللہ ﷺ نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقة متفق علیہ'' ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو ہم انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہوتے ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ سب راہ خدا میں صدقہ ہوتا ہے۔

(ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۶۶ ص ۲۶۷)

(ف) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ باقی رہا یہ سوال کہ ان کی وراثت کیوں نہیں تقسیم ہوتی؟ اس کی کئی وجوہات علماء نے بیان کی ہیں اور من جملہ ایک وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی قبور میں ایک خصوصی و امتیازی حیات حاصل ہے۔ جس کا اثر یہاں تک پہنچا کہ ان کی وراثت جاری نہیں ہوئی۔ چنانچہ مولانا بدعالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''اس کے علاوہ جب ان کی حیات کا مسئلہ سب سے ممتاز رکھا گیا تو وفات کے بعد اس صفت میں بھی ان کو عام بشر سے ممتاز رکھا گیا۔'' (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۶۷)

حدیث نمبر ۲۶: ''عن ابن عباس قال بت لیلة فنام حتی نفخ و کان اذا نام فاتاہ بلال فاذنہ بالصلٰوة فقام و صلی ولم یتوضاء'' ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک رات حضور اکرم ﷺ کے رات کے معمولات دیکھنے کے لئے اپنی خالہ بی بی میمونہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے گھر رہا۔ حضور اکرم ﷺ رات کے ایک حصہ میں اٹھے طہارت فرما کر نماز ادا کی۔ میں نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر آپ سو گئے حتی کہ سانس لینے لگے اور جب آپ سوتے تھے تو سانس لیا کرتے تھے۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے اور آپ کو نماز کی اطلاع دی۔ پس آپ جاگے اور اٹھے اور نماز شروع کر دی وضو نہیں کیا۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۶۰)

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ گہری نیند سوئے جس میں سانس چلتا رہا۔ لیکن آپ نے نیند کے بعد وضو نہیں فرمایا بلکہ نماز شروع کر دی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''ھذا من خصائصہ ﷺ ان نومہ مضطجعا لا ینقض الوضوء لان عینیہ تنامان ولا ینام قلبہ فلو خرج حدث لاحسہ بہ بخلاف غیرہ من الناس'' ترجمہ: یہ بات حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ لیٹ کر بھی اگر سو جائیں تو ان کی نیند ان کے وضو کو نہیں توڑتی۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں تو سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ پس اگر حدث خارج ہوتا تو آپ کو اس کا علم ہوتا۔ بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ ان کی نیند ناقض وضو ہے۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶۰)

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام ﷩ کی نیند کا اثر صرف آنکھوں تک ہوتا ہے دل بیدار ہوتا ہے اور حالت نیند میں ان کے حواس بالکل معطل نہیں ہوتے۔ بلکہ حالت نوم میں ان کے حواس وادراک باقی رہتے ہیں۔ پس جب نیند کے بعد ان حضرات کے حواس وادراک باقی رہتے ہیں تو موت کے بعد بھی ان کے حواس وادراک کا باقی رہنا بالکل قرین قیاس ہے۔ کیونکہ موت اور نیند ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ پس انبیاء کرام ﷩ کی نیند بھی امتیازی شان رکھتی ہے اور موت بھی۔ نہ نیند میں ان کے حواس بالکل معطل ہوتے ہیں نہ موت میں۔ اس طریقہ سے یہ حدیث بھی عقیدہ حیات الانبیاء ﷩ کے لئے مؤید ہے۔

حدیث نمبر ۲۷: ''عن ابن عباس قال نزلت فی رجل هم ان یتزوج بعض نساء النبی ﷺ بعده''
(تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۳ بحوالہ ابن ابی حاتم وسدی وابن سعد تفسیر خازن ج ۳ ص ۵۰۹، تفسیر مدارک برحاشیہ خازن ج ۳ ص ۵۱۰، تفسیر بغوی ج ۳ ص ۵۴۱، حاشیہ تفسیر جلالین ص ۳۵۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ سے روایت ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت ''ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا'' یعنی حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح مت کرو۔ ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی کسی زوجہ کے متعلق نکاح کرنے کا اظہار خیال کیا۔ پس اس آیت میں اس شخص کے خیال کی تردید کردی گئی۔

(ف) قرآن وحدیث اور اجماع امت کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات امت کے لئے واجب الاحترام ہیں بلکہ مائیں ہیں۔ لہٰذا کسی امتی کا آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان سے نکاح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو امت پر کیوں حرام قرار دیا گیا؟ سو علماء کرام نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو قبر شریف میں امتیازی حیات حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی ازواج سے نکاح حرام ہے۔ دیکھئے تفسیر مظہری (ج ۷ ص ۳۷۳) واضح ہو کہ ایک ہی حکم کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔

حدیث نمبر ۲۸: ''عن جابر قال جاءت ملائكة الى النبی ﷺ وهو نائم فقالوا ان لصاحبكم هذا مثلاً فاضربوا له مثلاً قال بعضهم انه نائم وقال بعضهم ان العين نائمة والقلب يقظان فقالوا مثله كمثل رجل بنى دارا وجعل فيها مادبة وبعث داعيا فمن اجاب الداعی ودخل الدار واكل من المادبة ومن لم يجب الداعی لم يدخل الدار ولم ياكل من المادبة فقالوا اولوا ها له يفقهما قال بعضهم انه نائم وقال بعضهم ان العين نائمة والقلب يقظان فقالوا الدار الجنة والداعی محمد فمن اطاع محمدا فقد اطاع الله ومن عصى محمدا فقد عصى الله ومحمد فرق بين الناس'' (رواہ البخاری ص ۱۰۱۸، مشکوٰۃ ص ۲۷)

ترجمہ: حضرت جابر ﷜ فرماتے ہیں کہ کچھ فرشتے آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ سورہے تھے۔ فرشتوں نے آپس میں کہا تمہارے اس دوست یعنی آنحضرت ﷺ کے متعلق ایک مثال ہے اس کو ان کے سامنے بیان کرو۔ دوسرے فرشتوں نے کہا وہ تو سوئے ہیں۔ لہٰذا بیان کرنے سے کیا فائدہ؟ ان میں سے بعض نے کہا بیشک آنکھیں سورہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے۔ پھر اس نے کہا ان کی مثال اس شخص کی ہے جس نے گھر بنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لئے دسترخوان چنا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ لہٰذا جس نے بلانے والے کی بات کو مان لیا وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلانے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر

میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا۔ یہ سن کر فرشتوں نے آپس میں کہا اس کو (وضاحت کے ساتھ) بیان کر دو تاکہ یہ اسے سمجھ لیں بعض فرشتوں نے کہا (بیان کرنے سے کیا فائدہ) کیونکہ وہ تو سوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا بے شک آنکھیں سو رہی ہیں۔ لیکن دل تو جاگتا ہے اور پھر کہا گھر سے مراد تو جنت ہے اور بلانے والے سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ جس نے محمد ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

(ف) اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ بالکل سوئے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے پاس فرشتوں نے جو گفتگو کی اس کو آپ ﷺ نے اچھی طرح سے سنا۔ لہٰذا یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ ﷺ قبر شریف میں زائرین کی گفتگو اور سلام وغیرہ سنتے ہیں۔ کیونکہ موت اور نیند ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ بہر حال یہ حدیث بھی سابقہ نصوص کی تائید و تصدیق کرتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ عند القبر الشریف زائرین کے سلام و طلب شفاعت کو سنتے ہیں۔ مسئلہ سماع و حیات الانبیاء نرے قیاس سے نہیں بلکہ نصوص سے ثابت ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۲۹: ''عن ربيعة الجرشي قال اتى نبى الله ﷺ فقيل له لتنم عينيک و تسمع اذنک ليعقل قلبک قال فنامت عيناى وسمعت اذناى وعقل قلبى۔ الحديث'' ترجمہ: حضرت ربیعہ جرشی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو (نیند) میں فرشتے دکھائے گئے اور آپ کو کہا گیا (یعنی فرشتوں نے کہا) چاہئے کہ آپ کی آنکھیں سوئیں، آپ کے کان سنیں اور آپ کا دل سمجھے۔ آپ نے فرمایا: میری آنکھیں سوئیں میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا۔ (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ ص ۲۹)

(ف) اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ نیند میں حضور اکرم ﷺ باتوں کو سنتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے جس طرح آپ کو نیند میں یہ خصوصیت عطا کی گئی تھی اسی طرح عالم قبر و برزخ میں بھی آپ کو یہ خصوصیت دی گئی ہے جیسا کہ سابقہ حدیثوں میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

حدیث نمبر ۳۰: ''عن عائشة قالت سحر رسول الله ﷺ حتى انه ليخيل اليه انه فعل الشئ وما فعله حتى اذا كان ذات يوم وهو عندى دعا الله ودعاه ثم قال اشعرت يا عائشة ان الله قد افتانى فيما استفيته الحديث وفى روايته فانبته من نومه ذات يوم'' ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا آپ کو ایسا خیال آتا تھا جیسے کام کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس کو کرتے نہ ہوتے، ایک دن ایسا ہوا، آنحضرت ﷺ میرے پاس تھے آپ نے اللہ کو پکارا اور دعا کی اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی۔ پھر آپ فرمانے لگے، اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تجھ کو معلوم ہوا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو بات پوچھی اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ بتلا دی ہے۔ الخ (بخاری ج ۲ ص ۸۵۸)

(ف) اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لبید بن عاصم یہودی نے حضور اکرم ﷺ کے بال کسی طرح حاصل کئے اور ان میں جادو کی گرہیں لگائیں و ران کو کھجور کے غلاف میں رکھا اور اس کو ایک کنوئیں میں پتھر کے نیچے رکھ دیا جس کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ چھ ماہ یا کم و بیش آپ ﷺ اس جسمانی تکلیف میں مبتلا رہے۔ بالآخر ایک دفعہ آپ سوئے ہوئے تھے دو فرشتے آپ کے پاس آئے، ایک سرہانے کی طرف کھڑا ہو گیا، دوسرا پاؤں کی طرف، سرہانے والے نے پوچھا اس شخص کو کیا تکلیف ہے، دوسرے نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے۔ اس نے کہا کس نے کیا

ہے دوسرے نے کہا لبید بن عاصم نے۔ اس نے کہا کس چیز میں ہے؟ کہاں ہے؟ اور اس کا علاج کیا ہے؟ دوسرے فرشتے نے یہ باتیں بتادیں۔ پس حضور اکرم ﷺ بیدار ہوئے۔ اس کنویں پر تشریف لے گئے پانی نکالا گیا پتھر کے نیچے سے کھجور کے غلاف کو اٹھایا گیا اور بالوں میں گیارہ گرہ لگی ہوئی تھیں۔ معوذتین کی ایک ایک آیت پڑھ کردہ گرہیں کھولی گئیں۔ پس آپ کی ساری تکلیف اسی وقت ختم ہوگئی۔

بندہ عاجز کا استدلال تو اس حدیث سے یہ ہے کہ آپ سوئے ہوئے تھے فرشتوں نے آپ کے پاس آکر جو گفتگو کی۔ آپ نے اس کو سنا اور سمجھا اور جانا۔ پس جب اللہ کا نبی نیند میں سنتا و سمجھتا ہے اور اس کا ادراک وشعور برقرار رہتا ہے تو مرنے کے بعد بھی ان کا سننا، سمجھنا اور ہوش وحواس کا باقی رہنا قرین قیاس بھی ہے اور حیات وسماع کی حدیثوں کا مؤید بھی ہے۔ مذکورہ بالا حدیثیں جن سے حضور اکرم ﷺ کا نیند کی حالت میں سننا ثابت ہوتا ہے۔ دراصل منکرین حیات وسماع کے ایک شبہ کا دندان شکن جواب ہیں۔ یہ لوگ عموماً یہ کہتے ہیں کہ میاں! جب سوتا نہیں سنتا تو مردہ کیسے سنتا ہے۔

لہٰذا بندہ عاجز کہتا ہے میاں! اللہ کا نبی نیند میں سنتا ہے جب نیند میں سنتا ہے تو مرنے کے بعد قبر میں بھی سنتا ہے۔ لہٰذا ان دلائل کو ان کے شبہ کا جواب بھی سمجھئے اور سمع کی دلیل بھی بنایئے اور سماع کی حدیثوں کی تائید بھی جانئے اور مسلک اہل حق، علماء دیوبند پر استقامت کی دعا بھی کیجئے۔

تنبیہ: اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا جسمانی طور پر جادو کی تکلیف سے متاثر ہونا، قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ جس کا انکار، دراصل صحیح حدیثوں کا انکار ہے خود مذکورہ بالا حدیث مندرجہ ذیل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، عبدالرزاق، حمیدی وغیرہ وغیرہ اور اس حدیث کو روایت کرنے والے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن ارقم، عبداللہ ابن عباس جیسے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کو بخار کی تکلیف ہوئی، تیر، تلوار، نیزے اور لوہے کے گرز کی تکلیف ہوئی۔ بچھو کے کاٹنے کی تکلیف ہوئی۔ پیغمبر انسان ہوتے ہیں اور انسانوں کے لوازمات اور خواص ان میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا جادو کی تکلیف کو بھی اسی زمرہ میں سمجھ لیجئے۔ یہ بات بطور جملہ معترضہ کے عرض کی گئی ہے ورنہ موضوع سے تو خارج ہے اہل علم سے معذرت خواہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۳: "عن عبداللہ ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علیَّ اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم رواہ البزاز ورجالہ رجال الصحیح" (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم (مشکل مسئلے) بیان کرو گے اور (میری طرف سے) ان کی حقیقت بیان کردی جائے گی اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے سو جو اچھے ہوں گے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو برے ہوں گے میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگوں گا۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۶، ذکرہ السبکی فی شفاء السقام ص ۳۴، والعلامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمۃ اللہ علیہ فی المنحۃ الوھبیہ فی ردالوہابیہ ص ۱۵ والزرقانی فی المواہب ج ۵ ص ۳۳۷) علامہ سیوطی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱) علامہ زرقانی اس کی سند کو جید کہتے ہیں۔ زرقانی شرح المواہب ج ۵ ص ۳۳۷ علامہ سید انور شاہ صاحب اس کی سند کو جید کہتے ہیں۔ فہرست (عقیدۃ الاسلام ص ۱۱) علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی سند کو جید کہتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۳) شاہ

عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۶۹) علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس سے حجت پکڑتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۳۵۸ پ ۱۴ سورۃ النحل ع ۱۲) اس حدیث کی تائید وتصدیق مندرجہ ذیل کتب میں بھی موجود ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۹۴، جامع صغیر ج ۱ ص ۱۵۱، السراج المنیر ج ۲ ص ۲۳۳، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱، الصارم المنکی ص ۱۶۸، نشر الطیب ص ۲۱۰ ص ۲۲۹، البراہین القاطعہ ص ۲۱۶ و ۲۱۷ و ۱۹۹ و ۲۰۰، فہرست عقیدۃ الاسلام ص ۱۱، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۲، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۱، نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

پس اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ البتہ علماء حق نے کتاب وسنت کی نصوص کے پیش نظر یہ فرمایا ہے کہ یہ عرض اعمال اجمالی ہی ہے۔ بہرحال عرض اعمال کی حدیث حضور اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصی حیات کی دلیل ہے۔ اگر آپ کو کسی قسم کی حیات حاصل نہیں ہے تو محض میت پر عرض اعمال کا کوئی فائدہ نہیں۔

<u>حدیث نمبر ۳۲</u>: ''روی البیھقی من طریق الاعمش عن ابی الصالح عن مالک الدار ورواہ ابن ابی شیبہ بسند صحیح عن مالک الدار قال اصاب الناس قحط فی زمن عمر بن الخطاب فجاء رجل الی قبر النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ استسق اللہ تعالٰی لامتک فانھم قد ھلکوا فاتاہ رسول اللہ ﷺ فی المنام فقال ائت عمر فاقرئہ السلام واخبرہ انھم مستسقون وقل لہ علیک الکیس الکیس فاتی الرجل عمر فاخبرہ فبکی عمر ثم قال یا رب ما آلوا الا ما عجزت عنہ وروا سیف فی الفتوح ان الذی رای المنام المذکور بلال بن حارث المزنی احد الصحابۃ'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۲۴۲ بیہقی وابن ابی شیبہ)

ترجمہ: بیہقی نے بطریق اعمش عن ابی الصالح عن مالک الدار رضی اللہ عنہ روایت نقل کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے اس کو صحیح سند کے ساتھ مالک الدار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص آنحضرت ﷺ کی قبر کے پاس گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے بارش طلب فرمائیں۔ کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں تو خواب میں اس شخص سے آنحضرت ﷺ نے ملاقات کی اور فرمایا کہ تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا اور اس کو سلام کہہ اور اس کو خبر دے کہ ان پر بارش نازل کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ دے کہ دانائی پر قائم رہے۔ دانائی پر قائم رہے تو وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ پھر فرمایا اے میرے رب میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مگر جس امر سے میں عاجز ہو گیا۔ علامہ سیف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے خواب دیکھا تھا وہ حضرت بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔

یہ واقعہ علامہ علی بن عبدالکافی السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ سے پوری سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۳۰)

اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس واقعہ کو پوری سند کے ساتھ نقل کر کے فرمایا ہے۔ ''ھذا اسناد صحیح'' (البدایہ النہایہ ج ۷ ص ۹۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: رواہ ابن ابی شیبہ باسناد صحیح۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸)

(ف) اس حدیث کے پہلے راوی حضرت مالک الدار رضی اللہ عنہ کو علامہ ذہبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کرتے ہیں۔ (تجرید اسماء الصحابہ ج ۲ ص ۴۷) اور بعض علماء نے اس کو تابعی لکھا ہے لیکن معروف آدمی ہے۔ پس صحابی

رسول ﷺ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کی قبر کے پاس جا کرامت کے لئے دعا کی درخواست کرنا۔ آپ ﷺ کی حیات قبر کی واضح دلیل ہے۔ جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کو سن کر سکوت فرمایا تو اس میں مزید قوت پیدا ہوگئی۔

حدیث نمبر ۳۳: ''وقد ذکر جماعة منهم الشیخ ابو منصور الصباغ فی کتابه الشامل الحکایة المشهورة عن العتبی قال کنت جالساً عندقبر النبی ﷺ فجاء اعرابی فقال السلام علیک یا رسول الله سمعت الله یقول ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآؤک فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدالله توابا رحیما۔ وقد جئتک مستغفراً لذنبی مستشفعابک الی ربی الخ'' (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۵۲۰، کتاب الاذکار ص ۱۸۵، تفسیر مدارک ج۱ ص ۳۶۶، شفاء السقام ص ۴۵، جذب القلوب ص ۱۹۵، رسائل الارکان ص ۲۸۰، فضائل حج ص ۹۰۴، وفاء الوفاء ج۲ ص ۱۴۱۱، المواہب مع الزرقانی ج۸ ص ۳۰۶، تطہیر الفواد من دنس الاعتقاد ص ۵۱، ۵۲)

ترجمہ: ایک جماعت نے عتبی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مشہور حکایت نقل کی ہے جس جماعت میں شیخ ابو منصور بھی ہیں۔ یہ واقعہ انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں بیان کیا ہے عتبی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے اور اگر بیشک وہ لوگ جب کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے پس وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لئے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے اس لئے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش کرنے آیا ہوں۔

(ف) اس حکایت مشہور کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔ لہٰذا یہ حجت و دلیل ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ کا حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے یعنی بعد از وفات آپ کی قبر مبارک کے پاس طلب شفاعت جائز وثابت ہے۔ پس یہ خصوصی وامتیازی حیت قبر کی دلیل ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ آیت کا حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد ثابت ہے۔ دیکھئے (معارف القرآن ج۲ ص ۴۵۹) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج۴ ص ۱۵۵) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (اعلاء السنن ج۱۰ ص ۳۳۰) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (آب حیات ص ۴۰) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (نشر الطیب ص ۲۵۴) حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فضائل حج ص ۹۱۹، ۹۲۰)

واقعہ مذکورہ کے بعد علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں ''ثم انصرف الاعرابی فغلبتنی عینی فرأیت النبی ﷺ فی النوم فقال یا عتبی الحق الاعرابی فبشره ان الله قد غفر له'' یعنی عتبی کہتے ہیں اعرابی چلا گیا اور مجھے نیند آگئی خواب میں مجھے حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عتبی جا کر اعرابی کو خوشخبری سنا دے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری مغفرت فرما دی۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۵۲۰)

حدیث نمبر ۳۴: ''عن حاطب قال قال رسول الله ﷺ من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی۔ الحدیث (رواه الدار قطنی وجوّد الذهبی اسناده، وفاءالوفاء ج ۱ ص ۳۹۶، ۳۹۹، از احسن الفتاوی ج۴ ص ۵۵۲)'' ترجمہ: حضرت حاطب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے

میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو ایسا ہے گویا کہ میری زندگی میں زیارت کی۔

(ف) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مطلب یہ نہیں کہ وہ صحابی ہو گیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں تو گویا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں کوئی شخص در دولت پر حاضر ہوا اور مکان سے باہر مل کر آئے۔ (فضائل حج ص ۸۹۷)

حدیث نمبر ۳۵: ''عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی رواہ الدار قطنی والطبرانی فی الکبیر الاوسط وغیرھما ورواہ ابن الجوزی فی مثیر العزم الساکن انی اشرف الاماکن وابن عدی فی کاملہ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۳۹۷) (از احسن الفتاوی ج ۴ ص ۵۵۳) (فضائل حج ص ۸۹۶) بحوالہ طبرانی بیھقی، دار قطنی، مشکوٰۃ والمغنی ابن قدامہ''

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی۔ گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔ بہر حال یہ حدیث حضور اکرم ﷺ کی خصوصی و امتیازی حیات قبر پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۳۶: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے۔ آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی گنہگار رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول ﷺ اس کے لئے دعا مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ اس وقت جو حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس کے اندر سے یہ آواز آئی ''قد غفر لک'' یعنی مغفرت کر دی گئی۔ (بحر محیط) (تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰)

(ف) بندہ عاجز کئی بار یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہے کہ اس قسم کے واقعات کا قبر میں موجود ہونا خرق عادت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے واقعات قبر میں قانون خداوندی کے تحت ہوتے ہیں اور ہمیشہ موجود رہتے ہیں اور دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اس قسم کے موجود، واقعات کو بعض لوگوں کے سامنے ظاہر فرماتے ہیں۔ پس ان کا ظہور بے شک خرق عادت ہوتا ہے۔ جس کو عام طور پر کرامت یا معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن علماء حق کا استدلال ان کے وجود سے ہے ظہور سے نہیں ہے۔ اس فرق کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آپ کسی دھوکہ باز کے دھوکہ میں نہ آئیں گے کہ میاں یہ تو معجزات اور کرامات ہیں۔ لہٰذا قابل استدلال نہیں ہیں۔ بھائیو! یہ دھوکہ ہے اور خالص دھوکہ، کیونکہ علماء حق کا استدلال معجزات و کرامات سے نہیں بلکہ قانون اور اصول سے ہے۔

حدیث نمبر ۳۷: ''وقد صح عن ابی ایوب الانصاری انہ قال لمن انکر علیہ وضع وجھہ علی القبر انما جئت رسول اللہ ﷺ ولم آت اللبن او الحجر'' ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ بات صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ فرط محبت میں آ کر حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر اپنا منہ رکھ دیا تو کسی شخص نے ان پر نکیر کی آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں اینٹ یا پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کے ہاں آیا ہوں۔ (احسن الفتاوی ج ۴ ص ۵۵۱، مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۵۸۷، مرویات مالک بن حویرث)

(ف) معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کو اپنی قبر میں پتھر اور اینٹ کی طرح، بے جان، بے حس اور بے شعور نہیں سمجھتے تھے، بلکہ آپ کی خصوصی اور امتیازی حیات قبر کے قائل تھے اور ان کا یہ فرمانا بھی ایک عقیدہ کی طرف اشارہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، یعنی حضور اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں بھی وصف نبوت و وصف رسالت سے حقیقتاً موصوف ہیں حضور اکرم ﷺ کے جو صفات دنیا میں تھے، یعنی علم، شعور، فہم و ادراک حیات، نبوت و رسالت، وہ سب کے سب آپ کو قبر میں حاصل ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد زیارۃ ایسی ہے جیسا گویا کہ زندگی میں ہوتی تھی۔ جیسا کہ حدیث پہلے گزر چکی ہے اور یہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی پیدا ہونے کے بعد سے کبھی بالکل بے شعور نہیں ہوا۔ نہ عالم ارواح میں، نہ عالم دنیا میں، نہ عالم خواب میں اور نہ عالم آخرت میں۔ پس جب اللہ کا نبی کسی عالم میں بھی بے شعور نہیں رہا تو عالم قبر و برزخ میں کیسے بے شعور ہو گیا؟

قبر اقدس میں جو شخصیت مدفون و موجود ہے اس کو رسول اللہ ﷺ بھی کہنا اور ماننا اور پھر اس کو پتھر کی طرح بے حس و بے شعور سمجھنا بہت بری جسارت اور گستاخی ہے۔ بہرحال میرا مشورہ یہ ہے کہ منکرین حیات الانبیاء کو چاہئے کہ یا قبر مبارک میں موجود شخصیت کو رسول اللہ ﷺ کہنا چھوڑ دیں (نعوذ باللہ) یا پھر ان کی حیات طیبہ کے انکار سے توبہ اور رجوع کر لیں۔ کیونکہ ایک شخص کو اللہ کا نبی و رسول کہنا اور پھر اس کی ہر قسم کی حیات کا انکار کر کے اس کو بے شعور اور بے علم کہنا نہایت مکروہ اور نازیبا بات ہے۔ الحمد للہ! علماء حق، علماء اہلسنت والجماعت علماء دیوبند قبر اقدس میں موجود شخصیت کو اللہ تعالیٰ کا حقیقی نبی و رسول بھی سمجھتے ہیں اور وصف علم و شعور اور حیات و ادراک سے موصوف بھی سمجھتے ہیں۔ لیکن منکرین حیات نے اب تک اس بارے میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی، نہ تحریروں میں، نہ تقریروں میں۔

اگر یہ حضرات واضح کر دیں کہ قبر مبارک میں موجود شخصیت کو ہم وصف نبوت و وصف رسالت سے حقیقتاً موصوف سمجھتے ہیں تو سوال ہوگا کہ جو شخصیت وصف نبوت و رسالت سے حقیقتاً موصوف ہے وہ شخصیت وصف علم و شعور اور وصف حیات سے کیسے محروم ہے؟

ذرا بندہ عاجز کا سوال گوش دل سے سن لو اور ہوش سے جواب دو اور اگر تم قبر میں موجود شخصیت کو وصف نبوت و رسالت سے حقیقتاً موصوف نہیں سمجھتے تو پھر اپنے ایمان کی خیر مناؤ۔ کیونکہ علماء اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ جو شخص وفات کے بعد حضور اکرم ﷺ کو وصف نبوت و رسالت سے حقیقتاً موصوف نہیں سمجھتا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ پس حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا: ''انی جئت رسول اللہ ﷺ'' اس عظیم حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

<u>حدیث نمبر ۳۸</u>: ''عن نافع قال کان ابن عمر اذا قدم من سفر اتی قبر النبی ﷺ فقال اسلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاہ'' ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب سفر سے واپس آتے تو حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری دیتے اور یوں سلام عرض کرتے السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ، السلام علیک یا ابا بکر رضی اللہ عنہ، السلام علیک یا ابتاہ کہتے۔
(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۷۶، مؤطا امام مالک ص ۱۵)

(ف) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہر سفر کے بعد اور بعض روایات کے مطابق بار بار حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر آنا اور بصیغہ خطاب السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آپ ﷺ کی خصوصی اور امتیازی حیات کے قائل تھے۔ جس طرح کہ سابقہ احادیث و روایات سے ثابت ہو چکا ہے۔ خصوصاً ان کا قبر

اقدس میں مدفون شخصیت کو یارسول اللہ! کہنا حیات قبر کی طرف واضح اشارہ ہے۔ جس طرح کہ حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۳۹: ''عن سلیمان بن سحیم قال رأیت النبی ﷺ فی النوم فقلت یا رسول اللہ ﷺ ھو لاء الذین یاتونک فیسلمون علیک اتفقه سلامھم قال نعم وارد علیھم'' ترجمہ: حضرت سلیمان بن سحیم سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو نیند میں دیکھا پس میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ پر سلام پڑھتے ہیں کیا آپ ان کا سلام (سنتے) سمجھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱۸، فضائل ج ص ۹۰۲ بحوالہ سنن سعید ابن منصور کذا فی الاتحاف فضائل درود شریف ص ۴۹)

حدیث نمبر ۴۰: ''قالت عائشة فکان آخر کلمة تکلم بھا النبی ﷺ قوله اللھم الرفیق الاعلیٰ متفق علیه'' ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آخری کلمہ جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تھا کہ اے اللہ مجھے رفیق اعلیٰ عطا فرما۔ (مشکوۃ ص ۵۴۸)

(ف) اللھم رفیق الاعلیٰ حضور اکرم ﷺ کی دنیوی زندگی کا آخری کلمہ ہے۔ جو آپ کے منہ مبارک سے نکلا ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے رفیق اعلیٰ یعنی اعلیٰ رفاقت کا سوال کیا یعنی روح اور جسد عنصری دونوں کے لئے آپ نے اعلیٰ رفاقت طلب کی اور آپ کی دعا آپ کی ذات کے لئے قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات اقدس یعنی روح اور جسد عنصری دونوں کو رفیق اعلیٰ عطا فرمائی۔ آپ اپنی قبر مبارک میں موجود وحیات ہوتے ہوئے رفیق اعلیٰ میں ہیں اور اس کی کیا صورت ہے؟ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لیں۔

حدیث نمبر ۴۱: ''عن عائشة قالت فسمعته یقول مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین فعلمت انه خیر متفق علیه'' ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے مرض الوفات کے آخری لحات میں حضور اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے (اے اللہ) مجھے ان لوگوں کے ساتھ کر دے جن پر تیرا انعام ہوا نبیوں سے صدیقوں سے اور شہداء و صالحین سے۔ پس میں نے جان لیا کہ آپ کو اختیار دیا ہے کہ دنیا و آخرت میں سے جس کو چاہیں پسند فرمائیں۔ (مشکوۃ ص ۵۴۷)

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آخری وقت یہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ مجھے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کا ساتھ عطا فرما اور یہ دعا آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے یعنی روح اور جسد عنصری دونوں کے لئے مانگی۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کو یعنی روح اور جسد عنصری کو نبیوں صدیقوں شہداء اور صالحین کا ساتھ عطا فرمایا۔ اگر بالفرض یہ کہا جائے کہ رفیق اعلیٰ اور نبیوں صدیقوں وغیرہ کا ساتھ صرف آپ کی روح کو نصیب ہوا اور آپ کے جسد عنصری کو نصیب نہ ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پیغمبر کی روح اقدس کے لئے تو دعا قبول ہوئی اور جسد کے لئے قبول نہ ہوئی تو یہ قبولیت کی ایک ناقص صورت ہے۔ قبولیت کی کامل صورت یہی ہے کہ آپ کی یہ دعا روح اور جسد عنصری دونوں کے لئے قبول ہوئی۔ لہٰذا اللہ کا نبی ﷺ روح اور جسد عنصری سمیت رفیق اعلیٰ میں ہے اور نبیوں صدیقوں کے ساتھ ہے جس کی صورت آپ معلوم کر چکے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۲: بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک خواب کی روئیداد بیان فرمائی ہے جو کہ عذاب قبر کی حدیثوں میں نمبر ۱۸ پر گزر چکی ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بادل میں ایک مکان دکھایا گیا اور کہا گیا کہ یہ مکان آپ کا ہے جب آپ ﷺ نے اس میں جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کو کہا گیا کہ ابھی آپ کی (دنیاوی) زندگی کے کچھ ایام باقی ہیں۔ یعنی وفات کے بعد آپ اس مکان میں آجائیں گے۔ اس مکان کا وعدہ بعد از وفات آپ ﷺ کی ذات اقدس یعنی روح اور جسد عنصری دونوں سے کیا گیا۔ لہٰذا وفات کے بعد یہ مکان آپ کی روح اور آپ کے جسد عنصری دونوں کو مل گیا۔ پس یہ حدیث روح اور جسد عنصری دونوں کی حیات کی دلیل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ مکان آپ ﷺ کی روح اقدس کو ملا اور جسد عنصری کو نہ ملا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ خلافی تصور کی جائے گی۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ لہٰذا جس طرح یہ وعدہ آپ ﷺ کی ذات کے لئے تھا اسی طرح ذات کے لئے پورا ہوا۔ پس وہ مکان آپ ﷺ کے روح اور جسد عنصری دونوں کو مل گیا۔ آپ قبر شریف میں ہوتے ہوئے اس مکان میں بھی تشریف فرما ہیں۔ جس طرح سونے والا عالم خواب میں چارپائی پر سو کر مختلف مقامات کی روح اور جسد سمیت سیر سیاحت کرتا ہے۔

حدیث نمبر ۴۳: ''عن انس قال لما ثقل النبی ﷺ جعل یتغشاہ الکرب فقالت فاطمۃ واکرب اباہ فقال لیس علی ابیک کرب بعد الموت الحدیث'' ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (مرض وفات) میں آپ ﷺ بوجھل ہو گئے اور مرض کی شدت کی وجہ سے آپ پر بار بار بے ہوشی طاری ہونے لگی تو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا (بے تاب ہوکر) کہنے لگیں ہائے میرے ابا جان کو کیسی تکلیف نے گھیرا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سنا تو) ان کو مخاطب کر کے فرمایا آج کے دن کے بعد پھر تمہارے بابا جان کو کوئی سختی نہیں گھیرے گی۔ (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۵۴۷)

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس تکلیف کے بعد اور کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ بلکہ بقول صاحب مظاہر حق، پھر سکون ہی سکون ہوگا۔ پس موت کے بعد یہ مسلسل سکون آپ کی حیات قبر کی دلیل ہے، واضح رہے کہ آپ نے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تیرے ابا جان پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہ ہوگی بلکہ سکون ہی سکون نصیب ہوگا۔ یعنی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ابا جان کے لئے سکون ہے اور ابا جان روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۴: ''ان عائشۃ اخبرتہ ان ابابکر اقبل علی فرس من مسکنہ بالسنح حتی نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علی عائشۃ فتیمم رسول اللہ ﷺ وھو مغشی بثوب حبرۃ فکشف عن وجھہ ثم اکب علیہ فقبلہ وبکی ثم قال بابی وامی واللہ لا یجمع علیک موتتین الحدیث''
ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے سنح والے گھر سے گھوڑے پر سوار ہوکر آئے۔ حتی کہ گھوڑے سے اترے اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور کسی سے کلام نہ کی حتی کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کا ارادہ کیا (جب کہ آپ کی وفات ہو چکی تھی) حالانکہ ایک یمنی چادر کے ذریعہ آپ کو ڈھانپ دیا گیا تھا۔ پس آپ کے رخ انور سے چادر ہٹائی اور آپ پر جھک گئے اور آپ کو بوسہ دیا اور روئے۔ پھر کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کریں گے۔ یعنی اس موت کے بعد آپ کو کسی اور موت نے نہیں آنا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۰۷)

(ف) قارئین کرام! سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مراد ظاہر اور واضح ہے کہ اس موت کے بعد حضور اکرم ﷺ پر اور کوئی موت نہیں آنی اور اس پر سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو موت کے بعد ایک خاص قسم کی حیات دی جاتی ہے حتی کہ جن کو منکرین حیات الانبیاء کہا جاتا ہے وہ بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے ایک قسم کی حیات کے قائل ہیں بلکہ موت کے بعد یہ لوگ جس حیات کے قائل ہیں۔ اس کے متعلق ان لوگوں کے القاب ملاحظہ فرمایئے: اعلیٰ، ازکیٰ، اجمیٰ، اقویٰ، اضحیٰ، اسنیٰ، احلیٰ، اشھیٰ، اطھیٰ انفع، ارفع، ادفع، افضل، اکمل، اجل، ادوم، اقوم، اتم۔ لیکن اس کے باوجود ان کو منکرین حیات اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے روح مبارک کے لئے بجائے جسد عنصری دنیوی کے ایک دوسرا جسد مثالی کافوری، نورانی، عطائی موہوبہ تجویز کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ آپ کی حیات مانتے ہیں۔ پس جسد عنصری دنیاوی اور حقیقی کی حیات کے انکار کی وجہ سے ان کو منکر حیات کہا جاتا ہے۔

ان کے برعکس علماء اہلسنت والجماعت روح مبارک کا جسد عنصری دنیاوی سے تعلق مانتے ہیں۔ جس کی حقیقت و کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے حیات الانبیاء کے قائل ہیں۔ بہر حال موت کے بعد زندگی ایک مسلمہ حقیقت ہے اور ایک اتفاقی عقیدہ ہے۔ جس کا کسی نے آج تک انکار نہیں کیا۔ البتہ صورت حیات ضرور مختلف فیہ ہے۔ اہلسنت والجماعت جس صورت کو مانتے ہیں وہ صحیح اور معقول صورت ہے اور وہی صورت قرآن وحدیث اور اجماع امت اور سلف صالحین سے ثابت ہے اور بقیہ صورتیں جعلی اور بناوٹی یعنی مثالی ہیں۔ پس منکرین حیات کے نزدیک حیات الانبیاء کی جو صورت ہے اس پر اس دنیاوی موت کے علاوہ ایک اور موت نے بھی ضرور طاری ہونا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک بعد از وفات جسد مثالی کافوری، نورانی عطائی میں داخل کر دی گئی اور آپ کی روح اقدس اس دوسرے جسد کے ساتھ جنت میں ہیں اور بروز قیامت اس مثالی جسد سے روح مبارک کو نکال کر جسد عنصری دنیاوی میں لوٹائی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ روح مبارک کو جسد سے نکالنے کا نام موت ہے۔

پس ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق حضور اکرم ﷺ کو جنت میں بھی موت آئے گی۔ جب کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق آپ ﷺ پر کسی قسم کی موت نے نہیں آنا۔ بلکہ قبر میں آپ کی حیات مستمرہ ہے جس پر موت نے طاری نہیں ہونا۔ عالم قبر میں آپ کی روح مبارک کا جسد عنصری سے جو تعلق ہے وہ "ولٰکن لا تشعرون" کے تحت ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسی تعلق کو اتنا قوی فرمادیں گے کہ آپ کی حیات قیامت کے دن ہر ایک کے شعور میں آجائے گی۔ پس عالم قبر و برزخ میں جس صورت حیات کے علماء اہلسنت والجماعت قائل ہیں۔ اس پر موت طاری نہیں ہوتی اور جس صورت حیات کے یہ منکرین قائل ہیں۔ اس پر موت کا طریان ضروری ہے۔ پس سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صرف مسلک اہل حق علماء اہلسنت والجماعت دیوبند کی تائید ہی نہیں ہوتی بلکہ مسلک منکرین حیات کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔

قارئین کرام! آپ نے معلوم کر لیا کہ چوالیس احادیث و روایات سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیازی اور خصوصی حیات قبر ثابت ہے۔ واضح رہے کہ یہ تعداد بندہ عاجز ہیچمداں کے ناقص مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اگر ماہرین علماء حیات الانبیاء کی احادیث و روایات کا تتبع کریں تو امید قوی ہے کہ حیات الانبیاء کے دلائل کی تعداد میں اچھا خاصا اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن بندہ عاجز انہیں پر اکتفاء کرتا ہے "وفیہ الکفایۃ" اب بندہ عاجز آپ کی خدمت میں چند توضیحات پیش کرتا ہے۔ جن سے عقیدہ حیات الانبیاء کے متعلق ذہن میں پیدا ہونے والے تمام شبہات اور اشکالات کا ان شاء اللہ صفایا ہو جائے گا۔

حیات وسماع انبیاء کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں، ان پر جرح کی ضرورت نہیں

توضیحات

توضیح اوّل: عقیدہ حیات الانبیاء کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اوراس عقیدہ کا انکارضرورت دین کا انکار ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حیات النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذالک وتواترت بالاخبار الدالۃ علی ذالک وقد الف الامام البیھقی جزأ فی حیات الانبیاء فی قبورھم'' ترجمہ: حضور اکرم ﷺ کی حیات فی القبر اوراسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ہمارے ہاں علم قطعی یقینی سے معلوم ہے۔اس لئے کہ ہمارے پاس اس پر دلائل قائم ہیں اورعقیدہ حیات الانبیاء پر دلالت کرنے والی روایات درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اورامام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا ہے۔جس میں حیات الانبیاء کو ثابت گیا ہے۔

(انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء ص ۱)

اسی طرح قبر میں میت کی حیات اور جزاوسزا کا ادراک وشعور بھی احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: انسان رابعد موت ادراک باقی میماند براین معنی شرع شریف وقواعد فلسفی اجماع دراندامادرشرع شریف پس عذاب وتنعیم القبر بتواتر ثابت است وتفصیل آں دفتر طویل میخواہد درکتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی است ودیگر کتب حدیث باید دید ودر کتب کلامیہ اثبات عذاب قبر میمانید حتی کہ بعض اہل کلام منکر آنرا کافر میدانند وعذاب تنعیم بغیر ادراک وشعور نمے تواند شد ونیز دراحادیث صحیحہ مشہورہ درباب زیارۃ قبور وسلام برموتی وہمکلامی باینہا کہ ''انتم سلفنا ونحن بالاثر وانا انا شاء اللہ بکم لاحقون'' ثابت است بالجملہ انکارشعور وادراک اموات اگرکفر نباشد درالحاد بودن اوشبہ نیست۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۸)

ترجمہ: مرنے کے بعد انسان کا ادراک باقی رہتا ہے اوراس پرشرع شریف اورفلسفیہ کا اجماع ہے لیکن شرع شریف میں اس لئے کہ عذاب وتنعیم قبر تواتر سے ثابت ہے اوراس کی تفصیل کے لئے دفتر درکار ہے امام جلال الدین سیوطی کی کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور اورحدیث کی دیگر کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔عقائد کی کتابوں میں علماء نے عذاب قبر کا اثبات کیا ہے۔حتی کہ بعض علماء علم کلام نے عذاب قبر کے منکر کو کافر کہا ہے قبر کی جزا وسزا اورثواب وعقاب بغیر ادراک وشعور کے نہیں ہوسکتی اور نیز احادیث صحیحہ مشہورہ سے مردوں پرسلام کرنا ان کے ساتھ انتم سلفنا الخ کے ذریعہ ہمکلامی کرنا ثابت ہے۔قصہ مختصر اموات کے ادراک وشعور کا انکار اگر کفر نہ ہوگا اس کے الحاد (بے دینی) ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے۔

بہرحال علماء حق علماء اہلسنت والجماعت کے نزدیک عقیدہ حیات الانبیاء اورعقیدہ حیات قبر یعنی قبر کی جزاوسزا کا عقیدہ احادیث متواترہ سے ثابت ہیں اورضروریات دین سے ہیں۔ان عقائد کا انکار کرنا کفر یا پھر کم از کم الحاد ہے اور اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ درجہ تواتر کو پہنچنے والی احادیث خود بخود مستقل حجت ہیں۔ احادیث متواترہ کے بعض رواۃ پر جرح کرنا، کلام کرنا، خود غلط اقدام ہے، احادیث متواترہ کے راویوں پر بحث کرنے کی کوئی

ضرورت نہیں ہے۔ اگر حیات الانبیاء اور عذاب قبر کے متعلق حدیثوں پر جرح وقدح درست ہے تو دین اسلام کے بقیہ متواترات میں بھی جرح وقدح درست ہوگی۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو شاید کوئی راوی جرح وقدح سے محفوظ نہ رہ سکے گا اور تمام متواترات جرح وقدح کی زد میں آکر مشکوک ہوجائیں گی۔ لیکن اصول یہ ہے کہ متواترات کی حجیت میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لہٰذا متواترات میں رجال کی بحث کرنا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ بلکہ تضیع اوقات ہے اور یہ بات بھی واضح رہے کہ عذاب قبر اور حیات الانبیاء کی اکثر حدثیں تو صحاح ستہ کی ہیں اور بعض جو دوسری حدیث کی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں تو محدثین نے ان کو صحیح، حسن اور جید کہا ہے۔

اس کے باوجود اگر چند ایک روایتیں ایسی بھی آگئی ہیں جن کے بعض راویوں پر جرح کی گئی ہے تو بعض ضعیف روایتوں کی وجہ سے صحیح روایتوں پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ صحیح روایتوں کی وجہ سے ضعیف روایتوں میں قوت پیدا ہوگی۔ کیونکہ جو بات ان ضعیف روایتوں میں کہی گئی ہے وہ بات احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے۔ لہٰذا ان کی تصدیق ہوجائے گی۔ نیز احادیث صحیحہ کی تائید میں ضعیف روایات کو پیش کرنا ہمیشہ سے محدثین اور فقہاء کا طریقہ رہا ہے۔ لہٰذا چند احادیث ضعیفہ کی وجہ سے احادیث صحیحہ بلکہ مشہورہ ومتواترہ کو رد کرنا ایک غیر علمی اور ناپسندیدہ اقدام ہے۔ کما لایخفیٰ علی اھل العلم و الفضل! پس علماء اصول کے ہاں احادیث متواترہ حجت ہیں۔ اس کے رواۃ کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر رواۃ پر بحث کرنی ہے تو پہلے اس کے تواتر کا انکار کرو، پھر رواۃ پر بحث کرو۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات وسماع کی احادیث کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے

توضیح دوم: علماء اصول کے ہاں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ حدیث کی سند اگرچہ ضعیف اور کمزور ہو لیکن اگر اس کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہوجائے تو وہ حدیث تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح ہوجاتی ہے۔ تلقی بالقبول کا مطلب یہ ہے کہ علماء اسلام اس حدیث کے مضمون کو قبول اور تسلیم کرلیں۔ اس کے مطابق عقیدہ رکھیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تلقی بالقبول کی وجہ سے حدیث درجہ صحت حاصل کرلیتی ہے۔ اگرچہ اس کی سند میں کوئی ضعیف راوی موجود کیوں نہ ہو۔

چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''مدار التصحیح و التضعیف للحدیث لیس علی الاسناد فقط'' (تدریب الراوی ص ۱۸، ۱۹)

''المجتھد اذا استدل بحدیث کان ذالک تصحیحاً لہ منہ کذا فی التحریر (لابن الھمام)'' وغیرہ (شامی ج ۴ ص ۵۷)''قال ابو الحسن الحضار فی تقریب المدارک علی مؤطا امام مالک قد یعلم الفقیہ صحۃ الحدیث اذا لم یکن فی سندہ کذاب بموافقۃ آیتہ من کتاب اللہ او بعض اصول الشریعۃ فیحملہ ذالک علی قبولہ والعمل بہ۔ کذا فی تدریب الراوی (ص ۱۶) وقال المحقق ابن الھمام فی الفتح اذا تائید الضعیف بما یدل علی صحبۃ من القرائن کائن صحیحاً (ج ۱ ص ۲۸۳) وقد یحکم للحدیث بالصحۃ اذا تلقأہ الناس بالقبول وان لم یکن لہ اسناد صحیح قال ابن عبدالبر فی الاستذکار لما حکی عن الترمذی ان البخاری صحیح حدیث البحر ھو الطھور ماءہ واھل الحدیث لا یصححون مثل اسنادہ لکن الحدیث صحیح عندی لان العلماء تلقوا بالقبول۔(من تدریب الراوی ص ۱۵) والقبول یکون تارۃ بالقبول وتارۃ

بالعمل علیه قال المحقق فی الفتح وقول الترمذی العمل علیه عند اهل العلم یقتضی قوة الصله وان ضعف خصوص هذاالطریق (ج ۱ ص ۱۸۸) وقال السیوطی فی التعقیبات الحدیث (ای حدیث ابن عباس من جمع بین الصلاتین من غیر عذر فقد اتی بابا من الکبائر) اخرجه الترمذی وقال حسن ضعفه احمد وغیره والعمل علیه عند اهل العلم فاشار بذالک الی ان الحدیث اعتصد بقبول اهل العلم وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله (ص ۱۲، اعلاءالسنن ج ۱۴ ص ۳۹۱، ۳۹۲)'' ترجمہ: حدیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کا دارومدار صرف اور صرف اسناد پر نہیں ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۸، ۱۹) بلکہ مجتہد جب کسی حدیث سے حجت پکڑے تو یہ اس کی طرف سے حدیث کی تصحیح ہے۔ (اگر چہ سند کے لحاظ سے وہ ضعیف کیوں نہ ہو) اسی طرح امام ابن ہمام کی تحریر الاصول وغیرہ میں ہے۔ (شامی ج ۶، ص ۵۷) ابوالحسن الحصار، تقریب المدارک علی موطا امام مالک میں فرماتے ہیں کہ کبھی فقیہ حدیث کی صحت کو کتاب اللہ کی کسی آیت کی موافقت کی وجہ سے یا بعض اصول شریعت کی مواقف کی وجہ سے معلوم کر لیتا ہے (اگر چہ سند کے لحاظ سے صحیح نہ ہو) بلکہ ضعیف ہو، بشرطیکہ اس کی سند میں کوئی جھوٹا راوی نہ ہو۔ پس فقیہ کا ایسی حدیث کو قبول کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا اسی پر محمول ہے۔ یعنی کتاب اللہ اور اصول شریعت کی موافقت کی وجہ سے فقیہ ایک ضعیف حدیث کو صحیح سمجھتا ہے اور اس کو قبول بھی کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ کیونکہ اب ضعیف کا ضعف بوجہ موافقت کتاب اللہ واصول شریعت اٹھ چکا ہے۔ (کذا فی تدریب الراوی ص ۱۶)

محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے جب کسی ضعیف کو ایسے قرائن کی تائید حاصل ہو جائے جو اس کی صحت پر دلالت کریں تو وہ حدیث صحیح سمجھی جاتی ہے۔ (ج ۱ ص ۲۸۳) اور کبھی حدیث کو صحیح مانا جاتا ہے۔ جب کہ اس کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اگر چہ اس کی اسناد صحیح نہ ہوں۔ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں کہا ہے اس لئے کہ امام ترمذی سے منقول ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث البحر هو الطهور ماؤه یعنی سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے کی تصحیح کی ہے۔ حالانکہ محدثین ایسے اسناد کو صحیح نہیں کہتے۔ لیکن یہ حدیث میرے نزدیک اس لئے صحیح ہے کہ علماء نے اس کو قبول کر لیا ہے۔ یعنی اس کو تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح کہا گیا ہے ورنہ سند صحیح نہیں ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۵) اور قبول کرنا کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی اس پر عمل کرنے سے ہوتا ہے یعنی تلقی بالقبول دو طرح ہوتی ہے، کبھی تو قول سے ہوتی ہے یعنی جو کچھ ضعیف حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ علماء اسی طرح عقیدہ رکھیں اور لوگوں میں بیان کریں اور کبھی عمل سے ہوتی ہے۔ یعنی جو کچھ ضعیف حدیث میں علماء اس کے مطابق عمل شروع کر دیں۔

بہر حال تلقی بالقبول خواہ قول سے ہو، خواہ عمل سے ہو دونوں سے ضعیف حدیث کا ضعف اٹھ جاتا ہے اور صحیح بن جاتی ہے اور قابل حجت محقق نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ امام ترمذی کا یہ کہنا کہ اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ مضمون حدیث کی قوت کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر چہ خاص کر اس کی یہ سند ضعیف بھی ہے۔ یعنی امام ترمذی جب یہ کہتا ہے کہ اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے تو اشارہ کرتا ہے کہ اہل علم کے عمل اور قبول کرنے سے ضعیف حدیث کا ضعف اٹھ گیا ہے اور اس میں قوت آگئی ہے۔ (ج ۱ ص ۱۸۸) اور امام سیوطی التعقیبات میں فرماتے ہیں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس شخص نے بلا عذر دو نمازوں کو جمع کیا وہ کبیرہ گناہ کے دروازہ سے آیا۔ ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کا ایک راوی حسین ہے۔ جس کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور العمل علیه، عند اهل العلم، کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ اہل

علم کی قبولیت کی وجہ سے اس ضعیف حدیث میں قوت اور طاقت پیدا ہوگئی۔ یعنی قابل احتجاج بن گئی ہے اور بہت سے اہل علم نے یہ بات بالتصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کا کسی حدیث کو قبول کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ اگرچہ اس کی سند نا قابل اعتماد کیوں نہ ہو۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں: ''الحدیث الضعیف اذ تائید باقوال الصحابة او قول اکثر اهل العلم فهو مقبول محتج به'' (اعلاء السنن ج ۱۴ ص ۳۹۲)

یعنی ضعیف حدیث اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اہل علم کی اکثریت کے قول کی وجہ سے مقبول اور قابل احتجاج بن جاتی ہے۔

حجاز مقدس کے مشہور عالم الشیخ اسماعیل بن محمد الانصاری اپنے رسالہ، تصحیح حدیث صلوٰۃ التراویح عشرین رکعۃ میں مندرجہ بالا حوالجات نقل کر کے فرماتے ہیں: ''وقال الصنعانی فی توضیح الافکار قال الحافظ یعنی ابن حجر من جملة صفات القبول التی لم یتعرض لها شیخنا یرید زین الدین فی منظومة و شرحها ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول حیث فانه یقبل حتی یجب العمل به وقد صرح بذالک جماعة من ائمة الاصول'' ترجمہ: صنعانی توضیح الافکار میں فرماتے ہیں حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ حدیث کی قبولیت کے صفات میں سے ایک یہ بھی ہے جس کو ہمارے شیخ زین الدین نے اپنی منظومہ اور اس کی شرح میں بیان نہیں کیا کہ حدیث کے مفہوم و معنی پر علماء بالاتفاق عمل پیرا ہو جائیں۔ پس وہ حدیث مقبول ہو جاتی ہے۔ حتی کہ اس پر عمل واجب ہو جاتا ہے اور اس کی ائمہ اصول کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے تصحیح حدیث صلوٰۃ التراویح عشرین رکعت (ص ۱۲) شیخ مذکور نے اس کی چند مثالیں پیش کی ہیں۔

مثال ۱: ''اذا غیر طعم الماء وریحه ولونه ای بالنجس صار نجسا'' یعنی جب پانی نجاست کی وجہ سے متغیر ہو جائے یعنی اس کا ذائقہ، بو اور رنگ تبدیل ہو جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے۔

مثال ۲: ''لا وصیة لوارث'' یعنی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔

مثال ۳: ''هو الطهور ماءه'' یعنی سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں حدیثیں سند کے لحاظ سے ضعیف اور نا قابل احتجاج ہیں۔ لیکن ان کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے جس کی وجہ سے یہ احادیث صحیح اور حجت ہیں اور قابل احتجاج بھی ہیں اور قابل عمل بھی۔

مثال ۴: اسی طرح شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ حدیث صلوٰۃ التراویح عشرین رکعت کی سند میں اگرچہ کلام ہے لیکن اس کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔ یعنی پوری امت نے اس کو قبول کیا ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح اور حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے۔ (کتاب مذکورہ ص ۱۲)

مثال ۵: شیخ موصوف نے یہ مثال بھی بیان کی ہے ''اذا اختلف المتبایعان فی الثمن والسلعة قائمة تحالفا وترادا البیع'' یعنی جب بائع اور مشتری کا ثمن میں اختلاف ہو جائے اور سامان موجود ہو تو دونوں قسمیں اٹھائیں اور بیع کو رد کر دیں۔

مثال ۶: شیخ موصوف نے یہ مثال بھی بیان کی الدیة علی العاقلة یعنی دیت عاقلہ پر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا چھ حدیثیں سند کے لحاظ سے کمزور ہیں لیکن علماء امت نے ان کو قبول کیا اور تسلیم کیا ہے اور اس کے معنی پر عمل

کیا ہے جس کی وجہ سے ان کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہوا ہے۔ لہٰذا یہ حدیثیں صحیح اور حجت ہیں ان کے سندات کو دیکھنے کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مثال ۷: اسی طرح احلت لنا میتتان والی حدیث سنداً مجروح اور ضعیف ہے۔ لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح اور قابل احتجاج ہے۔ دیکھئے (تفسیر ابن کثیر ج ا) پس ثابت ہوا کہ اہل اصول کے نزدیک تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعیف حدیثیں صحیح قرار پائی ہیں۔ لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام کی مخصوص حیات وسماع پر دلالت کرنے والی احادیث صحیحہ میں سے اگر کسی کی سند میں ضعیف راوی موجود بھی ہے تو پھر بھی وہ حدیث صحیح اور حجت ہے۔ کیونکہ ان حدیثوں کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔ لہٰذا اب ان کی سندات پر بحث کر کے ان کو نا قابل احتجاج بنانا ایک لغو بات اور وقت کا ضیاع ہے۔ قبول عامہ کی وجہ سے وہ حدیثیں درجہ صحت حاصل کر چکی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء کی حیات وسماع کی تمام حدیثیں صحیح اور قابل حجت ہیں۔

حیات وسماع انبیاء کرام کی احادیث کے کسی ایک آدھ راوی کو ضعیف کہنے سے اصل عقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا

توضیح سوم: انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مخصوصہ اور سماع پر دلالت کرنے والی حدیثیں الحمد للہ صحیح ہیں۔ لیکن بر سبیل تنزل بالفرض والمحال اگر ان سب حدیثوں کے راویوں پر جرح کر کے سب کو ضعیف بھی قرار دے دیا جائے تو پھر بھی یہ حدیثیں نا قابل احتجاج نہیں ہوں گی۔ کیونکہ علماء اہل اصول کے نزدیک اگر ایک مضمون کی چند حدیثیں مل جائیں تو وہ درجہ حسن کو پہنچ کر قوت حاصل کر لیتی ہیں اور قابل احتجاج بن جاتی ہیں۔ جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مخصوصہ اور سماع پر دلالت کرنے والی روایات کی تعداد چالیس سے بھی زیادہ ہے اور حیات قبر پر دلالت کرنے والی آیات اور احادیث کے علاوہ ہیں۔ بہرحال حیات وسماع کی روایات حجت اور مقبول ہیں ان کے راویوں پر جرح ونقد کرنے سے اصل مسئلہ عقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

توضیح چہارم: آپ نے معلوم کر لیا کہ علماء اہلسنت والجماعت کے عقائد کا ایک ایک جز کتاب وسنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ مثلاً علماء اہلسنت والجماعت فرماتے ہیں کہ میت کو قبر میں عذاب یعنی جزا وسزا ہوتی ہے اور یہی عقیدہ ملخصہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''المیت یعذب فی قبرہ'' اور یہ حدیث صحیح ہے اگر بالفرض اس حدیث کے راویوں پر جرح وقدح کر کے اس کو ضعیف بھی بنا دیا جائے تو بہرحال عقیدہ کا وجود اور اس کے الفاظ تو حدیث کی کتابوں میں موجود رہیں گے۔ لیکن اس کے برعکس منکرین عذاب قبر کا یہ عقیدہ کہ میت کو قبر میں عذاب نہیں ہوتا تو کسی ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں بلکہ موضوع روایت سے بھی ثابت نہیں ہے۔ اس عقیدہ کا وجود ہی نہیں۔ اس کے الفاظ تک حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ یعنی ''المیت لا یعذب فی قبرہ'' کا جملہ تو کسی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ خواہ سند کیسی ہو اور راوی جیسے ہوں۔ اسی طرح اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ عالم قبر وبرزخ کی جزا وسزا میں جسد عنصری روح کا شریک ہوتا ہے۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''صلی اللہ علیک وعلی جسدک کنت تعمرینہ'' یعنی: اے

روح تجھ پر اللہ کی رحمتیں اور تیرے دنیا والے جسد پر بھی اللہ کی رحمتیں۔ لیکن اس کے برعکس منکرین عذاب قبر کا یہ عقیدہ کہ قبر و برزخ کی جزا و سزا میں جسد عنصری شامل نہیں ہوتا تو کسی حدیث کی کتاب میں اس کا وجود نہیں ہے اور ''صلی اللہ علیک و لا صلی اللہ علی جسدک العنصری'' کے الفاظ تو کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہیں، خواہ سند کیسی ہو اور راوی جیسے ہوں۔ اسی طرح اہلسنت والجماعت کا عقیدہ اعادہ روح تو صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ حدیث کی کتابوں میں ''تعاد روحہ فی جسدہ'' اور ''ثم تصیر الی القبر او الی الارض'' کے الفاظ تو حدیثوں میں موجود ہیں۔ لیکن منکرین عذاب قبر کا یہ عقیدہ کہ قبر میں روح کا اعادہ نہیں ہوتا تو یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ خواہ سند کیسی ہو اور راوی جیسے ہوں۔ ''لا تعاد روحہ فی جسدہ'' اور ''ثم لا تصیر الی الارض و القبر'' کے الفاظ کا تو حدیث کی کتابوں میں وجود تک نہیں ہے۔ اسی طرح علماء اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ کہ ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اس عقیدہ کے تمام الفاظ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ لیکن اس کے برعکس منکرین حیات کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ نہیں ہیں اور نہ ہی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

اس عقیدہ کا کوئی ایک لفظ یعنی ''الانبیاء لیسو باحیاء فی قبورھم و لا یصلون'' تو حدیث کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ خواہ سند کیسی ہو اور راوی جیسے ہوں۔ اسی طرح علماء اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کی قبر اطہر کے پاس درود و سلام پڑھتا ہے تو آپ اس کے درود و سلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اس عقیدہ کے الفاظ حدیث کی کتابوں میں ملتے ہیں ''من صلی علیَ عند قبری سمعتہ'' اور ''مامن احد یسلم علیَ حتی ارد علیہ السلام'' وغیرہ کے تمام الفاظ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ لیکن اس کے برعکس منکرین حیات و سماع کا یہ عقیدہ کہ آپ ﷺ عند القبر الشریف سلام کو نہیں سنتے اور نہ ہی جواب دیتے ہیں۔ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ''ما سمعتہ یا لا ارد علیہ'' یعنی نہ میں سلام سنتا ہوں اور نہ ہی جواب دیتا ہوں۔ اس عقیدہ کا اور اس کے الفاظ کا حدیث کی کسی کتاب میں وجود تک نہیں ہے۔ خواہ سند کیسی ہو اور راوی جیسے ہوں۔

بندہ عاجز اپنے ان کرم فرماؤں کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ اپنا مذکورہ بالا عقیدہ اور عقیدہ کا ایک ایک لفظ قرآن سے ثابت کرو۔ اگر قرآن سے ثابت نہیں ہے تو حدیث صحیحہ سے ثابت کرو۔ اگر صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے تو ضعیف حدیث سے ثابت کرو۔ اگر ضعیف حدیث سے ثابت نہیں تو موضوع اور من گھڑت روایت سے ثابت کرو بے سند حدیث سے ثابت کرو۔ حدیث کی کسی کتاب سے ثابت کرو۔ ایسی حدیث سے کرو جس کے تمام راوی وضّاع، کذاب، دجال، جھوٹے اور رافضی خبیث ہوں۔ بہرحال جہاں سے ثابت کر سکتے ہو کرو خواہ سند کیسی ہو خواہ راوی جیسے ہوں یا خود نہ ہوں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ اتنا بے بنیاد ہے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اس کا وجود نہیں ہے اور نہ ہی علماء اسلام اس عقیدہ سے متعارف ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ چودھویں صدی کے اواخر اور پندرہویں صدی کے اوائل کی پیداوار ہے اور اس دور کی بدترین بدعت ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر ہمارے کرم فرما بضد ہیں کہ نہیں جی ہمارا یہ عقیدہ تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو ان کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ ذرا حوصلے سے یہ بتا دیں تمہارے اس عقیدہ کو اسلام کے کسی عالم نے قرآن و حدیث سے سمجھا ہے اور سمجھ کر اپنی کسی کتاب میں نقل کیا ہے۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی ایک عالم دین کا نام بتادو جس نے تمہارا یہ عقیدہ قرآن وحدیث سے نقل کیا ہو، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک عقیدہ اتنا عرصہ دراز تک پردہ اخفاء میں رہے کسی عالم کے فہم کی رسائی اس تک نہ ہو سکے بلکہ ہر دور کے علماء اس کے خلاف عقیدہ رکھتے چلے آئے اور اچانک چودہ سو سال کے بعد اس کا انکشاف ہو۔ پس جس طرح یہ ناممکن ہے اسی طرح تمہارے عقیدہ کا اثبات بھی قرآن وحدیث سے ناممکن ہے ورنہ ہر گمراہ آدمی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میرا عقیدہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اگرچہ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد کسی ایک عالم دین نے اس کو نقل نہیں کیا۔ بہرحال قرآن وحدیث سے ثابت شدہ عقائد ومسائل کو علماء اسلام نے باقاعدہ نقل کیا ہے اور وہ علماء امت کی کتابوں میں موجود اور محفوظ چلے آتے ہیں۔ پس کسی عقیدہ کا اتنے عرصہ تک محفوظ اور موجود نہ ہونا اس کے بے بنیاد ہونے کی دلیل ہے۔ جب کہ قرآن وحدیث میں اس کا خلاف موجود ہے اور علماء اسلام کی کتابوں میں اس کے خلاف کی نقل موجود اور محفوظ ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

قارئین کرام! انصاف فرمائیں کہ جن لوگوں کا عقیدہ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے نہ ہی اس کو کسی عالم دین نے نقل کیا ہے اور نہ ہی اسلام کی کسی کتاب میں موجود محفوظ ہے ایسا بے بنیاد اور بے اصل عقیدہ رکھنے والے لوگ علماء حق علماء اہلسنت والجماعت کو کوستے ہیں کہ تمہارا عقیدہ حیات وسماع ضعیف حدیثوں سے ثابت ہے۔ بھیّا کہیں سے ثابت تو ہے لیکن تمہارا عقیدہ تو کہیں سے ثابت ہی نہیں۔ اگر ہمت ہے تو اپنا خود ساختہ عقیدہ اسلام کی کسی کتاب سے ثابت کردو اور منہ مانگا انعام حاصل کرو۔ جس کی صورت یہ ہے کہ پہلے اپنا عقیدہ کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ دو پھر اس کی عربی عبارت قرآن وحدیث یا اسلام کی کسی کتاب سے نکال کر دکھادو۔ چشم ماروشن دل ماشاد!

لیکن اپنے عقیدہ کو لکھ کر قرآن وحدیث اور اسلامی کتاب سے ثابت کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔

حیات الانبیاء کا عقیدہ بریلویوں کے عقائد مخصوصہ میں سے نہیں ہے (توضیح پنجم)

بعض لوگ عقیدہ حیات وسماع کو بریلویوں کا مخصوص عقیدہ سمجھتے ہیں اور حیات وسماع کے دلائل سن کر کہتے ہیں کہ میاں پھر تو بریلوی سچے ہیں۔ حالانکہ حیات وسماع کا عقیدہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں آج تک کسی نے اختلاف نہیں کیا اور نہ ہی حیات وسماع کے دلائل سے بریلویوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر دور کے علماء اسلام انبیاء کرام کی حیات وسماع کے قائل چلے آرہے ہیں۔

بریلوی حضرات کا اختلاف تو علماء اہلسنت والجماعت سے مسئلہ بشریت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علم غیب، مسئلہ حاضر وناظر، مسئلہ مختار کل، ندائے غیر اللہ وغیرہ عقائد میں ہے یا پھر بدعات میں اختلاف ہے۔ بریلوی حضرات غیر اللہ کو عالم الغیب، مختار کل اور ہر جگہ حاضر وناظر سمجھتے ہیں اور ان کو نزدیک و دور سے پکارتے ہیں اور متصرف فی الامور سمجھتے ہیں اور علماء اہلسنت والجماعت فرماتے ہیں کہ یہ سب صفات اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک لہ ہیں۔ ان صفات میں اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے۔

''الحی الذی لا یموت'' اسی طرح ''السمیع لکل شئ'' باری تعالیٰ کے صفات ہیں اور باری تعالیٰ ان صفات میں بھی وحدہ لاشریک لہ ہیں۔ جن انسان وغیرہ مخلوقات موت سے پہلے الحی تو ہیں لیکن صفت حیات میں

اللہ تعالیٰ کے قطعاً شریک نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ الحی لا یموت ہے اور بقیہ زندہ مخلوق باوجود زندہ ہونے کا موت کا محل وقوع ہیں۔ اسی طرح علماء اہلسنت والجماعت عالم قبر و برزخ میں الحیات بعد الوفات کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حیات تو ازلی وابدی ہے وہاں حیات بعد الوفات کا تصور بھی نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ عالم آخرت میں ہر شخص کو حیات ابدی حاصل ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت حیات میں شریک نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان لوگوں کی حیات بعد الوفات ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوقات کی ایسی حیات سے پاک اور منزہ ہے جو بعد الوفات ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی صفت سماعت میں وحدہ لاشریک لہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت سمع لامحدود ہے اور زندہ لوگوں کا سننا محدود ہے اور آلات واسباب کا محتاج ہے۔ پس قبل از موت جو لوگ سنتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفت سماع میں شریک نہیں ہیں۔ اسی طرح بعد از وفات عند القبر جو لوگ سنتے ہیں وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت سماع میں قطعاً شریک نہیں ہیں۔ ہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرح الحیّ لا یموت سمجھنا اور ان کو موت کا محل وقوع ہی نہ سمجھنا اور نزدیک و دور سے ان کا سننا ثابت کرنا اور ان کو متصرف فی الامور سمجھنا بیشک شرک جلی ہے جس سے علماء اہلسنت والجماعت بالکل بری الذمہ ہیں۔

وہ تو انبیاء کرام کی حیات بعد الوفات کے قائل ہیں اور قریب سے صلوٰۃ وسلام یا طلب شفاعت سننے کے قائل ہیں۔ علماء حق علماء دیوبند قریب وبعید سے یکساں سننے کے قائل بھی نہیں ہیں اور انبیاء کرام کو متصرف فی الامور بھی نہیں سمجھتے۔ پس ثابت ہوا کہ علماء حق جس حیات وسماع کے قائل ہیں اس میں شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے اور ایسی حیات وسماع بریلویہ کے مخصوص عقائد میں سے بھی نہیں ہے۔ بلکہ پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اجماعی عقیدہ ہے۔

بندہ عاجز کی اس وضاحت کے باوجود بھی اگر منکرین حیات بضد ہیں کہ عقیدہ حیات وسماع بریلویوں کا مخصوص نظریہ ہے اور شرک ہے تو میں عرض کروں گا کہ اس شرک میں خود منکرین بھی مبتلاء ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بھی الحیات بعد الوفات اور سماع کے قائل ہیں۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ علماء اہلسنت والجماعت دنیا والے جسد کے ساتھ حیات وسماع کے قائل ہیں اور یہ لوگ جسد مثالی، کافوری کے ساتھ حیات وسماع کے قائل ہیں۔ پس اگر حیات وسماع کا عقیدہ شرک ہے تو یہ خود اس شرک میں غرق ہو چکے ہیں۔

اسی طرح جو لوگ عالم برزخ میں روح کی حیات اور روح کی سماع کے قائل ہیں وہ بھی بقول خود شرک میں مبتلا ہیں۔ روح میں صفت حیات اور صفت سماع تسلیم کرنے سے شرک کیوں لازم نہیں آتا ہے۔ اگر علماء اہلسنت والجماعت نے آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس میں صفت حیات اور سماع تسلیم کر کے شرک کا ارتکاب کر ہی لیا ہے تو فرق تو صرف اتنا ہے کہ علماء حق نے آنحضرت ﷺ کے لئے حیات وسماع ثابت کیا ہے اور آپ لوگوں نے آپ ﷺ کی روح مبارک کے لئے حیات وسماع ثابت کی ہے۔ اگر علماء اہلسنت والجماعت کا عقیدہ حیات وسماع بریلویوں سے حاصل کردہ ہے تو حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کے متعلق تمہارا عقیدہ حیات وسماع بھی بریلویوں سے حاصل کردہ ہے۔

عقیدہ حیات وسماع الانبیاء شیعوں کا مخصوص عقیدہ نہیں ہے (توضیح ششم)

بعض ناہنجار اور ناعاقبت اندیش لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ عقیدہ حیات وسماع شیعوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ معاذ اللہ! حالانکہ یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ کیونکہ عقیدہ حیات مخصوصہ اور سماع عند القبور احادیث متواترہ سے

ثابت ہے اور اسی پر اجماع امت ہے کیا قرآن وحدیث شیعوں کے مخصوص نظریہ کی تائید کرتا ہے؟ کیا پوری امت نے شیعوں کے مخصوص عقیدہ پر اجماع کر لیا ہے؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے لوگ شیعہ تھے؟ معاذ اللہ! شیعہ تو اپنے اماموں میں اللہ تعالیٰ کے تمام صفات کمالیہ تسلیم کرتے ہیں وہ تو اپنے اماموں کو عالم الغیب مختار کل، ہر جگہ حاضر وناظر اور متصرف فی الامور جانتے ہیں اور نزدیک ودور سے ان کو پکارتے ہیں اور ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں اور علماء حق علماء اہلسنت والجماعت تو الحیات بعد الوفات کے قائل ہیں۔ نزدیک ودور سے یکساں سننے کے قائل نہیں بلکہ صرف قریب سے سلام وغیرہ سننے کے قائل ہیں اور انبیاء وغیر انبیاء کو مشکل کشا اور حاجت روا نہیں سمجھتے۔ کیونکہ نزدیک ودور سے سننا تو صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور مشکل کشا اور حاجت روا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ عقیدہ حیات وسماع شیعوں سے حاصل کیا گیا ہے تو میں عرض کروں گا کہ تم نے بھی تو یہ عقیدہ حیات وسماع شیعوں سے اخذ کیا ہے۔ علماء اہلسنت والجماعت نے حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کے لئے اخذ کیا ہے اور تم لوگوں نے آپ کی روح مبارک کے لئے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ تم لوگ آپ ﷺ کی حیات روحانی اور سماع روحانی کے قائل ہو۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات کے لئے حیات وسماع کا عقیدہ اگر شیعوں سے اخذ کیا ہوا ہے تو آپ ﷺ کی روح مبارک کے لئے حیات وسماع کا عقیدہ شیعوں سے کیسے اخذ کیا ہوا نہیں ہے؟

پس اگر علماء حق نے آپ کی ذات اقدس کے لئے حیات وسماع شیعوں سے لی ہے تو تم لوگوں نے بھی روح کی حیات وسماع شیعوں سے حاصل کی ہے۔ جو الزام ان کو دیتے ہو، وہ تم پر عائد ہوتا ہے۔

انبیاء کرام کی حیات وسماع کا عقیدہ قرآن کے خلاف نہیں ہے (توضیح ہفتم)

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مخصوصہ اور سماع پر دلالت کرنے والی حدیثیں قرآن کے خلاف ہیں۔ لہٰذا قابل قبول نہیں ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کا یہ غلط خیال ہے۔ حیات وسماع کی حدیثیں قطعاً قرآن مجید کے خلاف نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی کسی آیت میں حضرات انبیاء کرام کا نام لے کر ان کی حیات وسماع کی نفی ہرگز ہرگز نہیں کی گئی بلکہ قرآن مجید میں تو ہر مردہ کی حیات قبر ثابت کی گئی ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں تو عام موتی کے سماع کا مسئلہ بھی مستقل طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ البتہ بعض لوگوں نے اپنے فہم سے بعض آیات کے ظواہر سے عام موتی کے عدم سماع پر استدلال کیا ہے۔ لیکن انہوں نے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اس عدم سماع کے ضابطہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ ان کے سماع پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے۔ علماء حق کی طرف سے بار بار اعلان اور چیلنج کے باوجود عہد صحابہ سے لے کر آج تک کسی ایک شخص کو نامزد نہیں کیا گیا۔ جس نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام یا خاص کر حضور اکرم ﷺ کے سماع عند القبر الشریف کا انکار کیا ہو۔ ہاں یوں کہہ دینا تو آسان ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدم سماع کے قائل تھے لیکن کسی ایک کا نام لینا۔ پھر اس کو ثابت کرنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ کسی نے آج تک اس عقیدہ کا انکار کیا ہی نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر علماء حق سے پوچھا جائے کہ تم کسی صحابی کو نامزد کر سکتے ہو۔ جس نے سماع الانبیاء کا عقیدہ رکھا ہو تو گزارش ہے کہ اس عقیدہ کے قائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نامزد بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع کی حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ وہ یقیناً سارے کے سارے ان کے سماع کے قائل ہیں۔

جیسے حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوامامہ، حضرت اوس بن اوس، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم وغیرہ سماع کی حدیثوں کے راوی ہیں اور خود آپ ﷺ کے سماع کے قائل ہیں۔ اسی طرح جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام موتی کے سماع کے قائل ہیں۔ مثلاً حدیث قلیب بدر اور حدیث قرع النعال کے راویان جیسے حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوسعید خدری وغیرہ یقیناً حضور اکرم ﷺ کے سماع عند القبر الشریف کے قائل ہیں۔ جیسا کہ منکرین حیات وسماع کے شیخ الحدیث المحقق السید العلامہ محمد حسین صاحب نیلوی نے فرمایا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مطلقاً سماع موتی کے قائل ہیں تو اس کلیہ میں انبیاء کرام علیہم السلام بھی آجاتے ہیں۔ یعنی جب دوسرے اموات سنتے ہیں۔ ایسا ہی انبیاء کرام علیہم السلام بھی سنتے ہیں۔ (ندائے حق جدید ج اوّل جز ثانی ص ۸۴،۸۵)

بہر حال اس حقیقت کو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ جو لوگ عام موتی کے سماع کے قائل ہیں وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع کے بھی یقیناً قائل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث قلیب بدر اور قرع النعال کے راویان کرام، حضرت عمر، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ حضور اکرم ﷺ کے سماع عند القبر الشریف کے قائل تھے۔ خیر میں تو عرض کر رہا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات وسماع کی حدیثیں قرآن کے خلاف نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں کسی جگہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور سماع کی نفی نہیں کی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ صحیح حدیثیں قرآن مجید کی تفسیر اور تشریح کرتی ہیں اور قرآن مجید کی مراد کو متعین کرتی ہیں۔ اسی طرح اجماع امت سے قرآن مجید کی مراد متعین کی جاتی ہے۔ البتہ بعض ظاہر بین لوگوں کو یوں لگتا ہے کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے اور یہ اجماع امت بھی قرآن مجید کے خلاف ہے۔ جس کی وجہ سے وہ صحیح حدیث کا اور اجماع امت کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ ان کی کج فہمی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ صحیح حدیث اور اجماع امت قرآن مجید کے ہرگز خلاف نہیں ہوتے بلکہ قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر کرتے ہیں اور اس کی مراد متعین کرتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

مثال ۱: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں ''حرمت علیکم المیتۃ'' یعنی تم پر میتہ حرام کی گئی ہے اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تمام میتہ حرام ہیں۔ خواہ مچھلی ہو یا مکڑی، لیکن حدیث اور اجماع امت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے عموم سے مچھلی اور مکڑی مستثنیٰ ہیں اور باوجود میتہ ہونے کے حلال ہیں، حرام نہیں ہیں۔ لہٰذا حدیث ''احلت لنا میتتان'' کو قرآن مجید کے خلاف کہہ کر رد نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو قرآن مجید کی شرح سمجھ کر آیت قرآنی میں تخصیص کی جائے گی۔ پس حدیث اور اجماع امت سے آیت کی مراد متعین ہوئی نہ کہ حدیث اور اجماع امت قرآن کے خلاف ٹھہرا۔

مثال ۲: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''قل فاعتزلوا النساء فی المحیض'' یعنی حالت حیض میں عورتوں سے علیحدہ اور دور رہو۔ بظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے مردوں کو حالت حیض میں بالکل دور رہنا چاہئے۔ حتیٰ کہ ہاتھ تک لگانا بھی ممنوع ہے۔ لیکن حدیث میں آتا ہے ''اصنعوا کل شیٔ الا الجماع'' یعنی حالت حیض میں تم سب کچھ کر سکتے ہو، صرف مجامعت منع ہے۔

لہٰذا اس حدیث کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ حدیث کے ذریعہ آیت قرآنی کی مراد متعین کی جائے گی اور حدیث کو قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر سمجھا جائے گا۔

مثال ۳: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاغیرہ'' یعنی جس شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں خواہ اکھٹے یا جدا جدا تو وہ عورت بوجہ طلاق مغلظہ کے اس خاوند کے لئے حلال نہیں ہے۔ جب تک کہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے خاوند سے صرف نکاح کر لینے سے حرمت غلیظہ ختم ہو جاتی ہے اور عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نکاح کافی نہیں ہے بلکہ نکاح کے بعد جماع بھی شرط ہے۔ تب عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہے۔ پس اس حدیث سے آیت قرآنی کی مراد متعین ہوئی۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کی تشریح اور تفسیر ہے۔ اس حدیث کو شرط مزید کی وجہ سے قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دینا کار خرمنداں نیست۔

مثال ۴: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''طعام الذین اوتوا الکتاب حلٌ لکم'' یعنی اہل کتاب کا طعام تمہارے لئے حلال ہے۔ اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کا ہر کھانا تمہارے لئے حلال ہے خواہ شراب ہو یا خنزیر لیکن اجماع امت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں طعام سے مراد حلال جانور کا ذبیحہ ہے۔ یعنی اہل کتاب اگر کسی حلال جانور کو ذبح کریں تو ان کا ذبیحہ حلال ہے۔ پس اجماع امت سے آیت قرآنی کی مراد متعین ہوئی اور اس اجماع امت کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دینا کار خردمنداں نیست۔

مثال ۵: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وله اخ او اخت فلکل واحد منهما السدس'' یعنی اگر کوئی شخص لاولد فوت ہو جائے تو اس کے بھائی اور بہن کو اس کی وراثت سے چھٹا چھٹا حصہ ملے گا۔ اس آیت میں بظاہر بہن، بھائی سے ہر قسم کے بھائی بہن مراد ہیں۔ خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔ لیکن اس پر اجماع امت ہے کہ آیت میں بھائی بہن سے اخیافی یعنی ماں شریک بھائی بہن مراد ہیں۔ پس اجماع امت سے آیت قرآنی کی مراد متعین ہوئی اس اجماع امت کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دینا کار دانش منداں نیست۔

مثال ٦: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اذ قال اللہ یعیسی انی متوفیک ورافعک'' یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے پورا پورا وصول کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔

بظاہر توفی سے مراد وفات دینا ہے لیکن احادیث متواترہ اور اجماع امت کی وجہ سے یہاں توفی سے موت دینا مراد نہیں ہے بلکہ پورا پورا وصول کرنا یعنی روح اور جسد دونوں کو آسمان پر اٹھا لینا مراد ہے۔ پس حیات عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث متواترہ کو اور اجماع امت کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دینا کار ایمانداراں نیست۔

مثال ۷: قرآن مجید میں ہے ''وورث سلیمان داؤد'' یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کا وارث بنا۔ اسی طرح ''یرثنی ویرث من آل یعقوب'' یعنی حضرت زکریا دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ مجھے ایسا لڑکا عطا فرما جو میرا بھی وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی وارث بنے۔ بظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت جاری ہوتی ہے اور حدیث میں آیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''نحن معشر الانبیاء لا نورث درهما ولا دینارا وما ترکنها فهو صدقة'' یعنی ہم انبیاء کی جماعت درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے اور جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے یہ حدیث اس آیت قرآنی کے قطعاً خلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث اس آیت کی تشریح اور تفسیر ہے اور آیت کا مفہوم متعین کرتی ہے کہ اس آیت سے مالی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ علمی وراثت مراد ہے۔ پس اس حدیث کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کرنا کار مومناں نیست۔

مثال ۸: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں "یاایھاالذین آمنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ" یعنی اے ایمان والو جب جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے آذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ کے لئے دوڑنا چاہئے۔ کیونکہ سعی کا لغوی معنی دوڑنا ہے۔ لیکن حدیث میں نماز کے لئے دوڑنا منع ہے۔ پس اس حدیث کی وجہ سے سعی کا معنی چلنا مراد ہے نہ کہ دوڑنا۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کی تشریح اور تفسیر ہے اور اس کی مراد کو متعین کرتی ہے اس حدیث کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دینا کارِ عقل منداں نیست۔

مثال ۹: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم" یعنی جب نماز کی طرف اٹھو تو وضو کرو۔ اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو تو وضو کرے خواہ وضو پہلے سے بھی ہو۔ یعنی ہر نماز کے لئے وضو شرط معلوم ہوتا ہے اور حدیث میں یہ شرط ہے کہ اگر آدمی بے وضو ہو تو نماز سے پہلے وضو ضروری ہے اور شرط ہے ورنہ وضو ضروری نہیں ہے۔ پس یہ حدیث آیت قرآنی کی تشریح اور تفسیر ہے اور اس کی مراد کو متعین کرتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دینا کارِ ہنر منداں نیست۔

مثال ۱۰: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا" یعنی جب تم سفر کرو زمین میں تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ قصر کرو نماز میں سے اگر تم کو ڈر ہے کہ ستادیں گے تم کو کافر، اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حالت سفر میں اگر تم کو کفار کی ایذا رسانی کا خطرہ ہو تو نماز میں قصر کرو اور اگر کفار کی طرف سے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہے تو قصر کی اجازت بھی نہیں ہے۔ یعنی قصر نماز کے لئے کفار کا خوف شرط ہے۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ قصر نماز تو خوف کفار کے ساتھ مشروط ہے اور اب تو کفار کی طرف سے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہے۔ کیا اب بھی ہم قصر کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "صدقۃ تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقۃ" (مسند ابویعلی ج ۱ ص ۱۶۳) یعنی قصر صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کا تم پر صدقہ کو قبول کرو۔ یعنی اگر چہ کفار کا خوف نہیں ہے۔ تب بھی قصر کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو قابل رد نہیں ہے۔ پس اس حدیث نے آیت قرآنی کی مراد متعین کر کے اس کی تشریح اور تفسیر کر دی ہے۔ لہٰذا اس کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دینا کارِ ہوش منداں نیست۔ تلک عشرۃ کاملہ!

قارئین کرام! مسئلہ ہذا کی توضیح کے لئے بندہ عاجز کے پاس اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن انہیں دس عدد مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ "العاقل تکفیۃ الاشارۃ" الحمدللہ گزشتہ بالا مثالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ احادیث صحیحہ اور اجماع امت کسی آیت قرآنی کے خلاف نہیں ہوتے بلکہ آیت قرآنی کی مراد متعین کر کے اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں۔ احادیث صحیحہ اور اجماع امت کو قرآن کے خلاف سمجھنا بعض ظاہر بین لوگوں کی کوتاہ فہمی کا نتیجہ ہے۔ بعینہٖ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصی حیات وسماع کی حدیثیں قرآن مجید کے قطعاً خلاف نہیں ہیں بلکہ احادیث حیات وسماع آیات قرآنیہ کی مراد متعین کر کے ان کی تشریح اور تفسیر کرتی ہیں۔ حتی کہ جن علماء نے ظواہر آیات سے عدم سماع موتی کا ضابطہ سمجھا ہے تو انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے نفوس قدسیہ کو انہیں احادیث صحیحہ اور اجماع امت کی وجہ سے عدم سماع کے ضابطہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ حتی کہ اسلام کی پوری چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی ایک عالم دین کا نام نہیں بتایا جا سکتا جس نے انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصی حیات وسماع کا انکار کیا ہو۔ پس انبیاء

کرام علیہم السلام کی حیات وسماع کی حدیثیں آیات قرآنیہ کی مراد متعین کر کے ان کی تفسیر اور تشریح کرتی ہیں۔ لہٰذا ان کو قرآن مجید کے خلاف کہہ کر رد کر دینا کار خردمنداں، دانشمنداں، ہوشمنداں دموحداں ومومناں نیست۔

کیا ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہ انبیاء کرام کی حیات وسماع کے منکر تھے (توضیح ہشتم)

بعض لوگوں کا یہ خام خیال ہے کہ ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات قبر اور سماع عندالقبر کے قائل نہ تھے۔ حالانکہ ان لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط اور حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ کیونکہ ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصی حیات وسماع کے قائل ہیں، منکر نہیں ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہ حنفیہ کی معتبر کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات وسماع کی تصریح موجود ہے اور اسی طرح **استشفاع عندالقبر** الشریف کا طریقہ بھی مرقوم ہے اور یہ **استشفاع** حیات وسماع کی واضح اور بیّن دلیل ہے اور **استشفاع** کے نظریہ پر علماء احناف کی طرف سے کسی دور میں بھی نکیر نہیں ہوئی۔ اگر بالفرض ائمہ احناف حیات وسماع کے قائل نہ ہوتے تو نظریہ **استشفاع** پر ضرور نکیر کی جاتی اور اس کو یوں کہہ کر رد کیا جاتا کہ **استشفاع** کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ائمہ احناف حیات وسماع کے قائل نہ تھے۔ لیکن اس نظریہ کا بلانکیر مسلسل چلا آنا اس امر کی دلیل ہے کہ ائمہ احناف انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات وسماع کے بالکل قائل تھے۔ اسی دلیل سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع کو اجماعی مسئلہ ثابت کیا ہے۔ دیکھئے (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۴)

بہرحال انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے خواہ احناف ہوں یا غیر احناف سب کے سب ان کی حیات اور سماع پر متفق ہیں باقی رہا۔ عام موتٰی کا سماع یا عدم سماع سو اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ منقول نہیں ہے اور اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو روایت منسوب کی جاتی ہے وہ ایک غیر معتبر اور غیر معروف کتاب کی شاذ روایت ہے جو کسی طرح بھی قابل احتجاج نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسئلہ سماع (عام موتی) میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اس پر مبنی ہے۔ کیونکہ اوّل زمانہ قریب دفن کے بہت سی روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں ہے اور روایات جو کچھ امام صاحب سے آتی ہیں ''شاذ'' ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۴۳)

مقام تعجب: تعجب کی بات ہے کہ منکرین حیات وسماع اپنے جرح وتعدیل کے فن پر بڑا ناز کرتے ہیں اور مخالفین کے دلائل پر بڑی ظالمانہ غیر عادلانہ جرح کر کے صحیح روایتوں کو بھی ضعیف اور موضوع کہہ دیتے ہیں۔ لیکن جب خود کسی روایت سے استدلال کرتے ہیں تو اپنے ''علم رجال'' کو پس پشت ڈال کر عقل کی آنکھیں بند کر کے روایات کا ایک انبار لگا لیتے ہیں، خواہ سند کیسی ہو اور راوی جیسے ہوں پھر ساری جرح وتنقید کو بھول جاتے ہیں۔

ان لوگوں کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روایت ان کی خواہش کے مطابق ہے وہ بہرحال قابل احتجاج اور معتبر ہے خواہ اس کی سند کیسی ہو اور راوی جیسے ہوں اور جو روایت ان کی خواہش کے خلاف ہے وہ بہرحال ناقابل احتجاج اور غیر معتبر ہے، خواہ اس کی سند کیسی ہو اور راوی جیسے ہوں، یعنی ان لوگوں کے نزدیک معیار ان کی خواہش ہے علم الرجال تو ایک بہانہ ہے حتی کہ ایک حدیث جو کہ ایک ہی سند سے مروی ہے اس کا ایک حصہ ان کی خواہش اور منشاء کے مطابق ہے اور دوسرا حصہ ان کی خواہش کے خلاف ہے تو حدیث کے اس حصہ کو تسلیم کر لیں گے۔

جو ان کی مرضی کے موافق ہے اور اسی حدیث کے دوسرے حصہ کو ضعیف کہہ کر رد کر دیں گے جو ان کی خواہش کے خلاف ہے۔ مثلاً ابوداؤد شریف وغیرہ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ بات حرام کر دی کہ وہ انبیاء کے پاک اجسام کو کھائے۔ چونکہ یہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کے محفوظ ہونے کے قائل ہیں تو اس ٹکڑے کو تسلیم کرتے ہیں اور بطور دلیل کے اس کو پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس حدیث کے اوّل حصہ کو جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ''اکثروا علیّ صلوٰۃ یوم الجمعۃ فان صلوٰتکم تعرض علیّ'' یعنی جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ نہیں مانتے بلکہ اس کو ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حدیث بھی ایک ہے اور سند بھی ایک ہے۔

لیکن اس حدیث کا جو حصہ ان کی مرضی کے مطابق تھا اس کو قبول کر لیا اور جو حصہ ان کی خواہش کے خلاف تھا اس کو ضعیف کہہ کر رد کر دیا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ علم وتحقیق کے نام پر اتباع نفس کا شکار ہیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ!

خیر بندہ عاجز یہ عرض کر رہا تھا کہ عام موتیٰ کے سماع یا عدم سماع کے بارہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ منقول نہیں ہے۔ چہ جائے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عدم سماع کی نسبت ان کی طرف کی جائے۔ بعض لوگ مسئلہ یمین سے عدم سماع موتیٰ پر استدلال کرتے ہیں۔ یعنی فقہ حنفیہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھاتا ہے کہ میں فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا۔ پس اگر وہ شخص مرجائے اور قسم اٹھانے والا موت کے بعد اس سے کلام کرے تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ کلام کرنے میں قصد عرف عام میں افہام وتفہیم ہے اور وہ میت میں بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے قسم اٹھانے والا حانث نہ ہوگا۔ لیکن علماء محققین فرماتے ہیں کہ قسموں کی بنیاد عرف عام پر ہے اور عرف عام کے اندر میت میں افہام وتفہیم اور سماع وغیرہ نہیں سمجھا جاتا۔ اس لئے وہ شخص حانث نہ ہوگا۔ جیسا کہ کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں گوشت نہ کھاؤں گا اور پھر مچھلی کا گوشت کھالے تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ عرف عام میں مچھلی کے گوشت کو گوشت نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ قرآن مجید میں مچھلی کو **لحماً طریاً** یعنی تازہ گوشت کہا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قسموں کی بنیاد، حقائق کی بجائے عرف عام پر ہے۔ لہٰذا مسئلہ یمین عدم سماع موتیٰ پر نہیں بلکہ عرف عام پر مبنی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے

(عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۵۴، فتح الملہم شرح مسلم ج ۲ ص ۴۷۹، المھند الوہبیہ ص ۱۰)

پس مسئلہ یمین سے عدم سماع موتیٰ پر استدلال درست نہیں ہے لیکن بر سبیل تنزل یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ مسئلہ یمین عدم سماع موتیٰ پر مبنی ہے تو پھر بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا عدم سماع اس سے ہرگز ہرگز ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ اس جزئیہ سے عام موتیٰ کے سماع کی نفی ثابت ہوگی۔ کیونکہ جن بعض فقہاء کرام کے نزدیک ضابطہ عدم سماع ہے۔ انہیں کے نزدیک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں اور یقیناً مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ جہاں یہ لکھا ہے کہ ''الضابطہ عدم السماع'' وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ''فی الباب مستثنیات کثیرہ'' یعنی عدم سماع کے ضابطہ سے بہت سارے مستثنیٰ ہیں۔ پس اگر اس ضابطہ سے انبیاء کرام علیہم السلام مستثنیٰ نہیں ہیں تو پھر کون مستثنیٰ ہوگا۔ جب کہ خود ضابطہ وضع کرنے والوں کو اعتراف ہے کہ اس باب میں مستثنیات کثیرہ ہیں۔

لہٰذا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اس جزئیہ میں شامل سمجھ کر ان کے سماع کا انکار کرنا پرلے درجے کی ناانصافی اور بے اصولی ہے اور یہ بات خود فقہاء کرام کے، مسلک کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ فقہاء کرام خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع اور استشفاع عند القبر الشریف کے قائل ہیں جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اب ان کے کسی جزئیہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات وسماع کا انکار کشید کرنا ''تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل'' کی بدترین مثال قائم کرنا ہے اسی طرح منکرین حیات وسماع نے فقہاء کرام کے ایک اور جزئیہ سے بھی اپنا مطلب کشید کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ جزئیہ یہ ہے کہ بعض فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب امام نماز جنازہ میں سلام پھیرے تو میت کی نیت نہ کرے۔ کیونکہ میت خطاب کی اہل نہیں ہے۔ حالانکہ اس جزئیہ سے بھی عدم سماع موتی پر استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ خود فقہاء احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ نماز جنازہ کے سلام میں میت کی نیت کی جائے یا نہ بعض فقہاء کرام مثلاً صاحب بزازیہ، ظہیریہ، جوہرہ، بحرالرائق، قاضی خان وغیرہ نے یہی لکھا ہے کہ بوقت سلام میت کی نیت نہ کرے۔

لیکن اس کے برعکس بعض دوسرے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ سلام کے وقت میت کی بھی نیت کرے، مثلاً درمختار، ردالمختار المعروف شامی، حاشیہ کنزالدقائق اور فتح القدیر وغیرہ میں صاف لکھا ہے کہ نماز جنازہ کے سلام میں میت کی بھی نیت کرے۔ بلکہ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں خود اس جزئیہ کی تردید موجود ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قولہ ھنا اذا المیت لیس اھلاً غیر مسلم سیاتی ما ورد فی اھل المقبرۃ السلام علیکم دار قوم مومنین و تعلیمہ صلی اللہ علیہ وسلم السلام علی الموتی، منحۃ الخالق بر ھامش (بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۳)'' یعنی صاحب بحرالرائق کا یہاں یہ کہنا کہ میت سلام کی اہل نہیں ہے غیر مسلم ہے (کیونکہ میت سلام کی اہل ہے) اور عنقریب قبرستان میں السلام علیکم دار قوم مؤمنین کہہ کر سلام وخطاب کرنے کا حکم آرہا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی تعلیم ہے کہ موتی کو سلام کیا جائے۔ پس ثابت ہوا کہ اگرچہ بعض فقہاء احناف نے کہا ہے کہ نماز جنازہ کے سلام میں میت کی نیت نہ کی جائے۔ کیونکہ میت سلام وخطاب کی اہل نہیں ہے۔ لیکن محققین فقہاء احناف نے اس کو غیر مسلم قرار دیا ہے اور خود فقہ اور حدیث سے ثابت کیا ہے کہ میت سلام وخطاب کی اہل ہے حتیٰ کہ خود صاحب بحرالرائق نے چند صفحات آگے لکھا ہے: ''وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم السلام علی الموتی السلام علیکم ایھا الدار من المومنین والمسلمین وانا ان شاءاللہ بکم لاحقون انتم لنا فرط ونحن لکم تبع فنسأل اللہ العافیہ'' (البحرالرائق ص ۱۹۵) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو بصیغہ خطاب موتی پر سلام کرنے کی تعلیم دیا کرتے تھے اور قبرستان میں سلام کے بعد جس دعا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے اس میں موتی کو خطاب ہی خطاب ہے۔ مثلاً ''بکم لاحقون'' میں خطاب ہے ''انتم لنا فرط'' میں خطاب ہے ''نحن لکم تبع'' میں خطاب ہے اور ''ایھا الدار'' میں بھی خطاب ہے اور السلام علیکم خود خطاب ہے۔ گویا صاحب بحرالرائق نے یہ سارے خطاب نقل کر کے اپنی سابقہ رائے سے رجوع کر لیا کہ میت خطاب وسلام کی اہل نہیں ہے بلکہ خود صاحب بحرالرائق کے نزدیک اب میت خطاب وسلام کی اہل ہے اور اس کی تائید حدیث بھی ہوتی ہے۔

نیز: بعض فقہاء کرام کا یہ طرز عمل کہ ایک طرف یہ لکھتے ہیں ''لاینوی المیت بالتسلمین'' یعنی نماز جنازہ کے سلام میں میت کی نیت نہ کرے اور دوسری طرف لکھتے ہیں کہ قبرستان میں جا کر اہل قبور کو بصیغہ خطاب سلام کرے صاف ظاہر کرتا ہے کہ جزئیہ مذکورہ کی یہ تعلیل کہ میت سلام وخطاب کی اہل نہیں ہے درست نہیں ہے۔ شاید ''لاینوی المیت'' سے فقہاء کرام کی مراد یہ ہے کہ سلام میں میت کی تخصیص نہ کرے بلکہ نیت میں تعمیم ہونی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ سب حضرات اس جزئیہ کے آگے لکھتے ہیں: ''بل ینوی بالاولی من عن یمینہ وبالثانیۃ عن شمالہ'' (عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۴، قاضی خان ج ۱ ص ۱۹۴، جوہرہ ج ۱ ص) یعنی پہلے سلام میں دائیں جانب والوں کی نیت

کرے اور دوسرے سلام میں بائیں جانب والوں کی نیت کرے۔ بہر حال فقہاء کرام کے اس جزئیہ کی یہ مراد کی تخصیص کے بجائے تعمیم ہی بہتر ہے۔ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، بلکہ قابل توجہ ہے۔ نیز واضح رہے کہ سلام میں میت کی نیت نہ کرنے سے میت کا عدم سماع لازمی نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے ایسے افراد ہیں جن کی سلام میں نیت نہیں کی جاتی۔ لیکن وہاں عدم سماع نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً ایک مخلوط مجمع سے ایک مسلمان جب گزرتا ہے تو وہ بوقت سلام صرف مسلمانوں کی نیت کرتا ہے کفار کی نیت نہیں کرتا حالانکہ کفار سلام کو سن رہے ہوتے ہیں۔

بر سبیل تنزل یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ جن بعض فقہاء کرام نے بوقت سلام خاص کر میت کی نیت کرنے سے منع کیا ہے۔ اس کی علت عدم سماع میت ہے تو پھر بھی عقیدہ حیات وسماع الانبیاء پر اس کا ذرا بھی اثر نہیں پڑتا۔

کیونکہ یہ بات بحوالہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پہلے گزر چکی ہے کہ عام موتی کے سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں۔ بعض حنفیہ عام موتی کے سماع کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک ضابطہ تو عدم سماع ہے۔ لیکن اس باب میں مستثنیات کثیرہ ہیں۔ پس اگر فرض کر لیا جائے کہ عدم نیت کو عدم سماع مستلزم ہے تو عام موتی کے سماع کی نفی ثابت ہوگی کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو بالاتفاق اس ضابطہ سے یقیناً وقطعاً مستثنیٰ ہیں۔ لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام کے نفوس قدسیہ کو اس عام جزئیہ میں داخل سمجھ کر ان کے سماع کا انکار کرنا بہت بڑی علمی خیانت اور ''تاویل القول بما لا یرضی به القائل'' کی شرمناک مثال ہے۔ کیونکہ فقہاء احناف حضور اکرم ﷺ کی حیات وسماع اور استشفاع عند القبر الشریف کے قائل ہیں اور یہ مسئلہ فقہ حنفیہ میں تسلسل کے ساتھ بلانکیر چلا آرہا ہے اور اب اگر کوئی شخص فقہ حنفیہ کے کسی جزئیہ سے عدم سماع انبیاء کرام کشید کرتا ہے تو یہ اس کی بہت بڑی دیدہ دلیری اور فقہاء احناف پر اتہام طرازی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ! اہل علم پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ ہمارے ان کرم فرماؤں کے بقول اگر عدم نیت میت کو عدم سماع لازم ہے تو نیت میت کو سماع میت بھی لازم ہوگا۔ یعنی جو فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ سلام میں میت کی نیت بھی کی جائے تو ان کے نزدیک سماع میت ثابت ہوگا۔ پس ان حضرات کے استدلال کے مطابق سلام میں میت کی نیت کرنے والے تمام فقہاء احناف زمرہ قائلین سماع موتی میں خود بخود شامل ہو جائیں گے اور ہے بھی یہی حقیقت۔

لہٰذا صاحب درمختار، صاحب ردالمحتار، صاحب فتح القدیر اور صاحب التبیین وغیرہ فقہاء کرام کو منکرین سماع موتی میں شمار کرنا خود ان کے اپنے استدلال کے مطابق بھی غلط ہے اور واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ جب عدم نیت میت کو عدم سماع لازم ہے تو نیت میت کو سماع ضرور لازم ہوگا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا علامہ قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہ کے فیصلے کی شرعی حیثیت

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات وسماع عند القبر الشریف کے عقیدہ کی اہمیت (توضیح نہم)

بعض لوگ اس عقیدہ کی اہمیت اور ضرورت سے ناواقف ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک اس عقیدہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس عقیدہ کو ماننے اور نہ ماننے کی وجہ سے آدمی کے دین وایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی اس کا ماننا یا نہ ماننا ان کے نزدیک یکساں ہے۔ حالانکہ علماء محققین کے نزدیک یہ عقیدہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

اور سنی مسلمان کے لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو شخص حضور اکرم ﷺ کی حیات وسماع کا منکر ہے وہ اہلسنت والجماعت کے زمرہ سے خارج ہے۔ بلکہ بدعتی اور گمراہ ہے اور ایسے شخص کو نماز میں امام بنانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ اس سلسلہ میں بندہ عاجز نے علماء حق سے استفسار کیا ہے۔ لہٰذا علماء حق کے فتاویٰ آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے عقیدہ ہذا کی اہمیت وضرورت واضح ہوتی ہے۔ بندہ عاجز کے سوال کی صورت جو کہ ملک کے مفتیان کرام کی طرف بھیجا گیا یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، محترم ومکرم جناب مفتی صاحب (دامت برکاتکم)

گزارش ہے کہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ نے راولپنڈی میں جو فیصلہ فرمایا تھا۔ جس پر فریقین کے دستخط بھی ہیں ”کہ وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔“ اس فیصلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر کوئی شخص اس عقیدہ کو نہ مانے تو کیا وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہو جائے گا؟ کیا ایسے شخص کو گمراہ کہنا صحیح ہے؟ اور ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا!

السائل: ابو احمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ

جواب نمبر ۱: از شیخ المعقول والمعقول، حاوی الاصول والفروع استاذ العلماء حضرت مولانا علامہ منظور احمد نعمانی صاحب مہتمم ومفتی وشیخ الحدیث جامعہ انوریہ حبیب آباد طاہر والی ضلع بہاول پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہلسنت والجماعت کے نزدیک یہ نظریہ مسلمات میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ عنصریہ اسی ارضی قبور میں صحیح وسالم اور محفوظ ہیں اور انہی اجساد کے ساتھ قبور شریفہ میں تعلق روح قائم ہے اور رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس پر جو شخص صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنے آذان سے سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ لیکن عوام الناس کو اتنا طاقت اور قرب حاصل نہیں ہے کہ یہ جواب سن سکیں۔ البتہ اولیاء اللہ جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پورا قرب حاصل ہے اور ان کی روحانی قوت انتہائی قوی ہے وہ خود یہ جواب سنتے ہیں۔ جیسے کہ اولیاء اللہ کی روایات اس قسم کی مشہور منقول ہیں اور یہ نظریہ نصوص کے ساتھ مدلل ہے۔ روایات جو معناً متواتر ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان قبور ارضیہ میں اموات کو تنعیم اور تعذیب ہوتی ہے اور تنعیم وتعذیب کا جماد بے روح کو تو احساس نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس قبر ارضی میں ہر میت کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق روح اتنا ضروری ہے۔ جس کے ساتھ تنعیم اور تعذیب کا احساس ہو اور شہداء کی حیات چونکہ قوی ہے۔ لہٰذا ان کے روح کا تعلق بالا جساد قوی ہوگا اور انبیاء کرام علیہم السلام کے مراتب شہداء سے بالاتر ہیں۔ لہٰذا ان کے ارواح کا تعلق بالا جساد شہداء سے بھی زیادہ قوی ہوگا اور رسول اللہ ﷺ چونکہ افضل الرسل ہیں ان کے روح اقدس کا تعلق آپ کے جسد مبارک سے انتہائی قوی ہوگا اور یہ احادیث صحیحہ قویہ سے ثابت ہے اور یہی نظریہ اہلسنت والجماعت کا ہے اور جو شخص اس نظریہ کا قائل نہیں ہے۔ وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔ اس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو اہلسنت کہتا رہے۔ لیکن یہ اس کا قول نفس الامر کے خلاف اور جہل مرکب پر مبنی ہے۔ چونکہ یہ لوگ اپنی تقریروں میں

انتہائی گستاخ ہیں۔ جیسا ان کی تقریر کی کیسٹیں شاہد ہیں تو ان کے ساتھ اقتداء فی الصلوٰۃ جائز نہیں ہے۔ کبھی غلطی سے اقتداء کر لی گئی ہے تو وہ نماز واجب الاعادہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب! کتبہ: منظور احمد نعمانی عفی عنہ

مہر: دارالافتاء جامعہ انوریہ حبیب آباد طاہر والی

جواب نمبر ۲: از دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(کراچی کا فتویٰ سوال کے ساتھ بھیجا گیا تھا) کراچی کے فتویٰ میں اجمال ہے تفصیل ہونی چاہئے تھی کہ سوال میں مذکورہ تفصیل پر ایمان لانا مومن ہونے کے لئے تو ضروری نہیں ہے۔ البتہ سنی ہونے کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ عام اہلسنت والجماعت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں یہی اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں۔ جو شخص انبیاء کرام علیہم السلام کی جسمانی حیات کا قائل نہیں وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔ اس کی تفصیل (خیر الفتاویٰ ص ۹۴، ۱۲۹، ۱۸۱ تا ۱۸۹) میں موجود ہے۔

نیز: سوال میں ذکر کی گئی عبارت کہ "وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔" حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر فرمودہ ہے اور قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے اس پر دستخط کئے تھے اور یہ عبارت دیگر دلائل کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ایک دستی فتویٰ (جو خیر الفتاویٰ میں چھپا ہوا ہے) میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا اس کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم!

دستخط: مفتی صاحب: بندہ عبدالستار مہر: دارالافتاء ورئیس الافتاء

جواب نمبر ۳: از دارالافتاء جامعہ قاسم العلوم گلگشت کالونی ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصریحات اکابر سے جو کچھ میں سمجھا ہوں وہ یہی ہے کہ (سوال میں) مندرجہ بالا تحقیق سے منحرف ہونے والا شخص اہلسنت والجماعت سے خارج اور معتزلی العقیدہ ہے۔ اسی پر اجماع منقول ہے اور اجماع کا منکر گمراہ ہے۔ ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ مزید تحقیق دوسرے مفتیان کرام سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم!

حررہ: منظور احمد مفتی جامعہ قاسم العلوم مہر: مفتی صاحب و دارالافتاء

جواب نمبر ۴: از دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بصورت مسئولہ حکیم الامت قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کا یہ فیصلہ شرعاً کتاب وسنت کے موافق ہے اور قرآن وسنت سے ثابت ہے اور تمام اہلسنت والجماعت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کے ساتھ قبروں میں حیات ہیں۔ علماء دیوبند جو خالص اہلسنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہلسنت کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔

اس لئے قدرتی طور پر اس بات میں بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور حضرات کا ہے اور اسی عقیدے کو سلف صالحین کی تائید بھی حاصل ہے اور مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

ایسے شخص کو اہلسنت والجماعت سے خارج قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہلسنت والجماعت سے خارج ہے اور ایسے شخص کی امامت کے بارے میں جو کہ بلا تاویل حیات النبی ﷺ کا منکر ہو وہ بدعتی ہے اور اس کی امامت مکروہ۔ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ویکرہ امامۃ مبتدع ای صاحب بدعۃ'' (الدر المختار ج ۱ ص ۸۳)

اور علامہ رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۸) (ماخوذ از خیر الفتاویٰ اور مزید تفصیل بھی اس میں موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم! کتبہ: شکور احمد غفرلہ المتخصص فی الفقہ: دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ الجواب صحیح: محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ

مہر: رئیس دارالافتاء مہر: دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

۳۰ رشوال ۱۴۱۷ھ/ ۱۰ رمارچ ۱۹۹۷ء

جواب نمبر ۵: از دارالافتاء جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی نمبر ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمہور اہلسنت والجماعت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور اسی طرح دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں اور نماز ودیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ مسئلہ کے آخری حل اور تصفیہ کے لئے ۱۸ رمحرم ۱۳۸۲ھ بمطابق ۲۲ رجنوری ۱۹۶۲ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ دار حضرات نے سوال میں درج عبارت پر دستخط فرمائے۔ اس صاف وصریح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت ودیانت کی دنیا میں حیران کن ہے وہاں باعث صد افسوس بھی ہے۔

حیات النبی ﷺ کے عقیدہ کا انکار کرنے والا اہلسنت والجماعت سے خارج ہے یا نہیں؟ اس کے لئے خیر الفتاویٰ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب (سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) ایسے شخص کو اہل سنت والجماعت سے خارج قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس باب (حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔ اس فتویٰ پر دیگر بہت سے مفتیان کرام کے دستخط موجود ہیں۔ (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۴ طبع یسیر) اور منکرین حیات النبی ﷺ اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں اور چونکہ یہ ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ لہٰذا اس کے منکر کو امام نہ بنایا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم! العبد: عمر فاروق غفر اللہ لہ متعلم جامعہ فاروقیہ کراچی نمبر ۲۵۔ الجواب صحیح: عبدالحمید ربانی

مہر: دارالافتاء جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی یکم رذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

جواب نمبر ۶: از دارالافتاء مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام اہلسنت والجماعت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں۔ علماء دیوبند خالص اہلسنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہلسنت کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر اس باب میں

بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اقویٰ واتم ہے اور اس حیات سے مراد حیات دنیاوی ظاہری نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "انک میت و انہم میتون" لہٰذا احکام اموات ظاہر یہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔ اگر اس مسئلہ کی پوری تحقیق مطلوب ہو تو آب حیات (مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) ملاحظہ فرمائیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلک علماء دیوبند اہلسنت والجماعت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضہ اقدس میں (زندہ ہیں) بجسدہ، روحہ زندہ ہیں۔ یعنی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں زندہ تھے ویسے ہی قبر میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز، آذان واقامت سے ادا کرتے ہیں۔ یہی آپ کی برزخی زندگی ہے اور آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پاک پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سن سکیں اور جو دور سے درود وسلام پڑھے، اسے فرشتے آپ تک پہنچاتے ہیں جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدہ والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور خارج اہلسنت والجماعت ہے۔ فقط: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم! دستخط ابوعرباض محمد اقبال عفا اللہ الکبیر المتعال عنہ، مفتی مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ پاکستان۔ مہر: دارالافتاء نصرت العلوم۔ مہر: مفتی مدرسہ

<u>جواب نمبر ۷</u>: از دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام اہلسنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قبر اور برزخ میں زندہ ہیں اور ان کی زندگی شہداء کی زندگی سے بھی اعلیٰ وارفع ہے اور جو شخص حیات الانبیاء کا قائل نہیں ہے وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔ لہٰذا مذکور فی السوال امور کو تسلیم کرنا ضروری ہے اور قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے راولپنڈی میں جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی شرعاً درست ہے اور جو شخص حیات الانبیاء کا قائل نہیں ہے وہ گمراہ ہے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ اب حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے اثبات پر چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱...... حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اعلاء السنن میں مسئلہ زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک آنجناب کی قبر کی زیارت کرنا مندوب ہے اور آگے چل کر فرماتے ہیں کہ "احتج القائلون بانها مندوبة لقوله تعالیٰ: ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لهم الرسول وجه الاستدلال بها انه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیٌ فی قبره بعد موته کما فی الحدیث الانبیاء احیاء فی قبورهم" (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۴۹۴) اس سے معلوم ہوا کہ جمہور اہل علم کے ہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے ثابت ہے۔

۲...... حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں "فقال اللہ عز وجل ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء" (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰)

۳...... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے آخر میں یہ کلمات ہیں: "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حیٌ یرزق" (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹)

۴...... "عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من صلی علیَّ عند قبری سمعته ومن صلی علیَّ نائیاً

ابلغتہ'' (مشکوٰۃ ج ا ص ۸۷)

۵...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ''وصلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم'' (رواہ ابوداؤد بحوالہ فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۵۲)

مذکورہ بالا آیت وروایات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو رہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اور ان کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس بارے میں احادیث وروایات درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ لیکن ان کو طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا گیا اور حیات انبیاء کے بارے میں اجماع امت بھی ہے۔

۱...... چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حیات متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست۔ (اشعۃ اللمعات ج ا ص ۶۱۳ بحوالہ تسکین الصدور ص ۱۳۵)

۲...... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ تمام اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز وعبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن بلاشبہ یہ حیات حسّی اور جسمانی ہے۔ اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو (حیات نبوی ص ۲ بحوالہ تسکین الصدور ص ۱۳۹) اب حیات انبیاء کے بارے میں اکابرین کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

۱...... امام استاد ابو منصور طاہر الشافعی المتوفی ۴۲۹ھ فرماتے ہیں ''قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حیٌ بعد وفاتہ'' (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۴۹۴)

۲...... علماء دیوبند کے اجماعی اور متفق علیہ عقائد کی کتاب المہند علی المفند، مصنفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو بغور ملاحظہ فرمائیں: ''السوال الخامس: ماقولکم فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ الشریف ذالک امر مخصوص بہ ام مثل سائر المؤمنین حیوۃ برزخیۃ۔

الجواب: عندنا وعند مشائخنا حیاۃ حضرت الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف وھو مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم وبجمیع الانبیاء علیہم السلام لابرزخیۃ کماھی لسائر المؤمنین الخ'' (المہند علی المفند ص ۱۳)

۳...... حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''ودلت النصوص الصحیحۃ علی حیات الانبیاء علیہم السلام'' (فتح الملہم ج ا ص ۳۲۵)

۴...... حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۷۷ھ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے قوی تر ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۱۳۰)

۵...... اور غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلوی المتوفی ۱۳۲۰ھ لکھتے ہیں کہ اور انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔ (فتاوٰی نذیریہ ج ۲ ص ۵۵ بحوالہ تسکین الصدور ص ۱۴۳)

۶...... علماء نجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنے عقائد کو بیان کرتے ہوئے تصریح کرتے ہیں کہ حیات الانبیاء کے بارے میں ہمارا عقیدہ اسلاف امت کے عقیدہ سے متفق ہے۔ دیکھئے

(الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ ج ا ص ۲۶۰ طبع مصر)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حیات الانبیاء قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اس کے بارے میں کسی بھی اہل سنت والجماعت کے فرد کا خواہ وہ مقلد یا غیر مقلد کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے شیخ التفسیر والحدیث مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ فرماتے ہیں کہ تمام اہلسنت والجماعت کا آپ کے سماع عند القبر پر اتفاق ہے۔ کوئی اس کا مخالف نہیں گزرا اور کتب اہل اسلام کے خلاف ایک صریح حوالہ موجود نہیں۔ من ادعی خلافہ فعلیہ البیان! (تسکین الصدور ص ۱۸۷) واللہ اعلم! عبدالرؤف عفی عنہ مدرس دارالعلوم کبیر والا من دارالافتاء کبیر والا ۶/ ۳/ ۱۸/ ۱۴۱۸ھ الجواب صواب: عبدالقادر عفی عنہ مہر: دارالافتاء دارالعلوم عیدگاہ کبیر والہ

جواب نمبر ۸: از دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

مبسملاً ومحمدلاً ومصلیاً ومسلماً! سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (مسند ابویعلی ج ۶ ص ۱۴۷) اگر برزخ ہی کی زندگی مراد ہوتی آپ یوں فرماتے ''احیاء فی البرزخ'' معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں بہ تعلق روح زندہ ہیں اور اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ (کذا فی الفتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۴) اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنا اہلسنت والجماعت سے خروج ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ کتاب تسکین الصدور، مقام حیات، حیات انبیاء کرام علیہم السلام۔ فقط: واللہ اعلم بالصواب!

کتبہ شیر محمد عفی عنہ خادم دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور ۵/ رجب ۱۴۱۷ھ مہر: دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

جواب نمبر ۹: از دارالافتاء جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا (لودھراں)

باسم ملہم الصواب! انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں، قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو شخص سلام عرض کرتا ہے یا درود شریف پڑھتا ہے۔ آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حیات الانبیاء علیہم السلام کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت میں سے ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بعد الموت کا منکر ہے وہ گمراہ ہے، بدعتی ہے، غلط عقیدہ والا ہے، ضال اور مضل ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ فقط: واللہ اعلم بالصواب! حررہ: ظفر اقبال مفتی جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا ۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ۔ مہر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا (لودھراں)

جواب نمبر ۱۰: از شیخ التفسیر حضرت مولانا علامہ منظور احمد نعمانی صاحب مہتمم مدرسہ احیاء العلوم ظاہر پیر ضلع رحیم یار خان

وھو الموفق للصدق والصواب! حضرت قاری صاحب قدس سرہ نے راولپنڈی میں حیات اور سماع النبی ﷺ کے بارے میں فریقین کے اتفاق اور دستخطوں سے جو فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ فقیر کا عقیدہ بھی وہی ہے اور اسی کی اشاعت کرتا ہے اور اسی عقیدہ کو اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ تصور کرتا ہے جو حضرات اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے متعلق میرے اکابر دیوبند کا جو فتویٰ ہے اس سے فقیر من کل الوجوہ متفق ہے۔ یہ فتویٰ تسکین الصدور مؤلفہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ کے (ص ۴۱، ۴۱، ۴۲) پر موجود ہے۔ فقط: واللہ اعلم وعلمہ اتم!

خاکسار: منظور احمد عفی عنہ خادم مدرسہ احیاء العلوم ظاہر پیر ضلع رحیم یار خان

۱۸/ ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ بروز جمعہ

جواب نمبر ۱۱: از سرمایہ اہلسنت رئیس المناظرین استاذ العلماء حضرت مولانا علامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی صدر تنظیم اہلسنت والجماعت ملتان پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرعاً یہ فیصلہ اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق ہے تمام اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانے وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔ ایسے شخص کو گمراہ کہنا چاہئے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ جناب امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر پر اجماع ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، عرب وعجم کے علماء اہلسنت اس مسئلہ پر متفق ہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا وہ سلف وخلف اہلسنت کے خلاف ہے سنی نہیں ہے۔

محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ یکم ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ

جواب نمبر ۱۲: از دارالافتاء قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر

بسم اللہ العلیم والصلوٰۃ علی رسولہ الکریم ! الجواب بتوفیق العلام الوھاب: چونکہ اہلسنت وجماعت، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ کا اس مسئلہ میں اجماع واتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو بتعلق روح باجسام اطہار حیات حاصل ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ﷫ نے اشعۃ اللمعات اور جذب القلوب میں اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست الخ! اور جذب القلوب میں فرماتے ہیں: بدانکہ در حیات انبیاء علیہم السلام وثبوت ایں صفت مرایشاں را وترتب وآثار واحکام آں ہیچ کس را از علماء خلاف نیست الخ! (احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۷۲)

پس ظاہر ہوا کہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام تمام اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص اس عقیدہ کا منکر ہوگا وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہوگا اور اگر حق کو اہلسنت وجماعت کے ساتھ خاص سمجھتا ہے تو ظاہر ہے ان کے عقیدہ کا منکر حق پر نہ ہوگا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم! امامت کا مسئلہ اس سے معلوم ہوگیا۔

دستخط: مفتی صاحب: کتبہٗ: احقر الوریٰ عبداللطیف جامعہ قاسم العلوم فقیر والی مہر: دارالافتاء قاسم العلوم فقیر والی

جواب نمبر ۱۳: از دارالافتاء مدرسہ حنفیہ تعلیم القرآن مسجد گنبد والی شہر جہلم

نحمدہ العظیم ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین فانھم کانوا علی ھدی المستقیم! حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب موصوف کے مع تمہید میں ضروری اضافہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند (ج ۲۳ ش ۶، ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۱ تا ۱۷) میں شائع ہوا۔ اس تحریر کی ابتداء یوں ہے ''اما بعد! برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ مشہور ومعروف ہے اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ علماء دیوبند حسب عقیدہ اہلسنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی پاک قبروں میں حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے اجسام کے ساتھ ان کی روح مبارکہ کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں قائم تھا۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام بھی سنتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ!

علماء دیوبند نے یہ عقیدہ کتاب وسنت سے وراثتاً پایا ہے اور اس بارے میں ان کے سوچنے کا طرز بھی متواترث ہی چلا آرہا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مفصل جوابی فتویٰ بنام المہند علی المفند مرتب فرما کر علماء حرمین کے پاس ارسال فرمایا۔ جس میں مسئلہ حیات النبی ﷺ اور حیات انبیاء کرام کے بارے میں بھی علماء دیو بند کا نقطہ نظر غیر مشتبہ اور واضح الفاظ میں تحریر فرمایا۔ یہ مسئلہ (اثبات حیات انبیاء) بطرز مذکور سلف سے لے کر خلف تک یکسانی کے ساتھ مسلمہ اور متفق علیہ رہا ہے اور تمام علماء دیو بند کا یہ اجماعی مسلک ہے جس سے کوئی فرد منحرف نہیں ہے اور آخر نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں حلقوں نے احقر کی پیش کردہ قدر مشترک کے عنوان کو قبول کر لیا اور اسی قدر مشترک تحریر یادداشت پر جو احقر نے اپنے دستخط سے پیش کی۔ فریقین نے دستخط فرما دیئے۔

اس یادداشت کا متن بلفظہ حسب ذیل ہے: عامہ مسلمین کو فتنہ نزاع وجدال سے بچانے کے لئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ میں ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں۔ یہ (عنوان) مسئلہ کا قدر مشترک ہوگا۔ ضرورت پڑنے پر اس کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارت حسب ذیل ہے: وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

احقر محمد طیب وارد حال راولپنڈی ۲۲ رجون ۱۹۶۲ء

جب اثبات مسئلہ حیات النبی ﷺ جمہور علماء دیو بند کا اجماعی مسئلہ ہے، اہلسنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے اور حضرات علماء دیو بند کا یہی مسلک ہے تو اس کا ماننا ضروری ہے۔ انکار کرنے والے کو گمراہ کہہ سکتے ہیں لائق امامت نہیں۔ اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔ جیسا کہ مفتی اعظم دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب نے ۱۳ رجمادی الاوّل ۷۶ ۱۳ ھ کو ایک استفتاء کے جواب میں یہ الفاظ لکھے ہیں جو اس کے (اثبات مسئلہ حیات النبی ﷺ کے) خلاف کہتا ہے وہ بدعتی ہے، خراب عقیدہ والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ الخ (مقالہ حیات ص ۲۶۷)

نوٹ: حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی یہ تحریر خطبات حکیم الاسلام (ج ۸ ص ۴۳۷ تا ۴۴۴) کے حوالہ سے ماہنامہ حق چار یار (ج ۱۰ ش ۴، ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق اپریل ۱۹۹۷ء) زیر عنوان مالکی قادری بھائی بھائی قسط نمبر ۱۳ کے ضمن میں (۲۲ تا ۲۶) میں شائع ہوا ہے۔ فقط: خادم اہلسنت والجماعت محمد شریف عابد بقلم خود مفتی جامع حنفیہ تعلیم الاسلام جامع مسجد گنبد والی جہلم شہر پوسٹ کوڈ نمبر ۴۹۶۰۰

آج مورخہ ۲۳ رذوالحجہ ۱۴۱۷ھ/ یکم رمئی ۱۹۹۷ء بروز جمعرات ۹ بجے صبح

جواب نمبر ۱۴: ازدار الافتاء جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ حیات الانبیاء کرام علیہم السلام وشہداء عظام کے متعلق صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی نہیں ہے کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں۔ بلکہ اہل سنت اور اہل حق کے عقیدہ کے مطابق یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ قبر (برزخ) میں روح کے تعلق سے ان حضرات کو حیات حاصل ہے۔ اس کی تصریح علماء عقائد نے کی ہے۔ صرف روح یا صرف بدن کی حیات بغیر تعلق روح کا عقیدہ جمہور اہلسنت کے خلاف معتزلہ وغیرہ کی شاخ صالحیہ اور کرامیہ اور روافض کا عقیدہ ہے۔ اسی قبر میں عذاب وثواب کے عقیدہ میں اہلسنت اور معتزلہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا۔ اہلسنت واہل حق کا مذہب یہی

ہے کہ میت کو قبر میں اعادہ روح کے ساتھ حیات حاصل ہوتی ہے اور بدن وروح کے مجموعہ پر عذاب وثواب ہوتا ہے۔ بدن پر بغیر روح کے عذاب وثواب اہل سنت کے نزدیک غیر معقول ہے۔ کیونکہ روح کے بغیر بدن جماد محض ہے۔ اس میں حیات نہیں ہے اور حیات کے بغیر جماد میں الم اور لذت کا احساس غیر متصور ہے۔

جیسا کہ علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ وعلامہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ عقائد اہلسنت کی درسی کتاب الخیالی کے مشہور محشی علامہ ایوبی اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''اعلم ان المذھب فی ھذاالمقام ثلاثة الاوّل المیت حیٌ فی قبرہ فیعذب وھذاھو مذھب اھل السنة والحق والثانی انه جماد لایعذب ولا یدرک العذاب ھذا ھو مذھب جمھور المعتزلة والروافض والثالث انه جماد یعذب وھذا ھو مذھب الصالحیه من المعتزلةو مذھب ابن جریر'' (الخیالی ص ۱۱۸)

اور علامہ نووی شارح مسلم وغیرہ نے اعادہ روح کی تصریح کی ہے اور بغیر روح کے تعذیب کو فاسد کہا ہے۔ چنانچہ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں: ''ثم المعذب عند اھل السنة الجسد بعینه او بعضه بعد اعادة الروح الیه او الی جزء منه وخالف فیه محمد بن جریر وعبداللہ بن کرام وطائفة فقالو الا تشترط اعادة الروح قال اصحابنا ھذا فاسد لان الالم والاحساس انمایکون فی الحیّ الخ'' (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵)

علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ الفاظ حدیث ''فیعاد روحه فی جسده'' کی شرح میں فرماتے ہیں ''ظاھر الحدیث: ان عود الروح الی جمیع اجزائه بدنه فلا التفات الی قول البعض ولا الی قول ابن جریر الی نصفه فانه لا یصح ان یقال من قبل العقل بل یحتاج الی صحة النقل'' (مرقات ج ۴ ص ۲۵)

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی (التوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: ''واذا جاز ان یکون المومنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیامة وھم منعمون فیھا جاز ان یحی الکفار فی قبورھم فیعذبوا''

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵۸)

علامہ سید محمود الحنفی آلوسی مفتی بغداد فرماتے ہیں: ''وتحقیقه فی شرح الشمائل للعلامه ابن حجر ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لایختص بجزء دون جزء بل ھی متصلة شرقة علی سائر اجزاء البدن وان تفرقت وکان جزأ بالمشرق وجزأ بالمغرب ولعل ھذا الاشتراق علی الاجزاء الاصلیة لانھا التی یقوم بھا الانسان من قبرہ یوم القیامة علی ما اختارہ جمع'' (تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳)

ان عبارات سے واضح ہے کہ مردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور یہ زندگی ان کی ارواح کو ان کے اجسام کی طرف لوٹا کر حاصل ہوتی ہے۔ یہی مذہب اہل حق اہل سنت والجماعت کا ہے۔ اس کا انکار معتزلہ وغیرہ اہل باطل نے کیا ہے۔ جو شخص بھی عذاب قبر کا قائل ہو اس کو احیاء موتی فی القبر بتعلق روح کا قائل ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ احیاء فی القبر کے قائل ہوئے بغیر عذاب قبر کا اقرار کرنا حقیقت میں اس کا انکار کرنا ہے اور بغیر تعلق روح کے حیات کا قول درحقیقت انکار حیات ہے۔ کما مرّ مفصلاً!

تو اب جو شخص بغیر تعلق روح کے قبر کی حیات کا قائل ہے اور مجمل طریقہ پر قبر کی حیات کا قائل ہے وہ مذہب حق اور مذہب اہلسنت کے مختار مذہب کے خلاف کا قائل ہے۔ کیونکہ حیات کے بغیر عذاب وثواب کے کوئی معنی نہیں اور بغیر تعلق روح کے حیات کے کوئی معنی نہیں۔ اس لئے سلف امت میں احیاء موتی کے اندر کوئی اختلاف

نہیں تھا اور عذاب قبر حق، اہلسنت کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ شرح مواقف میں ہے ''احیاء الموتی فی قبورھم مسئلہ منکر نکیر و عذاب القبر للکافر و الفاسق کلھا حق عندنا اتفق علیہ سلف الامۃ قبل ظھور الخلاف و اتفق علیہ الاکثر بعدہ'' اور مواقف کے شارح، علامہ سید شریف الجرجانی لکھتے ہیں ''و اذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء و المسئلۃ لان کل من قال بعذاب القبر قال بھما'' (شرح مواقف ص ۷۱۶)

جب ہر قائل عذاب، قائل حیات فی القبر ہے اور عکس نقیض موجبہ کلیہ کا موجبہ کلیہ لازم ہے۔ یعنی ''کل من لم یقل بھما لم یقل بعذاب القبر'' تو منکر حیات منکر عذاب قبر ہوگا۔ حالانکہ عذاب قبر تمام اہلسنت کے نزدیک دلائل متواترہ سے ثابت ہے آیات سے بھی احادیث سے بھی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عذاب قبر سے متعلق آیت ''وحاق بآل فرعون سوء العذاب'' کے تحت عذاب قبر کی احادیث کے بارے میں لکھا ہے ''ولنا الفیا'' احادیث صحیحہ و اخبار متواترہ، پھر احادیث درج کی ہیں۔ احادیث صحیحہ کو متواترہ کہنے کے بعد کسی حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف کہہ بھی دیا تو حسب اصول حدیث تواتر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا اور علامہ کے کہنے کے بعد وہ قابل اعتناء بھی نہیں ہوگا۔ صاف ظاہر ہے کہ عذاب قبر ایسی چیز کو ہی ہوسکتا ہے جو قبر میں ہے اور زندہ ہے اس لئے روح کا قبر میں ہونا یا اس کا تعلق ہونا ضروری ہے۔ یہی حیات ہے ورنہ جسم خالی از ارواح جو جمادات میں سے ہے عناصر اربعہ جامدہ کا مجموعہ ہے۔ اس کو عذاب کے کیا معنی؟ اور بغیر تعلق روح کے حیات کے کیا معنی؟

عذاب تفعیل کا اسم مصدر بخاصیت سلب ہے عذوبۃ یعنی شرینی حیات کو سلب کرنا ہے عذوبت حیات، حیات ہی کو لائق ہوگی۔ اسی کا سلب عذاب ہے یہ جماد میں کیسے ممکن ہے؟ جب کہ اس میں حیات ہی نہیں ہوتی اور معتزلہ کی شاخ کرامیہ جو کہ میت کو جماد مانتے ہیں اور اسی کے عذاب کے قائل ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ خیالی سے اوپر گزرا۔ وہ مردود اور سفسطہ ہے۔

علامہ خیالی فرماتے ہیں: ''جوز بعضھم تعذیب غیر الحیّ و لاشک انہ سفسطۃ لان الجماد لاحس لہ فکیف یتصور تعذیبہ'' عقائد اہلسنت کی سب کتابوں میں عذاب قبر کے برحق ہونے کی تصریح کی گئی ہے اور اس عقیدہ کو ضروریات اہلسنت میں شمار کیا گیا ہے اور ''عذاب القبر حق'' اس کے حق ہونے کی تصریح کررہا ہے اور یہ بغیر حیات فی القبر کے متصور نہیں اور حیات بغیر تعلق روح کے ثابت اور تعذیب و تنعیم کے لئے کافی نہیں کیونکہ اس میں احساس ہی نہ ہوگا۔ (ص ۱۱۸)

اب جو شخص بتعلق روح قبر میں جسم کی حیات کا قائل نہ ہو اور صرف حیات کا قول کرتا ہو وہ درحقیقت منکر حیات ہے۔ معتزلہ اور روافض کے موافق اور اہل سنت کے مخالف ہے۔ کیونکہ اہل سنت بتعلق روح قبر میں حیات کے قائل ہیں جب کہ معتزلہ اور روافض اس کے قائل نہیں۔ اس تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ قبر میں جو حیات انبیاء کرام و شہداء عظام کو حاصل ہے وہ بتعلق روح ہے اور یہی عقیدہ اہلسنت والجماعت کا ہے۔ اس کے خلاف جو عقیدہ ہوگا وہ اہلسنت والجماعت کے خلاف ہوگا اور اسی تحقیق سے سوال میں درج شدہ مفصل عقیدہ کی شرعی حیثیت بھی واضح ہوگئی کہ وہ اہلسنت والجماعت کے موافق ہے اور یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے ورنہ اہلسنت کے خلاف لازم آئے گا۔

اب رہا سوال کا دوسرا جز کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا جائے تو اس کو

آنحضرت ﷺ بنفس نفیس بغیر واسطہ کے خود سنتے ہیں تو اس میں اہلسنت کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگرچہ عام اموات کے سماع عند القبر میں اختلاف ہے۔ مگر سماع انبیاء کرام علیہم السلام عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ چنانچہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے لئے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوز سماع موتی اس کے جواب کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔

سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے، مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اور اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواب کے واسطے کافی دلیل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹، ۱۰۰)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع عند القبر اجماعی مسئلہ ہے فقہاء کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں سماع انبیاء کرام کا انکار، اجماع فقہاء کا انکار ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب حدیث ''مامن رجل یسلم علیَ الا ردالله علیَ روحی حتی ارد علیه السلام'' جس کو علامہ ابن تیمیہ نے حدیث جید فرمایا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۶۱) کی تشریح میں لکھتے ہیں ''اتنی بات سب کے نزدیک مسلمہ اور دلیل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کو اپنی قبروں میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتے ہیں۔ اس بنا پر اکثر شارحین نے ردّ روح کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ ﷺ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدے میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ پس اس روحانی توجہ اور التفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا۔ یہی جواب علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اپنی تشریح بخاری میں ارقام فرمایا ہے اور عند القبر سماع اس کے علاوہ دوسری حدیث سے بھی ثابت ہے جیسا کہ احادیث ذیل سے واضح ہے۔

۱...... ''عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من صلی علیَ عند قبری سمعته ومن صلی علیَ نائیاً ابلغته۔ رواه البیهقی فی شعب الایمان'' (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۲ و تحریرات حدیث ۲۱۱ لمولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ)

۲...... ''لهبطن عیسی ابن مریم حکماً، اماماً مقسطاً ولیسلکنَ فجاً، حاجاً او معتمراً ولیأتین قبری حتی یسلم علیَ ولاردنَ علیه'' (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴۰)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلام کا جواب مرحمت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ سماع سلام کے بغیر جواب کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ روضہ مبارک کے پاس سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ عرض سلام اور اس کا جواب آپ ﷺ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے جو جسم مع روح کا نام ہے صرف جسم یا تنہا روح کا یہ کام نہیں۔

اکابر علماء دیو بند کا متفقہ فیصلہ

اکابر دیو بند کا مسلک بھی یہی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیاوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ (تلذذاً) نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین کا اور متکلمین اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے، اکابر دیو بند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مستقل تصنیف حیات انبیاء کرام علیہم السلام پر آب حیات کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ المھند علی المفند بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لئے کافی ہے اور جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیو بند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل!

دستخط علماء کرام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی، عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مفتی محمد صادق عفا اللہ سابق محکمہ امور مذہبیہ بہاول پور، مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دارالعلوم کراچی، ظفر احمد عثانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دارالعلوم ٹنڈو الہ یار، محمد رسول خان عفا اللہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (مقام حیات ص ۲۷۲) مطبوعہ اوّل۔ حضرت مولانا مفتی مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیو بند کا فتویٰ بھی مقام حیات میں طبع ہو چکا ہے۔

جس میں تصریح ہے کہ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدہ والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ آگے لکھا ہے کہ تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں۔ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی ہے اور خارج اہلسنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں۔ (۲۶۷) اس فتویٰ پر استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کے دستخط بھی موجود ہیں۔

ان سب حضرات نے مزار مبارک میں آنحضرت ﷺ کی حیات جسدی کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کو اہلسنت والجماعت سے خارج اور خراب عقیدہ والا بدعتی قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ نیز حیات جسدی بغیر تعلق روح کے ممکن نہیں۔ چونکہ جو حیات بغیر تعلق روح کے ہوگی وہ حیات جمادی ہوگی۔ جس کے ساتھ عذاب وثواب ناممکن اور غیر متصور ہے۔ جیسا کہ علماء متکلمین کی عبارات میں صراحتاً گزر چکا ہے۔ اس لئے روح کے تعلق کے ساتھ حیات فی القبر کا عقیدہ ضروری ہے اور مسلک اکابر دیو بند سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ قبر مبارک میں آنحضرت ﷺ کو حیات بعلق روح حاصل ہے جیسا کہ اوپر مفصلاً اس تحریر میں بھی گزر چکا ہے۔ مذکورہ تمام تفصیل سے

معلوم ہو گیا کہ قبر میں تعذیب و تنعیم کا تعلق روح و جسم دونوں کے ساتھ ہے اور بغیر روح کے حیات کے کوئی معنی نہیں ہے۔

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ تعذیب و تنعیم کا تعلق روح و جسم دونوں سے ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۹۴) پر ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں ''بعض علماء کا خیال ہے کہ عذاب قبر فقط روح کو ہوتا ہے اور روح کا تعلق قبر سے رہتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ عذاب روح و جسد پر ہوتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ جسم پر وقوع عذاب ہمیں معلوم نہیں ہوتا یا جسم کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں اور انہیں مٹی کھا جاتی ہے۔ سو اس کے حل کے لئے صوفیاء نے یہ قول کیا ہے کہ اعادہ روح جسم مادی میں نہیں بلکہ جسم مثالی میں ہوتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ جسم مادی میں ہی روح کا اعادہ ہوتا ہے۔ مگر ایسے ہم معلوم نہیں کر سکتے۔''

جب تعذیب و تنعیم کا تعلق جسم اور روح دونوں سے ہوتا ہے اور بغیر تعلق روح حیات فی القبر کا تصور ممکن نہیں تو پھر روح کے تعلق کو بدن مادی کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہوا اور اس تعلق کو ضروری نہ سمجھنا تعذیب و تنعیم فی القبر کا حقیقتاً انکار کرنا ہے۔ گو لفظوں میں انکار نہ بھی ہو۔ کیونکہ یہ عقیدہ معتزلہ کی شاخ کرامیہ کا ہے کہ وہ بدوں حیات کے بھی قبر میں جسم کو جماد مانتے ہوئے اس کے معذب اور مثاب ہونے کے قائل ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ قطعاً اہلسنت والجماعت کے ائمہ اور متکلمین اسلام کے خلاف ہے۔ لہٰذا حیات فی القبر کے عقیدہ کے لئے جسم خاکی کے ساتھ روح کے تعلق کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے اور بغیر تعلق روح کے حیات کا کوئی معنی نہیں۔ یہ اقرار بھی در پردہ انکار ہی ہے۔

بہر حال نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام کے سماع پر اجماع ہے اور اس کا احادیث صحیحہ سے ثبوت بھی ہو رہا ہے جیسا کہ اوپر اس تحریر میں بھی مختصراً گزر رہا ہے۔ اس لئے یہ عقیدہ بھی ضروری ہے۔ عبارت مسئولہ میں جس تفصیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں انہی مذکورہ دونوں عقیدوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ اس لئے اس تفصیل پر اعتقاد کا ضروری ہونا اہلسنت والجماعت میں ثابت کر دیا گیا ہے اور جب جسد مادی کے ساتھ تنعیم وتعذیب کا تعلق روایات صحیحہ اور اکابر اہلسنت والجماعت کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے تو جسد مثالی کے ساتھ اس کا تعلق صحیح نہ رہا۔ جیسا کہ حضرت مفتی صاحب کی عبارت میں بھی تصریح ہے جسم مثالی سے اس کا تعلق صحیح نہیں۔

رہا یہ کہ ''من صلی علیّ عند قبری الخ'' میں محمد بن مروان سدی صغیر مجروح راوی ہے۔ اوّل تو اس پر مسئلے کا دارومدار نہیں۔ بلکہ دوسری احادیث صحیحہ سے سماع عند القبر کا ثبوت ہو رہا ہے اور اس پر اجماع امت بھی ہو چکا ہے اور اجماع کے بعد ہر راوی کی توثیق کی ضرورت نہیں رہتی۔ دوسرے امام بیہقی کی اس روایت کی سند میں ابو عبدالرحمن کا ذکر ہے۔ امام بیہقی کی رائے یہ ہے کہ وہ محمد بن مروان سدی صغیر ہے اور وہ مجروح ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ''ھذا ھو ابو عبدالرحمن السدی فیما اریٰ وفیہ نظر'' (حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱۷) اوّل تو اس ابو عبدالرحمن سے محمد بن مروان سدی کا مراد ہونا متعین نہیں ہوتا۔ صرف امام بیہقی کی رائے ہے اور اس کو مان لینے کے بعد بھی وہ اس حدیث کے مضمون کو دوسری احادیث کی تائید کی وجہ سے قبول کرتے ہیں وفیہ نظر کے متصل فرماتے ہیں ''وقد مضی ما یؤکدہ'' ثابت ہوا کہ امام بیہقی کے نزدیک اگرچہ یہ راوی منظور فیہ ہے۔ مگر اس روایت کا مضمون مقبول ہے متروک نہیں۔ اب امام بیہقی کی نظر و جرح کو بیان کرنا اور ان کی تائید بیان کرنے اور اس روایت کے مضمون کو قبول کرنے سے صرف نظر کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اس کی مزید تفصیل بندہ کی کتاب (حیات الانبیاء کرام علیہم السلام ص ۱۵۸) پر ملاحظہ فرمائیں۔

پھر جمہور اہلسنت نے اس حدیث کی جس سند سے استدلال کیا ہے وہ اس کی دوسری سند ہے جو ابوالشیخ کی سند کہلاتی ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ اور معروف ہیں۔ محدثین کی خاص جماعت اس کو صحیح مانتی ہے۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی، ابوالشیخ کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ''سندہ جید'' (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲) علامہ سخاوی فرماتے ہیں۔ سندہ جیدٌ۔ (القول البدیع)

حضرت ملا علی قاری ﷫ بھی اسے سند جید فرماتے ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی ﷫ نے بھی اس سند کی توثیق کی ہے۔ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔ اس کے حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ الغرض انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر اور سماع عند القبر الشریف جمہور اہلسنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے اور اہلسنت کے نزدیک اس میں وہی تفصیل حق ہے جس کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ اہلسنت والجماعت سے خارج اور بدعتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والھاب فی کل باب! کتبہ: الاحقر السید عبدالشکور الترمذی مدیر الجامعۃ الحقانیہ الساہی وال من مضافات سرگودھا ۲۵ رشوال المکرم ۱۴۱۷ھ

نوٹ: مندرجہ بالا چودہ عدد فتاویٰ آپ نے پڑھ لئے یہ فتویٰ جات تو بندہ عاجز نے براہ راست مفتیان کرام سے حاصل کئے ہیں اور ان کی اصل میرے پاس موجود و محفوظ ہے بوقت ضرورت اہل علم حضرات تشریف لاکر دیکھ سکتے ہیں۔ اب آپ کی خدمت میں چند دیگر فتاویٰ پیش کئے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی مستند کتاب سے نقل کئے گئے ہیں۔

<u>فتویٰ نمبر ۱۵</u>: از دار العلوم دیوبند

استفتاء نمبر ۱۹۹۸: یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کی قبر پر درود و سلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے کہ نہیں؟ اور ایسے عقیدہ والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا!

<u>الجواب</u>: آنحضرت ﷺ اپنی مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں۔ آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے۔ آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں آپ ﷺ اپنے مزار میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدہ والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء الحدیث وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی بعیداً اعلمتہ رواہ ابو الشیخ وسندہ جیدا'' (القول البدیع ص ۱۱۶) ''عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم یصلون رواہ ابن عدی والبیھقی وغیرھما'' (شفاء السقام ص ۱۳۴) دو تین حدیثیں نقل کی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے۔

غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی ملتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے

مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب! کتبہ: السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند ۱۴ رجمادی الاول ۱۳۶۷ھ مہر: دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح: جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور، ۲۱ رشوال ۱۳۷۶ھ اجاب المجیب واجاد: محمد ضیاء الحق کان اللہ لہ: مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور۔ الجواب صواب: محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

(منقول از تسکین الصدور ص ۴۱، ۴۲، مقام حیات ص ۹۴، خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۴)

فتویٰ نمبر ۱۶: از دار العلوم دیوبند

سوال: جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں۔ یہ کس فرقے کا عقیدہ ہے نام متعین فرمائیں۔

الجواب: تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدے کا انکار کیا۔ چنانچہ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان امور سے جن کی بنا پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ ایک بڑا جرم یہ ہے حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کے ارد گرد جمع ہو رہے تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو۔ اس لئے علماء نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ بحوالہ (رحمت کائنات ص ۵) اسی طرح فرقہ کا عقیدہ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو بشمول نبی کریم ﷺ موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ) یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہر کے بعد حیات دائمی حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدم حیات کا ہے۔

سوال: حیات النبی ﷺ کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبی ﷺ کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے۔

الجواب: بلا تاویل حیات النبی کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ویکرہ امامۃ مبتدع ای صاحب بدعۃ" (الدر المختار ج ۱ ص ۸۳) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۸)

سوال: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال کذاب ومشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں۔

الجواب: منکرین حیات الانبیاء دیوبندی تو کجا بعض اکابر نے تو ان کو اہلسنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیا ہے ملاحظہ ہو: حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند ایسے شخص کو اہل سنت والجماعت سے خارج قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس باب (حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور جو انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہلسنت سے خارج ہے (فتاویٰ دار العلوم غیر مطبوعہ) اس فتویٰ پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ مفتی جامعہ اشرفیہ، مولانا محمد ضیاء الحق صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور، استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب ہزاروی کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیات الانبیاء) دوسرے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً علماء کو کافر، مشرک اور دجال کہیں یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔ ناطقہ سربگریبان ہے اسے کیا کہئے: ان کو غالباً اس کی خبر نہیں جو اوپر نقل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم!

(مندرجہ بالا تینوں فتوں کے مفتی) محمد ظفر الدین مفتی دار العلوم دیوبند، الجواب صحیح: کفیل الرحمن نائب مفتی دار العلوم دیوبند ۲۳ رشعبان ۱۴۰۵ھ مہر: دار العلوم دار الافتاء دیوبند۔

نحن متفقون به کلمةً بکملة حرفاً بحرفٍ فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان، محمد حنیف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۰ رشعبان ۱۴۰۵ھ منقول از خیر الفتاویٰ (ج ۱ ص ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۴، ۱۲۶)

فتویٰ نمبر ۱۷: از دار الافتاء دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

الاستفتاء: حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب السلام علیکم

ہمارے ہاں ایک مولوی احمد سعید خان صاحب ہیں، وہ کہتے ہیں جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف پر پڑھا ہوا درود شریف صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں وہ کافر ہے، وہ مولوی صاحب اپنے آپ کو آپ کی جماعت کا بتاتا ہے۔ دیوبندی لوگوں میں بہت اختلاف ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ اپنا عقیدہ اور اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ظاہر فرما کر ہم پر کرم نوازی فرمائیں تاکہ عام مسلمانوں کی رہبری ہو سکے۔ نیاز مند علماء احقر عبد القادر خان عباسی احمد پور شرقیہ سابق ریاست بہاول پور

الجواب: وہو الموفق للصواب کتب فقہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود آنحضرت ﷺ درود وسلام سنتے ہیں، سلف اہلسنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسے عقیدہ والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

عبد الرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی ۲۲ رصفر ۱۳۹۶ھ۔ الجواب صحیح: لاشئ غلام اللہ، جواب درست ہے۔ ناکارہ خلائق غلام ربانی منقول از (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۷) اصل فتویٰ کا فوٹو سٹیٹ (خیر الفتاویٰ ص ۱۸۸) پر چھپا ہوا ہے۔

فتویٰ نمبر ۱۸: از حضرت العلامہ مولانا محمد شریف صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث وصدر مدرس خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ تنبیہ الغافلین علی اقوال الخادعین پر جو تقریظ ہے اور جسے بعنوان فتویٰ من جانب، خطباء اہل سنت والجماعت ڈیرہ اسماعیل خان شائع کیا گیا وہ عبارت میری ہے۔ میں اب بھی اس کا قائل ہوں کہ: ''اگر روضہ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو آپ خود سنتے ہیں۔ بلکہ جمیع اہل سنت والجماعت اس کے قائل ہیں اور سب اکابر دیوبند کا یہی عقیدہ ہے جو شخص اس عقیدے کو عقائد شرکیہ یا بدعیہ میں شمار کرتا ہے وہ بالکل جاہل اور پرلے درجے کا احمق اور ملحد ہے اور حقیقت شرک سے قطعاً ناآشنا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے شخص سے دور رہنا چاہئے۔ اب میں علیٰ وجہ البصیرت بتائید مفتیان خیر المدارس وقاسم العلوم ملتان مذکورہ بالا عقیدے کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں۔ جو اس کے خلاف میری طرف منسوب کر کے شائع کیا جائے اسے غلط سمجھیں میری طرف منسوب کر کے اعلان برأت کے عنوان سے جو تحریر من جانب اشاعۃ التوحید والسنۃ، شائع کی گئی وہ ایک حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' کی ایک سند کے بارے میں فنی بحث تھی لیکن کسی حدیث کی سند کا متکلم فیہ ہونا اس کے مضمون کے بطلان کی دلیل نہیں اور خود ابن عبد الہادی نے اس حدیث کے مضمون ومعنی کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الصارم المنکی ص ۱۱۳) اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضور

پاک ﷺ قبر کے پاس سے سلام خود سنتے ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۲۸۲) علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ثم حکم ابن عبدالبر مع ذالک بصحتہ لتلقی العلماء لہ بالقبول'' (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴) پھر ابن عبدالعزیز نے اس بحث کے باوجود یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اس لئے کہ تمام علماء نے اسے قبول کیا ہے۔

فقط: واللہ اعلم! محمد شریف کشمیری شیخ الحدیث وصدر مدرس خیر المدارس ملتان ۲۶ / جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

التحریر صحیح: محمد شریف عفا اللہ عنہ جالندھری مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان۔ حضور اکرم ﷺ کے روضۃ اقدس پر جو شخص صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے۔ آپ اس کا صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہیں۔ سب اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔

فقط: واللہ اعلم! احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶ / ۶ / ۱۴۰۱ھ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان، ۲۶ / ۶ / ۱۴۰۱ھ، محمد اسحاق عفا اللہ عنہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان۔

فتویٰ نمبر ۱۹: از حضرت مولانا منظور الحق مدرس دار العلوم کبیر والہ وحضرت مولانا علی محمد صاحب شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم کبیر والہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک شخص عام موتی کا ثواب وعذاب قبر میں نہیں مانتا بلکہ صرف روح پر تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے جسد مبارک کو روضہ اطہر میں بے حس وشعور خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر حضور پاک ﷺ کے روضہ پاک پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو اس کو آنحضرت ﷺ نہیں سنتے۔ کیا ایسے عقیدے والا شخص اہلسنت والجماعت سے خارج ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ راحت وعذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ معتزلہ وروافض کا عقیدہ ہے کہ راحت وعذاب قبر فقط روح پر ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۵) میں ہے ''ذھب ابن حزم وابن میسرہ الی ان السوال یقع علی الروح فقط وخالفھم الجمھور فقالوا تعاد الروح الی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث ولو کان علی الروح فقط لم یکن للبدن بذالک اختصاص''

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۳۸۶) میں فرماتے ہیں: ''ثم المعذب عند اھل السنۃ الجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح الیہ او جز منہ'' ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (مرقات ج ۲ ص ۲۵) میں فرماتے ہیں: ''فتعاد روحہ الی جسدہ ظاھر الحدیث ان عود الروح الی جمیع اجزاء بدنہ فلا التفات الی قول البعض بان العود انما یکون الی البعض''

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ حرانی حنبلی شرح (حدیث النزول ص ۸۸) پر فرماتے ہیں: ''سائر الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن'' ابن قیم جوزی حنبلی (کتاب الروح ص ۵۱) پر فرماتے ہیں: ''بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعا بالاتفاق اھل السنۃ والجماعۃ''

تفسیر (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۱) میں ہے ''والجمھور علی عود الروح الی الجسد او بعضہ وقت السوال لایحس بہ اھل الدنیا الی ان قال اجر اللہ سبحانہ عادتہ بتمکنھا من السمع وخلقہ لھا عند زیارۃ القبر الی ان قال وھذا الوجہ ھو الذی یترجح عندی'' (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۲) میں ہے ''اعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق۔ اعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالی یخلق فی المیت نوع حیات فی القبر قدر مایتألم او یتلذذ''

(نبراس ص ۳۲۲) میں ہے: ''ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعاد الی الجسد عندالسوال'' ابوبکر جصاص رازی حنفی (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۰۸ مصری) میں فرماتے ہیں: ''فاذا جاز ان یکون المومنون قد احیوا فی قبورهم قبل یوم القیامة وهم منعمون فیها۔ جاز ان یحیی الکفار فی قبورهم فیعذبوا'' علامہ صدرالدین علی ابن محمد ازدی حنفی (شرح عقیدہ الطحاوی ص ۳۳۰ طبع مکہ مکرمہ) میں رقم طراز ہیں: ''وکذالک عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعاً باتفاق اهل السنة والجماعة''

(شامی ج ۳ ص ۲۰۱) میں ہے: ''ولا یرد تعذیب المیت فی قبره لانه توضع فیه الحیات عندالعامة بقدر الحس بالالم۔'' تلک عشرۃ کاملہ!

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی حیات جسمانی پر جمیع صحابہ کبار رضی اللہ عنہم، ائمہ اربعہ، جمیع حضرات محدثین ومفسرین وجمیع علماء امت کا اتفاق ہے۔ یہ بھی اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

(فتح الباری ص ۳۴۲) میں ہے: ''وقد جمع البیهقی کتابا لطیفاً فی الحیوة الانبیاء فی قبورهم واورد فیه حدیث انس، الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون اخرجه من طریق عیسٰی بن کثیر وهو من رجال الصحیح عن المسلم بن سعید وقد وثقه احمد وابن حبان عن الحجاج الاسود وهو ابی الزیاد البصری وقد وثقه احمد وابن معین عن ثابت عنه'' آگے بہت سے شواہد نقل فرمائے۔

(عینی ج ۱۶ ص ۱۸۵) میں لکھتے ہیں: ''فان الانبیاء لایموتون فی قبورهم بل هم احیاء وان سائر الخلق فانهم یموتون فی القبور حیاتاً وموتاً لابد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (مرقات ج ۵ ص ۲۶۳) میں فرماتے ہیں: ''فدل علی ان الانبیاء احیاء حقیقة ویریدون ان یتقربوا الی اللہ فی عالم البرزخ من غیر تکلیفهم کما انهم یتقربون الی اللہ بالصلوة فی قبورهم''

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۷) میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قال العلماء یکره رفع الصوت عند قبره ﷺ کما کان یکره فی حیاته ﷺ لانه موجود فی قبره دائما''

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۲) میں ہے: ''فحصل من مجموع هذاالکلام والاحادیث ان النبی ﷺ حیّ بجسده وروحه وانه یتصرف ویسیر حیث یشاء فی اقطار الارض وهم بهیائة التی کان علیها قبل وفاته لم یتبدل منه شئی'' جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ انباء الاذکیاء (ص ۲) میں لکھتے ہیں: ''حیات النبی ﷺ کما کان یکره فی حیاته ﷺ لانه موجود فی قبره دائماً''

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۲) میں ہے: ''فحصل من مجموع هذاالکلام والاحادیث ان النبی ﷺ حیّ بجسده وروحه وانه یتصرف ویسیر حیث یشاء فی اقطار الارض وهم بحیاته التی کان علیها قبل وفاته لم یتبدل منه شئی'' جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (انباء الاذکیاء ص ۲) میں لکھتے ہیں: ''حیات النبی ﷺ فی قبره هو وسائر الانبیاء معلومة عندنا قطعاً کما قام من الادلة فی ذالک وتواترت به الاخبار الدالة علی ذالک''

(اوجز المسالک ج ۶ ص ۴۸۲) میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارن پوری فرماتے ہیں: ''قلت او لانهم احیاء فی قبورهم فالاموال باق علی ملکهم'' آگے علامہ منادی کا قول بھی یہی نقل فرمایا ہے۔ پھر یہ لکھا ہے ''فقال ابن عابدین فی رسائله واما عدم موت المورث نباء علی ان الانبیاء احیاء فی قبورهم'' پھر آگے حضرت

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ بھی یہی نقل فرمایا: بحوالہ الکوکب الدری۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (القول البدیع ص ۱۲۵) میں رقم طراز ہیں:

"نحن نصدق بانه ﷺ حیّ یرزق فی قبره و ان جسده الشریف لاتأکله الارض و الاجماع علی هذا"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳) اور (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۷) میں فرماتے ہیں: حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام متفق است میاں علماء امت و ہیچ کس را در آں اختلاف نیست تلک عشرۃ کاملۃ۔ یہ دس دس حوالہ جات نقل کر دیئے ہیں۔ ویسے بہت سا ذخیرہ احادیث و تفاسیر میں موجود ہے۔ ان دلائل کی رو سے جو شخص بھی عذاب و راحت فقط روح پر مانتا ہو اور آنحضرت ﷺ کی حیات جسمانی کا قائل نہ ہو وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔ بدعتی اور گمراہ ہے ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم! منظور الحق عفی عنہ، الجواب صحیح: علی محمد عفی عنہ مہتمم دارالعلوم ۵/ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ عیدگاہ کبیر والا

روح مبارک کا جسد اطہر کے ساتھ تعلق اہلسنت میں متفق علیہ ہے اس تعلق کی کیفیت میں اہلسنت کے اقوال مختلف ہیں۔ لہٰذا کیفیت کی تعیین میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ فقط: الجواب صحیح محمد شریف کشمیری شیخ الحدیث خیر المدارس ملتان۔ عبدالقادر عفی عنہ مدرس دارالعلوم کبیر والا ۵/رجمادی الاوّل ۱۳۹۸ھ

حضور پاک ﷺ کی زندگی کی قبر شریف میں جسد مبارک کے ساتھ ثابت ہے اور اس کا منکر اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ جواب درست ہے۔ اللہ تعالیٰ احقاق حق کی سعی کو منظور فرماویں۔ العبد الفقیر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس، ملتان ۶/ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ

(منقول از خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۱، ۱۸۴)

<u>فتویٰ نمبر ۲۰</u>: از حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء کرام

الاستفتاء: بخدمت اکابرین دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کے جانشینان کرام متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائکم بالخیر۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

عرض یہ ہے کہ آج کل بعض حضرات:

۱...... انبیاء کرام علیہم السلام کے وصال کے بعد حیات برزخی جسمانی کا انکار کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے جسد اطہر میں کسی حس و حرکت کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی روضہ پاک پر سلام عرض کرنے والے کے سلام سننے کے قائل ہیں اور ساتھ ہی اس خیال کو اکابر دیوبند کا مسلک بتاتے ہیں۔

۲...... عالم برزخ میں ثواب و عقاب کا تعلق صرف روح سے مانتے ہیں۔ جسد عنصری پر عذاب و عتاب کے قائل نہیں ہیں اور اسے دیوبندی مسلک قرار دیتے ہیں۔

۳...... ذوات انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کو صحیح نہیں سمجھتے اور اسے بزرگان دیوبند کا مسلک سمجھتے ہیں۔

۴...... سماع موتیٰ کے قائل ہونے کو شرک کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو دیوبندی کہلواتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ حضرات جو مسلک دیوبند کے ترجمان ہیں اور بزرگان دیوبند کے سابقین اوّلین سے براہ راست مستفیض و مستفید ہونے والے ہیں۔ یہ وضاحت فرماویں کہ مندرجہ بالا خیالات رکھنے والے صاحبان مسلک دیوبند سے منسوب و منسلک ہو سکتے ہیں یا نہیں اور کیا اکابرین دیوبند کا یہی مسلک تھا یا یہ ان کی ذاتی آراء ہیں اور بزرگان دیوبند کے مسلک

سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بینوا توجروا! السائلون: حضرت مولانا (خان محمد) صاحب خانقاہ سراجیہ نزد کندیاں، ضلع میانوالی، مولانا (محمد رمضان) صاحب مہتمم مدرسہ تبلیغ الاسلام، میانوالی، حافظ (سراج الدین) صاحب کلور کوٹ۔

الجواب وباللہ التوفیق: مسائل مستفسرہ میں بزرگان دیوبند کا مسلک صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ نیز علماء دیوبند کی مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کررا سے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں عام وخاص میں معروف ومشہور ہیں مثلاً: (۱) آب حیات (۲) جمال قاسمی (۳) نشر الطیب (۴) الشہاب الثاقب (۵) المصالح العقلیہ (۶) فیض الباری (۷) المہند علی المفند (۸) اور متفقہ اعلان وغیر ذالک (۹) حیات النبی۔

ا: چنانچہ المہند علی المفند میں لجواب سوال خامس صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آنحضرت ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات عام مومنین یا عام لوگوں کی طرح برزخی ہی نہیں ہے بلکہ عالم برزخ میں دنیوی (جسمانی ہے) مگر مکلف بالاعمال نہیں ہیں اور یہ حیات حضور اکرم ﷺ اور جمیع انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے۔ واضح رہے کہ اس مضمون پر علماء دیوبند کے طبقہ اولیٰ وعلیا کے تقریباً تمام اکابرین کے دستخط موجود ہیں۔ مثلاً: شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ مضمون خود ہی تحریر فرمایا۔

ب: اسی طرح تقسیم ہند کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب اس مسئلہ حیات النبی ﷺ سے متعلق بعض صاحبان کی تقریروں اور تحریروں سے بزرگان دیوبند کا مسلک مشتبہ ہونے لگا تو اس وقت اکابر علماء نے بھی متفقہ اعلان کے نام سے اپنے دستخطوں سے ایک تحریر شائع کر کے مسلک دیوبند کی وضاحت فرمائی۔ چنانچہ اس وقت بھی مقام حیات از مولانا ڈاکٹر علامہ خالد محمود اور دوسرے رسائل میں مطبوع ہے۔ اس میں یہ صفائی سے لکھا گیا ہے کہ حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس پر جو درود شریف پڑھے وہ بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہلسنت والجماعۃ کا مسلک ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس متفقہ اعلان پر مرحومین حضرات میں سے حضرت مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ اجل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رسول خان صاحب سابق اعلیٰ مدرس دار العلوم دیوبند اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثانی مؤلف اعلاء السنن ورحمۃ القدوس وغیرہ کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

عذاب قبر

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک قبر میں ثواب وعقاب کا تعلق روح اور جسد دونوں کے ساتھ رہتا ہے اور جسم سے جسم عنصری مراد ہے نہ کہ جسم مثالی جو کہ حقیقی جسم نہیں ہے بلکہ عالم مثال کے آئینہ میں جسم کا ایک عکس ہے۔ ''کما صرح بہ المجدد الالف الثانی'' اور جیسا کہ کتب فقہ وعقائد میں مذکور ہے کہ ''ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذالک یحصل لروحہ وبدنہ'' (کتاب الروح) یہی اکابرین دیوبند کا مسلک ہے۔

توسل بالانبیاء والصلحاء علیہم السلام

توسل بالانبیاء علیہم السلام بھی بزرگان دیوبند کے نزدیک جائز ہے۔ (المهند علی المفند ص ۲۸ مطبوعہ جہلم) نشر الطیب للعلامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور الشہاب الثاقب شیخ المدنی رحمۃ اللہ علیہ میں اس کی تشریح موجود ہے۔ علامہ آلوسی نے آیت کریمہ: ''وابتغوا الیہ الوسیلۃ'' کے تحت توسل بالمقبولین کو جائز قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا قائل بھی توسل بالصفات ہی ہے ''کانہ یقول برحمتک وفضلک علی فلان ادعو منک ھذا''

سماع موتی

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں فرمایا ہے: ''وھذا سلام (ای السلام عند زیارۃ القبور) والخطاب والنداء لموجود یسمع ویعقل ویردون السلام وان لم یسمع المسلم الرد والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت الآثار عنھم بان المیت یعرف الحی ویستبشر بہ'' ہمارے مشائخ بھی فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ فیض الباری للعلامہ الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ میں ہے اور اسے ہرگز شرک کی بنیاد قرار نہیں دیتے۔ جو لوگ ان مسائل میں کچھ اور رائے رکھتے ہوں وہ کچھ بھی ہوں بہر حال مسلک دیوبند سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ انہیں بزرگان دیوبند کی طرف غلط نسبت نہیں کرنی چاہئے۔ واضح رہے کہ بزرگان دیوبند کے یہ نظریات بحمد اللہ قرآن وسنت اور سلف صالحین کی تصریحات کے عین مطابق ہیں۔ سائلین کو چونکہ صرف مسلک دیوبند کا تعین اور تشخص مقصود تھا اس لئے صرف مسائل کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے دلائل سے تعرض نہیں کیا گیا۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل! کاتب الحروف: عبد الکریم عفی عنہ بحکم سیدی حضرت افغانی مدظلہ، دستخط ومہر: مولانا شمس الحق افغانی، احمد الرحمن غفرلہ۔ دستخط ومہر: مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، ولی حسن عفا اللہ عنہ

از احقر جمیل احمد تھانوی، جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا افغانی زید معالیہم کا املائی جواب حق وصواب ہے چار مسلوں میں علماء دیوبند کا یہی مسلک ہے بلکہ:

۱...... یہ توکل اہلسنت والجماعت کا اجماعی مسئلہ ہے، عدم حیات کا قول تو صرف بعض معتزلہ اور رافضیہ کا ہے۔ اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ اہل سنت والجماعت کے تین قول ہیں: (۱) حیات من وجہ کا مسلسل رہنا (۲) منقطع ہو کر عود کرنا پھر منقطع ہو کر عود کرنا (۳) منقطع ہو کر عود کرنا اور تا قیامت رہنا، مگر یہ اختلاف ترجیحی ہے حق وباطل کا نہیں ہے اور معتزلہ سے حق وباطل کا اختلاف ہے۔ چونکہ عذاب قبر تواتر سے ثابت ہے اور بغیر حیات کے ثواب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حیات قبری ہر انسان کے لئے اس قدر یقینی ومتواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جس سے عذاب وثواب کا ادراک ہوجاتا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انکار شعور وادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن اوشبہ نیست۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۹۳) بحذف دلائل تفصیلی دلائل وہاں ہیں۔

۲...... جمہور امت کے نزدیک بر قول اصح، جسم اور روح دونوں کو عذاب ہوتا ہے اور عذاب قبر اس کی متواتر ثبوت کی دلیل ہے۔ کیونکہ عذاب قبر اسی کو ہوتا ہے جو قبر میں ہو اگر قبر میں فقط جسم ہو تو نہ عذاب عذاب ہے اور ثواب نہ ثواب کہ وہ ادراکات سے خالی ہے اور صرف روح قبر میں ہو جسم نہ ہو یہ ظاہر ہے کہ باطل ہے۔ لہٰذا دونوں پر

عذاب ہوگا۔ عذاب قبر سے صرف عذاب برزخ مراد لینا عذاب قبر کا انکار بنے گا، قبر خاص ہے۔ برزخ (جو موت سے قیامت تک کا زمانہ ہے) عام ہر قبر تو برزخ ہے مگر برزخ ہر ایک قبر نہیں۔ جو عام خاص کا خاصہ ہے۔ اگر عذاب قبر ہو تو عذاب برزخ ہے عذاب برزخ عذاب قبر نہیں۔ اگر صرف روح کا عذاب مانا جائے تو وہ قبر میں نہیں ہوگی تو عذاب قبر نہ ہو، گو عذاب برزخ ہوگا، یہ انکار متواتر کا ہے۔

۳...... وسیلہ اس کی ذات سے ہو تو بے اصل ہوگا۔ لیکن حق تعالیٰ کی ایسی صفت سے ہو جس کا تعلق اس سے ہے۔ مثلاً محبت ونسبت وغیرہ پھر تو وسیلہ صورۃ گو ان سے کیا جائے۔ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی صفت سے ہے اس کو کون ناجائز کہہ سکتا ہے۔ فقط حدیث شریف میں انبیاء کرام سے توسل آیا ہوا ہے: ''بعیسی روحک وموسی نجیک او کما قال'' لمبی حدیث ہے۔

۴...... میں ہمارے بزرگوں نے احتیاط کی ہے کہ صحابہ میں اختلاف رہا ہے۔ ایسا نہ ہو دوسروں کی بے تعظیمی ہو جائے۔ مگر مدار اس کا حیات پر ہے اگر حیات بقدر ادراک عذاب وثواب ثابت ہو تو سماع بھی ثابت ہے اور تمام اہلسنت والجماعت کے نزدیک حیات بقدر ادراک نعم وقمم ثابت ہے۔ حیات کے لئے سماع لازم ہے۔ یہی بات علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے اور اس کو سوال وجواب کر کے نظم بھی کیا ہے۔ جس میں یہ شعر بھی ہے۔ (الحاوی ج ۲ ص ۱۷۴)

سماع موتی کلام الخلق معتقد جاءت به عندنا الآثار فی الکتب

یعنی جمہور امت کا عقیدہ ہے احادیث قریب بحواتر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً احادیث سلام احادیث معرفت غاسل وغیرہ احادیث تلقین میت جو بکثرت وارد ہیں اور مجموعہ متواتر بن جاتا ہے اس لئے حضرت شاہ صاحب سرخیل علماء ہند کا ہی فتویٰ راجح وقوی صحیح ترین معلوم ہوتا ہے اور علماء دیوبند وہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو ان اسلاف کا تھا اور چودہ سو سالہ اسلاف کا ہے۔ مہر دستخط: جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ فیروزپور روڈ لاہور ۱۳/ رمضان ۱۳۹۶ھ (منقول از تسکین الصدور ص ۴۲۹ تا ص ۴۳۲)

<u>فتویٰ نمبر ۲۱</u>: از حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب صدر جامعہ دار العلوم کراچی

صدر جامعہ دار العلوم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم العالی کے تعلیمی سال (۱۴۱۷، ۱۴۱۸ھ) کے آغاز پر افتتاحی خطاب کے چند اقتباس۔

اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کے عقائد ایک ہیں

تو خوب سمجھ لیجئے کہ علماء دیوبند کے عقائد بعینہٖ وہی ہیں جو اہلسنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ جو عقیدہ اہلسنت والجماعت سے باہر ہے ہم اس سے بری ہیں اور پوری طرح برأت کا اظہار کرتے ہیں، بالکل بری ہیں اور عقائد علماء دیوبند اور عقائد اہلسنت والجماعت میں کوئی فرق نہیں، کوئی فرق نہیں۔ ہم اہلسنت والجماعت ہیں اور دیوبند کی طرف ہماری نسبت اس لئے ہو جاتی ہے کہ اس زمانہ میں عقائد اہلسنت کی جتنی بہترین تشریح اور جتنے بہترین انداز میں اس کو عملی طور پر پھیلایا اور اس کی ترویج واشاعت کی اور اس کے مطابق تربیت کی۔ وہ اس وقت ہماری نظر میں دیوبند کا کام ہے۔ اس واسطے ہم اپنے آپ کو دیوبند کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ ورنہ در حقیقت دیوبند کوئی فرقہ نہیں، کوئی الگ مسلک نہیں، مسلک وہی ہے جو اہلسنت والجماعت کا ہے۔

دیوبندیت اعتدال کا نام ہے

فرمایا دیوبندیت نام ہے اعتدال کا، اعتدال اور توازن کا نام دیوبندیت ہے، رفض وخروج میں اعتدال، ظاہر وباطن میں اعتدال، تقلید واجتہاد میں اعتدال، اعتدال کا نام دیوبندیت ہے اور اعتدال کا دوسرا نام ہی اتباع سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ یہ ہے لب لباب دیوبندیت کا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں دیوبندیت۔ یہ الفاظ مجھے یاد ہیں کہ فرمایا کہ دیوبندیت کوئی بت نہیں ہے۔ جس کی ہم پرستش کرتے ہوں یہ دیوبند اگر سنت کے خلاف کام کرنے لگے لگا تو ہمارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ یہ دیوبند اسی وقت عظیم ہے جب تک یہ سنت کا متبع ہے تو ہمارا کوئی الگ مسلک نہیں۔ اتباع سنت اور اہلسنت والجماعت کا ظاہر وباطن میں اتباع ہی ہماری دیوبندیت ہے یہ ہمارا مسلک ہے اسی پر ہم جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

دارالعلوم کراچی کا مسلک

بھئی یہ مسلک دارالعلوم کا ہے، دارالعلوم کراچی کا مسلک بھی یہی ہے، ہمارا مسلک وہی ہے جو اہلسنت والجماعت کا ہے جو فقہ اکبر میں امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کردیا جو شرح فقہ اکبر میں ان کے بعد کے بزرگوں نے بیان کردیا جو عقیدہ طحاویہ میں بیان ہوگیا۔ جو شرح عقائد میں بیان ہوگیا اور جو المہند علی المفند میں بیان ہوگیا۔ یہی ہمارا مسلک ہے یہی ہمارا مذہب ہے ہم اسی پر مرنا اور جینا چاہتے ہیں۔ ہم اس مسلک کی غیرت وحمیت رکھتے ہیں۔ اس کے خلاف جو کوئی بات ہے وہ ہمارا مسلک نہیں ہے۔ ہم اس سے بری ہیں۔ دارالعلوم اس سے بری ہے۔ اگر کوئی طالب علم مماتی عقیدہ رکھتا ہے یا کوئی اور اس طرح کا عقیدہ جو ہماری ان کتابوں سے علیحدہ مختلف عقیدہ ہے اور ان کتابوں میں المہند علی المفند بھی داخل ہے اور یہ علماء دیوبند کی مستند دستاویز ہے تمام علماء دیوبند نے متفقہ طور پر وہ دستاویز تیار کی ہے تو اگر کوئی اس سے مختلف عقیدہ رکھتا ہے۔ اس سے میری دو درخواستیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے آپ کو دیوبندی کہنا چھوڑ دے۔ اگر وہ دیوبندی کہہ رہا ہے تو وہ دھوکہ دے رہا ہے۔ جھوٹ بول رہا ہے علماء دیوبند پر افتراء کررہا ہے تو بھئی تم اپنے عقیدہ میں ضرور آزادی اختیار کرلو ہم منع نہیں کرتے۔ لیکن ہماری درخواست ہے کہ تم دھوکہ بازی نہ کرو۔

جس طرح سے قادیانی کو ہم کہتے ہیں کہ تم اگر قادیانی مذہب اختیار کرتے ہو تو تم جانو ''لکم دینکم ولی دین'' لیکن تم اگر اپنے آپ کو مسلمان کہو گے تو ہم تمہارے سے لڑیں گے، مسلمان کہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ خیرخواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تمہارا فائدہ اس میں ہے کہ ایسے طلبہ (مماتی) اس دارالعلوم میں داخل نہ ہوں ان کا دینی فائدہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں ہے۔ یہاں رہ کر ان کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ جب تم اپنے استاد کو غلط سمجھتے ہو۔ غلط عقیدہ والا سمجھتے ہو، اس کی فہم پر تمہیں اعتماد نہیں اس کے علم پر تمہیں اعتماد نہیں اس سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا اور وہ تمہیں کیسے فائدہ دے گا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان باہمی اعتقاد افادہ اور استفادہ کے لئے شرط ہے۔

اساتذہ اور اپنے بڑوں سے اگر نظریاتی اختلاف ہو

اگر استاذ وشاگرد کے درمیان باہمی اعتماد نہ ہو تو استاد کتنی ہی کوشش کریں افادہ کی اور طالب علم کی کتنی ہی کوشش ہوجائے، استفادہ کی تو نہ افادہ ہوتا ہے نہ استفادہ ہوتا ہے تو پھر کیوں اپنی عمر عزیز کو برباد کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں نوجوانی توانائی دی ہے تم کسی ایسے ادارہ میں جاؤ جو تمہارے نظریات رکھنے والا ادارہ ہو، وہاں تو کچھ نہ کچھ افادہ پہنچے گا تو اس سلسلہ میں میری تین باتیں ہیں۔ پھر خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مخالف مسلک عقیدہ نظریہ رکھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو دیوبندی نہ کہے ہم اسے دھوکہ بازی سمجھتے ہیں۔ منقول از (ماہنامہ البلاغ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مئی ۱۹۹۷ء ج ۳۲ ش ا ص ۲۵ تا ۳۲)

فتویٰ نمبر ۲۲: از حضرت اقدس حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی

سوال: مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ میں مولانا اللہ یار خان کی کتاب حیات الانبیاء پڑھی اور اس کے بعد یہ مسئلہ صراحتاً شیخ القرآن نے اپنی تفسیر جواہر القرآن میں بیان فرمایا۔ لیکن مولانا اللہ یار خان حیات کی کیفیت روح کا جسم اطہر یعنی بدن عنصری کے ساتھ منوانے کے لئے دلائل دیتے رہے ہیں۔ حالانکہ شیخ القرآن نے جسم مثالی کو تسلیم کروایا ہے۔ براہ کرم اس کی وضاحت فرمادیں اور بتائیں کہ یہ مسئلہ ایمانیات سے ہے؟

جواب: میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے روضہ اطہر میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں۔ یہ حیات برزخی ہے۔ مگر حیات دنیوی سے بھی قوی تر ہے جو حضرات اس مسئلہ کے منکر ہیں میں ان کو اہل حق میں سے نہیں سمجھتا وہ نہ علماء دیوبند کے مسلک پر ہیں۔ منقول از (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ا ص ۹۰،۹۱)

فتویٰ نمبر ۲۳: از علماء متکلمین اسلام وفقہاء دین وعلماء امت

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے عہد حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت فتنہ پرداز شخص گزرا ہے اس کا نام بیکندری تھا وہ لطائف الحیل سے سلجوقی دربار میں منصب وزارت پر آ گیا۔ اس کے عقائد اعتزال ورفض کا امتزاج تھے۔ ۴۴۵ھ کے قریب اس نے وفات النبی ﷺ اور جسد جمادی کی تمہید سے انتفائے نبوت کا عقیدہ اختیار کیا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ حضور ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس وبے شعور ہے۔ اس نے اسے انعزال نبوت کے لئے (کہ حضور ﷺ وفات شریف کے بعد اب حقیقتاً رسول نہیں رہے) ایک سیڑھی بنایا اور نہ صرف یہی بلکہ اس نظریہ کو امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ اقتدار کے سہارے اس نے ان خیالات کو بہت دور تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کے عقیدہ میں روضہ منورہ کی حیات جسمانی کا انکار اس لئے بھی تھا کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جوار رسول ہونے میں اور روضہ اطہر میں ہم پہلو ہونے کی شان امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے اس سے اس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچتی ہو۔

پھر وفات کے بعد روح وبدن کی کلی مفارقت سے عذاب کا انکار بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ سو اس سے اس کے اعتزال کو قوت ملتی تھی یہ عقیدہ کہ اب حضور رسول نہیں رہے۔ دراصل جزو کلمہ محمد رسول اللہ ہی میں تشکیک کی راہ پیدا کرنا تھا۔ حالانکہ یہ کلمہ بالاجماع صحیح ہے اور اس میں آپ کے لئے صحیح اقرار رسالت ہے، انکار حیات قبریہ، انعزال نبوت حقیقیہ، کے دونوں باطل عقیدے دوش بدوش چلنے لگے۔ کتاب وسنت کی بہت سی تصریحات بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں نذر تاویلات ہوتی رہیں اور اہل حق بھی اپنی طرف سے اس کے ابطال کی طرف پورے پورے متوجہ رہے۔ اکابر اہلسنت نے ان نظریات پر نکیر کی۔ امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ پر جو افتراءات باندھے گئے تھے کہ ان کے عقائد بھی یہی ہیں ان تمام الزامات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ اس وقت امام حدیث احمد بن الحسین بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) زندہ تھے اور امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے کرامیہ کا مقابلہ کیا۔ یہ

سارے مفاسد جس بنیاد پر قائم کئے جا رہے تھے۔ وہ یہی تھے کہ حضور ﷺ اب اپنی قبر میں محض بے جان ہیں۔ معاذ اللہ ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقت حال اور قرآن و حدیث کا استدلال کیا ہے۔

امام بیہقی نے رسالہ حیات الانبیاء لکھا اور علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''شکایۃ اهل السنۃ بما نالهم المنحۃ'' میں ان افتراءات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ ان واقعات کی تفصیل کے لئے حافظ ابن عساکر کی کتاب تبیین کذب المفتری اور طبقات شافعیہ، زیر ترجمہ امام ابوالحسن الاشعری ملاحظہ کیجئے۔ علامہ تقی الدین سبکی کہتے ہیں:

''فان قیل فمن این وقعت هذه المسئله ان لم یکن لها اصل قیل ان بعض الکرامیه ملاء اللہ قبره نارا وظنی ان اللہ قد فعل الزم بعض اصحابنا الخ'' (طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۸۲)

ترجمہ: اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلے کی کوئی اصل نہیں تو پھر یہ کہاں سے آ گیا تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھرے اور میرا یہی گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا۔ سب سے پہلے یہ مسئلہ گھڑا تھا۔ امام حدیث کے اس جلال و ناراضگی کو دیکھئے اور اس پر غور کیجئے۔ اس کے برعکس اپنا عقیدہ آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں: ''لان عندنا رسول اللہ ﷺ حیّ یحس ویعلم وتعرض علیه اعمال الامة ویبلغ الصلوة والسلام علی ما بینا'' (طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۸۲)

ترجمہ: کیونکہ ہمارے نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔

پھر آپ نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں لکھا ہے ''ان عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورهم فاین الموت الی ان قال وصنف البیهقی جزء و اسمعناه فی حیاة الانبیاء فی قبورهم واشتد نکیر الاشاعة علی من نسب هذا القول الی الشیخ'' (طبقات ج ۶ ص ۲۶۶)

ترجمہ: ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو وہاں موت کہاں اور امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے ایک مستقل جزو اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے قبروں میں زندہ ہونے کے بارے میں ہے اور جن لوگوں نے حضرت الشیخ ابوالحسن الاشعری کی طرف انبیاء کے قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے۔ اشاعرہ نے بڑی سختی سے اس پر نکیر کی ہے۔

علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''فاما ما حکی عنه (ای الاشعری) وعن اصحابه انهم یقولون ان محمدا ﷺ لیس نبی فی قبره ولا رسول بعد موته فبهتان عظیم وکذب محج لم ینطق احد منهم ولا یسمع فی مجلس مناظرة ذالک عنهم ولا وجد فی کتاب لهم وکیف یصح ذالک وعندهم محمد ﷺ حیّ فی قبره'' (شکایۃ اہل السنۃ رسائل قشیریہ ص ۱۰ طبقات ج ۲ ص ۲۷۹)

ترجمہ: ہاں! جو امام ابوالحسن اشعری اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک حضور ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد اپنی قبر شریف میں نبی و رسول نہیں رہے۔ یہ محض جھوٹ اور بہتان عظیم ہے اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سنی گئی نہ ان کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ ان کے ہاں حضور اکرم ﷺ اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واما ما نسب الی الامام الاشعری امام اهل السنة والجماعة من انکار ثبوتها بعدالموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به فی کتبه وکتب اصحابه خلاف ما نسب الیه بعض اعدائه لان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورهم وقد اقام النکیر علی افتراء ذالک ابو القاسم القشیری'' (شامی ج ۳ ص ۳۶۶ باب المغنم)

ترجمہ: امام اہلسنت والجماعت امام ابوالحسن الاشعری کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وفات شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ یہ محض افتراء اور بہتان ہے ان کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ تحقیق یہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابوالحسن الاشعری پر اس افتراء باندھنے کے خلاف علامہ ابوالقاسم القشیری نے زبردست احتجاج کیا ہے۔

''ان نسبة الخلاف فی هذه المسئلة الی الشیخ ابی الحسن الاشعری زور وبهتان وانما وقع بسبب ان بعض الکرامیة ان الاشعری واصحابه قائلون بان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی القبر حیٌ یحس ویعلم الراضة البهیة فیما بین الاشاعرة الماتریدیه(۱۵)'' ترجمہ: ابوالحسن الاشعری کی طرف اس عقیدہ کی مخالفت کی نسبت محض افتراء و بہتان ہے اور اس کا سبب کرامیہ تھے۔ امام اشعری اور ان کے سب اصحاب اسی بات کے قائل ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم واحساس بھی رکھتے ہیں۔ ان ائمہ واکابر کے انداز بیان کو دیکھئے اور غور فرمایئے کہ یہ مسئلہ اگر کوئی معمولی مسئلہ ہوتا تو یہ اکابر داعیان اتنی سی بات پر اس قدر جلال میں نہ آجاتے حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار دراصل بہت سے فتن ومفاسد کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور ان ائمہ فن کی ان پر پوری نگاہ تھی۔ اندریں صورت یہ مسئلہ ایک اصولی مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔

قصیدہ بدء الامالی میں ہے:

وان الانبیاء لفی امان عن العصیان قصداً وانعزال

ترجمہ: اور بے شک انبیاء اس سے محفوظ ہیں کہ وہ قصداً خدا کی نافرمانی کریں اور اس سے بھی کہ وہ کسی طرح نبی نہ رہیں ان کی نبوت جاتی رہے۔

امام ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''المعنی ان الانبیاء لفی امان عن العزل عن مرتبة النبوة والرسالة وحکی شارح الطوالع فیه اجماع الامة (ص ۲۵ مطبع مجتبائی)'' ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے کہ نبیوں کو مرتبہ نبوت ورسالت سے ہٹائے جانے سے مامون (امن میں) کیا گیا ہے۔ شرح طوالع میں اس پر پوری امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔ الغرض یہ امور ہیں، جنھوں نے ایک ایسے مسئلے کو جو اپنی ابتدائی سطح میں گو درجہ ضروریات میں سے نہ تھا۔ بقائے نبوت پیغمبر خاتم، شان شیخین بجوار رسول الثقلین، اعتماد علی السلف، تحفظ مسلک اہل السنۃ، ازالہ اوہام کرامیت حقیقت عذاب قبر احترام اجماع امت اور آداب زیارت، جیسے اہم مسائل کی، پامالی کی وجہ سے وہ اہمیت دے دی ہے کہ حقیقت کو جاننا اور صورت مسئلہ کو پہچاننا ضروری ہو گیا ہے۔ (منقول از مقام حیات ص ۵۴ تا ۵۹)

تنبیہ: مذکورہ بالا تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات یعنی روح اور جسد عنصری کا

مجموعہ وصف نبوت ورسالت سے موصوف ہے اور بعد از وفات بھی حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات حقیقت رسول اللہ اور نبی اللہ ﷺ ہے۔ پس جب بعد از وفات صفت نبوت ورسالت روح اور جسد عنصری دونوں کے لئے ثابت ہے تو الحیات بعد الوفات بھی دونوں کے لئے ثابت ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ و نبی اللہ ﷺ کی الحیات بعد الوفات تو مسلمات سے ہے۔ لہٰذا جو شخص روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو قبل الوفات و بعد الوفات نبی اللہ و رسول اللہ سمجھتا اور جانتا ہے۔ اس کو جسد عنصری کی حیات ماننا لازم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی رسول اللہ نبی اللہ ﷺ ہے اور نبی اللہ و رسول اللہ ﷺ کی حیات متفق علیہ ہے۔

اسی لئے تو منکرین حیات وسماع کے شیخ الحدیث محمد حسین نیلوی نے لکھ دیا کہ حضور اکرم ﷺ کا جسد عنصری وصف نبوت ورسالت سے موصوف نہیں ہے یہ دونوں صرف روح کی صفات ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: پھر حنفیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ بات ثابت و محقق ہو چکی ہے کہ رسالت و نبوت دراصل صفت ارواح ہے (نہ جسد عنصری مع الروح کی) (ندائے حق جدید ص ۵۶۱ الموسوم ازالۃ الخفاء عن حیات الانبیاء) بریکٹ میں دیئے ہوئے الفاظ بھی خود علامہ صاحب کے ہیں۔ جن میں انہوں نے جسد عنصری کے موصوف بصفت نبوت ورسالت ہونے سے صاف صاف انکار کردیا ہے۔ البتہ اپنے اس انکار کی نسبت حنفیہ کی طرف کردی ہے۔ بندہ عاجز کی دانست کے مطابق اس انکار کی نسبت حضرات حنفیہ کی طرف درست نہیں ہے۔ کیونکہ کسی حنفی عالم نے جسد عنصری سے وصف نبوت ورسالت سے انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ تمام حنفیہ روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو صفت رسالت و نبوت سے موصوف سمجھتے ہیں۔ بعض کرامیہ نے امام ابوالحسن اشعری کی طرف اس غلط عقیدہ کی نسبت کی ہے تو علماء اہلسنت نے اس کی خوب تردید کی ہے۔

جیسا کہ فتویٰ نمبر ۲۲ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ پس یہ نظریہ نیلوی صاحب اور اس کی جماعت کا ہے کہ جسد عنصری نبی اللہ و رسول اللہ ﷺ نہیں ہے نہ کہ حنفیہ کا۔ نیلوی صاحب نے اس نظریہ کو محقق اور ثابت کہہ دیا ہے، حالانکہ یہ نظریہ نہ محقق ہے اور نہ ثابت۔ کیونکہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک حضور اکرم ﷺ کے جسد عنصری کو رسول اللہ و نبی اللہ کہنا تواتر سے چلا آرہا ہے۔ جیسے غسل رسول اللہ، کفن رسول اللہ، صلوا علی رسول اللہ ﷺ وغیرہ کے الفاظ بکثرت صحابہ وغیرہم سے منقول و معروف ہیں۔ یہ نظریہ اس لئے بھی درست نہیں ہے کہ اس کے تسلیم کرنے سے کسی صحابی کو صحابی کہنا مشکل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی ہو اور آخری دم تک ایمان پر قائم رہا ہو۔ پس تمام صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کی زیارت بایں صورت کی کہ آپ کے جسد عنصری کو دیکھا۔ جب کہ روح مبارک اس میں موجود تھی۔ پس زیارت کی اس صورت سے وہ لوگ صحابی رسول ﷺ بنے۔

اگر حضور اکرم ﷺ کے جسد عنصری کو اللہ کا رسول اور نبی نہ مانا جائے جس کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زیارت کی تو ان کو صحابی کہنا کیسے درست ہوگا۔ کیونکہ جس کو انہوں نے دیکھا ہے وہ رسول اللہ نہیں اور جو رسول اللہ ہے اس کو انہوں نے دیکھا نہیں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ کوئی صحابی صحابی نہ رہے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو کسی صحابی نے دیکھا نہیں اور نہ ہی روح نظر آتی ہے۔ اسی طرح زمین کے جس ٹکڑے میں حضور اکرم ﷺ مدفون اور آرام فرما ہیں اس کو قبر رسول اللہ ﷺ کہنا درست نہ ہو۔ کیونکہ قبر میں آپ کا جسد عنصری مدفون ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ نہیں ہے اور جو رسول اللہ ہے وہ قبر میں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو قبر رسول اللہ کہنا درست نہ ہوگا۔ (نعوذ باللہ)

حالانکہ خود مؤلف ندائے حق نے اپنی کتاب میں قبر رسول اور قبر نبی کا لفظ بیسیوں جگہ پر استعمال کیا ہے بلکہ حضور اکرم ﷺ نے قبر کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ مثلاً ''اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد'' وغیرہ لہٰذا مؤلف ندائے حق کے نزدیک وہ سب حدیثیں صحیح نہیں ہونی چاہئیں جن میں قبری کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ قبر میں تو جسد عنصری ہوتا ہے اور وہ رسول اللہ نہیں اور جو دراصل رسول اللہ ہے وہ قبر میں ہے ہی نہیں۔ لہٰذا قبری کہنا کیسے درست ہوگا۔ فافھم! یہ عقیدہ اس لئے بھی درست نہیں ہے کہ اس سے حضور اکرم ﷺ کی وفات حسرت آیات کا انکار لازم آتا ہے۔ کیونکہ مؤلف ندائے حق کے نزدیک جسد عنصری کو موت آتی ہے روح کو موت نہیں۔ دیکھئے (ندائے حق جدید ص۵۶۱) مؤلف موصوف کے دونوں نظریوں کو آپس میں ملانے سے یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر موت نہیں آئی اور نہ ہی موت نے آنا ہے۔ کیونکہ جس پر موت آئی یعنی جسد عنصری پر وہ نبی ورسول نہیں اور جو دراصل رسول اور نبی ہے۔ یعنی روح وہ مرتی نہیں۔ پس اس نظریہ کو صحیح تسلیم کرنے سے حضور اکرم ﷺ کی موت کا انکار لازم آتا ہے۔

اب یہ لوگ اپنے نظریات کے آئینہ میں حضور اکرم ﷺ کی حیات کے بھی منکر ہیں اور موت کے بھی منکر، نہ حیات کے قائل نہ موت کے قائل۔ خدارا معلوم یہ کس چیز کے قائل ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے سلف صالحین اور جمہور علماء امت کی راہ جو کہ صراط مستقیم ہے کو چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے یہ بیچارے تضاد بیانی کا شکار ہیں۔

ایک مشورہ

اہل اسلام سے درخواست ہے کہ وہ دین اسلام کے مفتیان کرام سے رجوع کریں اور فتویٰ پوچھیں کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نبی ورسول نہیں ہیں۔ بلکہ صرف روح اللہ تعالیٰ کا نبی ورسول ہے جسد عنصری نہ نبی اللہ ہے نہ رسول اللہ ﷺ تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے۔ مجھے امید ہے کہ تسلی بخش جواب موصول ہوگا۔

قارئین کرام! آپ نے تیئیس فتاویٰ پڑھ لئے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر اور سماع عند القبر کا قائل نہیں ہے وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدہ والا ہے اور گمراہ ہے اس کو نماز میں امام بنانا درست نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات وسماع کے انکار کے ساتھ ساتھ عقیدہ عذاب قبر کا بھی انکار کرتا ہے، قبر کے ثواب وعقاب کا قائل نہیں ہے بلکہ قبر کی جزا وسزا کا منکر ہے تو ایسے شخص کو فقہاء کرام نے کافر کہا ہے۔ فقہاء کرام کی عبارات بمع حوالجات پہلے گزر چکی ہیں۔ وہاں دیکھ لیں۔ دار العلوم دیوبند کا ایک فتویٰ جو کہ (خیر الفتاویٰ ج۱ ص ۱۲۴، ۱۲۵) میں شائع ہو چکا ہے۔ میں بھی منکرین عذاب قبر کو کافر کہا گیا ہے اور دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ انبیاء کرام کی حیات وسماع کا عقیدہ ضروریات اہلسنت والجماعت میں سے ہے۔ اس لئے اوّل الذکر کا منکر گمراہ اور ثانی الذکر کا منکر کافر ہے۔ اگر کوئی شخص مذکورۃ الصدر دونوں نظریوں کے انکار کے ساتھ ساتھ تکفیر المسلمین توہین علماء حق اور توہین گنبد خضراء وغیرہ کا مرتکب ہے تو وہ کافر ہونے کے ساتھ ساتھ واجب القتل بھی ہے۔

فتویٰ نمبر ۲۴: از دار الافتاء والارشاد کراچی

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین، مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کراچی کے کیپٹن مسعود

عثمانی کا پورا پورا پیروکار ہے۔ آیات قرآنیہ کی تحریف کرتا ہے، احادیث صحیحہ کی تکذیب کرتا ہے، محدثین خصوصاً امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کافر کہتا ہے کسی مسلمان کو سلام کرنا جائز نہیں سمجھتا نہ ہی کسی مسلمان کے جنازہ میں شریک ہوتا ہے۔ پوری امت مسلمہ کو کافر و مشرک سمجھتا ہے عذاب قبر کا انکار کرتا ہے۔ انبیاء اولیاء کے توسل کو شرک کہتا ہے حضور اکرم ﷺ کے سماع سلام عند القبر الشریف کو شرک جانتا ہے۔ آپ کے جسد اطہر کو قبر شریف میں محفوظ نہیں سمجھتا بلکہ جسد اطہر کو وصف نبوت سے موصوف نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں نہیں ہیں، آپ ﷺ کے روضہ انور کی حاضری ناجائز کہتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کے روضہ انور کو شرک کی بنیاد کہتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس پر بلڈوزر پھرا دیتا۔ حیات الانبیاء کا انکار کرتا ہے، آیات قرآنیہ اور ادعیہ ماثورہ تعویذات کو شرک کہتا ہے۔ علماء معلمین مدرسین کی تنخواہ کو حرام کہتا ہے۔ عہد اوّل سے لے کر آج تک کوئی ایسا عالم دین نہیں ہے جس کو یہ کافر نہ کہتا ہو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے عقائد رکھنے والا شخص مسلمان ہے یا کافر اس کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں۔ اس شخص کی ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ ایسے شخص کے ساتھ رشتہ ناطہ کرنا اٹھنا بیٹھنا جائز یا نہ؟ اگر مرجائے اس پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہ؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب باصواب سے نوازیں۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء! السائل: ابواحمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ

الجواب باسم ملہم الصواب: ایسا شخص ملحد و زندیق و واجب القتل ہے۔ حکومت پر فرض ہے کہ ایسے زندیق کو فی الفور تہ تیغ کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو۔ مسلمانوں کو اس سے کسی قسم کا تعلق سلام کلام، میل جول رکھنا ناجائز و حرام ہے۔ اس زندیق کا ذبیحہ حرام اور اس کی اقتداء میں پڑھی گئی نماز غارت و برباد، مرجائے تو نماز جنازہ نہیں، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں، کہیں گڑھا کھود کر اس میں دبا دیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

آفتاب احمد دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی، الجواب صحیح: عبدالرحیم نائب مفتی دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی۔ مہر: دارالافتاء والارشاد کراچی ۳۰رذی الحجہ ۱۴۱۴ھ نمبر ۵۸۰۵ ۷

فتویٰ نمبر ۲۵: از دارالافتاء جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

سوال مذکورہ بالا کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب واللہ الموفق للصواب: سوال میں مذکورہ عقائد کا حامل شخص قرآن وحدیث کی رو سے کافر و مرتد ہے۔ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا قطعاً درست نہیں اور نہ ہی ایسے شخص کا ذبیحہ حلال ہے۔

نیز: اس شخص کے ساتھ رشتہ ناطہ کرنا، اٹھنا بیٹھنا اور دیگر تعلقات شرعاً ناجائز ہیں اور ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا بھی جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب! کتبہٗ: عنایت الرحمن رحمانی عفا اللہ عنہ، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی۔ الجواب صحیح: عبدالحمید ربانی: مہر دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

قارئین کرام! جن لوگوں نے انبیاء کرام کی حیات وسماع کا انکار کیا، عذاب قبر کا انکار کیا، عامۃ المسلمین اور علماء حق کی تکفیر کی، حضور اکرم ﷺ کے روضہ اقدس اور گنبد خضراء کی توہین کی۔ آپ کے جسد عنصری کے نبی اللہ ورسول اللہ ہونے کا انکار کیا۔ ان لوگوں میں سے بعض نے کفر کی طرف ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ حتی کہ حیات عیسیٰ

بن مریم علیہ السلام اور اس کے نزول الی الارض کا بھی انکار کر دیا۔ حالانکہ یہ گندا عقیدہ قادیانیوں کا ہے اہل اسلام میں سے کوئی عالم حیات ونزول ابن مریم علیہ السلام کا کوئی منکر نہیں گزرا۔ لہٰذا یہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان مدعیان توحید کو قادیانیوں کا یہ نظریہ کیوں پسند آیا ہے وجہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بزعم خویش جن دلائل سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کی ہے اور ان کی حیات کا انکار کیا ہے۔ بدقسمتی سے انہیں دلائل کی بنیاد پر یہ لوگ حیات الانبیاء کا انکار کرتے ہیں۔

بہرحال دلائل ایک ہیں یا پھر ایک جیسے ہیں جن کو سامنے رکھ کر قادیانی حیات عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں اور مدعیان توحید حیات الانبیاء کا انکار کرتے ہیں۔ مسلک حق مسلک اہلسنت والجماعت کو کمزور بنانے کے لئے ان لوگوں کے شکوک وشبہات بھی ملتے جلتے ہیں۔ حیات قبر، حیات الانبیاء اور حیات عیسیٰ علیہ السلام پر دلالت کرنے والی آیات واحادیث کی تاویلیں بھی ایک جیسی کرتے ہیں۔ مزاج کی ہم آہنگی اور طرز استدلال کی یکسانیت نے مدعیان توحید کے لئے انکار حیات عیسیٰ علیہ السلام کی راہ ہموار کر دی۔ جب منکرین حیات قبر وحیات الانبیاء اور منکرین حیات عیسیٰ علیہ السلام کا طریقہ واردات ایک جیسا ہے تو منکرین حیات قبر اور منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام کے لئے انکار حیات عیسیٰ علیہ السلام ناگریز ہے اور یہی حقیقت ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے انکار کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا اقرار مشکل سا بن جاتا ہے۔ کیونکہ جن دلائل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت کی جاتی ہے۔ انہیں دلائل سے یا اس قسم کے دلائل سے انبیاء کی حیات ثابت کی جاتی ہے۔ پس حیات عیسیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات قبر کے انکار کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے انکار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مدعیان توحید کسی قادیانی کے ساتھ عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر نہ کچھ کہہ سکتے ہیں اور نہ کچھ لکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ منکرین حیات عیسیٰ علیہ السلام کی تردید کرنے سے خود بخود منکرین حیات الانبیاء اور منکرین حیات قبر کی تردید ہو جاتی ہے حتی کہ منکرین کے شیخ الحدیث علامہ محمد حسین صاحب نیلوی نے جب قادیانیوں کے خلاف حیات عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر ایک رسالہ بنام ''القول الاتم فی حیات ابن مریم'' لکھا اور اس میں جمہور علماء امت کا سہارا لیا اور اجماع امت سے استدلال کیا اور سلف صالحین کی بات پر اعتماد کیا۔

جب کہ ندائے حق وغیرہ کتب میں عقیدہ حیات الانبیاء کی تردید میں اجماع امت اور سلف صالحین کی پروا نہ کی اور جمہور کی تو ایسی مٹی پلید کی کہ ان کو جمہور زنبور کہہ دیا اور قادیانیوں کی جن تاویلات کو مردود ٹھہرایا حیات الانبیاء کی تردید میں وہی تاویلات استعمال کیں جن آیات سے قادیانیوں نے استدلال کیا اور نیلوی صاحب نے ان کے استدلال کو باطل ٹھہرایا۔ حیات الانبیاء کی تردید میں انہی آیات سے خود استدلال کیا۔ بندہ عاجز کی تصدیق کے لئے آپ نیلوی صاحب کا رسالہ ''القول الاتم'' کا مطالعہ کریں اور رسالہ مذکورہ سے چند حوالہ جات اس رسالہ میں بھی گزر چکے ہیں۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ جو شخص ابتداءً حیات الانبیاء اور حیات قبر کا انکار کرتا ہے تو اس کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے انکار کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ اس لئے بندہ عاجز نے مفتیان دین کی خدمت میں استفتاء بھیج کر منکر حیات عیسیٰ علیہ السلام کا حکم دریافت کیا اور فتوے کا نمبر سابقہ فتاویٰ سے ملا کر شمار کیا گیا ہے۔

فتویٰ نمبر ۲۶:

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے منکر کا شرعی حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکار کرتا ہے اور ان کے رفع جسمانی الی السماء اور نزول الی الارض کا بھی انکار کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ رکھتا ہے۔ آیا یہ شخص مسلمان ہے یا کافر؟ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہ۔ اس کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام اس کی نماز جنازہ جائز ہے یا نہ؟

السائل: ابواحمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ

جواب: از دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

حامداً ومصلیاً: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور قیامت کے قریب ان کے نزول کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے۔ جس کا منکر کافر ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اور اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ اب اس بات کے دلائل ملاحظہ فرمایئے: ’’ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین اذ قال اللہ یعیسی انی متوفیک ورافعک الیَّ ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ ثم الیَّ مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون‘‘ (آل عمران: ۵۴، ۵۵)

ترجمہ وتفسیر: اور ان لوگوں نے (جو کہ بنی اسرائیل میں سے آپ کی نبوت کے منکر تھے آپ کو ہلاک کرنے اور ایذاء پہنچانے کے لئے) خفیہ تدبیر کی (چنانچہ مکر وحیلہ سے آپ کو گرفتار کر کے سولی دینے پر آمادہ ہوئے) اور اللہ نے (آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے) خفیہ تدبیر فرمائی۔ جس کی حقیقت کا ان لوگوں کو پتہ نہ لگا۔ کیونکہ انہیں مخالفین میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل پر بنا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا۔ جس سے وہ محفوظ رہے اور ہم شکل سولی دیا گیا۔ ان لوگوں کو اس تدبیر کا علم تک بھی نہ ہو سکا اور دفع پر تو کیا قدرت ہوتی اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھے ہیں۔ (کیونکہ اوروں کی تدبیریں کبھی ضعیف ہوتی ہیں اور کبھی قبیح اور بے موقع بھی ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ کی تدبیریں قوی بھی ہوتی ہیں اور ہمیشہ خیر محض اور موافق حکمت کے بھی ہوتی ہیں اور وہ تدبیر اللہ پاک نے اس وقت فرمائی) جب کہ اللہ تعالیٰ نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب کہ وہ گرفتاری کے وقت متردد تھے اور پریشان ہوئے) فرمایا: اے عیسیٰ (کچھ غم نہ کرو) بے شک میں تم کو (اپنے وقت موعود پر طبعی موت سے) وفات دینے والا ہوں۔

(پس جب تمہارے لئے طبعی موت مقدر ہے تو ظاہر ہے کہ ان دشمنوں کے ہاتھوں دار پر جان دینے سے محفوظ رہو گے) اور (فی الحال) میں تم کو (عالم بالا کی) طرف اٹھائے لیتا ہوں اور تم کو ان لوگوں (کی تہمت) سے پاک کرنے والا ہوں جو (تمہارے) منکر ہیں اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں۔ ان کو غالب رکھنے والا ہوں۔ ان لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں۔ روز قیامت تک (گو اس وقت یہ منکرین غلبہ اور قدرت رکھتے ہیں) پھر (جب قیامت آجائے گی اس وقت) میری طرف ہوگی سب کی واپسی جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے۔ (مجملہ ان امور کے عیسیٰ علیہ السلام کا مقدمہ ہے)

اس آیت کی تفسیر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں اور قیامت کے نزدیک ان کا زمین کی طرف نزول ہوگا۔ اس آیت میں بعض لوگوں کو ''متوفیک'' کے لفظ سے شبہ ہو جاتا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ ''متوفیک'' کا لفظ متوفی کا مصدر متوفی اور مادہ وفی ہے۔ اس کا اصل معنی لغت عرب کے اعتبار سے پورا پورا لینے کے ہیں۔ ''وفاء، ایفاء اور استیفاء'' اسی معنی کے لئے بولے جاتے ہیں۔ متوفی کے بھی اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں۔ تمام لغت عربی کی اس پر شاہد ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے (الجواب صحیح ج ۲ ص ۸۳) میں فرمایا: ''التوفی فی لغة العرب معناها القبض والاستیفاء و ذالک ثلاثة انواع احدها توفی فی النوم والثانی توفی الموت والثالث توفی الروح والبدن جمیعا'' اور کلیات ابوالبقاء میں ہے ''التوفی الاماتة وقبض الروح وعلیه استعمال العامة او لاستیفاء واخذ الحق وعلیه استعمال البلغاء'' اسی وجہ سے آیت مذکورہ میں اکثر حضرات نے ترجمہ متوفیک پورا پورا لینے سے کیا ہے۔ اس ترجمہ کے لحاظ سے مطلب واضح ہے کہ ہم آپ کو یہودیوں کے ہاتھوں میں نہ چھوڑیں گے۔ بلکہ خود آپ کو لے لیں گے۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ اپنی طرف آسمان پر چڑھا لیں گے۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے کئے۔ پہلا وعدہ یہ تھا کہ ان کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل کے ذریعے نہ ہوگی۔ طبعی موت سے وقت موعود پر ہوگی اور وہ وقت موعود قریب قیامت میں آئے گا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے، احادیث صحیحہ متواترہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ دوسرا وعدہ فی الحال عالم بالا کی طرف اٹھانے کا تھا یہ اس وقت پورا کر دیا گیا ''ورافعک الیَّ'' تیسرا وعدہ ان کو دشمنوں کی تہمت سے پاک کرنے کا تھا ''ومطهرک من الذین کفروا'' میں وہ اس طرح پورا ہوا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور یہود کے سب الزامات کو صاف کر دیا۔ چوتھا وعدہ ''وجاعل الذین اتبعوک'' میں ہے کہ آپ کے متبعین کو آپ کے منکرین پر غالب رکھا جائے گا (اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل متبع اہل اسلام ہیں) پانچواں وعدہ قیامت کے روز مذہبی اختلافات کا فیصلہ فرمانے کا تو وہ وعدہ بھی اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا۔ جیسا کہ آیت میں ارشاد ہے۔ ''ثم الیَّ مرجعکم فاحکم بینکم الایة''

دنیا میں صرف یہودیوں کا کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہو کر دفن ہو گئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے اور ان کے خیال کی حقیقت قرآن کریم سورۃ نساء میں واضح کر دی ہے اور آیت ''ومکروا ومکر اللہ'' میں اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہی کی طرف لوٹا دیا کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے مکان کے اندر گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص کی صورت تبدیل کر کے بالکل عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ڈھال دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں: ''وما قتلوه وما صلبوه ولکن شبه لهم'' نہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا، نہ سولی چڑھایا، لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈال دیا (کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوش ہو گئے)

نصاریٰ کا یہ کہنا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب تو ہو گئے۔ مگر پھر زندہ کر کے آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ مذکورہ آیت نے ان کے اس خیال کی بھی تردید کر دی اور بتلایا کہ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوشیاں منا رہے تھے۔ اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اسی طرح شبہ لهم کا مصداق یہود کی طرح نصاریٰ بھی ہو گئے۔

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل، اسلام کا عقیدہ ہے جو اس آیت میں اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لئے آسمان کی طرف اٹھالیا نہ آپ کو قتل کیا جاسکا نہ سولی چڑھایا جاسکا، وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے۔ اس عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے اور اتفاق ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (تلخیص الحبیر ص۳۱۹) پر اجماع نقل کیا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث کی متواتر روایات سے یہ عقیدہ اور اس پر اجماع ثابت ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے درج ذیل کتب کا مطالعہ کریں (۱) حیات عیسیٰ علیہ السلام مصنف مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ) حیات مسیح علیہ السلام مصنف حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) علامات قیامت اور نزول مسیح مصنف حضرت مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام کی دوسری دلیل

''وقولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیماً وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیداً'' (النساء:۱۵۷،۱۵۹)

ترجمہ وتفسیر: اور ان کے کہنے کی وجہ سے ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو جو کہ رسول اللہ ہیں قتل کر دیا۔ حالانکہ ان (یہودیوں) نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ ان کو سولی چڑھایا۔ لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ (اہل کتاب میں سے) عیسیٰ علیہ السلام میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں (مبتلا) ہیں ان کے پاس اس پر کوئی بھی (صحیح) دلیل (موجود) نہیں ہے بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور ان یہودیوں نے ان کو (عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے آسمان کی طرف اٹھالیا (اور ایک شخص کو ان کا ہم شکل بنا دیا اور وہ مقتول ومصلوب ہوا۔ اسی اشتباہ نے یہود میں اختلاف پیدا کر رکھا ہے) اللہ بڑی زبردست (قدرت) اور حکمت والے ہیں اور کوئی اہل کتاب میں سے باقی نہیں رہے گا۔ مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی (نبوت) کی اپنے مرنے سے پہلے (جب عالم برزخ نظر آنے لگے گا) ضرور تصدیق کرے گا۔ (مگر اس وقت کی تصدیق نافع نہیں) اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہی دیں گے۔

آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ ''وما قتلوہ وماصلبوہ'' یعنی ان لوگوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ صورت حال یہ پیش آئی کہ معاملہ ان پر مشتبہ کر دیا گیا۔ چنانچہ اس اشتباہ کی وجہ سے ''ولکن شبہ لھم'' کی تفسیر میں تفسیر مظہری میں ہے کہ ''یہودیوں نے ایک شخص ططلانوس کو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مکان میں نہ ملے اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا تھا اور وہ شخص جب گھر میں سے باہر نکلا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمشکل بنا دیا گیا۔ یہود یہ سمجھے کہ وہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور اس اپنے ہی آدمی کو لے جا کر قتل کر دیا۔'' (تفسیر مظہری)

آگے پھر اللہ پاک فرماتے ہیں ''وما قتلوہ یقیناً'' انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا ''بل رفعہ اللہ الیہ'' اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

اس تفسیر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابھی وفات نہیں ہوئی بلکہ قیامت کے قریب جب وہ آسمان سے نازل ہوں گے اور ان کے نزول سے اللہ تعالیٰ کی جو حکمتیں وابستہ ہیں وہ پوری ہو جائیں گی۔ تب زمین پر ان کی وفات ہوگی اور حضور اقدس ﷺ کے ساتھ حجرہ میں دفن ہوں گے۔

تیسری دلیل

''وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بھا واتبعون'' (الزخرف:۶۱) تفسیر: یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ پس تم قیامت کے آنے میں شک مت کرو اور میرا کہنا مانو۔

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں لکھا ہے کہ انہٗ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک علامت ہیں کہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور ان کا آنا قیامت کی علامات میں سے ہوگا، اس آیت میں ایک دوسری قرأت بھی منقول ہے ''لعلَم'' اس سے یہ معنی اور زیادہ واضح ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ''علَم'' بفتح اللام کے معنی علامت کے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر بھی تائید کرتی ہے۔

''عن ابن عباس فی قولہ تعالٰی وانہ لعلم للساعۃ قال خروج عیسٰی'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں منقول ہے کہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اب چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے۔

۱...... ''عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابو ھریرۃ فاقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ الآیۃ'' (بخاری ومسلم، رواہ مشکوٰۃ ص ۴۷۹ طبع نور محمد اصح المطابع دہلی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک عادل حکمران بن کر ضرور نازل ہوں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور جزیہ کو اٹھا دیں گے اور مال اتنا زیادہ ہوگا کہ اس کو لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اس وقت ایک سجدہ کرنا دنیا وما فیہا سے بہتر ہوگا۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پڑھ لو قرآن کی آیت بھی اگر تم چاہو، جس میں ذکر فرمایا گیا کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ مگر یہ کہ وہ ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا۔ (روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے)

۲...... ''عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ ینزل عیسٰی بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسٰی بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر'' (رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء، مشکوٰۃ ص ۴۸۰ طبع ایضا)

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوں گے اور نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی ۴۵ سال رہیں گے۔ پھر ان کی وفات ہوگی پھر میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوں گے۔ پس قیامت میں، میں اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ایک قبر سے کھڑے ہوں گے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان۔ روایت کیا اس کو ابن الجوزی نے کتاب الوفاء میں۔ ان تمام آیات اور احادیث سے

واضح ہو گیا اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا ہے قیامت کے قریب ان کا نزول ہوگا پھر ان کی طبعی موت واقع ہوگی اور قبر میں حضور پاک ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ اس مضمون کی تفصیل کے لئے جن کتابوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کا مطالعہ کیجئے۔ واللہ اعلم بالصواب!

عبدالحکیم ملتانی دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ ۱۹/۱/۱۴۱۵ھ، الجواب صحیح: اصغر علی ربانی دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ ۱۹ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ، الجواب صحیح: محمد عبدالمنان عفی عنہ دارالافتاء کراچی نمبر ۱۴۔ ۲۲ محرم ۱۴۱۵ھ، الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ ۲۴ محرم ۱۴۱۵ھ، الجواب صحیح: محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ ۲۴/۱/۱۴۱۵ھ دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴، الجواب صحیح: بندہ محمود اشرف غفرلہ ۲۵/۱/۱۴۱۵ھ، الجواب صحیح: بندہ عبدالرؤف سکھروی دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ ۲۲/۱/۱۴۱۵ھ

اس فتویٰ پر دارالافتاء و مفتیان کرام کی پانچ مہریں ثبت ہیں۔

فتویٰ نمبر ۲۷: از دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

الجواب باسم ملہم الصواب: ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج و مرتد ہے اس کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات، سلام و کلام، میل و جول ناجائز و حرام ہے۔ اس کا ذبیحہ حرام ہے۔ یہ مر جائے تو بغیر نماز جنازہ مسلمانوں کے قبرستان سے الگ کسی گڑھے میں دبا دیا جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو حکومت اسلامیہ پر فرض ہے کہ ایسے شخص کے ناپاک وجود سے اللہ تعالیٰ کی زمین کو پاک اور صاف کرے۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم! محمد قاسم دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی ۶/ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ، الجواب صحیح: عبدالرحیم نائب مفتی دارالافتاء والارشاد ۶/ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ، نمبر ۲۵۷۸، مہر: دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

فتویٰ نمبر ۲۸: از دارالافتاء جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی نمبر ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الجواب واللہ الموفق للصواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور زندہ رہنے پھر قرب قیامت میں نازل ہونے کا عقیدہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے ''لھذا فی الواقع'' اگر شخص مذکور کا یہی عقیدہ ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا یا اس کی نماز جنازہ پڑھنا شرعاً ناجائز ہے اور ایسے شخص کا ذبیحہ حرام ہے۔ ''وان انکر بعض ماعلم من الدین ضرورۃ کفر بھا فلا یصح الاقتداء بھا اصلاً'' (الدرالمختار مع ردالمختار باب الامامۃ ج ۱ ص ۲۷۷)

فقط: واللہ اعلم بالصواب: کتبہٗ عنایت الرحمن رحمانی عفا اللہ عنہ، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی، الجواب صحیح: عبدالحمید ربانی ۱/۱/۱۴۱۵ھ مہر: دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتویٰ نمبر ۲۹: از جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ''وانہ لعلم للساعۃ الآیۃ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انہ اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیامۃ اماما عادلا'' (معارف القرآن ج ۲ ص ۲۰۵)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو سے زائد احادیث ذکر کیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں نزول مذکور ہے۔ قرآن کریم میں بھی رفع کی تصریح ہے۔ یہ امت

مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کے منکر کو (معارف القرآن ج ۲ ص ۵۰۶) پر کافر قرار دیا ہے۔ فقط واللہ اعلم! بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان، الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفی عنہ رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان۔ مہر: جامعہ خیر المدارس ملتان

قارئین کرام! مندرجہ ذیل کتب میں حیات عیسیٰ علیہ السلام کے منکر کو کافر کہا گیا ہے۔

۱...... (تفسیر روح المعانی ج ۲۳ ص ۳۲) تحت آیۃ ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم''

۲...... (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۶۶) از امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳...... (مقدمۃ التصریح بما تواتر من نزول المسیح ص ۴۳) از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ۔

۴...... (اکفار الملحدین ص ۱۱) از علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔ مذکورہ بالا دونوں رسالے (مجموعہ رسائل کشمیری ج ۳) میں مطبوع ہیں۔

۵...... (معارف القرآن ج ۲ ص ۶۰۵) از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۶...... (تسکین الصدور ص ۳۳۱) از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر۔

۷...... (علوم القرآن ص ۲۶۰) از حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ۔

۸...... (القول الاتم فی حیات عیسیٰ ابن مریم ص ۱۲۶) از علامہ محمد حسین نیلوی۔

انتیس فتاویٰ آپ نے پڑھ لئے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بتعلق روح اور سماع عند القبر کا انکار گمراہی اور بدعت ہے اور اہلسنت والجماعت سے خروج ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ اہلسنت والجماعت کے لوازمات میں سے ہے اور عذاب قبر کا انکار کفر ہے۔ کیونکہ عقیدہ عذاب قبر یعنی حیات قبر دین اسلام کے لوازمات سے ہے۔ اگر اس انکار کے ساتھ ساتھ کوئی شخص تکفیر المسلمین کرتا ہے۔ گنبد خضریٰ اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے تو وہ اس کفر کی وجہ سے واجب القتل اور مباح الدم ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول الی الارض کا انکار کفر صریح، الحاد، زندقہ اور ارتداد ہے۔ کیونکہ ان کی حیات جسمانی اور نزول الی الارض کا عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے اور اب چند تنبیہات آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

تنبیہات

تنبیہ اوّل: علماء کافر بناتے نہیں، کافر بتاتے ہیں

بعض لوگ علماء حق کے فتوؤں کی یوں کہہ کر بے قدری کرتے ہیں کہ میاں علماء کا کام لوگوں کو کافر بنانا ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ علماء حق کفر کا فتویٰ دینے میں بہت بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ علماء کافر بناتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء کافر کا کفر بتاتے ہیں، کسی کو کافر بناتے نہیں ہیں۔ کافر تو آدمی برا عقیدہ اختیار کر کے خود بنتا ہے۔ جیسے حکیم وڈاکٹر مریض کا مرض بتاتے ہیں، کسی تندرست کو مریض بناتے نہیں ہیں۔ اسی طرح علماء حق کافر کا کفر بتاتے ہیں۔ کسی کو بلا وجہ کافر بناتے نہیں، کافر کا کفر بتانا اور ظاہر کرنا، ہمدردی اور خیر خواہی ہے تاکہ وہ شخص اپنے کفر سے باز آجائے یا کم از کم دوسرے مسلمان اس کے فتنہ سے اپنے ایمان کو بچا سکیں

اور یہی علماء حق کا فریضہ ہے کہ وہ ہر قسم کے کفر وشرک سے اور بدعت وضلالت سے لوگوں کے ایمان و اعمال کی حفاظت کریں۔لہٰذا غلط بات کہہ کر علماء حق کے فتوؤں کے وزن کو کم کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور جو علماء سوء ہیں۔ ان کے فتوے بیشک بے موقع و بے محل ہوتے ہیں۔لیکن سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا کہاں کی دیانت ہے۔

تنبیہ دوم: مقصد تالیف کتاب

بندہ عاجز مسلک اہلسنت والجماعت علماء دیوبند سے وابستہ ہے اور انہی حضرات کا خوشہ چین ہے اور ان چند سطور میں مسلک اہلسنت والجماعت علماء دیوبند کی ترجمانی کی گئی ہے۔میرا مقصد سادہ لوح مسلمانوں کے عقیدہ کا تحفظ اور اصلاح ہے۔اگر بندہ عاجز اپنے اس مقصد میں کامیاب رہا ہے اور مجھ سے مسلک اہلسنت والجماعت کی صحیح صحیح ترجمان ہوئی ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوا اور اللہ ہی سے بندہ عاجز اس کے اجر کا امیدوار ہے۔

''ان اجری الاّ علی اللہ وما توفیقی الاّ باللہ ان ارید الا الاصلاح''

اگر بالفرض بندہ عاجز سے مسلک حق کی ترجمانی نہیں ہوسکی تو یہ میری کوتاہی ہے جس کا میں فراخدلی سے معترف اور مقر ہوں اور اگر میری قلم سے کوئی بات مسلک اہلسنت والجماعت کے خلاف نکل گئی ہے تو میں اس سے بری ہوں میرا اس سے رجوع تصور فرمائیں میرا مسلک وہی ہے جو اہلسنت والجماعت کا ہے۔اس مسلک سے سرمو انحراف کو بندہ اپنے لئے خطرناک تصور کرتا ہے۔لیکن یہ فیصلہ اہلسنت والجماعت کے ماہرین علماء فرمائیں گے۔ منکرین حیات بعد الوفات کو فیصلہ کا کوئی حق نہیں ہے۔

تنبیہ سوم: تفصیل وتعبیر کے اختلاف کی آڑ لینا صحیح نہیں ہے

منکرین حیات قبر عقیدہ حیات قبر کے وزن کو گرانے کے لئے اور اس کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، فلاں نے یہ لکھا ہے فلاں نے یہ لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ایسی باتیں کہہ کر ان کا مقصد اس عقیدہ کی ضرورت اور اہمیت کو کم کرنا ہے۔حالانکہ تفصیلات اور تعبیرات کے اختلاف کی وجہ سے کسی عقیدہ وعمل کو غیر اہم بنانا خود غلط ہے۔کیونکہ اس کی آڑ میں مخالفین اسلام کے ہاتھوں دین اسلام کی پوری عمارت ہی متزلزل ہوکر رہ جائے گی۔کیونکہ تفصیل وتعبیر کا اختلاف تو اسلام کے ہر عقیدہ اور ہر عمل میں پیدا کیا جاسکتا ہے۔خواہ وہ عقیدہ توحید ہو یا عقیدہ رسالت، ختم نبوت ہو یا عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، عقیدہ حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام کا ہو یا معراج جسمانی، عقیدہ قیامت ہو یا حوض کوثر، دوزخ وبہشت کا عقیدہ ہو یا وزن اعمال کا۔

الغرض دین اسلام کا کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جس پر مخالفین اسلام یہ ہتھیار استعال کر کے اس کو غیر اہم نہ بنا سکتے ہوں۔اسی طرح نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، قربانی وغیرہ فرائض میں تعبیرات وتفصیلات کے بیسیوں اختلاف ہیں۔لیکن کیا اس اختلاف کی وجہ سے ان سب فرائض کو غیر اہم بنا دیا جائے گا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔کیونکہ ان سب عقائد اعمال کی قدر مشترک میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور قدر مشترک پر اتفاق کے بعد، تعبیر وتفصیل کے اختلاف کی وجہ سے اصل عقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔اسی طرح عقیدہ حیات کی قدر مشترک جو کہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کے فیصلہ میں موجود ہے وہ تو متفق علیہا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکار ضلالت وگمراہی ہے اور نجات کے لئے قدر مشترک کو تسلیم کرنا کافی ہے اور عوام کو تفصیلات

میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ احتیاط اسی میں ہے کہ تفصیلات میں نہ پڑیں اور جن علماء نے مسئلہ ہذا میں تفصیل سے کلام کیا ہے اور ان کی تفصیلات اور تعبیرات میں اختلاف بھی رونما ہوا ہے تو وہ علماء بھی قطعاً قابل ملامت نہیں ہیں۔ کیا فقہی جزئیات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کے سینکڑوں اختلاف موجود نہیں ہیں؟ لیکن ان اختلاف کے باوجود وہ حضرات واجب الاحترام ہیں کسی کے خلاف زبان طعن دراز کرنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ پس حیات قبر کی تفصیلات کے اختلاف کو اسی زمرہ میں داخل فرما کر کسی اہل علم پر فتویٰ بازی نہ کریں۔ کیونکہ ایسا اختلاف رحمت ہے۔ ہاں جو شخص خود قدر مشترک کو تسلیم نہیں کرتا وہ بیشک فقہاء کرام کے فتویٰ کا حقدار اور سزاوار ہے اور قدر مشترک کو مان لینے کے بعد آدمی صراط مستقیم پالیتا ہے اور گمراہی سے بچ جاتا ہے۔

تنبیہ چہارم: منکرین عذاب قبر اپنا عقیدہ واضح کریں

اسلام کے نام لیوا بہت سے گروہ ہیں جنہوں نے عذاب قبر یعنی الحیات بعد الممات کا انکار کیا ہے، مثلاً معتزلی، کرامی، رافضی، قادیانی، عثمانی، چکڑالوی، پرویزی، چتروڑی، حزب اللہ، جماعت المسلمین، موجودہ دور کے بعض غیر مقلدین وغیرہ وغیرہ۔ پس اگر ان میں سے کوئی شخص بندہ عاجز کی اس کتاب کا جواب لکھے تو اسے چاہئے کہ سب سے پہلے اپنا عقیدہ واضح لفظوں میں لکھے، اپنے عقیدہ کو کھول کر بیان کرے، اجمال اور ابہام سے ہرگز کام نہ لے۔ منکرین عذاب قبر کے عقیدہ کو معلوم کرنے کے لئے بندہ عاجز چند سوالات تحریر کرتا ہے۔ ان سوالوں کے جواب میں اس شخص کا عقیدہ کھل کر سامنے آجائے گا۔ وہ سوال یہ ہیں

منکرین سے چند سوال

سوال نمبر ۱: بعد از وفات حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کہاں چلی گئی، وہاں آپ کی روح مبارک کو کوئی اور جسد ملا یا نہ؟ عالم برزخ میں ہوتے ہوئے آپ کی روح مبارک کا جسد عنصری کے ساتھ کسی قسم کا تعلق ہے یا نہ؟ حضور اکرم ﷺ کا جسد عنصری عالم دنیا میں ہے یا عالم برزخ میں؟ آپ کا جسد اطہر اب جنت میں ہے یا جنت سے باہر؟ آپ کا جسد اطہر جنت کی نعمتوں سے محظوظ ہے یا محروم؟

سوال نمبر ۲: جو شخص بعد از مرگ ہر مردے کے روح کا جسد عنصری کے ساتھ غیر معلوم الکیفیت تعلق جزا وسزا کے لئے تسلیم کرتا ہے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ نیز جو شخص مرنے کے بعد روح کا جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ تعلق تسلیم کرتا ہے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے اور جو شخص وفات کے بعد روح اور جسد عنصری کے تعلق کا نہ اثبات کرتا ہے نہ انکار بلکہ سکوت کو احوط خیال کرتا ہے اس شخص کے بارے میں کیا ہے؟ اور جو شخص آپ کے روح مبارک کے لئے نیا جسد تسلیم کرتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور جو شخص نہ نیا جسد تسلیم کرتا ہے اور نہ جسد عنصری سے تعلق تسلیم کرتا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے۔ جس شق کو آپ صحیح تسلیم کرتے ہیں اس کے قرآن وحدیث سے دلائل بیان فرمائیں اور جس کو صحیح نہیں سمجھتے اس کی تردید بھی کتاب وسنت کے دلائل سے ہونی چاہئے۔ جو شخص حضور اکرم ﷺ کے جسد عنصری کو عالم برزخ وقبر کی نعمتوں اور رحمتوں سے بالکل محروم سمجھتا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے عالم قبر وبرزخ میں مردہ کے اندر نوع من الحیاۃ کا عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟

سوال نمبر ۳: موت کے بعد عالم قبر و برزخ میں ارواح مجردہ کو جزا وسزا دی جاتی ہے یا اجسام بھی ہمراہ ہوتے ہیں۔ اگر ارواح کو اجسام عطا کئے جاتے ہیں تو وہ دنیا والے اجسام ہوتے ہیں یا کوئی اور؟ اگر کوئی اور اجسام عطا کئے جاتے ہیں تو ان کا نام کیا ہے؟ وہ کس مادے سے تیار کئے جاتے ہیں؟ وہ انسانی شکل وصورت میں ہوتے ہیں یا حیوانی میں؟ کیا ارواح کا ان میں حلول ہوتا ہے یا صرف تعلق؟ اگر حلول ہوتا ہے تو کیا یہ تناسخ نہ ہوگا؟ نئے جسد میں روح داخل ماننے سے کیا دو زندگیوں پر ایک تیسری مستقل زندگی کا اضافہ ہوگا یا نہ؟ پھر بروز قیامت اس نئے جسد سے روح نکالی جائے گی تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ کیا اس پر احکام میت جاری ہوں گے یا نہ؟

سوال نمبر ۴: اگر ارواح کو برزخ میں نئے جسم عطا نہیں کئے جاتے اور اجساد عنصریہ سے بھی ان کا تعلق نہیں جوڑا جاتا تو وضاحت فرمائیں کہ روحیں بغیر زبان کے کیسے بولتی ہیں، بغیر آنکھوں کے کیسے دیکھتی ہیں اور بغیر کانوں کے کیسے سنتی ہیں اور بغیر پاؤں کے کیسے چلتی ہیں۔ الغرض بغیر اعضاء جسمانی کے روح کی گاڑی کیسے چلتی ہے؟ حالانکہ عالم ارواح میں ارواح کو اجسام عطا کئے گئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ''الست بربکم'' سے خطاب فرمایا۔

سوال نمبر ۵: عالم دنیا میں انسان سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں نیک یا بد کیا اس میں اجسام روح کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے ہیں یا نہ؟

سوال نمبر ۶: قیامت کے دن انسانوں کا حشر روحانی ہوگا یا جسمانی؟ اگر جسمانی ہوگا تو کیا یہی دنیا والے جسم اٹھائے جائیں گے یا کوئی اور جسم ہوں گے؟

سوال نمبر ۷: قیامت کے دن حشر اجساد عنصریہ کی حکمت، ضرورت اور اہمیت کو بیان فرمائیں۔

سوال نمبر ۸: حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے راولپنڈی میں جو فیصلہ تحریر فرمایا تھا جس پر فریقین کے دستخط بھی ہیں۔ اس فیصلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ کیا سنی مسلمان کے لئے اس کو ماننا ضروری ہے یا نہ؟ جو لوگ اس فیصلہ کو صحیح سمجھتے ہیں؟ ان کا کیا حکم ہے اور جو لوگ اس کو نہیں مانتے ان کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر ۹: کتاب وسنت کی تشریحات میں فہم سلف صالحین قابل اعتبار ہے یا نہ؟ اجماع امت کی حیثیت کیا ہے؟

سوال نمبر ۱۰: تاویل کسے کہتے ہیں، تاویل کی کب ضرورت پڑتی ہے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے جائز و ناجائز تاویلات کی مثالیں دے کر اس کو واضح فرمائیں۔

ہر ایک سوال کا جواب بالتفصیل، بالترتیب، مع الدلائل تحریر فرمائیں تا کہ آپ کا عقیدہ معلوم ہو سکے۔

تنبیہ پنجم: کیا عقیدہ حیات وسماع سے توحید خداوندی متاثر ہوتی ہے؟

بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ جب تک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ہر قسم کی حیات وسماع کی نفی نہ کی جائے اس وقت تک توحید خداوندی کے تقاضے پورے نہیں ہوتے، حالانکہ یہ گمان فاسد ہے، کیونکہ ایک خاص قسم کی حیات وسماع تسلیم کر لینے سے توحید باری تعالیٰ پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا اور نہ ہی حیات وسماع کے عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کی توحید کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بیان سے قرآن مجید لبریز ہے۔ لیکن اس کے

باوجود قرآن مجید کی پچاس سے زائد آیات سے قبر کی حیات ثابت ہے۔ اگر بالفرض عقیدہ حیات قبر سے توحید خداوندی متاثر ہوتی تو قرآن مجید میں اس کو بیان نہ کیا جاتا۔

حضور اکرم ﷺ نے پوری زندگی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید سنائی لیکن اس کے باوجود آپ نے قبر کی زندگی کھول کر بیان کیا۔ اگر بالفرض عقیدہ حیات سے توحید باری تعالیٰ پر کوئی اثر پڑتا تو آپ عذاب قبر اور حیات قبر کو ہرگز ہرگز بیان نہ فرماتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساری امت سے بڑے موحد تھے، بلکہ توحید کی محبت میں سرشار تھے۔ لیکن اس کے باوجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیات قبر اور عذاب قبر کے قائل تھے۔

اگر بالفرض عقیدہ حیات قبر سے توحید خداوندی میں کوئی فرق آتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قطعاً عذاب قبر اور حیات قبر کے قائل نہ ہوتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ حیات قبر کی قائل چلی آرہی ہے۔ اگر عقیدہ حیات قبر سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر کوئی زد پڑتی تو امت مسلمہ حیات قبر کی قائل نہ ہوتی۔ اسی طرح عقیدہ سماع الانبیاء کرام عند القبر سے بھی توحید باری تعالیٰ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ورنہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سماع موتیٰ کا معجزہ عطا نہ فرماتے، حالانکہ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ ذبح اور قیمہ شدہ پرندوں کو آواز دے۔ چنانچہ انہوں نے مردہ پرندوں کو بلایا آواز دی وہ سن کر زندہ ہوگئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جمع ہوگئے اسی طرح بروز قیامت اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمائیں گے وہ صور پھونکیں گے اور تمام مردے فرشتے کی صور پھونکنے کی آواز سنیں گے اور قبروں سے اٹھیں گے۔ پس اگر سماع موتیٰ سے اللہ تعالیٰ کی توحید متاثر ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو ایسا معجزہ عطا نہ فرماتے اور اپنی قدرت کو ایسے خطرناک طریقہ سے ظاہر نہ فرماتے۔ اگر سماع موتیٰ سے توحید کا عقیدہ کچا ہوتا تو حضور اکرم ﷺ یہ نہ فرماتے کہ میت جوتیوں کی آہٹ کو سنتی ہے اور قلیب بدر کی حدیث بھی بیان نہ فرماتے اور حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سماع موتیٰ کے قائل نہ ہوتے۔ اگر بالفرض سماع موتیٰ سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر کوئی معمولی سا اثر پڑتا تو پوری امت مسلمہ ''والحق ان الموتی یسمعون فی الجملة'' پر کبھی بھی اتفاق نہ کرتی۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ حیات و سماع سے توحید خداوندی کو نہ کوئی خوف نہ کوئی خطرہ۔ جب خود حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توحید کو ان چیزوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو ہماری توحید کو کیسے خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ کیا ہی خوب فرمایا۔ حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب خیر المدارس والے نے'' ہم نہیں سمجھتے ہماری توحید اتنی ذکی الحس کیوں ہے جس صیغہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شرک کی بو نہیں آتی ہمیں کیوں آتی ہے۔ دراصل یہ توحید پرستی نہیں ہے غلو ہے۔'' (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۰)

تمت بالخیر

الحمدللہ الذی بنعمۃ تتم الصالحات و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد صلوٰۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والآفات و تقضی لنا بھا جمیع الحاجات و تطھرنا بھا من جمیع السیئات و ترفعنا بھا عندک اعلی الدرجات و تبلغنا بھا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیوۃ و الممات انک علی کل

شئ قدیر۔ اللھم صل علی روح محمد فی الارواح، اللھم صل علی جسد محمدٍ فی الاجساد، اللھم صل علی قبر محمد فی القبور، الی یوم النشور و بعد النشور، بعدد من قعد و قام و بعدد من صلی و صام۔

فقط: ابواحمد نور محمد تونسوی قادری
خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان
۲۸ر صفر المظفر ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۳ر جون ۱۹۹۹ء
بروز اتوار بوقت چار بج کر پچپن منٹ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریری مناظرہ بر موضوع الحیات بعد الممات

یعنی حیات الانبیاء و حیات الاموات

بندہ نے جو پہلا سوال حضرت مولانا محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہٗ کی طرف لکھا درج ذیل ہے۔ جس کا جواب انہوں نے بندہ کی طرف بھیجنے کے بجائے اپنے ماہنامہ گلستان اسلام مارچ ۱۹۹۷ء میں شائع فرما دیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از ترنڈہ محمد پناہ:

محترم المقام جناب شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین شاہ صاحب نیلوی دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

حکیم الاسلام قاری محمد طیب قدس سرہٗ نے راولپنڈی میں جو فیصلہ فرمایا تھا جس پر فریقین کے علماء نے دستخط بھی فرمائے تھے کہ وفات کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو (برزخ) قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ سنتے ہیں۔ اس فیصلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کو ماننا ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص اس فیصلہ کو نہ مانے تو کیا وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہو جائے گا؟ اور ایسے شخص کی امامت کا حکم کیا ہے۔ (سائل: ابواحمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ ضلع رحیم یار خان)

حضرت نیلوی شاہ صاحب کا جواب جو انہوں نے ماہنامہ گلستان اسلام میں شائع کیا:

اہل اصول کا قاعدہ ہے کہ جو مسئلہ درپیش ہو اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اگر قرآن مجید میں سے اس مسئلہ کے بارے میں حکم مل گیا تو اسے سر آنکھوں پر رکھا جائے اور اگر قرآن مجید میں سے اس مسئلہ کے متعلق کوئی حکم نہ مل سکے تو صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان تلاش کیا جائے۔ اگر صحیح حدیث میں سے اس مسئلہ کے متعلق حکم مل جائے تو اسے سر آنکھوں پر رکھا جائے اور اگر صحیح حدیث میں بھی یہ حکم نہ مل سکے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول دیکھا جائے جو صحیح سند سے ثابت ہو اور اگر اس میں بھی یہ حکم نہ مل سکے تو مجتہد کے قیاس کو دیکھا جائے بشرطیکہ اس مسئلہ کا تعلق عقیدہ سے نہ ہو بلکہ محض اعمال سے ہو۔ کیونکہ عقائد کے لئے قرآن مجید کی صریح نص یا حدیث متواتر ہی ماخذ ہو سکتا ہے اور بس۔

اور یہ مسئلہ کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اس قبر شریف میں جسد عنصری کے ساتھ بہ دخول روح یا بہ تعلق روح زندہ ہے قرآن کی صریح نص یا حدیث متواتر سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ البتہ قرآن مجید کی عبارت النص سے صرف اتنا ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے والے شہداء زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں رزق دیئے جاتے ہیں اور وہ کھاتے پیتے ہیں اور وہ حیات برزخیہ ہے اور اس عالم برزخ کو اصطلاح شرع میں قبر کہا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ ﷫ نے اپنی کتاب الخیر الکثیر میں تحریر فرمایا ہے: ''سماہ رسول اللہ ﷺ بالقبر '' ترجمہ: کہ خود حضرت رسول اللہ ﷺ نے عالم برزخ کا نام قبر رکھا ہے۔

اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ اپنی قبر اطہر پر آنے والے ہر زائر کا صلوٰۃ وسلام خود اپنے جسد اطہر کے مبارک کانوں سے سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور جو روایت بعض حضرات دلیل میں پیش کرتے ہیں وہ من گھڑت، اس کا راوی محمد بن مروان سدی ہے۔ جو پرلے درجے کا جھوٹا، کذاب اور کٹر رافضی ہے اور ہمارے دین کی مدار کذاب راویوں پر ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اس روایت کے متعلق تفصیلی بحث ''شفاء العی فی بیان خبر من صلی علیٰ'' میں لکھی جاچکی ہے اور جو فیصلہ راولپنڈی میں کیا گیا تھا۔ اگرچہ اس مجلس میں شامل بڑے بڑے جید علماء نے متفقہ طور پر لکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ فیصلہ شرع کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔ اس لئے اس فیصلہ کو ماننا صحیح نہیں اور اس فیصلہ کا انکار کرنے والے کو اہلسنت والجماعت سے خارج قرار دینا اور اس کی اقتداء میں نماز نہ ہونے کا فتویٰ دینا ناقابل فہم بات ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس فیصلہ کی بنیاد بننے والی روایت کی صحیح تحقیق ہوجانے کے بعد بھی اس فیصلہ کو درست کہنے والوں میں رفض کی بو آتی ہے۔ (ماہنامہ گلستان اسلام مارچ ۱۹۹۷ء)

اس کے جواب میں بندہ عاجز نے جو تحریر قلمبند کر کے ارسال کی درج ذیل ہے:

ازترنڈہ محمد پناہ: باسمہ سبحانہ وتعالیٰ!

محترم ومکرم جناب شیخ الحدیث صاحب برکاتکم العالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ آج سے چند ماہ قبل ایک عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا۔ جس میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کے فیصلہ کی شرعی حیثیت معلوم کی گئی تھی۔ چونکہ بندہ نے جوابی لفافہ ہمراہ بھیجا تھا اس لئے جواب کا منتظر رہا نہ معلوم آپ نے میرے سوال کا جواب ماہنامہ گلستان اسلام میں شائع کر دیا بندہ گلستان اسلام نامی رسالہ سے ناواقف تھا۔ چنانچہ کئی ماہ گزر جانے کے بعد بعض لوگوں کے بتانے سے مجھے علم ہوا کہ میرے سوال کا جواب شائع ہوچکا ہے۔

محترم! اگر آپ ماہنامہ گلستان اسلام کو میری طرف بھیج کر مجھے مطلع کر دیتے کہ تیرا جواب گلستان اسلام میں آچکا ہے تو مناسب ہوتا اور مجھے اتنی لمبی مدت انتظار نہ کرنا پڑتی۔ ہوسکتا ہے کہ آپ نے میرا جوابی لفافہ بھیجا ہو اور مجھے نہ ملا ہو، خیر جواب شائع ہوگیا۔ میں نے پڑھ لیا۔ شکریہ! لیکن چند چیزیں وضاحت طلب ہیں۔ امید ہے وضاحت فرما کر ہمیں شکریہ کا موقع عطا فرمائیں گے۔ جزاک اللہ!

ا...... جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ عقیدہ کے لئے قرآن مجید کی صریح نص یا حدیث متواتر ہوسکتی ہے اور

بس۔ اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ کیا اجماع امت عقیدہ کی بنیاد نہیں بن سکتا کیا اجماع امت شرعی حجت نہیں ہے۔ آپ نے اجماع امت کو نظرانداز کیوں کر دیا۔

۲...... آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ مسئلہ کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اس قبر شریف میں جسد عنصری کے ساتھ بہ دخول روح یا بہ تعلق روح زندہ ہیں۔ قرآن مجید کی صریح نص یا حدیث متواتر سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ البتہ اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ آپ نے اپنا عقیدہ ندائے حق میں جواہر القرآن سے جو نقل کیا ہے۔ کیا آپ کا یہ عقیدہ قرآن مجید کی صریح نص یا حدیث متواتر سے ثابت ہے؟

آپ کا عقیدہ

''تو اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ عالم برزخ میں ان کی ارواح کو ان کے عنصری بدنوں کے **ہمشکل** اور مماثل مشک و کافور کے مثالی اجسام عطا کئے جاتے ہیں اور ان کا مقام و مستقر جنت کے اعلیٰ ترین اور سب سے اونچا درجہ اعلیٰ علیین ہے۔ ویسے جنت میں جہاں چاہیں آتے جاتے اور جنت کے میوے تناول فرماتے ہیں۔''

(ندائے حق ص ۴۴۵، ازالۃ الخفاء عن حیات الانبیاء) نیز اسی کتاب میں تفصیل مسلک اہل حق کے عنوان سے آپ تحریر فرماتے ہیں'' بلکہ ان کے ارواح ونسمہ کو عالم برزخ میں نئے نورانی اجساد مرحمت کئے جاتے ہیں جو مشابہ ہیں اجساد عنصریہ کے ان اجسام میں اڑنے کی بھی طاقت ہوتی ہے اور ان عنصری اجساد میں اڑنے کی طاقت نہیں وہ موہوبہ اجسام کے ذریعہ جنت کی سیرت کرتے ہیں اور اپنے دوستوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں۔ اس عالم برزخ کے آسمان زمین اور جنت میں جہاں جی چاہے جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کی یاوری کرتے ہیں۔ انبیاء کی شان تو بہت رفیع ہے۔ ان کے موہوبہ اجسام مجسم مشک و کافور بلکہ ان سے بھی زیادہ معطر وخوشبوناک ہیں۔ انہی موہوبہ اجسام نورانیہ، کافوریہ کے ساتھ جنت کی سیرت کرتے کھاتے پیتے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں، خوشی کے مارے اس ذات کی مدح اور اسی کے آگے سربسجود رہتے ہیں۔'' (ندائے حق ص ۴۶۶، ازالۃ الخفاء عن حیاۃ الانبیاء)

آپ کا یہ عقیدہ قرآن مجید کی کس نص صریح یا حدیث متواتر سے ثابت ہے اپنے عقیدہ کو نص صریح اور حدیث متواتر سے ثابت کریں۔ یہ اجسام موہوبہ نورانیہ کافوریہ مشابہ اجسام عنصری کس نص صریح اور حدیث متواتر سے ثابت ہے اور ان کے بہت سے اعمال جو بہشت میں کرتے ہیں حتی کہ اپنے ساتھیوں کی یاوری بھی کرتے ہیں کہاں سے ثابت ہے۔ ندائے حق میں علماء کے اقوال تو ذکر کئے گئے ہیں۔ لیکن اس عقیدہ کے اثبات میں نص صریح اور حدیث متواتر پیش نہیں کی گئی۔ حالانکہ عقیدہ کی بنیاد انہیں دو چیزوں پر ہے اور بس۔ لہٰذا قرآن مجید کی نص صریح یا حدیث متواتر سے اپنا عقیدہ ثابت فرمائیں۔ جزاکم اللہ فی الدنیا والآخرۃ!

۳...... آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ قرآن مجید کی عبارت النص سے صرف اتنا ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے والے شہداء زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں رزق دیئے جاتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں اور دلالۃ النص سے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ کون ہیں؟ قتل کا فعل کس پر وارد ہوا روح پر یا روح اور جسد کے مجموعہ پر۔ کیونکہ زندہ وہ ہے جو قتل ہوا اور قتل کا فعل تو جسد پر وارد ہوا۔ کیونکہ آپ نے ندائے حق میں لکھا ہے کہ'' موت اسی جسم کو ہے نفس کو نہیں۔'' (ندائے حق ص ۲۹۲)

جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جسم قتل ہوتا ہے تو کیا قرآن مجید کی نص صریح سے مقتول فی سبیل اللہ یعنی (جسم کی حیات ثابت ہوئی یا نہ، حدیث طیور خضر کی حیثیت زیادہ سے زیادہ شرح کی ہے۔ آیت قرآنی کے لئے ناسخ تو نہیں۔

لہٰذا حیات شہداء کے دو پہلو تھے ایک جسمانی کا اور دوسرا حیات روحانی کا، مسئلہ کے ایک پہلو یعنی حیات جسمانی کو ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا'' میں بیان کیا گیا ہے اور دوسرا پہلو یعنی حیات روحانی کو حدیث طیور خضر میں بیان کیا گیا ہے۔ پس کتاب وسنت سے شہداء کی حیات جسمانی اور روحانی دونوں ثابت ہیں۔ حدیث طیور خضر سے شہداء کی حیات جسمانی کی نفی نہیں ہوتی ورنہ یہ حدیث آیت کے لئے شرح کی بجائے ناسخ ہوجائے گی۔ لہٰذا وضاحت فرمائیں کہ آیت ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء'' شہید کی حیات کے لئے نص صریح ہے یا نہ واضح رہے کہ نص صریح سے ثابت شدہ حقیقت کو کسی قول سے نسخ نہیں کیا جاسکتا۔

۴...... آپ جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الخیر الکثیر میں تحریر فرمایا ہے ''سماہ رسول اللہ ﷺ بالقبر'' کہ خود حضرت رسول اللہ ﷺ نے عالم برزخ کا نام قبر رکھا ہے آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کس حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے برزخ کا نام قبر رکھا ہے اور وہ حدیث متواتر ہے یا غیر متواتر ہے۔ آپ نے ندائے حق میں اقوال تو بہت پیش کئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی نص صریح اور حدیث متواتر پیش نہیں کی۔ چونکہ بقول شما اقوال العلماء حجت نہیں ہیں۔ لہٰذا نص صریح سے ثابت فرمائیں یا پھر حدیث متواتر سے ثابت فرمائیں کہ قبر کا معنی برزخ اور برزخ سے مراد علیین یا سجین ہے ساتھ ساتھ قبر عرفی یا حسی کی بھی نفی نص صریح اور حدیث متواتر سے ہوتی چلی جائے یا پھر یہ وضاحت فرمائیں کہ اس مسئلہ میں نص صریح اور حدیث متواتر کی ضرورت نہیں اور اقوال سے گذارہ ہوجاتا ہے۔

۵...... آپ تحریر فرماتے ہیں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا ہے کہ آپ اپنی قبر اطہر پر آنے والے زائر کا صلوٰۃ وسلام خود اپنے جسد اطہر کے کان مبارک سے سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور جو روایت بعض حضرات دلیل میں پیش کرتے ہیں وہ من گھڑت ہے۔ اس کا راوی صرف محمد بن مروان سدی ہے جو پرلے درجے کا جھوٹا تھا۔ کذاب اور کٹر رافضی تھا اور ہمارے دین کی مدار کذاب راویوں پر ہرگز نہیں ہوسکتی۔ آپ کی تحقیق کے مطابق حیات وسماع کی حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص آپ کی تحقیق کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ جن محدثین نے حیات وسماع کی حدیثوں کو صحیح کہا ہے۔ وہ ان کی تحقیق پر اعتماد کرتا ہے اور قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ کو شرعی اصولوں کے مطابق سمجھتا ہے اور اسی کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع پر ایمان رکھتا ہے تو آپ کے نزدیک ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ شخص اہلسنت والجماعت سے خارج ہے یا نہ ہے؟ ایسے شخص کو گمراہ کہنا صحیح ہے یا نہ، ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟

۶...... آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اور جو فیصلہ راولپنڈی میں کیا گیا اگرچہ اس مجلس میں شامل بڑے بڑے جید علماء نے متفقہ طور پر لکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ فیصلہ شرع کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ اس لئے اس فیصلہ کو ماننا صحیح نہیں۔ ہوجانے کے بعد اس فیصلہ کو درست کہنے والوں میں رفض کی بو آتی ہے۔ گزارش یہ ہے کہ بقول شما جن جید علماء نے اس فیصلہ پر متفقہ طور پر دستخط کردیئے تھے۔ کیا بعد میں ان کو اس مسئلہ کی تحقیق ہوگئی تھی اور اپنا توبہ نامہ شائع کیا تھا یا مرتے دم تک ان سے رفض کی بو آتی رہی۔

۷...... حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کے فیصلہ دو شقیں ہیں: (۱) روح کے جسد عنصری سے تعلق (۲) اسی تعلق کی وجہ سے زائرین کا صلوٰۃ وسلام سننا۔ آپ اپنی مایہ ناز کتاب ندائے حق میں تھوڑی سی لفظی تبدیلی کے ساتھ ان دونوں شقوں کو تسلیم کر چکے ہیں۔ چنانچہ آپ ندائے حق میں تحریر فرماتے ہیں:

۱...... ''ہاں رہا جسد اطہر کے ساتھ روح پر فتوح کا تعلق، سو اس تعلق سے کون سا تعلق مراد ہے؟ اگر تعلق عشق ومحبت والا اور معنوی اتصال ہے جیسے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے (مرقات ج ۴ ص ۲۵) میں فرمایا ''لکل روح بجسدھا اتصال معنوی'' اسی طرح ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی میں فرمایا تو یہ سب کو مسلم ہے نہ اس میں کسی کا اختلاف ہے اور نہ ہی اس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کوئی خصوصیت ہے کیونکہ اس قسم کا تعلق تو تمام اموات کی ارواح کو ان کے اجساد عنصریہ کے ساتھ ہوتا ہے۔'' (ندائے حق ص ۴۶۶، ۴۶۷)

۲...... ''پس اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ روح کا تعلق اجزائے **اصلیہ** کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ امر یقینی ہے اور احادیث بھی اس بارے میں اسی طرف مشیر ہیں بلکہ مؤید ہیں۔'' (ندائے حق ص ۱۵)

۳...... ''بس روح کا تعلق اجزائے **اصلیہ** کے ساتھ مانا جائے تب تعذیب وتنعیم میت ہوگی۔'' (ندائے حق ص ۱۸۸)

۴...... ''پس روح کا تعلق انہیں اجزائے **اصلیہ** اور ذرات کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ بالکل صحیح سالم قائم رہتے ہیں، ان میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا اور قبر (برزخ) میں سوال انہیں ذرات سے ہوگا اور انہیں میں روح اور حیات واپس کر دی جائے گی۔'' (ندائے حق ص ۲۰۸)

آپ نے اپنی کتاب میں اور بھی بہت سے مقامات میں روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزائے **اصلیہ** سے تسلیم کیا ہے اور جن لوگوں سے آپ کو رفض کی بو آتی ہے وہ بھی جسد عنصری سے اجزائے **اصلیہ** مراد لیتے ہیں۔

پس وضاحت فرمائیں کہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ مطابق روح کا تعلق جسد عنصری سے مانا جائے تو رفض کی بو آتی ہے اور آپ کی تحریر کے مطابق روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزائے **اصلیہ** سے مانا جائے تو پھر رفض کی بو نہیں آتی۔ آخر وجہ کیا ہے نیز راہ چلتے یہ بھی بتاتے جائیں کہ جسد عنصری کے اجزائے **اصلیہ** کہاں ہوتے ہیں؟ جسد عنصری کے ہمراہ زمین میں مدفون ہیں یا روح کے ہمراہ علیین یا سجین میں اٹھائے جاتے ہیں؟ اسی طرح آپ نے قاری صاحب کے فیصلہ کی دوسری شق یعنی سماع الصلوٰۃ والسلام کو بھی آپ نے تسلیم کر لیا ہے۔ البتہ اس سماع کو آپ سماع روحانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں'' جب کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ وسلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں یہ صلوٰۃ سلام ودعا قبول ومنظور فرماتے ہیں اور آپ کو مطلع فرما دیتے ہیں۔ یہ ہے سماع روحانی جو حضرت سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تصریح سے ارقام فرما گئے ہیں۔'' (ندائے حق ص ۳۰)

آپ وضاحت فرمائیں کہ اگر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سماع کا فیصلہ فرمائیں تو اس سے رفض کی بو آتی ہے اور اگر آپ سماع روحانی تسلیم کر لیں تو اس سے رفض کی بو نہیں آتی، آخر وجہ کیا ہے؟

۸...... آپ کا عقیدہ ہے کہ روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزائے **اصلیہ** سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے میت کو جزا وسزا دی جاتی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سماع روحانی حاصل ہے۔ آیا قرآن مجید کی نص صریح سے ثابت ہے یا حدیث متواتر سے؟ بہر حال جہاں سے ثابت ہے پیش کریں۔ ندائے حق میں اقوال کی تو بھرمار ہے۔ حالانکہ علماء کے اقوال

تو ان کے پاس بھی ہیں جن سے آپ کو نفس کی بو آتی ہے۔ اب ضرورت نص صریح اور حدیث متواتر کی ہے۔ جس سے روح کا جسد عنصری سے تعلق بھی ثابت ہو جائے اور سماع روحانی بھی ثابت ہو جائے امید ہے کہ توجہ فرمائیں گے۔

۹...... آپ کے نزدیک روز قیام قیامت حشر جسمانی ہوگا یا روحانی؟ اگر حشر جسمانی ہوگا تو بتائیں یہ حشر جسد عنصری کا ہوگا یا جسد مثالی کا؟ اگر یہ حشر جسد عنصری کے ساتھ ہوگا تو بتائیں کہ جب روحوں کو اجسام موہوبہ سے نکالا جائے گا اور جسد عنصری میں داخل کیا جائے گا تو اس قبض روح کو موت کہیں گے یا نہ۔ کیونکہ موت کی تعریف اس پر بالکل سچی آتی ہے۔ پس حیات برزخی تسلیم کرنے کے بعد موت برزخی تسلیم کرنا امر لازمی ہے۔ خصوصاً حضور اکرم ﷺ کے لئے آپ نے جو حیات کی صورت تجویز کر رکھی ہے کہ وفات کے بعد آپ کی روح اقدس کو نوری، کافوری جسم مشابہ جسد عنصری کے دے دیا گیا ہے اور قیامت کے دن جب اس نوری کافوری جسم سے پیغمبر ﷺ کی روح اقدس کو نکالا جائے گا تو کیا پیغمبر ﷺ کو جنت میں بھی موت دی جائے گی؟ جب آپ نے پیغمبر ﷺ کے لئے دو جسم تجویز کر رکھے ہیں:

(۱) عنصری (۲) نوری کافوری تو جنت میں روح کے ساتھ ایک جسد جائے گا تو دوسرے کا کیا ہوگا۔ کیا اس کافوری جسد سے روح نکالنے کے بعد اس کی تجہیز و تکفین و تدفین اور نماز جنازہ عمل میں لائی جائے گی یا نہ؟ آخر پیغمبر کا جسد اطہر ہے اس کے ساتھ کیا ہوگا؟ اگر تمام مردوں کی ارواح کو ان کے اجسام عنصریہ میں لوٹا کر قیامت کے فیصلہ کے بعد ہر آدمی کو ایمان و عمل کے مطابق دوزخ یا بہشت میں بھیجا جائے گا تو کیا ثابت نہ ہوگا کہ جسد عنصری دنیا میں روح کے ساتھ نیکی اور برائی میں شریک کار تھا۔ اس لئے تو اس کو روح کے ساتھ دوزخ یا بہشت میں بھیجا جا رہا ہے۔ پس جب جسد عنصری روح کے ساتھ نیکی اور برائی میں شریک ہے اور اسی لئے اس کو جزاء و سزا دی جا رہی ہے تو برزخ کی جزا و سزا اس کو کیوں نہیں دی جا رہی ہے اور اگر جسد عنصری کو جزا و سزا نہیں ہوتی نہ آخرت میں اور نہ برزخ میں کیونکہ یہ آلہ محض ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حشر اجساد کے عقیدہ کو معرکۃ الآراء کیوں بنا دیا جب کہ جسد عنصری کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ مہربانی فرما کر ایک ایک جز کا مدلل جواب دیں۔ جزاک اللہ!

۱۰...... آپ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں آپ کا ایک رسالہ القول الاتم فی حیات ابن مریم میری نظر سے گزرا ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ روح مع الجسد عنصری آسمان پر اٹھایا جانا ثابت کیا ہے اور پھر قیامت سے پہلے ان کا نزول الی الارض بھی ثابت کیا ہے۔ حالانکہ مرزائی جس قسم کے دلائل سے حیات ابن مریم کی نفی کرتے ہیں۔ انہیں دلائل سے حیات الانبیاء کی نفی کی جاتی ہے اور جس طرح حیات ابن مریم کی تاویلیں کی جاتی ہیں۔ مثلاً روحانی مثالی وغیرہ بعینہ یہی تاویلیں حیات الانبیاء کے دلائل کی پیش کی جاتی ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ حیات الانبیاء کی نفی کرتے کرتے حیات ابن مریم کا بھی انکار کر بیٹھے۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ حیات الانبیاء کی تردید میں ایسے دلائل بیان فرمائیں اور ایسا طریقہ اختیار فرمائیں اور ایسی تاویلیں بیان فرمائیں جس سے انکار حیات ابن مریم کی راہ ہموار نہ ہو آپ کے طرز بیان سے منکرین حیات ابن مریم فائدہ نہ اٹھائیں تاکہ سادہ لوح مسلمان حیات ابن مریم کے انکار کی گمراہی میں نہ جا پڑیں۔ کیونکہ حیات ابن مریم کا عقیدہ تو تمام مسلمانان عالم کی مشترک متاع ہے اور اس عقیدہ کا تحفظ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا وہ دلائل اور تاویلیں پیش کریں۔ جس سے مخالفین کی مطلب برآری نہ ہو سکے اور عقیدہ حیات ابن مریم متاثر نہ ہونے پائے۔ شکریہ! بینوا توجروا!

تلک عشرۃ کاملہ (۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۸/۸/۱۹۹۷ء) السائل: ابو احمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت ضلع رحیم یار خان

نوٹ: آپ جس رسالہ میں میری گزارشات کا جواب شائع فرمائیں وہ رسالہ بذریعہ وی پی ارسال فرما دینا میں وی پی وصول کرلوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

قارئین کرام! اس پوری تحریر کا جواب بھیجنے کی بجائے نیلوی شاہ صاحب کی طرف سے دو سوال بھیجے گئے جن سوالوں کو ان کے ایک شاگرد نے اپنی طرف منسوب کر کے لکھا جو کہ سادسہ میں زیر تعلیم ہیں۔ جن کا اسم گرامی عبدالقدوس ہے۔ آئندہ بھی بندہ عاجز کے جوابات کے جوابات اسی کی طرف منسوب کر کے لکھے جائیں گے۔ واللہ اعلم! حقیقت میں یہ جوابات سادسہ میں پڑھنے والا طالب علم لکھتا ہے یا کوئی اور جو بیضاوی تک کو حل کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ بہر حال جوابات کے جوابات سے آپ کو ان کی تحریر سے کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ اب ملاحظہ فرمائیں ان کا خط:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

محترم جناب مولانا صاحب! السلام علیکم

از سلام عرض ہے کہ چند دن پہلے آپ کا خط حضرت نیلوی شاہ صاحب کو موصول ہوا، آپ انتظار فرمائیں جواب آپ کو کچھ عرصہ پر مل جائے گا۔ کیونکہ شاہ صاحب بہت مصروف ہیں۔ بہت ساری تصنیفات شروع کی ہوئی ہیں جن کی وجہ سے فرصت کم ملتی ہے۔ بہر حال آپ کا جواب استاد محترم ضرور دیں گے۔ یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ میں ان کا شاگرد ہوں۔ مولانا امین اوکاڑوی صاحب کو میں نے دو سوال بھیجے تھے کہ مہربانی کر کے ان کا جواب دے دیں۔ لیکن آج چھ ماہ ہونے والے ہیں اور اوکاڑوی صاحب میں یہ ہمت پیدا نہ ہوئی کہ میرے سوالات کا جواب دیں۔ لہٰذا آپ کا اگر ان سے کوئی تعلق ہے تو انہیں غیرت دلائیں کہ جناب طالب علم نے سوال کیا ہے جواب دے دیں۔ بہر حال وہ جواب دیں یا نہ دیں آپ سے بھی میں وہی دو سوال کروں گا۔ لیکن کچھ زیادہ وضاحت طلب کروں گا کیونکہ آپ کے خط سے لگتا ہے کہ آپ کا علم کچھ زیادہ ہی جوش مار رہا ہے۔ اس لئے آپ کے ذمہ دو سوال بھی ہوں گے اور کچھ مزید وضاحتیں بھی ہوں گی۔

<u>سوال نمبر ۱</u>: یہ جو آپ لوگوں کا نظریہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں باحیات ہیں تو سوال یہ ہوگا کہ وہ حیات دخول ارواح کے ساتھ ہے یا ارواح تو اعلیٰ علیین میں ہیں مگر جسم کے ساتھ تعلق ہے۔ ان دونوں قسموں میں سے جس قسم کی حیات کے آپ قائل ہیں اس کی وضاحت فرماتے ہوئے ایک آیت اس پر تحریر فرما بھیجیں۔ کیونکہ ہم حنفی ہیں اور احناف نے جو اصول مقرر فرمائے ہیں ان میں سے پہلے نمبر پر قرآن ہے۔ اگر آپ قرآن کی نص قطعی اس پر نہ دکھا سکیں تو بغیر بوکھلاہٹ کے تحریر کر دیں کہ میرے پاس قرآن نہیں ہے۔

وضاحت طلب امور

۱...... اگر آپ تعلق کے قائل ہیں تو دخول کے قائلین کے اوپر آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

۲...... اور اگر دخول کے قائل ہیں تو دخول کے نہ ماننے والوں پر آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

سوال نمبر ۲: انبیاء کو دفن کرنے کے بعد کتنے دنوں بعد حیات پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک آیت قرآنی، اگر آیت نہیں ہے تو کوئی صحیح حدیث پیش کریں۔ استاد محترم حضرت نیلوی شاہ صاحب تو جواب دیں گے وہ آپ تک پہنچ جائے گا۔ مگر پہلے شاہ صاحب کے شاگرد کے سوالات کا جواب دے کر اپنی ایمانی غیرت کا ثبوت دیں۔

والسلام: عبدالقدوس متعلم ضیاء العلوم سرگودھا درجہ سادسہ ۳۱ر ۸ر ۱۹۹۷ء بروز اتوار

بندہ عاجز کی طرف سے جواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از ترنڈہ محمد پناہ: عزیزم عبدالقدوس صاحب سلمہ الواہب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مراسلہ موصول ہوگیا۔ آپ نے مجھے اطمینان دلایا کہ شیخ الحدیث آپ کے خط کا جواب ضرور دیں گے۔ شکریہ البتہ یہ نہ بتایا کہ جواب میرے جوابی لفافہ میں بھیجا جائے گا یا کسی رسالہ میں شائع کر دیا جائے گا خیر جو صورت ہوگی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پتہ چل ہی جائے گا۔ چونکہ چند سوال آپ نے مجھ سے دریافت فرمائے ہیں۔ لہٰذا ان کا جواب آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

آپ کا پہلا سوال یہ ہے یہ جو آپ لوگوں کا نظریہ ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبور میں باحیات ہیں تو سوال ہوگا وہ حیات دخول ارواح کے ساتھ ہے یا ارواح تو اعلیٰ علیین میں ہے۔ مگر جسم کے ساتھ تعلق ہے ان دونوں میں سے جس قسم کی حیات کے آپ قائل ہیں اس کی وضاحت فرماتے ہوئے ایک آیت اس پر تحریر فرما بھیجیں کیونکہ ہم حنفی ہیں اور احناف نے جو اصول مقرر فرمائے ہیں ان میں سے پہلے نمبر پر قرآن ہے۔ اگر آپ قرآن کی نص قطعی اس پر نہ دکھا سکیں تو بغیر بوکھلاہٹ کے تحریر کر دیں کہ میرے پاس قرآن نہیں ہے۔ انتہیٰ!

الجواب: باسم اللہ الذی لا یموت والانس والجن یموتون فیحیون فی قبورھم بنوع من الحیاۃ للسوال والجزاء ثم یوم القیامۃ یبعثون۔

عزیز من! حیاۃ الانبیاء کی بنیاد حیات قبر پر ہے یعنی مسئلہ حیات انبیاء شاخ ہے حیات قبر کے عقیدہ کی یہی وجہ ہے کہ جو لوگ قبر کی زندگی کے قائل ہیں وہ حیات الانبیاء کے بھی قائل ہیں اور جو لوگ قبر کی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔ پس وہ حیات الانبیاء کے بھی قائل نہیں ہیں اور قبر کی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ ہر مردہ کو قبر میں سوال وجواب اور جزا وسزا کے لئے زندہ کیا جاتا ہے اور قبر کی یہ زندگی متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے۔

چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں ''مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا پھر اس امتحان کی کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا، قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت ووضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں کسی مسلمان کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔'' (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۳۶)

واضح رہے کہ جن آیات اور احادیث سے قبر میں ہر مردہ کی حیات ثابت ہوتی ہے انہیں آیات اور احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حیات اور جزا وسزا مرنے والے کے روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو حاصل ہے۔ بطور اختصار کے چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

آیت نمبر ۱: ''النار یعرضون علیها غدوا عشیا ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب'' آل فرعون نے دنیا میں سزا پائی پانی میں غرق ہوئے عالم قبر میں سزا پا رہے ہیں صبح شام ان کو آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ آخرت میں سزا پائیں گے ان کو آگ میں داخل کر دیا جائے گا۔ (مومن:۴۶) آل فرعون کا اطلاق روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ پس دنیا میں روح اور جسد سمیت غرق ہوئے عالم قبر میں روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر آگ پیش کی جاتی ہے اور آخر میں روح اور جسد عنصری سمیت اشد العذاب میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ پس ثابت ہوا کہ عالم قبر میں مرنے والوں کو جو عذاب دیا جاتا ہے۔ اس کا تعلق روح اور جسد دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۲: ''یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا وفی الآخرة ویضل اللہ الظالمین'' باتفاق مفسرین ومحدثین یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور قبر کی زندگی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ الذین آمنوا کا اطلاق روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے اور والظالمین کا مصداق بھی روح اور جسد کا مجموعہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قبر کی کارروائی میں ثابت قدم رہنے والے مومنین سے مراد روح اور جسد کا مجموعہ ہے اور ظالمین سے مراد بھی روح اور جسد کا مجموعہ ہے۔ (ابراہیم:۲۷)

آیت نمبر ۳: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون'' (بقرہ:۱۵۴)
اس آیت میں مقتول فی سبیل اللہ کو زندہ کہا گیا ہے چونکہ مقتول روح اور جسد عنصری کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا مرنے کے بعد حیات بھی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو حاصل ہے قتل کا فعل جسد عنصری پر وارد ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۴: ''قیل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین'' یہ آیت اور اس کے الفاظ مرنے کے بعد ایک شخص نے کہے تھے جن کو قرآن میں نقل کیا گیا ہے ''قال'' کے اندر جو ضمیر ہے وہ پیچھے رجل کی طرف راجع ہے اور رجل روح اور جسد کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ لہٰذا اس آیت سے حیات، روح اور جسد کے مجموعہ کے لئے ثابت ہوئی۔ (یٰسین:۲۷)

آیت نمبر ۵: ''مما خطیئتهم اغرقوا فادخلوا نارا فلم یجدوا لهم من دون اللہ انصارا'' (نوح:۲۵)
''اغرقوا'' کے اندر ہم ضمیر ہے جو قوم نوح کی طرف راجع ہے اور ''ادخلوا'' کے اندر بھی ہم ضمیر ہے جو قوم نوح کی طرف راجع ہے۔ چونکہ قوم نوح روح اور جسد عنصری سمیت پانی میں غرق ہوئی۔ اسی طرح مرنے کے بعد عالم قبر میں بھی روح اور جسد عنصری کے ساتھ آگ میں داخل ہوئی۔ ان کے علاوہ بھی آیات قرآنیہ موجود ہیں جن سے عالم قبر کی زندگی ثابت ہے۔ لیکن بندہ انہیں پر اکتفاء کرتا ہے اور احادیث نبویہ تو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ جن سے عالم قبر کی حیات ہر مرنے والے کے لئے ثابت ہوتی ہے۔ پس جب قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ بلا استثناء ہر مردہ کو عالم قبر میں جزاوسزاء کے لئے ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے تو عزیز من انبیاء کرام علیہم السلام کی نفس حیات بھی انہیں آیات بینات سے ثابت ہوتی ہے جو کہ ان کے روح اور جسد عنصری دونوں کو حاصل ہے۔ البتہ انبیاء کرام علیہم السلام بعض دیگر امور میں جس طرح عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس حیات قبر میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام عام انسانوں سے ممتاز ہیں، عالم قبر میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات طیبہ عام انسانوں کی حیات سے اعلیٰ وارفع ہے اور اس ممتاز حیات کے دلائل وہ حدیثیں ہیں جن کو محدثین اور مفسرین نے صحیح اور حسن اور جید کہا ہے۔

بہرحال انبیاء کرام کی اصل حیات فی القبر تو قرآن مجید سے ثابت ہے اور خصوصیات حدیثوں سے ثابت ہیں۔ ''فافھم، ولاتکن من الغافلین''

قبر کی زندگی کے یہ واقعی دلائل ہیں جواب آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آپ غصہ میں ہیں اور آپ کے خط کے ایک ایک لفظ سے غصہ ٹپک رہا ہے۔ اس لئے آپ کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے مزید عرض کرتا ہوں کہ قبر کی زندگی ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کو آپ کے استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسین نیلوی نے بھی اپنی مایہ ناز کتاب ندائے حق میں بایں الفاظ تسلیم کیا ہے کہ مرنے کے بعد روح کا جسد عنصری کے اجزائے اصلیہ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس سے میت دکھ دسکھ محسوس کرتا ہے۔ (ندائے حق ص ۱۵ و ۲۱۲ و ۱۸۸ و ۲۲ و ۲۰۸)

میرے عزیز طالب علم! آپ اپنے شیخ کی کتاب کا مطالعہ کریں اور خصوصاً مذکورہ بالا صفحات کا بغور مطالعہ کریں آپ کے استاد صاحب تسلیم کر چکے ہیں کہ جسد عنصری اجزائے اصلیہ کے ساتھ روح کا تعلق اور اعادہ ہوتا ہے اجزائے اصلیہ کے ساتھ میت کو حیات حاصل ہوتی ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے اجزاء اصلیہ دکھ دسکھ کو محسوس کرتے ہیں۔ ٹھنڈے دل سے سوچیں میری گزارشات اور آپ کے شیخ کے فرمودات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ صرف الفاظ کا تھوڑا سا فرق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جسد عنصری کے ساتھ حیات ہے اور حضرت شیخ صاحب فرماتے ہیں: جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ حیات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان احکام شرعیہ کا مخاطب اور مکلف ہے اور انسان ہی ہر عالم میں جزا وسزا کا مستحق ہے اور انسان روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اب آپ اس کو خواہ روح اور جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ سے تعبیر کریں یا روح اور جسد عنصری سے تعبیر کریں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ پس جب ثابت ہو گیا کہ حضرت انسان (روح اور جسد عنصری کا مجموعہ) کو قبر میں دوبارہ سوال و جواب اور جزا وسزا کے لئے زندہ کیا جاتا ہے تو لامحالہ روح اور جسد عنصری یا اس کے اجزاء اصلیہ کے بایں تعلق ثابت ہوگا تاکہ قرآن مجید کی بتائی ہوئی حیات فی القبر متحقق ہو جائے اور اس تعلق کو علماء اہلسنت والجماعت مجہول الکیفیت بتاتے ہیں اور یہ تعلق ہمارے فہم وشعور سے بالاتر ہے۔

اور ''ولکن لاتشعرون'' سے بھی یہی کچھ سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے علماء اہلسنت والجماعت نے قبر کی زندگی اور کارروائی کو غیب کی چیز قرار دیا ہے جس پر بن دیکھے ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی تعلق کی علماء اہلسنت والجماعت سے مختلف الفاظ میں تعریفیں منقول ہیں۔ مثلاً اتصال کا تعلق، اشراق کا تعلق، حلول ودخول کا تعلق وغیرہ لیکن اس پر تمام علماء اہلسنت والجماعت اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ تعلق مجہول الکیفیت ہے۔ ہم جیسے لوگوں کے لئے علماء حقہ کا مشورہ ہے کہ اتنی بات پر یقین رکھیں کہ عالم برزخ یعنی عالم قبر میں ہر مردہ کو یہ تعلق روح مع الجسد العنصری حیات حاصل ہے اور اسی حیات کی وجہ سے مردہ سوالوں کو سمجھتا اور جواب دیتا ہے اور دکھ سکھ کو محسوس کرتا ہے اتنے پر ایمان لانا ضروری ہے اور اتنا عقیدہ نجات کے لئے کافی ہے اور اس سے آگے کی بحثیں وہ خالص علمی باتیں ہیں اور یہ علماء محققین کی باتیں ہیں۔

اس بارے میں علماء اہلسنت والجماعت کے اقوال کی وہ حیثیت ہے جو ایک آیت کی مختلف تفسیروں کی حیثیت ہوتی ہے یا پھر ایک حدیث کی مختلف توجیہات کی حیثیت ہوتی ہے۔ علماء حقہ کے اس معمولی اختلاف کو راجح مرجوع یا زیادہ سے زیادہ خطاوصواب کا اختلاف کہا جاسکتا ہے۔ علماء اہلسنت والجماعت کے ہاں اکابرین امت اور سلف صالحین کی آراء کا احترام ازحد ضروری ہے۔ سلف صالحین میں سے کسی پر فتویٰ بازی تو ''لعنت آخرھا اولھا'' کا مصداق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علماء طلبا اور ہم سب کو ادب واحترام نصیب فرمائیں۔ اسی لئے تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد

طیب صاحب قدس سرہ نے اس مسئلہ میں قدر مشترک پر فیصلہ فرمایا جس کا متن متین یہ ہے ''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

واضح رہے کہ اس شرعی فیصلہ کو قاضی نور محمد صاحب قلعہ دیدار سنگھ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب اور اس دور کے جید علماء نے بدل وجان تسلیم کیا اور تصدیقی دستخط فرمائے اور بندہ راقم الحروف بھی اس فیصلہ کو شرعی فیصلہ کی حیثیت سے بدل وجان تسلیم کرتا ہے اور اسی میں اپنی نجات سمجھتا ہے۔ اس سے زیادہ میں کسی سے الجھتا نہیں اور علماء اہلسنت والجماعت میں سے جس کسی نے بھی اس مجہول الکیفیت تعلق کی جو تعبیر کی ہے۔ اس پر کسی عالم دین نے فتویٰ نہیں لگایا۔ اس لئے بندہ علماء سلف صالحین کے راستہ کو راہ نجات اور صراط مستقیم سمجھتا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ! آپ کے پہلے سوال کے جواب میں آپ کے دونوں سوالوں کا جواب بھی آ گیا اور جن امور کی آپ کو وضاحت مطلوب تھی ان کی وضاحت بھی آ گئی۔ لیکن علیحدہ طور پر بھی سن لیں۔ آپ وضاحب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱...... اگر آپ تعلق کے قائل ہیں تو دخول کے قائلین پر آپ کا کیا فتویٰ ہے۔

۲...... اور اگر آپ دخول کے قائل ہیں تو دخول نہ ماننے والوں پر آپ کا کیا فتویٰ ہے۔ انتہیٰ!

الجواب: باسمہ المحی والممیت فی القبور ویوم النشور وھو علی کل شئ قدیر!

دونوں امور کی وضاحت ہو چکی ہے۔ میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کے فیصلہ کو قدر مشترک کے طور پر تسلیم کرتا ہوں اور اسی میں نجات مانتا ہوں۔ علماء اہلسنت والجماعت میں سے جن لوگوں نے مجہول الکیفیت تعلق کی جو تعبیریں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی قابل ملامت نہیں ہے۔ اہلسنت والجماعت علماء محققین سب کے سب واجب الاحترام ہیں۔ کسی پر فتویٰ زنی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ دنیا میں ایسا کون ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لے صاحبین پر فتویٰ لگا دے اور صاحبین کے قول کو لے کر امام صاحب پر فتویٰ جڑ دے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

عزیزم! روح اور جسد کے تعلق کو تسلیم کرنے کے بعد تفصیلات کی حیثیت صرف اقوال ائمہ کرام کی سی رہ جاتی ہے۔ ہاں روح اور جسد کے تعلق کو ماننا ضروری ہے۔ کیونکہ دونوں کی جزاء سزا اسی تعلق پر موقوف ہے۔ جب کہ دونوں کا جزا وسزا میں شریک ہونا تو آیات بینات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عدم تعلق کا قائل کوئی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے تسکین الصدور میں یہ چیلنج کیا ہے کہ اہل اسلام کی کسی کتاب سے ایک آدمی کا نام بتاؤ جس نے عالم قبر میں تعلق کا انکار کیا ہو۔ آج تک آپ کے علماء کی طرف سے کسی عالم دین کا نام بتا کر چیلنج کا جواب نہیں دیا گیا۔ اگر آپ نے اب کسی عالم دین کا نام دریافت کر لیا ہو تو مہربانی فرما کر ہمیں مطلع فرمانا تو بہرحال عالم قبر میں روح کا جسد کے ساتھ تعلق ماننا ضروری ہے اور یہی نجات کے لئے بھی کافی ہے اور بس۔

سوال نمبر ۲: انبیاء کو دفن کرنے کے بعد کتنے دنوں بعد حیات پیدا ہو جاتی ہے ایک آیت قرآنی اگر آیت نہیں ہے تو کوئی صحیح حدیث پیش فرمائیں۔ انتہیٰ!

الجواب: باسم العلیم الخبیر الذی یعلم جمیع المغیبات وجمیع الکائنات بتفصیلہ وتعیینہ والانس والجن لا یعلمون الغیب ولا یعلمون تفصیل کل شئ ولا تعیینھا کما قالت الملائکۃ الکرام،

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم!

عزیزم! کسی پختہ عقیدہ کی بعض جزئیات کی تفصیل یا تعیین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے انسانوں کو نہ بتائی جائے تو اس سے اصل عقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ قیامت کا عقیدہ کتنا پختہ ہے لیکن اس کی حتمی تاریخ نہ ہمیں معلوم ہے اور نہ ہی ہمیں بتائی گئی ہے۔ مشرکین مکہ نے بار بار قیامت کی تاریخ کا تعین چاہا۔ لیکن تاریخ کا تعین نہیں کیا گیا۔ تاریخ کا تعین نہ بتانے کے باوجود قیامت کے عقیدہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اصحاب کہف کا جتنا واقعہ قرآن وحدیث میں ہے۔ اس پر ایمان اور عقیدہ ضروری ہے۔ لیکن اس واقعہ کی بہت چیزوں کی تفصیل اور تعیین قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ اس کے باوجود اصل واقعہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ آدم علیہ السلام کے شجر ممنوعہ کا ذکر تو قرآن میں ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن اس درخت کی تعیین نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں لیکن درخت کے عدم تعین سے اصل واقعہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اسی طرح اگر انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کتنے دن یا کتنے وقت بعد پیدا ہوتی ہے۔ اگر کسی کو مدت معلوم نہ ہو تو عقیدہ حیات قبر پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

عزیز طالب علم! آپ کے شیخ اور استاد محترم کا عقیدہ باحوالہ گزر چکا ہے کہ وہ قبر میں جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح کے تعلق کے قائل ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے وہ اجزاء اصلیہ کی حیات کے بھی قائل ہیں اور اجزاء اصلیہ کے دکھ دسکھ کے بھی قائل ہیں۔ کیا آپ یا آپ کے استاد محترم یہ بتا سکتے ہیں کہ دفن کے کتنے دنوں بعد جسد عنصری کے اجزائے اصلیہ میں حیات پیدا ہوتی ہے۔ ایک آیت قرآنی اگر آیت نہیں تو کوئی صحیح حدیث پیش فرمائیں۔

عزیز من! آپ کے استاد محترم کا عقیدہ ہے کہ وفات کے بعد حضور اکرم ﷺ کے جسد عنصری کے مشابہ ایک نورانی کافوری جثہ تیار کیا گیا اور حضور اکرم ﷺ کی روح اقدس کو اس نورانی کافوری جثہ میں داخل کر کے آپ ﷺ کو جنت میں داخل کر دیا گیا ہے۔ (ندائے حق ص ۴۴۵ و ۴۴۶) کیا آپ یا آپ کے شیخ محترم یہ بتا سکتے ہیں کہ اجسام نورانیہ کافوریہ عطائیہ میں کتنے دنوں کے بعد روح کو داخل کر کے حیات پیدا کی جاتی ہے۔ ایک آیت قرآنی اگر آیت نہیں ہے تو صحیح حدیث پیش فرمائیں۔ ماھو جوابکم فھو جوابنا، ان شاءاللہ!

آپ نے اپنے خط میں لکھا: مولانا امین اوکاڑوی صاحب کو میں نے دو سوال بھیجے تھے کہ مہربانی فرما کر ان کا جواب دے دیں۔ لیکن آج چھ ماہ ہونے والے ہیں اوکاڑوی صاحب میں یہ ہمت پیدا نہ ہوئی کہ میرے سوالات کا جواب دے دیں۔ لہٰذا آپ کا اگر ان سے کوئی تعلق ہے تو انہیں غیرت دلائیں کہ جناب طالب علم نے سوال کیا ہے جواب دے دیں۔ انتہیٰ!

میرے عزیز! مولانا محمد امین اوکاڑوی دامت برکاتہم ایسے نہیں ہیں کہ سوالات کا جواب نہ دیں۔ اگر بالفرض واقعی آپ کو ان کا جواب نہیں ملا مناسب یہ تھا کہ آپ ان کو اپنے استاد صاحب کی طرح مصروف سمجھ لیتے۔ کیونکہ وہ تو مرد بہادر ومجاہد اور مسلک احناف کے پاسبان ہیں اور غیر مقلدیت کے رد میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ لیکن آپ ناراض ہوگئے ہیں۔ لہٰذا اب تو ناراضگی ختم کر دیں۔ کیونکہ میں نے اپنا قرض بھی ادا کر دیا ہے اور اوکاڑوی صاحب کا فرض بھی اتار دیا ہے۔ آئندہ بھی آپ میرے اکابر علماء کی بجائے میری طرف رجوع فرمالیا کریں۔ ان شاءاللہ! بندہ خدمت کے لئے حاضر ہے۔ آپ اپنے خط میں لکھتے ہیں: استاد محترم حضرت نیلوی صاحب تو جواب دیں گے وہ آپ تک پہنچ جائے گا۔ لیکن پہلے شاہ صاحب کے ایک شاگرد کا جواب دے کر اپنی ایمانی غیرت کا ثبوت دیں۔ انتہیٰ!

میرے عزیز! میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شاہ صاحب کے شاگرد کے سوالات کا جواب دے کر اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت دے دیا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ علی توفیق الجواب! لیکن ابھی شاہ صاحب کے جواب کی انتظار میں ہوں۔ کسی نے خوب کہا: جو لطف انتظار میں ہے وہ وصال میں نہیں!

فقط والسلام: ابواحمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان

۱۹ رجمادی الاوّل ۱۴۱۸ھ، ۲۲ ستمبر ۱۹۹۷ء بروز سوموار

مذکورہ بالا جواب کا جو جواب سرگودھا سے آیا جسے حضرت نیلوی شاہ صاحب کے شاگرد نے اپنی طرف منسوب کر کے بھیجا جس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا بابرکت نام تک نہیں لکھا گیا اور آخر میں کسی نے اپنا نام مع پتہ درج نہیں کیا اور اس تحریر میں جو گندی زبان استعمال کی گئی ہے معلوم نہیں ایسے اخلاق کی تربیت کس استاد سے حاصل کی ہے۔ اللھم انی اعوذ بک من سوء الاخلاق! اس کو ہم من وعن نقل کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

''حیات انبیاء کی بنیاد حیات قبر پر ہے یعنی مسئلہ حیات الانبیاء شاخ ہے حیات قبر کے عقیدہ کی۔ معلوم ہوا کہ حیات قبر جڑ اور بنیاد ہے۔ اگر یہ جڑ نہ ہو تو حیات الانبیاء والی شاخ نہ ہو۔'' عزیز من جاننا چاہئے مطلق حیات قبر اور مطلق حیات انبیاء کا کوئی بھی ہم میں سے منکر نہیں ہے۔ یہ عقیدہ محض آپ لوگوں نے ہمارے اوپر چسپاں کر دیا ہے۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ قبر شرعاً کس مقام کا نام ہے؟ کسیتوں سے کھودے جانے والے گڑھے کو قبر شرعی کہنا ایک تحکم ہے۔ ہاں عرفاً قبر اس گڑھے کو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جو شرعی قبر ہے وہ برزخ ہے اور برزخ ہی کو قبر شرعی کہتے ہیں۔ جتنے بھی عالم ہیں سب کو اللہ نے بنایا ہے۔ اس عالم دنیا کو کسی نے نہیں بنایا۔ سوائے اللہ کے، اسی طرح عالم ارواح عالم آخرت عالم ارحام کو بھی مگر اس گڑھے کو تو کمہار نے تیار کیا ہے جسے تم برزخ کہتے ہو۔ برزخ ایک ایسا جہان ہے جو عالم آخرت اور عالم دنیا کے درمیان ہے جس کے محل وقوع کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ لیکن اس گڑھے کا تو ہمیں پتہ ہے کہ کہاں پر ہے۔ لہٰذا یہ گڑھا برزخ یعنی شرعی قبر نہ ہوا جو عالم دنیا سے عالم قبر میں چلا گیا وہ واپس عالم دنیا میں نہیں آ سکتا۔ برخلاف اس گڑھے کے کہ اس میں تو دفن کرنے والے جاتے ہیں اور نکل بھی آتے ہیں۔ لہٰذا یہ برزخ نہ ہوا۔ ایک آدمی عالم ارحام سے عالم دنیا میں آ جائے تو پھر پچھلے جہان میں جانا ناممکن اور محال ہے۔ اگر کسی کو کہا جائے کہ عالم ارحام میں چلا جا تو وہ اس کو بہت بڑی بکواس سمجھے گا اور یہ حقیقتاً ایک بہت بڑی گالی ہے تو اس طرح یہ بھی بہت بڑی بے انصافی کی بات ہے کہ یوں کہا جائے کہ فلاں برزخ سے دنیا میں آ گیا۔ لہٰذا حیات قبر سے مراد حیات برزخ ہے عذاب وثواب قبر سے مراد بھی وہی عذاب وثواب ہے جو قبور شرعیہ میں ہوتا ہے۔

آگے آپ رقم طراز ہیں ''اور قبر کی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ ہر مردہ کو سوال و جواب کے لئے قبر میں زندہ کیا جاتا ہے۔ مولانا صاحب! میں نے آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ قبر کے اندر مردے کو زندہ کر کے سوال و جواب ہوتا ہے یا نہیں۔ جو میں نے مسئلہ پوچھا ہے اس کا جواب دیں۔ ادھر ادھر جانے سے اور کاغذ کالے کرنے سے فائدہ نہیں ہوگا۔ فائدہ اس صورت میں ہے کہ آپ ایک ایسی آیت دکھائیں جس میں صراحت کے ساتھ یہ بات ہو کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے وہ تو آپ بتانے سے قاصر ہو گئے اور عذاب وثواب پر آیات لکھنے لگ گئے۔

اور مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ کہ دس آیات میں اشارۃً اور ستر احادیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ سوال و جواب، عذاب وثواب کا ذکر ہے۔ یہ بات بھی آپ نے موضوع بدلنے کے لئے کی اور محض کاغذ کالا کیا۔ میرا اور

آپ کا جھگڑا کوئی سوال و جواب کا نہیں ہے یا عذاب وثواب میں نہیں۔ اصل موضوع کو چھوڑ کر عذاب وثواب کی بحث میں مبتلا ہونا قلب موضوع ہے جو کہ قانون مناظرہ کے خلاف ہے۔ پہلے اصل موضوع کو ختم کر لیں۔ پھر اس مسئلے پر بھی آپ کا شوق پورا کر دوں گا۔ ان شاء اللہ! جس موضوع پر آؤ گے (فقیر راقم الحروف) تو پھر خدمت کر ہی جانتا ہے۔''

اور آگے آپ نے لکھا ہے کہ ''جن احادیث اور آیات سے قبر میں مردہ کی حیات ثابت ہوتی ہے انہیں آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حیات اور جزاء وسزا مرنے والے کی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات بھی غلط ہے کہ جہاں سے جزا وسزا ثابت ہوتی ہے وہاں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جزاء وسزا روح مع الجسد کو حاصل ہوتی ہے۔'' عزیز من! میں نے وضاحت کر دی کہ قبر کسے کہتے ہیں جو شرعی قبر ہے۔ روح وہاں ہوتی ہے اور جسم اسی گڑھے میں۔ کسی کا پانی میں کسی کا جانور کے پیٹ میں کسی کا کہاں اور کسی کا کہاں۔ وغیرہم ذالک۔

اب دو حال ہیں یا صرف عذاب وہاں ہوتا ہے جہاں جسم ہے یہ بات بھی غلط ہے، وہاں ہوتا ہے جہاں روح ہو یہ بات صحیح ہے۔ کیونکہ وعدہ قالوا ابلی میں یہی تھا۔ اب اگر آپ کہیں کہ عذاب ہوتا تو روح کو ہے مگر تعلق روح جسم کو بھی اثر محسوس ہوتا ہے تو پھر گھوم گھما کر بات تعلق پر آ گئی تو پھر سوال میرا دوبارہ آ گیا کہ ایک آیت جس میں تعلق کا لفظ ہو یا ایک صحیح حدیث جس میں تعلق کا لفظ ہو اور سوال عام موتی کے بارے میں نہیں تھا۔ دوبارہ میرے سوال کو پڑھ لینا۔ اب بھی یہی کہوں گا کہ ایک آیت تعلق کے بارے میں نبی ﷺ کے لئے صراحت کے ساتھ جس میں تعلق کا لفظ ہو لیکن میں یہ چیلنج کر کے کہہ رہا ہوں کہ آپ دکھلانے سے قاصر ہیں تو خدارا خدا سے ذرو ایسا عقیدہ کیوں گھڑ لیا۔ جس کا ثبوت نہ تو قرآن سے ہے اور نہ ہی حدیث خیر الانام سے ہو۔

اور یہ بات کہ جزاء وسزا روح مع الجسد العنصری کو ہے۔ یہ قرآن سے ثابت ہے یہ محض افتراء اور سفید جھوٹ ہے۔ ورنہ ایک آیت تو پورے قرآن سے دکھلاؤ جس میں یہ ہو کہ روح مع الجسد العنصری کو جزا وسزا ہوتی ہے۔ اس بات کی صراحت پورے قرآن میں نہیں ہے۔ البتہ ایسی آیات ضرور مل جاتی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف روح کو جزا وسزا ہوتی ہے۔ اس پر آیات تحریر نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ مناظرہ کا موضوع نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ تعلق کا لفظ نبی کے لئے دکھلاؤ جب دکھلاؤ گے تو پتہ لگ جائے گا جو آپ نے آیات لکھیں وہ سب موضوع سے خارج ہیں۔ ان کا جواب دینے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن آپ کے جو استدلال ہیں ان کے پرخچے اڑانے کے لئے ضرور جواب دوں گا۔ مہربانی فرما کر انہی جوابات کو موضوع نہ بنالینا۔ مختصراً جواب موضوع کے مطابق تحریر کریں۔

جواب آیت نمبر ۱: آپ نے لکھا ہے کہ عالم قبر میں سزا پا رہے ہیں یہ بات آپ کی قلم سے نکل گئی ہے اور ہمارے عقیدہ کے مطابق لکھ دی اور ہماری تائید کر لی تم گڑھے کو قبر کہتے ہو۔ گڑھا ان کے لئے کھودا نہیں گیا۔ شیشے کی الماریوں کو تم قبر نہیں کہتے اور نہ ہی کہنا چاہئے جس میں ان کا وجود پڑا ہے۔ اب ایک ہی جہت بچ گئی۔ وہ یہ کہ برزخ جو کہ ایک مستقل جہان ہے جہاں روح رہتی ہے عذاب وہاں ہوتا ہے۔ آگے آپ نے لکھا کہ آل فرعون کا اطلاق روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ پس دنیا میں روح اور جسم سمیت غرق ہوئے عالم قبر میں روح اور جسد عنصری کے مجموعہ پر آگ پیش کی جاتی ہے۔ یہ بھی آپ کی ذاتی رائے ہے۔ ورنہ اس بات پر کوئی دلیل نہیں۔ کوئی نص نہیں ہے کہ ان فرعونیوں کا اطلاق صرف روح پر نہیں ہوتا۔ اگلی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ روح اور جسم کو اکٹھا کر کے عالم قبر میں عذاب ہوتا ہے خدا جانے یہ قرآن کے کون سے لفظ کا معنی ہے یا کون سے لفظ کی تشریح ہے۔ یہ

تفسیر آپ کی ذاتی خواہش کے مطابق ہے۔ کیونکہ کہ عالم قبر تو عالم برزخ ہے۔ روح ہے وہاں اور جسم ہے مصر کی لیبارٹری میں اور دو ہی صورتیں ہیں یا تو روح دنیا میں آجاتی ہے اور روح اور جسم اکھٹے ہوجاتے ہیں۔ پھر عذاب ہوتا ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ روح دنیا میں آنہیں سکتی۔

بالفرض مان لیا جائے کہ روح آگئی تو یہ مصر کی لیبارٹری برزخ یعنی عالم قبر نہیں کہ یہاں عذاب ہو۔ کیونکہ آپ مان گئے کہ عذاب عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ اب صاف بات ہے کہ صرف روح کو عالم برزخ میں عذاب ہو رہا ہے اور آل فرعون جہاں آیا ہے وہ قیامت کے بارے میں کہا گیا۔ جہاں برزخ کے عذاب کا ذکر ہوا وہاں آل فرعون نہیں کہا گیا۔ آیت کی تفسیر مجھ سے بھی حاصل کر لیجئے۔

''النار یعرضون علیها غدوا وعشیا قوله النار یعرضون علیها وذالک لارواحهم فی اجواف طیر سود وفیه دلیل علی بقاءالنفس (ای روح) وعذاب القبر'' (تفسیر بیضاوی ص ۳۵۶) اس آیت سے مراد ارواح آل فرعون ہیں۔ ''قوله: النار یعرضون علیها غدوًا وعشیا یقول یعرض ارواح آل فرعون علی النار غدوا وعشیا'' (تفسیر ابن عباس ص ۳۵۶) اس آیت میں ''یعرضون'' سے مراد عرض ارواح کہ ان کی ارواح کو صبح وشام آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ''ان هده الایة علی عذاب الارواح فی البرزخ'' (تفسیر جامع البیان ص ۴۰۶) اس آیت میں دلیل ہے کہ ارواح کو برزخ میں عذاب ہوتا ہے۔

''قوله: النار یعرضون علیها وذالک لارواحهم کما روی ابن مسعود ان ارواحهم فی اجواف طیر سود تعرض علی النار بکرة وعشیا الی یوم القیامة'' لیجئے اب آپ کے استدلال کے پرخچے اڑتے ہوئے نظر آرہے ہیں اور آپ میں انابت الی اللہ ہوگی تو آپ کو بھی نظر آئیں گے کہ آپ روح مع الجسد العصری مراد لیتے ہو اور مفسرین کیا مراد لیتے ہیں؟

میں نے اپنی بات بحوالہ لکھی اور اپنی طرف سے ایک لفظ بطور تفسیر کے نہیں لکھا اور آپ نے اپنی طرف سے جو آیا لکھا اگر قرآن سمجھنا ہے تو ہم سے سمجھو۔ آپ کو قرآن کا کیا پتہ۔ انہی حوالہ جات پر اکتفاء کرتا ہوں۔ ماننا ہوگا تو اتنا مان لو گے اگر نہ ماننا ہو تو پوری کتاب لکھ دوں تو نہ مانو گے اور تفاسیر اس آیت پر میں نے پیش کیں۔ ان سے آپ کی وہ تفسیر مردود ہوگئی جو آپ نے کی کہ عذاب وثواب کا تعلق روح اور جسم کے ساتھ ہے۔

آیت نمبر ۲: ''یثبت الله الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا ویضل الله الظالمین'' اس آیت میں ظالمین سے مراد روح مع الجسد لینا بھی تحکم ہے۔ کیا صرف روح کو ظالم نہیں کہا جاسکتا۔ جس نے وعدہ کر کے خلاف ورزی کی اور اگر آپ کہیں کہ صرف روح مراد نہیں لی جاسکتی تو کوئی ایک آیت صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روح مراد لینا غلط ہے۔ دونوں کو مراد لیں ایسی کوئی آیت تو لکھیں اور یہ بات ہے قبر کی اور قبر کی وضاحت میں کر چکا ہوں کہ اس گڑھے کو قبر نہیں کہتے۔ اس آیت کے اندر کہیں بھی یہ نہیں کہ نبی ﷺ کی روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ جب یہ بات اس آیت میں نہیں تو یہ بھی موضوع سے خارج ہے اور جن آیات میں یہ سمجھایا گیا کہ کفار کو برزخ میں عذاب ہوتا ہے ان سے نبی کی حیات اس قبر دنیاویہ والی ثابت کرنا یہ کتنی توہین ہے نبی ﷺ کی اور کتنی بڑی جہالت ہے۔

آیت نمبر ۳: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون'' اس آیت کی تفسیر میں جو آپ نے گل بکھیرے ہیں، ان کا حشر بھی دیکھ لیا کرتا ہوں۔ اگر آپ میں غیرت ایمانی ہوگی تو آئندہ اس

قسم کے استدلالات نہ کرو گے۔ آپ نے لکھا ہے چونکہ مقتول روح اور جسد عنصری کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا حیات بھی روح اور جسد عنصری کے مجموعہ کو حاصل ہے۔ پہلے جملے سے آپ کے علم کا اندازہ ہو رہا ہے۔ جناب والا مقتول صرف جسم ہے روح کو کوئی مقتول نہیں کہتا اور نہ روح قتل ہوتی ہے۔ ایک آیت دکھلاؤ جس میں یہ لفظ ہو کہ روح بھی قتل ہوتی ہے۔ اگر آپ کو روح کے بارے میں معلومات ہوتیں اور روح کی تعریف جانتے ہوتے تو ایسا کبھی نہ کہتے۔ پھر آگے آپ نے اپنی بات کی خود تردید کر دی۔ بایں الفاظ کہ قتل کا فعل جسد عنصری پر وارد ہوتا ہے۔ اس جملہ سے پتہ چلا کہ قتل صرف جسم ہوتا ہے روح نہیں۔ پہلے جملے سے یہ پتہ چلا کہ روح اور جسم دونوں پر قتل کا فعل وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ مقتول وہ ہوتا ہے جس پر قتل کا فعل وارد ہوتا ہے۔ آپ کی اپنی کلام میں تناقض ہے۔

آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ میں نے کہنا کیا ہے اور کہہ کیا رہا ہوں اور جو آپ نے لکھا کہ مرنے کے بعد حیات روح اور جسم عنصری کے مجموعے کو حاصل ہے۔ یہ بھی آپ کی اپنی تفسیر ہے اور اپنا زعم باطل۔ میں اب اس آیت کی تفسیر پیش کرتا ہوں: ''بل احیاء و ھھنا تنابیہ علی ان حیو تھم لیست بالجسد'' (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۱۲۱)

کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی حیات جسم والی نہیں۔ جب جسم والی نہیں تو روح والی ہو گی۔ جو کہ ہمارا مدعا ہے اس تفسیر سے آپ کی تفسیر اور آپ کا استدلال ختم ہو گیا اور جلالین والے نے تو آپ کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ ''احیاء الی ارواحھم فی حواصل طیور خضر تسرح فی الجنۃ حیث شاءت'' معلوم ہوا یہ حیات ارواح کی ہے جسم کی نہیں جو کہ ہمارے مدعا کے مطابق ہے۔ آپ کے عقیدہ کی بیخ کنی کر رہی ہے اور ''ولکن لا تشعرون'' بھی ہمارے عقیدہ کے مطابق ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک آدمی کہے فلاں مثلاً زید نماز پڑھ رہا ہے۔ زندہ ہے کھاتا ہے تو یہ بات عقل میں آسکتی ہے۔ مدرک باشعور ہے۔

بعینہٖ اگر کوئی کہے کہ نبی اس قبر میں زندہ ہیں جسد عنصری کے ساتھ اور قیام وقعود کرتے ہیں، رزق کھاتے ہیں تو یہ بات بھی مدرک بالشعور ہے۔ یہ عقیدہ ''ولکن لا تشعرون'' کا مصداق نہیں ہے۔ برخلاف ہمارے عقیدہ کے کہ وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ بایں طور کہ جسم مبارک ہے دنیا والی قبر میں اور حیات ہے جنت میں یہ بات مدرک بالشعور نہیں۔ یہ عقیدہ عقل میں نہیں آسکتا اور یہی عقیدہ ''ولکن لا تشعرون'' کا مصداق ہے۔

آیت نمبر ۴: ''قیل ادخل الجنۃ قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی و جعلنی من المکرمین''

آپ کے اس استدلال پر بھی قربان جاؤں جو آپ نے تحریف قرآن کا ایک نمونہ پیش کیا۔ یہی تو میں کہتا ہوں کہ اگر قرآن سمجھنا ہے تو ہمارے پاس آؤ۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ قرآن کیا کہتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے ''قال'' کے اندر ایک ضمیر ہے جو رجل کی طرف راجع ہے اور رجل روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ لہٰذا حیات روح اور جسد کے مجموعہ کے لئے ثابت ہوئی۔ یہ تفسیر آپ کا ذاتی تفرد ہے۔ اب ذرا اس استدلال کے پرخچے اڑتے دیکھنا۔ تفسیر جلالین والے نے لکھا ''قیل ای عند موتہ'' یعنی فوت ہوتے ہی اس کو امر ملا کہ جنت میں داخل ہو جا وہ داخل ہو گیا۔ جنت میں داخل ہو کر کہا ''یلیت قومی یعلمون الخ'' ذرا توجہ کریں بات سمجھ میں آجائے گی کہ جنت میں داخل ہوئی روح، جسد تو ادھر پڑا ہوا تھا۔ جسد تو جنت میں گیا ہی نہیں تو روح مع الجسد حیات نہ ہوئی بلکہ صرف روح کی حیات ہوئی۔ یا پھر ایک آیت یا ایک حدیث دکھلاؤ جس میں یہ ہو کہ جسد بھی آسمانوں پر اٹھ گیا تھا۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ جو تفسیر آپ نے کی ہے وہ غلط ہے ہماری صحیح ہے اور ہمارے مدعا کے مطابق ہے اور اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ باحوالہ لکھی ہے۔

آیت نمبر ۵: ''مما خطیئتھم اغرقوا فادخلوا نارا فلم یجدوا لھم من دون اللہ انصارا''

اس کا جواب بھی ضمناً گزر چکا ہے۔ علیحدہ طور پر دیکھو آپ نے لکھا ہے کہ ''اغرقوا'' کے اندر ھم ضمیر ہے جو روح مع الجسد العنصری دونوں کی طرف راجع ہے۔ چونکہ قوم نوح روح اور جسد عنصری سمیت پانی میں داخل ہوئی۔ اسی طرح مرنے کے بعد عالم قبر میں بھی روح اور جسد عنصری سمیت آگ میں داخل ہوئی۔

یہ بات بھی صحیح نہیں لکھی، آپ نے غلط لکھی ہے۔ میں کہتا ہوں عالم قبر یہ گڑھا نہیں اور جو برزخ ہے وہ عالم قبر ہے اور اس عالم قبر میں روح جاتی ہے فقط جسم اس دنیا میں ہی رہ جاتا ہے تو عالم قبر یعنی برزخ میں جسم جب جاتا ہی نہیں تو دونوں کو اکٹھا عذاب میں کیسے داخل کر دیا گیا۔ کیونکہ جہاں جسم ہے وہاں روح نہیں آتی، جہاں روح ہے وہاں جسم نہیں ہے تو اکٹھا ہونے کا کیا مقصد۔ چاروناچار آپ صرف اتنا کہو گے کہ برزخ میں جب روح کو عذاب ہوتا ہے تو بتعلق روح جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے تو پھر چکر لگا کر مسئلہ وہیں پر آ گیا کہ تعلق کے بارے میں ایک صریح آیت نص قطعی یا ایک صحیح حدیث جس میں تعلق کا لفظ ہو دکھلاؤ اور عام موتی کے بارے میں نہیں۔

پھر کہہ رہا ہوں کہ میرا سوال انبیاء کے بارے میں ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے ابدان کے ساتھ ایسا ہو جاتا ہے جس سے قیام وقعود کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنے تعلق والے عقیدہ پر ایک آیت تحریر کریں جس میں اس قسم کے تعلق کا لفظ ہو اور جو آپ نے لکھا ہے کہ ''ھم'' ضمیر جو ''ادخلوا'' میں ہے یہ روح اور جسد عنصری دونوں کی طرف راجع ہے۔ یہ بات بھی نہیں ہے۔ آپ کی کلام کا منشاء یہ ہے کہ ''ھم'' ضمیر سے مراد قوم نوح ہے اور قوم نوح روح اور جسد دونوں کو کہتے ہیں۔ میں پوچھوں گا کہ کیا قوم نوح کا مصداق صرف روحیں یہاں نہیں بن سکتیں۔ حالانکہ قرآن میں ایک جگہ بنی آدم کا اطلاق صرف روح پر ہوا اور ''الست بربکم قالوا بلی'' اس آیت میں کم ضمیر سے مراد صرف روحیں ہیں اور ''قالوا بلی'' سے مراد بھی صرف روحیں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہی وعدہ کیا تھا اور ''قالوا'' کے اندر ''ھم'' ضمیر بھی روح کی طرف راجع ہے تو یہاں پر قوم نوح کا اطلاق روحوں پر ہو رہا ہے۔ کیونکہ آپ مان رہے ہیں کہ عالم قبر میں عذاب ہوتا ہے۔

اس گڑھے کو حکیم الامت عالم قبر یعنی برزخ کہتے ہی نہیں ہیں اور جو عالم قبر ہے وہاں آپ مانتے ہیں کہ عذاب ہو رہا ہے اور عالم قبر میں صرف روح ہے جسم عرفی قبر میں ہے۔ جب جسم کا مقام اور روح کا مستقر اور، دونوں علیحدہ علیحدہ پڑے ہیں تو ان دونوں کا اکٹھا عذاب میں ایک مقام پر ماننا نری جہالت ہے اور غفلت اور ہٹ دھرمی ہے۔ ایک طرف تو آپ یوں کہتے ہیں کہ روح مع الجسد آگ میں داخل کر دیا گیا۔ دوسری طرف (ص ۵) پر آپ نے تحریر کیا کہ بتعلق روح حیات حاصل ہے۔ اس حیات کی وجہ سے مردہ سوالوں کو سمجھتا ہے اور دکھ سکھ کو محسوس کرتا ہے۔

اب یہاں آپ نے جو کچھ کہا اس کا منشاء یہ ہے کہ عذاب جب روح کو ہوتا ہے تو بتعلق روح جسم کو محسوس ہوتا ہے۔ یعنی داخل تو صرف روح کو آگ میں کیا گیا جسم کو تعلق کی وجہ سے محسوس ہوتا ہے۔ پہلے جملے کا منشاء یہ ہے کہ دونوں اکٹھے آگ میں ہیں۔ اب آپ کی اپنی کلام میں ہی تناقض ہے۔ ایک بات کر دیا تو یوں کہو کہ دونوں اکٹھے آگ میں ہیں یا یوں کہو کہ صرف روح آگ میں ہے اور تعلق کی وجہ سے دکھ سکھ محسوس جسم کرتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ آپ دوسرے قول کو لیں گے اور لیتے بھی ہو تو پھر بات اصل موضوع پر آ گئی کہ ایک آیت یا حدیث ایسی ہو جس کے اندر تعلق کا لفظ ہو کہ نبی کی روح کا جسد کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ دکھا دو تو خدا کی قسم اٹھا کر کہہ رہا ہوں کہ آپ کے

عقیدے کو قبول کرلوں گا۔ لیکن تم دکھلا نہیں سکتے۔ جب ایسی آیت یا حدیث آپ کے پاس کوئی نہیں تو پھر موضوع سے خارج آیات لکھنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ صاف کہہ دیتے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی آیت نہیں ہے۔ لیکن آپ نے ادھر ادھر بھاگ کر اور دوسرے موضوعات کو چھیڑ کر جان بچانے کی کوشش کی۔ لیکن ہم نے آپ کے اس گر کو کار آمد ثابت نہ ہونے دیا اور آپ کے فراڈ کو بے نقاب کردیا۔

اب مہربانی فرما کر تعلق پر آیات دکھانا جن میں تعلق کا لفظ ہو۔ ان جوابات کو موضوع نہ بنانا اگر آپ نے تعلق والی آیات واحادیث دکھانے کی بجائے ان جوابات کو موضوع بنایا یا کوئی اور راستہ اختیار کیا یا سوال وجواب یا عذاب وثواب پر بات کی تو آپ کی شکست سمجھوں گا اور آپ کو شکست خوردہ سمجھ کر اس موضوع کو چھوڑ دوں گا۔ پھر جو موضوع آپ کہیں گے اس پر بات کروں گا یا پھر جو مناسب ہوگا۔ آگے آپ نے لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی آیت قرآنیہ ہیں جن سے عالم قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن بندہ انہیں پر اکتفاء کرتا ہے اور احادیث تو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ جن سے عالم قبر کی حیات ہر مرنے والے کے لئے ثابت ہوتی ہے۔ پس جب قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بلا استثناء ہر مردہ کو عالم قبر میں جزاوسزا کے لئے ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ عالم قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ یہ بات لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ جو عالم قبر کی زندگی ہے۔ وہ ہم بھی مانتے ہیں اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس قبر کو عالم قبر نہیں کہتے۔ عالم قبر برزخ ہے۔ آگے آپ نے لکھا ہے کہ عالم قبر کی حیات ہر مرنے والے کے لئے ثابت ہے۔ اس جملے سے آپ کا منشاء یہ ہے کہ جب ہر مرنے والے کے لئے حیات ثابت ہے تو نبی پر بھی موت آئی تو حیات ان کے لئے ثابت ہوگئی۔ پھر آپ نے حیات کی علت لکھی کہ جزاوسزا کے لئے اور عذاب وثواب کے لئے حیات ملتی ہے تو کیا انبیاء کو العیاذ باللہ اس لئے حیات ملتی ہے کہ ان سے سوال وجواب کیا جائے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

تف ہے ایسے عقیدہ پر اور لعنت ہو خدا کی ایسا عقیدہ گھڑنے والوں پر جو عقیدہ یہ سبق دے کہ انبیاء سے برزخ میں سوال وجواب ہوتا۔ مرنے والوں سے سوال ہوتے ہیں تین۔ ایک ہوتا ہے من نبیک تو جب انبیاء سے سوال ہوگا وہ کیا جواب دیں گے۔ استغفر اللہ! کیوں خدا کا خوف تمہارے دلوں سے نکل گیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ جب مرنے والوں کو سوال وجواب کے لئے حیات حاصل ہوتی ہے تو کیا سوال وجواب کے بعد پھر موت کی حالت ہوجاتی ہے یا تا قیامت پھر حیات ہی رہتی ہے۔ اگر تا قیامت حیات ہی رہتی ہے تو جسم کا گل جانا پھٹ جانا ریزہ ریزہ ہوجانا حیات کے منافی حالات ہیں۔

آگے آپ نے لکھا ہے کہ عزیز من! انبیاء کرام کی نفس حیات بھی، انہیں آیات سے ثابت ہوتی ہے جو کہ روح اور جسد دونوں کو حاصل ہے۔ یہ بات بھی لکھ کر آپ نے کاغذ کالا کیا اور وقت ضائع کیا۔ میرے بھائی نفس حیات کے تو ہم بھی قائل ہیں۔ وہ حیات ہے صرف روح کی اور ہے بھی برزخی۔ لیکن جو بات آپ نے آگے لکھی ہے کہ روح اور جسد عنصری دونوں کو حاصل ہے۔ یہ آپ کا اپنا زعم باطل اور محض افتراء ہے۔ ورنہ جتنی آیات آپ نے لکھی ہیں۔ ان میں سے کسی آیت میں یہ نہیں ہے کہ انبیاء کی حیات روح اور جسد دونوں کی ہے۔ اگر کسی آیت کا یہ معنی نکل آئے کہ انبیاء کی حیات روح اور جسد عنصری دونوں کی ہے تو میں ہارا اور آپ جیتے۔ یہ یقین جانئے آپ ایسی آیت نہ تو ان مذکورہ پانچ آیات میں دکھلا سکتے ہیں اور نہ پورے قرآن میں سے دکھلا سکتے ہیں:

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار تم سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

آگے آپ نے لکھا ہے کہ بہرحال انبیاء کی اصل حیات فی القبر قرآن سے ثابت ہے اور خصوصیات حدیثوں سے ثابت ہیں۔ محترم! آپ ضد کو چھوڑ کر بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں چیلنج کر کے کہتا ہوں قرآن مجید میں ایک آیت ایسی نہیں جس کے یہ لفظ ہوں کہ انبیاء اس قبر دنیویہ میں زندہ ہیں۔ رہا مسئلہ خصوصیات کا کہ وہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ میرے پیارے! وہ خصوصیات جن میں آپ کا اور ہمارا جھگڑا ہے مثلاً سماع عندالقبر ہر وقت یا کوئی اور خصوصیات جن میں ہمارا اور آپ کا اختلاف ہو وہ کسی صحیح، صریح اور غیر مجروح روایت سے آپ نہیں دکھلا سکتے۔ فافھم وتدبر وتشکر وتذکر ولاتکن من الکافرین!

آگے چل کر آپ نے استاد محترم حضرت علامہ نیلوی شاہ صاحب کا حوالہ پیش کیا کہ وہ جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ تعلق مانتے ہیں۔ میرے پیارے آپ نے ان کی عبارت نہیں سمجھی۔ آپ کہتے ہیں کہ میرے الفاظ اور شاہ صاحب کے الفاظ میں فرق ہے۔ لیکن بات ایک ہے۔ آپ کی کم علمی ہے یہ، ورنہ ایک قدوری پڑھنے والا طالب علم یہ سمجھ سکتا ہے کہ جسد عنصری اور جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میرے بھائی! اگر شاہ صاحب کہتے اجزائے عرفیہ تب تو آپ کا مدعا ثابت ہوتا وہ فرماتے ہیں اجزائے اصلیہ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اجزائے اصلیہ اور اجزاء عرفیہ میں کیا فرق ہے۔ اب آپ کی اس حماقت کا علاج میرے پاس کوئی نہیں۔ صرف ایک مشورہ دوں گا کہ اپنی اس حماقت پر رویا کریں۔ اگر پھر بھی فرق محسوس نہ ہو سکے تو چلو پانی لے کر ڈوب مرنا۔

عزیز من! اجزاء اصلیہ وہ نسمہ ہے اور نسمہ ہی اصل انسان ہے۔ اگر یہ اجزاء عرفیہ حقیقتاً انسان ہوتا تو پھر انسان کی اگر ٹانگیں کٹ جائیں اور دفن ہو جائیں تو یوں کہا جاتا کہ آدھا انسان زندہ ہے اور آدھا مر گیا۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایک انسان کی ٹانگیں کٹ جائیں، بازو کٹ جائیں اور دفن کر دی جائیں پھر بھی کہتے ہیں انسان زندہ ہے۔ آدھا انسان نہیں کہتے اور اگر یہی اجزاء اصلیہ ہوتے تو پھر دکھ سکھ بھی محسوس ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا تو آپ کا مدعا باطل ہو گیا کہ یہ اجزاء اصلیہ ہیں اور انہیں اجزاء کو دکھ سکھ محسوس ہوتا ہے تو پھر جس کی ٹانگ دفن ہو جاتی ہے وہ خود زندہ ہے تو اس کو وہ دکھ سکھ کیوں نہیں محسوس ہوتا اور اس کو تو میرے پیارے یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میری ٹانگ مٹی ہو گئی ہے یا کیا ہوا ہے تو اب اس سے معلوم ہوا کہ یہ اجزاء اصلیہ نہیں۔ اجزاء اصلیہ وہ ہیں جو ابتدائے آفرینش سے مرتے دم تک اس وجود میں رہتے ہیں۔

آگے آپ لکھتے ہیں کہ: جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت انسان (روح اور جسد کا مجموعہ) کو قبر میں سوال وجواب کے لئے اور جزاء وسزا کے لئے دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے تو لامحالہ روح اور جسد عنصری یا اس کے اجزاء اصلیہ کے مابین تعلق ثابت ہوگا تاکہ قرآن کی بتائی ہوئی حیات فی القبر متحقق ہو جائے۔ میرے بھائی میں نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ وجود جز و اصلی نہیں۔ جز و اصلی وہ نسمہ ہے اور یہ روح کے ساتھ ہی نکل کر برزخ میں جاتا ہے۔ اس پر موت آئی ہی نہیں تو دوبارہ زندہ کرنے کا کیا مقصد زندہ تو تب کیا جاتا جب اس پر موت آتی اور اجزاء اصلیہ کے درمیان تو تعلق ہے۔

مگر جسد عنصری کے ساتھ تعلق ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ آپ کی ان تمام باتوں کو میں نے رد کر دیا جن سے آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ روح اور جسد کے درمیان تعلق ہوتا ہے۔ جب یہ سب کچھ رد ہو گیا تو

یہی حیات بچی کہ برزخ میں جو مستقل جہان ہے۔عذاب وثواب اور سوال وجواب ہوتا ہے اور اجزاء اصلیہ اور روح سے ہوتا ہے۔آپ نے انسان کی وضاحت کی کہ روح اور جسد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں بنی آدم انسان کو کہتے ہیں۔مگر قرآن میں ایک جگہ بنی آدم صرف روحوں کو کہا گیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ انسان کا اطلاق روحوں پر بھی ہوا ہے۔

باقی رہا مسئلہ مجہول الکیفیت کا جو آپ نے کہا کہ علماء اس تعلق کو جو جسد عنصری کے ساتھ ہوتا ہے، مجہول الکیفیت بتاتے ہیں۔اس لئے میں سب باتیں، سب سوال معاف کرتا ہوں صرف ایک ایسی آیت دکھلاؤ جس میں یہ لفظ ہو کہ روح کا جسد کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور مجہول الکیفیت ہوتا ہے۔میرا سوال بار بار تعلق کے بارے میں ہو رہا ہے۔لفظ دکھاؤ تعلق کا۔اگرچہ مجہول الکیفیت ہی کیوں نہ ہو اور ''ولکن لا تشعرون'' سے یہ نہیں سمجھا جاتا جو آپ نے سمجھا ہے بلکہ وہ عقیدہ ''لا تشعرون'' کا مصداق ہے۔جو ہمارا ہے کہ جسم ہو دنیا والی قبر میں، حیات ہو جنت میں یہ عقیدہ ایسا عقیدہ ہے جو مدرک بالشعور نہیں ہے اور یہ جو آپ نے کہا کہ اس تعلق کی مختلف تعبیریں علماء نے کیں۔میرے بھائی یہ تعلق جس کی علماء تعبیریں کر رہے ہیں اس کا لفظ قرآن یا حدیث سے دکھلاؤ اگر نہیں ہے تو پھر کیوں آپ نے خواہ مخواہ اپنی طرف سے گھڑ لی ہے ایک بات، اور یہ جھوٹ بولا کہ جی حدیث سے ثابت ہے۔آگے آپ نے لکھا ہے کہ برزخ یعنی عالم قبر میں ہر مردہ کو بتعلق روح مع الجسد حیات حاصل ہے۔میرے پیارے جب برزخ یعنی عالم قبر میں جسم جاتا ہی نہیں ہے۔ بلکہ جسم تو اس گڑھے میں ہوتا ہے اور یہ عالم برزخ نہیں ہے تو یہ کہنا فضول ہو گیا کہ برزخ میں روح مع الجسد حیات ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ اتنا عقیدہ نجات کے لئے کافی ہے اس سے آگے کی بحثیں خالص علمی بحثیں ہیں۔ہم بھی پھر اس کے جواب میں پھر یہی کہیں گے کہ مطلقاً عذاب وثواب کا عقیدہ رکھو آگے یہ عقیدہ نہ رکھو کہ اس قبر میں ہوتا ہے اور تعلق کے ساتھ ہوتا ہے اور اس جسد کو ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی علمی بحثیں بن جاتی ہیں۔ پھر آپ نے کہا کہ کسی پر فتویٰ بازی کرنا لعنت کا باعث ہے۔ میں کہتا ہوں جب ایک عقیدہ آپ قرآن سے یا حدیث سے سمجھ رہے ہو۔مثلاً یہی تعلق والا تو دخول روح کا عقیدہ قرآن وحدیث میں نہیں تھا۔تب ہی آپ نے نہیں سمجھا جب ایک بات قرآن میں نہیں اور کوئی مانے تو پھر اس کی ذات کا لحاظ کرو گے یا قرآن کا اگر قرآن کا لحاظ کرو گے تو پھر فتویٰ صادر کرنا پڑے گا اور ذات کا لحاظ کرو گے۔تو آپ خود ہی لعنت ''اولھا و آخرھا'' کا مصداق بن جاؤ گے اور میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ تعلق کا لفظ قرآن سے دکھلاؤ۔آپ نے تعلیم القرآن سے دکھلایا۔میرے بھائی ہم اس کو قرآن نہیں مانتے اور نہ یہ قرآن ہے۔شاید آپ کے ہاں یہ قرآن کا درجہ رکھتا ہو۔ میں نے جب قرآن کہا تو آپ نے تعلیم القرآن پیش کیا۔میرے خیال میں آپ نے بوکھلا کر تعلیم القرآن کو قرآن سمجھا۔آئندہ خیال کرنا یہ قرآن نہیں ہے، یہ تعلیم القرآن رسالہ ہے۔

آگے آپ نے لکھا ہے کہ جس کسی نے بھی اس مجہول الکیفیت تعلق کی جو تعبیر کی ہے۔اس پر کسی عالم دین نے فتویٰ نہیں لگایا۔جناب والا ایک بات ہے کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہے۔دوسری بات ہے کہ روح جسم میں داخل ہے۔تعلق کا مطلب ہے، روح ہے جنت الفردوس میں، جسم ہے دنیا والی قبر میں اور ان کا آپس میں تعلق ہے اور دخول کا مطلب ہے کہ روح جنت میں نہیں ہے بلکہ جسم میں ہے جو دنیا کی قبر میں ہے اور وضاحتوں کے جواب میں آپ نے لکھا کہ حضرت قاری صاحب کے فیصلہ کو قدر مشترک سمجھتا ہوں۔ جناب جو دلائل آپ نے دیئے اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ روح اور جسم اکٹھا ہے اور اس فیصلے میں ہے کہ روح کا جسم سے تعلق ہے دونوں باتیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

اس کا یہی مطلب ہے کہ جب آپ کے نزدیک قرآن کہتا ہے کہ روح اور جسم اکٹھا ہوتا ہے۔ پھر بھی آپ قرآن کو چھوڑ کر وہ بات مان رہے ہیں جو آپ کے دلائل سے ثابت شدہ عقیدہ کے خلاف ہے تو اس سے بڑا کفر کیا ہوگا۔ کیا اب بھی کافر ہندوستان سے منگوانے پڑیں گے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کی بات جو آپ نے کی ہے وہ اختلاف میرے بھائی عقائد کا نہیں ہے بلکہ فروعات میں ہے اور فروعات میں فتویٰ بازی نہیں ہوتی۔ کم از کم مثال تو ممثل لہ کے مطابق دیتے کیوں جاہل مطلق بنتے ہو آگے آپ نے لکھا ہے کہ جزا و سزا اسی تعلق پر موقوف ہے۔

معلوم ہوا کہ تعلق نہ ہو تو جزاء سزا نہ ہو۔ میرے پیارے آپ کا اور میرا اس بات میں اتفاق ہے کہ دفن ہونے سے پہلے روح کا جسم سے تعلق نہیں ہوتا اور اس کے باوجود جونہی جہنمی کی روح نکلتی ہے تو عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ بایں حیثیت کہ فرشتے ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں کہ وہ لے جائے اور میری جان چھوٹ جائے۔ میں اس جہنمی کی روح کو نہیں لے جاتا اور بدبودار کپڑے میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں۔ لیجئے میں نے ثابت کر دیا کہ روح کا تعلق نہ ہو تو بھی عذاب ہوتا ہے۔

آپ کا مدعا غلط ہو گیا کہ عذاب و ثواب تعلق پر موقوف ہے اور آپ نے کہا کہ عدم تعلق کا قائل کوئی بھی نہیں اور مولانا سرفراز خان چیلنج کرتے ہیں کہ ایک آدمی دکھلاؤ۔ جناب مولانا صاحب تم آدمیوں کا پوچھتے ہو کہ عدم تعلق کا قائل دکھلاؤ۔ میں آیات پوچھتا ہوں کہ ایک آیت یا ایک حدیث تعلق کے لفظ کی دکھلاؤ آپ ہمارے چیلنج کا جواب دیں۔ ہم آپ کے چیلنج کا جواب دیں گے۔ چلو آدمیوں کا پوچھتے ہو لاکھوں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی کا نام لے کر بتاؤ۔ جس نے کہا ہو کہ انبیاء کی ارواح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور تعلق کا لفظ کسی صحابی کی زبانی دکھلاؤ۔ ہم بھی یہی چیلنج کرتے آرہے ہیں۔ لیکن آج تک تم میں سے کسی نے یہ چیلنج قبول کر کے جواب نہیں دیا اور نہ دے سکتے ہو اور آپ کی بھی مہربانی ہوگی کہ ایک صحابی کا نام بتا کر جواب دینے والے عالم کا نام دریافت کر کے ہمیں بتانا کہ فلاں نے جواب دیا ہے۔

سرفراز صاحب کا جواب آگیا ہے کہ جب تعلق کا قول کرنے والا کوئی صحابی نہیں ہے تو تعلق کا قائل کوئی صحابی نہ ہوا۔ الخ تو ایک آدمی کا عقیدہ پوچھتے ہو میں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا عقیدہ بتا کر تمہارے شیخ کا جواب دے دیا اور آپ نے پوچھا ہے کہ حضرت شیخ سرفراز صاحب کے چیلنج کا جواب دینے والے کا نام دریافت ہو جائے تو مطلع فرمانا۔ جناب میں نے جواب دیا ہے اور میرا نام عبدالقدوس ہے۔

سوال نمبر ۲: کا جواب دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ کسی پختہ عقیدے کی بعض جزئیات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انسانوں کو نہ بتائی جائیں تو اصل عقیدے پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

یہی بات تو ہم کہتے ہیں کہ جب تعلق کا لفظ نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں ہے اور نہ خدا نے تعلق کی اطلاع دی اور نہ نبی نے دی تو مطلق برزخی حیات مانو اور تعلق کا عقیدہ جب خدا اور رسول نے نہیں بتایا تو قیاس آرائی کے ذریعے نہ بتاؤ اور ہم مطلق حیات کے قائل ہیں اور تعلق کو نہیں مانتے جو خدا اور رسول نے ہمیں نہیں بتایا تو ہمارے اس نہ ماننے سے ہمارے اس حیات والے عقیدہ پر اثر نہ پڑے گا۔ آپ کی عبارت سے آپ کے وہ الزامات جو ہمارے اوپر لگائے جاتے ہیں سب ختم ہو گئے کہ تم حیات کے منکر ہو۔ میرے بھائی ہم حیات کے منکر نہیں ہیں۔ ہم اس چیز کے منکر ہیں جو اللہ اور رسول نے نہیں بتائی اور آپ بھی یہی کہتے ہو کہ جو اللہ اور رسول نے نہ بتائی ہو اس کو نہ ماننا چاہیے۔

قیامت کی تاریخ کے پیچھے نہ پڑنے سے قیامت والے عقیدہ پر اثر نہیں پڑتا اور شجر ممنوعہ کے تعین کے پیچھے نہ پڑنے سے اصل واقعہ کے اوپر کوئی اثر نہیں پڑتا تو جناب جب اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے تعلق کی خبر نہیں دی تو تعلق کی رٹ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں اور تعلق کی رٹ نہ لگانے سے عقیدہ حیات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور آپ نے لکھا ہے آپ کے استاد اجزاء اصلیہ میں دفن کے کتنے عرصہ بعد حیات مانتے ہیں۔ جناب جن اجزاء کی حیات کے ہم قائل ہیں ان پر موت آئی ہی نہیں تو حیات دوبارہ آنے کا کیا مطلب۔ جب موت ان پر آتی تو ہم ثابت کرتے اور وہ اجزاء نسمہ ہے۔ لیکن جن اجزاء کی حیات کے تم قائل ہو ان پر موت آتی ہے آپ کو وہ موت بتانی پڑے گی کہ اتنا عرصہ ممات ہے، پھر حیات ہے۔ کیونکہ یہ اس لئے ضروری ہے کہ دفن کے بعد کوئی عرصہ شاید ایسا ہو کہ وہ حیات اور ممات ہم مان رہے ہوں تو یہ عقیدہ پر اثر پڑے گا۔ اس لئے آپ یا اپنا عقیدہ چھوڑ دو یا پھر بتاؤ کہ کتنے عرصہ بعد حیات پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے آپ کے سوال کا جواب دیا۔ جو آپ نے اجزائے اصلیہ کی حیات کا پوچھا قرض نہیں رہنے دیا۔

آپ بھی قرض اتاریں ادھر ادھر اعتراض کر کے جان نہ چھڑائیں اور جو آپ نے نورانی، کافوری جثہ کا پوچھا یہ ہمارا عقیدہ نہیں اور نہ ہی ہمارے شیخ صاحب کا ہے۔ آپ نے جھوٹ بولا کہ تمہارا عقیدہ ہے بلکہ انہوں نے الزام دیتے ہوئے ایک بزرگ کی عبارت پیش کی کہ آپ یہ کہتے ہیں اور بزرگ یہ کہتے ہیں۔ تمہارا عقیدہ اس عبارت کے خلاف ہے۔ تطبیق بٹھاؤ اگر پوری ندائے حق میں سے آپ یہ دکھلا دیں کہ کہیں انہوں نے کہا ہو کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے ہم ہارے آپ جیتے۔ یہ بھی قرض میں نے اتار دیا آپ اپنے قرض کا سوچو:

تم ایسا کرنا کوئی جگنو کوئی ستارہ سنبھال رکھنا ہمارے اندھیروں کی فکر چھوڑو اپنے گھر کا خیال رکھنا

باقی اوکاڑوی صاحب کیا اتنا مصروف ہیں کہ آج سات ماہ ہونے والے ہیں جواب کی فرصت نہیں اور آپ نے کہا کہ میں نے اوکاڑوی صاحب کا قرض بھی اتار دیا کیا وہ عاجز آ گئے کہ آپ وکیل بن کر سامنے آ گئے اور لگتا ہے کہ آپ فقہ سے بھی کورے ہیں۔ کیا انہوں نے آپ کو وکیل بنایا ہے۔ جب انہوں نے آپ کو وکیل نہیں بنایا تو آپ نے اپنا فرض ادا کیا نہ کہ ان کا قرض اتارا۔ آپ نے کہا میں نے اپنی ایمانی غیرت کا ثبوت جواب دے کر دے دیا۔ آپ نے اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت ابھی تک نہیں دیا۔ بلکہ آپ نے تو اپنی بے ایمانی کا ثبوت دیا کہ موضوع سے ہٹ کر تمام باتیں لکھیں اور میں نے بھی مجبوراً آپ کی زبان بند کرنے کے لئے جوابات دیئے۔ آئندہ خط میں دو سوالوں کا جواب دو ٹوک لفظوں میں دینا اور صاف صریح آیات واحادیث بتانا۔ اگر نہ ہوں تو پھر گند اروانے سے چپ اچھی ہے۔''

اس جواب الجواب کے ساتھ جناب عبد القدوس صاحب نے جو خط روانہ کیا مناسب ہے کہ وہ بھی درج کر دیا جائے۔ جس کی تحریر جواب الجواب سے ذرا مختلف ہے۔

عزیزم عبد القدوس صاحب کا خط

محترم المقام واجب الاحترام جناب مولانا نور محمد صاحب

بعد از سلام مسنون وخیریت طرفین عرض ہے کہ آپ کا خط ملا اور پڑھنے کے بعد نہایت دل دکھا کہ جو میں نے سوال کیا اس کا جواب صاف لفظوں میں دینے کے بجائے دبے لفظوں میں دیا۔ خصوصاً وضاحتوں کا جواب اور دوسرے

سوال کا جواب اور دوسرے سوال کے جواب میں آپ نے جواب دینے کی بجائے الٹا ہمارے اوپر اعتراضات کر دیئے کہ آپ جواب دو۔ میرے بھائی میں نے جواب دے دیئے۔ اب آپ متعین کریں کہ دفن کے کتنے عرصے بعد قبر میں انبیاء کی حیات پیدا ہو جاتی ہے اور تعلق کا لفظ کسی آیت یا حدیث سے دکھلاؤ۔ ورنہ صاف کہہ دو کہ ایسی آیت اور حدیث کوئی نہیں جس میں تعلق کا لفظ ہو اور جو آپ نے آیات لکھی تھیں وہ سب موضوع سے خارج تھیں۔ ان کا جواب لکھنے کی ضرورت تو نہیں تھی مگر پھر بھی آپ کی زبان بند کرنے کے لئے میں نے جوابات لکھ دیئے مہربانی فرما کر انہیں جوابات کو موضوع نہ بنانا اور نہ ان کا جواب میں آپ سے مانگتا ہوں۔ صرف دو سوالوں کے جواب دوٹوک لفظوں میں چاہئے۔ اگر پھر بھی ادھر ادھر بھاگنے کی اور کاغذ کالا کرنے کی کوشش کی تو آپ کی شکست سمجھوں گا۔ والسلام پتہ تبدیل ہو گیا ہے۔ اب درج ذیل پتہ پر خط روانہ فرمائیں۔ رفیق کراکری سٹور کچہری بازار میانوالی شہر عبدالقدوس کو ملے۔

بندہ عاجز نے جواب الجواب کا جواب دیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

از تر ندہ محمد پناہ: عزیزم عبدالقدوس صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط اور جواب الجواب موصول ہو گیا۔ فجزاکم اللہ کما یلیق بشانکم! جواب کے اوّل میں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لکھا گیا۔ جس سے جواب کی شرعی حیثیت معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ کی جو باتیں ضابطہ اخلاق کی گری ہوئی ہیں ان کا جواب تو بندہ صرف سلام کی صورت میں عرض کرتا ہے اور یہی قرآنی تعلیم ہے اور جو زبان آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ بندہ ایسی زبان استعمال کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ میرے اساتذہ کرام نے مجھے ایسی تعلیم نہیں دی۔ لہٰذا آپ نے جو پڑھا وہی لکھا اور میں نے جو پڑھا وہی لکھوں گا۔ آپ نے بار بار دعوت دی کہ آؤ اور ہم سے قرآن سیکھو۔ عزیزم! آپ کا لب ولہجہ قرآن والا تو ہے نہیں۔ لہٰذا اس کو قرآن کہنا یا سمجھنا مشکل ہے۔ میں نے اپنے اساتذہ کرام سے قرآن وسنت کے چند اسباق پڑھے ہیں اور ان پر کاربند ہوں اور آپ کا لب ولہجہ اور اخلاق دیکھنے سے مجھے حیا مانع ہے۔ ورنہ آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا اور کچھ حاصل کرتا۔ اب نمبروار چند گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

۱...... قبر کی یہ تقسیم شرعی اور عرفی نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے۔ اگر ثبوت ملتا ہے تو پیش فرمائیں۔ کسی سے کھودی جانے والی قبر جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ یہی حقیقی اور شرعی قبر ہے۔ قرآن مجید میں اسی کو قبر کہا گیا ہے ''ولا تقم علی قبرہ، اذا القبور بعثرت، اماتہ فاقبرہ'' وغیرہ وغیرہ آیات اس کی دلیل ہیں۔ ''فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض'' میں قبر کھودنے کی ترکیب بتلائی گئی ہے۔ قبر سے مراد برزخ کہنے سے قبر شرعی کی ہرگز نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ قبر میت کے لئے ظرف مکان ہے اور برزخ میت کے لئے ظرف زمان ہے۔ الحمدللہ!

آپ نے بھی برزخ کو ایک جہان کہہ کر تسلیم کر لیا کہ برزخ ظرف زمان ہے۔ اسی لئے تو آپ اس کو عالم برزخ تسلیم کرتے ہیں اور موت سے لے کر قیامت تک کے درمیانی وقت اور زمانے کو عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ اس کو بھی آپ نے تسلیم کر لیا ہے۔ جب قبر ظرف مکان اور برزخ ظرف زمان ہے تو ان میں کوئی تضاد اور تنافی نہیں ہے۔ بلکہ بیک وقت یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں اور صادق آتی ہیں۔ دیکھو اہل دنیا بیک وقت عالم دنیا میں بھی ہیں اور اپنے گھروں میں، دکانوں، مسجدوں اور مدرسوں میں بھی ہیں۔ کیونکہ کہ عالم دنیا زندہ لوگوں کے لئے ظرف زمان ہے اور گھر دکان مسجد مدرسہ وغیرہ ان کے ظرف مکان ہیں۔

مثلاً رات کا وقت ہے اور زید مسجد میں بیٹھا ہے تو کہا جائے گا کہ زید مسجد میں ہے اور رات میں ہے۔ مسجد اس کے لئے ظرف مکان اور رات اس کے لئے ظرف زمان ہے۔ کوئی عقلمند یہ نہ کہے گا کہ اگر مسجد میں ہے تو رات میں نہیں اور رات میں ہے تو مسجد میں نہیں۔ کیونکہ مسجد اور رات ایک دوسرے کی ضدیں نہیں ہیں۔ بلکہ بیک وقت دونوں صادق ہیں۔ ہاں مکان سے مکان کی نفی ہوتی ہے کہ زید مسجد میں ہوگا دکان پر نہ ہوگا اور دکان پر ہوگا تو مسجد میں نہیں ہوگا اور اسی طرح زمان سے زمان کی نفی ہوتی ہے کہ جو شخص رات میں ہوگا وہ دن میں نہیں ہوگا۔ جو دن میں ہوگا وہ رات میں نہیں ہوگا۔ بیک وقت مسجد اور مکان اور دن و رات صادق نہیں آتے۔ لیکن زمان و مکان تو بیک وقت جمع ہوتے ہیں اور ایک سے دوسرے کی نفی کر دینا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔

جب آپ برزخ کو عالم جہان کہہ کر ظرف زمان ظاہر کر رہے ہیں تو برزخ کہنے سے قبر کی کیسے نفی ہوگی جب کہ کسّی سے کھودی جانے والی قبر کو آپ ظرف مکان ظاہر کر رہے ہو۔ بہانگ دہل اپنی قرآن دانی پر ناز کرنے والو ذرا بتاؤ برزخ کہنے سے قبر کی نفی کیسے ہوتی ہے۔ درحقیقت مردہ قبر میں بھی ہے اور برزخ میں بھی ہے قبر مردہ کے لئے مکان اور برزخ زمان ہے۔ دونوں بیک وقت سچی آتی ہیں۔ جب یہ متعین ہوگیا کہ عالم برزخ ظرف زمان ہے اور وہ موت سے شروع ہو جاتا ہے۔ پس یہ معلوم ہوگیا کہ مرنے کے بعد آدمی روح اور جسد سمیت عالم برزخ میں چلا جاتا ہے۔ مردہ کے روح کو عالم برزخ میں سمجھنا اور اس کے جسد کو عالم دنیا میں سمجھنا بنیادی غلطی ہے۔ جس کا آپ شکار ہو چکے ہیں۔

عزیزم! مردہ جہاں بھی پڑا ہے خواہ چار پائی پر یا شیشے کی الماری میں ہو۔ قبر میں ہو یا کسی درندے کے پیٹ میں ہو وہ عالم برزخ میں ہے۔ کیونکہ موت واقع ہونے سے اس کا زمان تبدیل ہوگیا اس کی روح جہاں بھی ہے وہ بھی برزخ میں ہے اور اس کا جسد جہاں بھی ہے وہ بھی برزخ میں ہے اور زمان کی تبدیلی سے مکان کی تبدیلی ضروری نہیں ہے۔ دیکھئے آپ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ گئے اور غروب آفتاب تک وہاں بیٹھے رہے۔ غروب آفتاب سے پہلے آپ دن میں تھے اور آپ کا زمان دن تھا۔ لیکن غروب آفتاب کے بعد وہاں بیٹھے بیٹھے آپ کا زمانہ تبدیل ہوگیا اور آپ دن سے رات کی طرف منتقل ہوگئے۔ آپ پہلے دن میں تھے اور اب رات میں چلے گئے۔ حالانکہ آپ اسی جگہ بیٹھے رہے۔

پس معلوم ہوا کہ زمانہ کی تبدیلی سے مکان کی تبدیلی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا مرنے کے بعد روح اور جسد جہاں بھی ہیں دونوں برزخ میں ہیں اور عالم برزخ مردہ کے ہر مکان کو شامل ہے۔ ہائے افسوس! آپ روح کو تو عالم برزخ میں سمجھتے ہیں اور جسد کو عالم برزخ میں نہیں سمجھتے۔ ظرف زمان سے ظرف مکان کی نفی کر کے پہلے ٹھوکر کھائی اور مردہ کو عالم برزخ سے نکال کر دوسری ٹھوکر کھائی۔

قبر سے مراد عالم برزخ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی

مرنے کے بعد قبر میں میت کی زندگی اور اعمال کے مطابق سزا و جزا، دین اسلام کے مسلمات میں سے ہے اور اس عقیدہ پر قرآن و حدیث ناطق ہیں اور اسی پر اجماع امت ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے بھی بایں الفاظ قبر کی زندگی کو تسلیم کر لیا ہے جو عالم قبر کی زندگی ہے وہ ہم بھی مانتے ہیں۔

جواب نمبر ۲: قبر کی اس کارروائی سے جو حدیث و عقائد کی کتابوں میں عذاب قبر کے عنوان سے ذکر کی جاتی ہے۔ اس عنوان سے مخالفین اسلام کو غلط فہمی ہوئی۔ وہ سمجھے کہ عذاب قبر اس قبر کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے

انہوں نے اعتراض کیا کہ جس میت کو اس قبر میں دفن نہیں کیا جاتا تو کیا اس کو عذاب نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ مخالفین اسلام کی غلط فہمی ہے۔ عذاب تو میت کو ہوتا ہے لیکن اکثر مردوں کو چونکہ دفن کیا جاتا ہے اس لئے اس کو عذاب قبر کہا جاتا ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ عذاب میت ہے۔ اگر بالفرض کسی میت کو کسی وجہ سے اس شرعی اور حقیقی قبر میں دفن نہیں کیا گیا تو وہ جہاں ہے وہی اس کی مجازی قبر ہے اور وہاں اس کو جزاء وسزا مل رہی ہے تو علماء اہلسنت نے مخالفین اسلام کے اعتراض کا قلع قمع کرنے کے لئے فرمایا کہ قبر سے مراد صرف یہی گڑھا نہیں ہے بلکہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے تا کہ برزخ مردہ کے ہر مقام کو شامل ہو جائے۔ جو مردہ اس حقیقی قبر میں ہے وہ بھی برزخ میں ہے اور جو مردہ شیشہ کی الماری میں وہ بھی برزخ میں ہے۔ جو درخت پر لگا ہوا ہے۔ وہ بھی برزخ میں ہے۔

الغرض مردہ جہاں بھی ہے وہ برزخ میں ہے یعنی عالم برزخ قبر سمیت مردہ کے ہر مکان کو شامل ہے اور قبر برزخ کے مفہوم میں داخل ہے۔ گویا علماء اہلسنت والجماعت نے قبر سے مراد عالم برزخ لے کر قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا کی تا کہ ہر مردہ جہاں بھی ہے وہ قبر کے مفہوم میں شامل ہو جائے اور مخالفین اسلام کے اعتراض کا دفعیہ بھی ہو جائے اور ان کی غلط فہمی بھی دور ہو جائے کہ جزاوسزا صرف اسی قبر میں نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ میت جہاں بھی ہے وہی اس کی قبر ہے اور وہاں اس کو جزاوسزا مل رہی ہے۔ پس علماء حق نے قبر سے برزخ مراد لے کر خود حقیقی قبر کو بھی قبر کے مفہوم سے خارج کر دیا ہے۔ یہ تیسری ٹھوکر ہے جو آپ نے کھائی ہے۔ لہٰذا ذہن نشین کر لیں کہ موت سے لے کر قیامت تک درمیانی عرصہ میں میت کو جو جزاوسزا دی جاتی ہے۔ اس کو عذاب قبر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کو عذاب برزخ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کو عالم قبر اور عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے اور یہی قبر کی زندگی ہے۔ بہر حال جو لفظ بھی استعمال کیا جائے مراد سب کی ایک ہے۔ انہی حقائق کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے آپ نے مسلسل تین ٹھوکریں کھالیں۔

۱...... ظرف زمان سے ظرف مکان کی نفی کر دی۔

۲...... مردہ کو برزخ سے باہر نکال دیا۔

۳...... قبر سے عالم برزخ مراد لے کر حقیقی قبر کو قبر کے مفہوم سے خارج کر دیا۔ کسی نے سچ کہا مصرعہ: سخن شناسی نہی دلبر خطا این جا است۔

<u>نمبر ۲</u>: آپ کو شبہ ہے کہ موت کے وقت جب روح اور جسد جدا ہو جاتے ہیں تو دونوں کو جزاء سزا کیسے ہو سکتی ہے اور جسد جب محفوظ نہیں رہتا گل سڑ جاتا ہے تو جزاء سزا کیسے ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

عزیزم! گزارش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا بتا دیا ہے کہ عالم قبر میں میت کے ساتھ یہ ساری کارروائی ہوتی ہے بلکہ بخاری وغیرہ صحاح ستہ میں تو یہ ہے کہ قبر میں ہونے والی کارروائی کو حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے تو اس کو من وعن اور بلا چوں وچرا تسلیم کرنا چاہئے اور اسی طرح روح کے جو حالات بتائے گئے ہیں۔ ان سب کو مان لینا چاہئے اللہ علی کل شئی قدیر ہیں۔ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ عالم قبر وعالم برزخ کی کارروائی ایسی نہیں جو ناممکن ہو۔ کسی مسلمان کو قبر کی زندگی کے متعلق شکوک وشبہات میں پڑنا زیب نہیں دیتا۔ لیکن افسوس کہ آپ روح کے متعلق وارد ہونے والی ساری کارروائی کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن جسد کی کارروائی کے متعلق آپ کو شبہات ہیں۔ اس لئے قبر میں جسد پر طاری ہونے والی ہر کارروائی کو آپ روح پر محمول کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ''تاویل القول بما لا یرضی به القائل'' کا مصداق ہے۔ مثلاً (صحیح بخاری

ج ا ص ۱۷۱، ۱۷۲) پر حدیث ہے۔ المیت یعذب اور (بخاری ج ا ص ۱۸۴) پر حدیث ہے۔ ''المیت یعرض علیہ مقعدہ'' ان حدیثوں میں واضح طور پر بتایا گیا کہ میت کو عذاب ہوتا ہے اور میت پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے تو اب اس حدیث میں میت سے روح کیسے مراد لی جاسکتی ہے۔ جب کہ آپ نے کہہ دیا کہ روح کو موت نہیں بلکہ اجزائے اصلیہ کو بھی موت نہیں آتی۔

دیکھو آپ کا جواب (ص ۷ تا ۱۵) لہٰذا حدیثوں میں جو آیا ہے ''المیت یعذب'' اس سے روح مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ آپ کے نزدیک اس کو موت نہیں آئی تو وہ میت کہلانے کی حق دار نہیں ہے۔ پس المیت کا اطلاق قبر میں پڑے ہوئے جسد پر راست آتا ہے۔ ہاں بے جا تاویلات کا دروازہ تو آپ نے کھول رکھا ہے۔ لیکن طفل تسلی اور بے سود ہے تو میں عرض کررہا ہوں کہ جس طرح عالم برزخ میں روح پر طاری ہونے والے حالات بتائے گئے۔ اسی طرح جسد پر طاری ہونے والے حالات بھی بتائے گئے ہیں۔ بلکہ جسد پر طاری ہونے والے حالات نسبتاً زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً (بخاری ج ا ص ۱۷۵) پر حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ''اذا وضعت الجنازۃ فاحتملھا الانسان علی اعناقھم فان کانت صالحۃ قالت قدمونی وان کانت غیر صالحۃ قالت یا ویلھا این تذھبون بھا یسمع صوتھا کل شئ الانسان'' اور (صحیح بخاری شریف ج ا ص ۱۷۶) پر یہ حدیث موجود ہے ''اسرعوا بالجنائز فان تک صالحۃ فخیر تقدمھا الیہ وان تک سوی ذالک فشر تضعونہ عن رقابکم'' (بخاری ج ا ص ۱۷۸) پر حدیث موجود ہے ''العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی وذھب اصحابہ حتی انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فاقعدہ'' (بخاری شریف ج ا ص ۱۸۲) پر یہ حدیث موجود ہے ''مر النبی ﷺ بقبرین یعذبان'' اور (بخاری شریف ج ا ص ۱۸۳) پر یہ حدیث موجود ہے ''اذا قعد المؤمن فی قبرہ'' اور (بخاری ج ا ص ۱۸۳) پر حدیث موجود ہے ''اطلع النبی ﷺ علی اھل القلیب فقال وجدتم ما وعد ربکم حقا فقیل لہ تدعوا امواتاً قال ما انتم باسمع منھم'' اور (بخاری ج ا ص ۱۸۴) پر یہ حدیث موجود ہے ''فیقعدانہ'' اور (بخاری ج ا ص ۱۸۴) پر یہ حدیث موجود ہے ''خرج النبی ﷺ وقد وجبت الشمس فسمع صوتا فقال یھود یعذبان فی قبورھم'' اور بخاری شریف کے اسی صفحہ پر یہ الفاظ موجود ہیں ''ھذا مقعدک حتی یبعث اللہ یوم القیامۃ''

اور (مسلم شریف ج ا ص ۲۱۷) پر حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ''یعذبون عذابا تسمعہ البھائم'' اور (مسلم شریف ج ا ص ۳۱۰) پر لفظ ہیں ''ان ھذہ القبور مملوۃ ظلمۃ علی ویلھا'' اور (مسلم شریف ج ا ص ۷۶) پر حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ کی وصیت کے یہ الفاظ ہیں ''فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمھا حتی استانس بکم وانظر ما ذا اراجع بہ رسل ربی'' اور (مشکوٰۃ ص ۲۵) پر بحوالہ مسلم شریف حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ''بینا رسول اللہ ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلۃ لہ ونحن معہ اذ حادت بہ فکادت تلقیہ واذا اقبر ستۃ او خمسۃ فلولا ان لا تدافنوا الدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منہ ثم اقبل علینا بوجھہ فقال'' اور (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵) بحوالہ ترمذی یہ حدیث موجود ہے ''اذا اقبر المیت اتاہ ملکان فیقال للارض التمی علیہ'' اور (مشکوٰۃ ص ۲۶) پر بحوالہ ابن ماجہ یہ حدیث موجود ہے ''اذا دخل المیت مثلت لھا الشمس عند غروبھا'' اور (مشکوٰۃ ص ۲۶) بحوالہ ابوداؤد یہ حدیث موجود ہے ''کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ بالتثبیت فانہ الآن یسال'' رواہ ابوداؤد، اور

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۸) بحوالہ ترمذی یہ حدیث موجود ہے ''اذا دفن العبد المومن قال له القبر مرحبا و اهلا اما ان کنت لاحب من یمشی علی ظهری الیَّ فاذ ولیتک الیوم و صرت الی فستری صنیعی بک فیلتئم علیه حتی تختلف اضلاعه'' اور بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت (مشکوٰۃ ص ۲۰۷) پر موجود ہے کہ ایک گنہگار نے اپنے جسد عنصری کو جلا دینے کا حکم دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے جسد عنصری کے اجزاء کو جمع فرما کر سوال کیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''فامر الله البحر فجمع ما فیه و امر البر فجمع ما فیه'' (ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۹) پر حضور اکرم ﷺ نے قبر کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں: ''انا بیت الغربة، انا بیت الوحدة، انا بیت التراب، انا بیت الدودہ''

عزیزم! ان سب حدیثوں میں جسد مدفونہ کی جزا و سزا کا ثبوت ہے۔ احادیث مذکورہ بالا کا ایک ایک لفظ جسد پر وارد ہونے والی کارروائی کو صاف اور واضح بیان کر رہا ہے۔ آپ کس کس کی کیا کیا بے جا تاویل کریں گے۔ انہی ناروا تاویلات کے ذریعے بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور دین اسلام کی اصلی اور حقیقی صورت کو مسخ کر چکے ہیں۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۸۶) پر تو گویا جسد عنصری کی تصریح موجود ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کسی مومن نیک صالح کی روح کو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں تو آسمان کے فرشتے ان الفاظ میں اس کو دعا دیتے ہیں: ''صلی الله علیک و علی جسدک کنت تعمرینه'' الحمدللہ! یہ حدیث روح اور جسد عنصری دونوں کے مرحوم ہونے پر اور انعام پر پانے پر نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اب بھی تیرا دل نہ مانے تو بہانے ہزار ہیں۔

عزیزم! اس سلسلہ کی پانچ آیتیں آپ کے ہاں پہنچ چکی ہیں۔ اب ان حدیثوں کو بھی ان کے ساتھ شامل کر لیجئے۔ اب قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہو گیا کہ عالم برزخ عالم قبر کی کارروائی روح اور جسد دونوں پر وارد ہوتی ہے۔ اگر رحمت کے حقدار ہوتے ہیں تو دونوں پر رحمت نازل ہوتی ہے اور اگر لعنت کے حق دار ہوتے ہیں تو دونوں پر لعنت ہوتی ہے۔ بہر حال مرنے کے بعد والی جزاء و سزا میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ باقی رہا آپ کا یہ شبہ کہ موت کے وقت سے جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو چکے ہیں تو دونوں کو جزا و سزا کیسے ملتی ہے؟ ویسے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں پر کسی مسلمان کو شک و شبہ پیدا کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ لیکن اس کے باوجود علماء اہلسنت والجماعت نے اس قسم کے تمام شبہات کے ازالہ کے لئے خواب کی مثال بیان کی تاکہ عالم قبر کی زندگی اور کارروائی اقرب الی الاذہان ہو جائے اور سب اشکال دور ہو جائیں۔ کیونکہ عالم خواب عالم قبر سے کچھ نہ کچھ ملتا جلتا ہے۔

جب آدمی سوتا ہے تو اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے ''والتی لم تمت فی منامها'' اس کی دلیل ہے اور نیند کے وقت جسد کی اکثر مشینری معطل ہو جاتی ہے۔ آنکھ زبان وغیرہ بند ہیں اور ہاتھ پاؤں وغیرہ ساکن ہیں۔ دیکھنے والوں کو سونے والا بے حرکت نظر آتا ہے۔ ادھر روح عالم خواب کی سیر و سیاحت میں معروف ہوتی ہے اور روح اس عالم میں چارپائی پر پڑے ہوئے جسد کو اپنے ہمراہ محسوس کرتی ہے اور روح عالم خواب میں بصورت انسانی محو عمل ہوتی ہے۔ جو زبان دنیا والوں کی نگاہ میں بند ہے وہی زبان عالم خواب میں روح کے ساتھ بول رہی ہے اور جو آنکھ ہماری نظروں میں بند ہے روح اسی آنکھ سے اس عالم میں دیکھ رہی ہے۔ جو ہاتھ پاؤں ہمارے سامنے ساکن پڑے ہیں۔ وہی معروف عمل ہیں اور عالم خواب میں روح پر خوشی و غمی اور دکھ سکھ کے جو حالات طاری ہو رہے ہیں جسد اس میں روح کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔

اگر روتی ہے تو بعض دفعہ سونے والے کے منہ سے بھی رونے کی آواز نکلتی ہے۔ جس کو دنیا والے مشاہدہ

بھی کرتے ہیں۔ اگر روح ہنستی ہے تو ادھر جسد سے بھی ہنسنے کی آواز نکلتی ہے۔ بعض اوقات سونے والا کانپتا ہے اور گھبرا کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ یہ اس لئے کہ روح پر طاری ہونے والے حالات سے یہ برابر متاثر ہوتا رہتا ہے تو اسی طرح عالم قبر اور عالم برزخ کی کارروائی کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ موت کے وقت روح اور جسد اگرچہ جدا ہو جاتے ہیں اور روح جہاں بھی ہو جنت یا دوزخ میں علیین میں یا سجین میں آسمان میں یا زمین میں۔ وہ بہر حال قبر میں پڑے ہوئے جسد کو اپنے ہمراہ محسوس کرتی ہے اور روح وہاں بصورا نسانی ہوتی ہے اور روح پر دکھ سکھ کے جو حالات طاری ہوتے ہیں، قبر میں پڑا ہوا جسد چاہے جس حال میں بھی ہو ان سے برابر متاثر ہوتا ہے۔

جس طرح کہ سونے والے کا جسم چارپائی پر پڑے رہنے کے باوجود روح کے ساتھ مصروف عمل بھی ہے اور شریک رنج وراحت بھی ہے ''وما ذالک علی اللہ بعزیز'' اب یہ شبہ بھی دفع ہو گیا کہ عذاب قبر ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔ سونے والے کے پاس آدمی بیٹھا ہوتا ہے اور سونے والے کے ساتھ عالم خواب میں بہت کچھ ہو رہا ہوتا ہے۔ لیکن پاس بیٹھنے والے کو کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح قبر کی کارروائی دنیا والوں کو نظر نہیں آتی۔ الّا ماشاء اللہ!

عالم قبر کی کارروائی کو اقرب الفہم کرنے کے لئے خواب کی مثال دینے والے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن قیم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح مسلم، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو (احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۵۱۰، کتاب الروح ص ۸۸، ۸۹، حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴، نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۸۸، احکام قرآن ج ۴ ص ۱۰۵، معارف القرآن ج ۴ ص ۲۳۷)

واضح رہے کہ خواب کی یہ مثال مستنبط من الکتاب والسنۃ ہے۔ چنانچہ نکیرین سوال و جواب کے بعد میت کو کہتے ہیں۔ نم صالحاً (بخاری ج ۱ ص ۱۹ و ۱۴۴) اور کہتے ہیں: ''نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیہ'' (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۲۷) نیز قرآن مجید میں قبر پر مرقد کا اطلاق بھی کیا گیا ہے اور اس کی تردید بھی نہیں کی گئی۔ مرحومین بزرگان کو بایں الفاظ دعا بھی دی جاتی ہے نور اللہ مرقدہٗ۔ پس قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ قبر ایک قسم کی خوابگاہ ہے۔

۳...... آپ نے گلہ دیا کہ بندہ عاجز موضوع سے باہر نکل گیا۔ آپ کا یہ شکوہ بے جا ہے۔ میں نے موضوع سے باہر کی کوئی بات نہیں کی۔ آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کی زندگی کے متعلق سوال کیا اور اس کی دلیل پوچھی میں نے جواب دیا کہ بشمول انبیاء کرام علیہم السلام قبر میں ہر مردہ کو ایک خاص قسم کی زندگی عطا کی جاتی ہے۔ البتہ انبیاء کرام اس حیات میں دیگر اموات سے ممتاز ہوتے ہیں۔ بہر حال نفس حیات ہر مردہ کو حاصل ہوتی ہے۔ جس کا ثبوت پانچ آیات قرآنیہ سے آپ کی خدمت میں بھیج دیا گیا تھا۔ عزیزم اس کو موضوع سے باہر جانا نہیں کہتے۔ دیکھو بریلوی لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر، عالم الغیب اور مختار کل سمجھتے ہیں اور ہمارے علماء کرام خصوصی دلائل کے ساتھ ساتھ عمومی آیات و احادیث سے بھی ان کے نظریے کی تردید کرتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں، کوئی ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں اور کوئی مختار کل نہیں اور انہی عمومی دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم الغیب ہر جگہ حاضر و ناظر اور مختار کل نہیں ہیں اور ہمارے علماء کے اس استدلال کو خروج عن الموضوع نہیں کہا جاتا ہے۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی موت (بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ وہ ابھی تک زندہ ہیں) اور پھر قیامت کے دن ان کا قبروں سے اٹھنا عمومی آیات سے ثابت کیا جاتا ہے۔

مثلاً ''کل نفس ذائقۃ الموت، کل من علیھا فان، اذاالقبور بعثرت'' وغیرہ اس طرز استدلال کو بھی خروج عن الموضوع نہیں کہا گیا۔ لہٰذا بندہ نے ہر مردہ کی حیات فی القبر ثابت کرنے سے خروج عن الموضوع کا ارتکاب نہیں کیا۔ الحمدللہ علی ذالک!

باقی رہی آپ کی یہ ناراضگی کی کہ ان آیات سے نفس حیات تو ثابت ہوتی ہے لیکن روح اور جسد کے مجموعہ کی حیات ثابت نہیں ہوتی۔ حتی کہ آپ نے مجھے تحریف قرآن کا الزام دے دیا۔ نعوذباللہ من ذالک! عزیزم غصہ مت کھائیں، الزام تراشی گناہ ہے۔ میں نے جو روح اور جسد عنصری دونوں کے لئے جزاوسزا قرآن وحدیث سے ثابت کیا۔ یہ میرا تفرد نہیں ہے اور نہ ہی میں نے آیات کا نیا معنی نکالا ہے۔ بلکہ پوری امت مسلمہ کے مفسرین اور محدثین نے یہی کچھ لکھا ہے کہ عالم قبر کی جزاوسزا روح اور جسد دونوں کو ہوتی ہے۔ چنانچہ چند تفسیروں کے نام لکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص ۷۵، ج ۱۵ ص ۱۶۱، ج ۸ ص ۱۱۸، ج ۲۲ ص ۳۰ تا ۳۸، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۶۷، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۹۰ وص ۱۷۱، ج ۸ ص ۲۲۰، تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۱۰۰، تفسیر عثمانی ص ۷۶۶، تفسیر نسفی ج ۴ ص ۳۹، تفسیر بیضاوی ص ۲۲۰ وص ۲۵۴ وص ۲۴ وص ۴۳۲، بیان القرآن ج ۳ ص ۱۱۳، تفسیر قرطبی ج ۱۳ ص ۲۳۳، تفسیر مظہری ج ۱ ص ۷۷، ج ۱۱ ص ۲۲۵، معارف القرآن ج ۳ ص ۱۱۳ ج ۵ ص ۲۳۶، ج ۳ ص ۵۶۶، احکام القرآن لمفتی محمد شفیع ص ۷۷ تا ۱۱۷۔

قرآن مجید کی ان بارہ تفسیروں میں وہی کچھ لکھا ہے جس کو میں نے عرض کیا کہ روح اور جسد کا آپس میں تعلق ہے۔ جس کی وجہ سے یہ دونوں باوجود جدا ہونے کے جزاوسزا پاتے ہیں اور یہی عدل وانصاف کا تقاضہ ہے۔ باقی آپ نے تفسیر جلالین کا حوالہ دیا۔ جلالین کے ایک نصف کے مؤلف امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مستقل کتاب اس مسئلہ پر لکھ گئے ہیں کہ عالم قبر عالم برزخ میں روح اور جسد کا تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے دونوں اعمال کے مطابق جزاء وسزا پاتے ہیں۔ دیکھو (شرح الصدور للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶۱، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۲۲، ۹۶) جلالین کے مؤلف سمیت جس مفسر کی تفسیر پر فیصلہ قبول فرمالیں بندہ حاضر ہے۔

انتباہ: باقی کسی تفسیر میں ''ذالک لروحھم یا ارواحھم یا حیات روحانی'' کے الفاظ دیکھ کر ہرگز دھوکہ نہ کھانا اور نہ دینا۔

اس قسم کی باتوں سے مفسر کا مقصد صرف روحانی جزاء وسزا بیان کر کے جسد کی نفی کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ مقصد جزاء وسزا کی صورت بتلانا ہوتا ہے۔ کیونکہ عالم قبر میں روح نمایاں اور جسم اس کے تابع ہوتا ہے۔ جب کہ عالم دنیا میں جسد نمایاں اور روح اس کے تابع ہوتی ہے۔ یہاں دنیا میں اصل تکلیف جسم کو پہنچتی ہے اور جسم کے واسطہ سے روح متاثر ہوتی ہے۔ اس لئے دنیاوی تکلیف کو جسمانی اذیت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں جسم اصل ہے اور روح تابع اور جسمانی اذیت کہنے سے روح کی تکلیف کی ہرگز نفی نہیں ہوتی۔ چونکہ عالم قبر کا معاملہ اس کے برعکس وہاں روح اصل اور نمایاں ہے اور جسد تابع ہے تو وہاں کی تکلیف کو روحانی عذاب روحانی حیات کہا جاتا ہے۔ چونکہ جسد روح کے تابع ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور نہ روحانی عذاب وغیرہ الفاظ سے جسد کی نفی کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مقصد روح کو اصل اور جسد کو تابع بتانا ہوتا ہے۔ مفسرین کے الفاظ سے جسد کی نفی سمجھنا ایسے ہے جیسے یہاں کوئی مریض کہے کہ یار میرے جسم میں درد ہے تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہے گا کہ اچھا یار شکر پڑھ جسم

میں تو درد ہے لیکن روح کو تو درد نہیں ہے۔ وہ تو خیریت سے ہے تو بہر حال عالم دنیا میں جسمانی اذیت سے روحانی اذیت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اثبات ہوتا ہے اور عالم برزخ میں روحانی عذاب یا روحانی راحت کہنے سے جسد کی نفی نہیں ہوتی بلکہ بالتبع اثبات ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو

(کتاب الروح لابن القیم ص ۸۸، ۸۹، شرح فقہ اکبر لعلی قاری ص ۱۲۶، احکام القرآن ص ۹۹، ۱۰۰)

اس کی دلیل یہ ہے کہ جو مفسرین کرام ''لارواحھم ذالک لروحھم'' یا حیات روحانی اور عذاب روحانی سے تفسیر کرتے ہیں۔ وہی مفسر اپنی انہی تفسیروں میں روح اور جسد دونوں کی جزا وسزا بھی بیان کرتے ہیں اور تعلق بھی ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ بارہ تفسیروں کے حوالہ جات آپ دیکھ چکے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بندہ عاجز نے جو کچھ آیات قرآنیہ کے مفہوم کے متعلق لکھا مفسرین کی تفسیروں کے مطابق لکھا۔ الحمدللہ!

غلط تفسیر بیان کرنے کا الزام خود غلط ہے۔ اہلسنت والجماعت کا کوئی مفسر ایسا نہیں گزرا جس نے جسد کے معذب یا منعم ہونے کا انکار کیا ہو یا پھر ان کے تعلق کا منکر بنا ہو۔ درحقیقت مفسرین کی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے آپ کو یہ چوتھی ٹھوکر لگی۔ وہ عالم برزخ و عالم قبر کی جزاوسزا کی صورت بتاتے ہیں کہ وہاں روح اصل اور نمایاں ہے اور جسد اس کے تابع ہے۔ لیکن آپ روح کے لفظ کو دیکھ کر خوشی سے پھول جاتے ہیں کہ اب روح کا ذکر ہے جسد کا ذکر نہیں۔ لہٰذا خود جسد کی نفی ہو گئی۔

عزیزم! تفسیروں کے سمجھنے کی کوشش کرو مفسرین عذاب برزخ وقبر کی صورت بتانا چاہتے ہیں اور آپ جسد کی نفی سمجھنے لگتے ہیں۔ سخن شناس نہ دلبر خطا این جا است۔ اس کی صورت ہی خواب والی ہے۔

۴۔۔۔۔۔۔ آپ نے کئی بار اپنے جواب میں سوال کیا ہے کہ روح اور جسد کے تعلق کو ثابت کرو؟ یہ تعلق کہاں سے ثابت ہے؟

عزیزم! کتاب وسنت کے کثیر التعداد دلائل سے قبر کی زندگی اور قبر کی جزاوسزا ثابت ہے قبر کی زندگی اور جزا وسزا کو آپ نے الحمدللہ بایں الفاظ تسلیم کیا ہے۔ ''مطلق حیات قبر اور مطلق حیات الانبیاء کا ہم میں سے کوئی بھی منکر نہیں۔''

آپ کا جواب نمبر ا: قرآن وحدیث کے جن دلائل سے حیات قبر اور قبر کی جزاوسزا ثابت ہوتی ہے انہی دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس حیات اور جزاوسزا کا تعلق روح اور جسد دونوں کے ساتھ ہے۔ دس سے زائد آیات میں سے پانچ آپ کے پاس پہلے خط کے ذریعہ پہنچ چکی ہیں اور ستر سے زائد احادیث میں سے تقریباً بیس اس خط میں آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ جس میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ قبر کی کارروائی میں جسد بھی شامل ہوتا ہے اور علماء اہلسنت والجماعت کے تمام طبقے اس پر متفق ہیں۔ مفسرین کی تفسیروں کے حوالے لکھے جا چکے ہیں۔ محدثین، فقہا اور متکلمین اسلام نے بھی یہی کہا ہے کہ قبر کی کارروائی روح اور جسد دونوں پر طاری ہوتی ہے۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو وہ سب حوالہ جات آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ اب بخوف طوالت اختصار کیا جاتا ہے۔ پھر بھی چند حوالے دیکھ لیں۔ علامہ نووی لکھتے ہیں: ''ثم المعذب عند اھل السنۃ الجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح الیہ او الی جزء منہ''

(شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶) اسی طرح (فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۴، فتح القدیر ج ۴ ص ۹۹)

عزیزم! پوری امت کے علماء جو اتفاق فرما رہے ہیں کہ قبر کی جزاء وسزا دونوں پر وارد ہوتی ہے۔ اس اجماع کی بنیاد وہی دس سے زائد آیات اور ستر سے زائد احادیث ہیں جن سے روح اور جسد دونوں کی جزاء وسزا اور

حیات ثابت ہوتی ہے۔ پوری امت کے علماء نے قرآن وحدیث سے جو عقیدہ ثابت کیا (روح اور جسد کے معذب ہونے کا) تو آپ نے کیسے مجھے الزام دے دیا کہ قرآن کی تفسیر غلط بیان کی۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم!

عزیزم! خفا کیوں ہوتے ہو! بندہ عاجز نے فہم سلف صالحین کی روشنی میں آیات کا مطلب بیان کیا ہے کہ مرنے کے بعد والی کارروائی روح اور جسد کے مجموعہ پر وارد ہوتی ہے۔ اب بھی آپ مجھے غلط بیانی کا الزام دیں تو آپ کی مرضی۔ جو شخص ضد میں آ کر دو ضرب دو کو پانچ بتانے پر مصر ہو اس کا علاج اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا۔

خیر میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ قرآن وحدیث سے یہ مسلمہ حقیقت ثابت ہے کہ قبر و برزخ کی حیات اور جزا وسزا روح اور جسد دونوں کو حاصل ہے۔ جسد کا حیات برزخی میں شامل ہونا اتنی بڑی حقیقت ہے کہ اس کا انکار تو آپ کے شیخ نیلوی صاحب بھی نہیں کرتے بلکہ وہ حیات برزخی میں جسد کو روح کے ساتھ شامل کرتے ہیں۔ البتہ وہ اس حیات میں جسد عنصری کے بجائے جسد مثالی کو شامل کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''مرنے کے بعد بھی انسان زندہ ہی رہتا ہے۔ مگر لباس و مکان بدل لیتا ہے۔ تبدیلی لباس جدید و مکان جدید سے انسان کو فرحت یا غمی ہوتی ہے۔ مگر مرتا نہیں۔ ایسے جسد عنصری کا لباس اتار کر جسد مثالی کا لباس پہن لینے اور دار دنیا سے منتقل ہو کر دار برزخ میں پہنچ جانے سے بھی انسان نہیں مرتا۔'' (ندائے حق ص ۲)

پھر لکھتے ہیں یہی مسلک صحیح ہے کہ ان ابدان محسوسہ سے نکل کر روح دوسرے مثالی جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ (ص ۱۵) عزیزم! اپنے شیخ کی مذکورہ بالا عبارت پر غور فرمائیں۔ آپ کے شیخ روح کے ساتھ جسد کو حیات میں شامل فرما رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ صاحب کے نزدیک روح کے ساتھ جسد کا حیات میں شامل ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ کیونکہ بزعم خویش آپ قرآن وحدیث سے باہر نہیں جاتے۔ اب قرآن کی وہ کون سی آیات ہیں جن سے روح کے ساتھ جسد کا شریک حیات ہونا ثابت ہوگا۔ گو مثالی ہی سہی!

بہرحال آیات تو وہی ہیں جو بندہ عاجز نے پیش کی ہیں۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ پوری امت نے جسد سے مراد جسد عنصری لیا۔ کیونکہ عالم دنیا میں نیکی اور برائی کے کاموں میں یہی جسد عنصری روح کا شریک حیات تھا۔ لہٰذا مرنے کے بعد والی حیات اور جزا و سزا میں اسی جسد عنصری کو شریک حیات ہو کر جزاء وسزا پانی چاہئے اور آپ کے شیخ نے جسد عنصری کے بجائے جسد مثالی کو شریک بنا دیا۔ حالانکہ یہ ناانصافی ہے، کرے کوئی بھرے کوئی۔

بہرحال ایک ہی آیات ہیں جن سے علماء اہلسنت نے جسد عنصری ثابت کیا اور شیخ نے مثالی ثابت کیا۔ ورنہ وہاں حضرت شیخ سے پوچھ لینا کہ یہ روح کے لئے جسد مثالی کس آیت سے ثابت ہے تو الحمدللہ آپ کے شیخ کے قلم سے ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد روح کے ساتھ کوئی نہ کوئی جسد شریک ہوتا ہے۔ لیکن آپ جسد کو ثابت نہیں سمجھتے۔ بلکہ پیش کردہ آیات کو صرف روح کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ لیکن یہ فیصلہ آپ وہاں کر لینا۔ بہرحال قبر کی زندگی بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہوئی۔ جس کو آپ تسلیم کرتے ہیں اور اس زندگی میں روح کے ساتھ جسد کا شریک ہونا بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہو گیا جس کو آپ کے شیخ سمیت پوری امت کے علماء نے تسلیم کیا۔

البتہ پوری امت نے دنیا والا جسد بتایا اور حضرت شیخ نے جسد مثالی بنایا۔ لیکن آپ نے صرف روح کا قول کر کے اہلسنت سے علیحدگی اختیار کر لی اور حضرت شیخ صاحب کے راستہ کو بھی چھوڑ دیا۔ عزیزم قرآن وحدیث کے مجموعہ سے روح اور جسد کے مجموعہ کے لئے ثابت ہونے والی زندگی جو کہ ہر مرنے والے کو ثابت اور مسلم ہے۔ یہی

زندگی عقیدہ حیات الانبیاء کی بنیاد ہے۔ کتنی ناانصافی کی بات ہے کہ مرنے کے بعد عذاب دینے کے لئے کفار کو زندہ کیا جاتا ہے۔ عامۃ المومنین کو انعام اور راحت دینے کے لئے زندہ کیا جاتا ہے۔ شہداء کرام کو ان سب سے بڑھ کر اعلیٰ قسم کی حیات دی جاتی ہے۔ پھر اس حیات میں جسد کو بھی شریک کیا جاتا ہے۔ مثالی عند الشیخ اور عنصری عند اہلسنت۔ لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اس قسم کی حیات سے محروم رکھا جائے۔ عامۃ المومنین تو انعام اور راحت قبر میں حاصل کریں۔ لیکن اگر انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور انعام وراحت انہیں دلائل سے ثابت کی جائے تو فوراً اعتراض ہوتا ہے کہ آپ موضوع سے باہر نکل گئے۔ کیوں جناب! آپ کا انصاف یہی فیصلہ کرتا ہے؟ عزیزم! اگر بندہ عاجز کے پیش کردہ دلائل سے حیات الانبیاء ثابت نہیں ہوتی بلکہ آدمی موضوع سے باہر نکل جاتا ہے تو آپ بھی بزعم خویش حیات الانبیاء کے قائل ہیں تو بتائیں وہ کون سے دلائل ہیں جن سے حیات الانبیاء ثابت ہوتی ہے؟ دیدہ باید!

اب رہا مسئلہ تعلق کا تو اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ جب کتاب وسنت سے یہ ثابت شدہ ومسلم شدہ حقیقت ہے کہ موت کے وقت روح اور جسد ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور نیز یہ بھی کتاب وسنت سے ثابت شدہ ومسلمہ حقیقت ہے کہ موت کے بعد اعمال کے مطابق جزاء یا سزا روح اور جسد دونوں کو ملتی ہے۔ پس باوجود دونوں کے ہونے کے اور اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ جانے کے دونوں کو جزاء وسزا کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ہر ذی شعور اور ذی علم آدمی ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ دونوں کی جزاء وسزا کی صحیح اور معقول صورت یہی ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک خاص قسم کا تعلق ہے۔ جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے دونوں جدا ہونے کے باوجود جزاء یا سزا کے مورد بن رہے ہیں۔ لہٰذا اس تعلق کی بنیاد وہی آیتیں اور حدیثیں ہیں جن سے روح اور جسد دونوں کا معذب اور منعم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

روح اور جسد دونوں کے معذب یا منعم ثابت کرنے والی آیتوں اور حدیثوں کو تعلق ایسے لازم ہے جیسے سورج کو روشنی لازم ہے۔ جن لوگوں نے جسد کے معذب یا منعم ہونے کو تسلیم کیا۔ انہوں نے تعلق کو بآسانی تسلیم کیا۔ کیونکہ برزخی جزا یا سزا کی صحیح اور معقول صورت اسی تعلق پر موقوف ہے۔ البتہ جو لوگ جسد کو جزاء وسزا میں روح کا شریک نہیں سمجھتے۔ ان کے لئے تعلق کا ماننا مشکل بھی ہے اور بے سود بھی ہے۔ چونکہ آپ جسد کی جزا وسزا کے منکر ہیں۔ لہٰذا پہلے آپ کو ان آیات اور احادیث کا جواب دینا چاہئے۔ جن سے صراحت اور وضاحت کے ساتھ جسد کا معذب ہونا یا منعم ہونا ثابت ہوتا ہے اور پھر جسد کی نفی پر کتاب وسنت سے دلائل دینے چاہئیں کیونکہ اگر آپ جسد کی نفی کسی آیت یا حدیث سے ثابت کر دیں گے تو تعلق کی نفی خود بخود ہو جائے گی اور اگر آپ جسد کی نفی کسی آیت یا حدیث سے نہیں کر سکتے بلکہ قرآن وحدیث سے جسد کا معذب یا منعم ہونا ثابت ہوتا ہے تو تعلق خود بخود لازم اور ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ جسد کی معذب یا منعم ہونے کی صحیح اور معقول صورت صرف یہی ایک ہے تو بہر صورت تعلق یا عدم تعلق کوئی مستقل علیحدہ مسئلہ اور بحث نہیں ہے۔

اصل مسئلہ جس میں بحث کی ضرورت ہے وہ جسد کا روح کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ آپ کا بار بار اصرار کرنا کہ قرآن وحدیث سے تعلق کا لفظ دکھاؤ۔ اگر لفظ تعلق کا نہ دکھلایا تو تمہاری شکست ہوگی۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی قادیانی کہے کہ مسلمانو! تم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مع الجسد العنصری مانتے ہو تو ہمیں قرآن وحدیث سے جسد عنصری کا لفظ دکھاؤ۔ ورنہ تمہاری شکست یا کوئی مرزائی کہے کہ مسلمانو! تم جو حضور اکرم ﷺ کے معراج جسمانی کو مانتے ہو تو قرآن وحدیث سے جسمانی کا لفظ دکھاؤ ورنہ تمہاری شکست۔

میرے ناقص مطالعہ کے مطابق حیات ابن مریم کے متعلق جسد عنصری کا لفظ کہیں قرآن وحدیث میں نہ ملے گا اور اسی طرح معراج جسمانی کا لفظ نہیں ملے گا اور شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ان الفاظ کے عام استعمال کا رواج نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات مع الجسد العصری برحق ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسمانی بھی برحق ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عقیدہ اور نظریہ تھا۔ جیسا کہ آج مسلمانوں کا عقیدہ اور نظریہ ہے۔ کیونکہ جن دلائل سے حیات عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہے ان ہی دلائل سے ہی جسد عنصری ثابت ہے۔ بعینہٖ جن دلائل سے حیات قبر اور قبر کی جزاء وسزا ثابت ہے۔ انہیں دلائل سے روح اور جسد کا تعلق بھی ثابت ہے۔ فافھم ثم فافھم!

باقی رہا یہ سوال کہ اس دور میں جسد عنصری، معراج جسمانی اور تعلق وغیرہ کا اظہار کیوں نہ ہوا تو بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر تسلیم وانقیاد کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ عقائد اسلامیہ کے متعلق شبہات سے ہمیشہ پاک وصاف رہے جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے وہ بے چون وچرا تسلیم کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں قیامت سے پہلے اتریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ انہوں نے تسلیم کرلیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سفر معراج کی روئیداد سنائی انہوں نے تسلیم کی کوئی اعتراض وغیرہ نہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قبر میں ہونے والے حالات بیان فرمائے تو انہوں نے آمنا وصدقنا کہا۔ کسی قسم کے شبہات نہ اٹھائے۔ لیکن جب بعد کے لوگوں نے اعتراض انکار اور شبہات کی فضا پیدا ہوئی تو اس دور کے علماء حق نے عقائد اسلامیہ کی تشریح کی اور ان ہی اصطلاحی الفاظ کے ذریعے ان کے شبہات کا رد کیا۔

لہٰذا معراج کا جسمانی ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عنصری جسد کے ساتھ آسمان پر جانا اور عذاب قبر روح اور جسد دونوں کو بالتعلق ہونا یہ سب عقائد اسلامیہ کی تشریحات ہیں۔ ان کی بنیاد کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ہے اور یہی تشریحات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انہی عقائد کو اسی طرح مانتے تھے۔ جیسا کہ آج اہلسنت والجماعت مانتے ہیں۔ البتہ ان کا اظہار اعتراض وانکار کے موقع پر ہوا۔

یہی تو وجہ ہے کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک قرآن وحدیث کی وہی تشریح وتفسیر اور معنی ومطلب صحیح ومعتبر ہے جو سلف صالحین سے منقول ہے۔ سلف صالحین کے راستہ کو چھوڑنا گمراہی ہے اور غیر مقلدیت ہے۔ اعاذنا اللہ منہ!

پس عقیدہ عذاب قبر کی جو تشریح سلف صالحین نے کی ہے وہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے اور اس کے عین مطابق ہے۔ اگر علماء حق کی یہ تشریحات خدانخواستہ صحیح نہ ہوتی تو جس دور میں علماء حق نے مخالفین اسلام کے اعتراضات کا دفعیہ کرتے ہوئے یہ تشریحات کی ہیں تو اس دور میں صحابہ کرام کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تو موجود ہوں گے تو وہ ان تشریحات کی نفی کرتے اور ان کو قرآن وحدیث کے خلاف بتاتے اور کہتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد ایسے نہ تھے۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ جب سے یہ تشریحات عام ہوئی ہیں۔ اس دور کے لوگوں نے ان کی تردید نہیں کی بلکہ تائید کی ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ تشریحات قرآن وحدیث کے مطابق ہیں اور نظریات صحابہ کے موافق ہے۔ فافھم فافھم!

اس حقیقت کو یوں سمجھئے کہ آپ نے لکھا قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ آپ کا نقل کردہ یہ جملہ ہمارے بزرگان دین کا ہے اور انہوں نے مخالفین اسلام کے اعتراض کے جواب میں یہ کہا ہے اور اعتراض یہ تھا کہ جس مردہ کو قبر نصیب نہیں ہوتی تو کیا اس کو عذاب نہیں ہوتا تو ان کے جواب میں ہمارے بزرگان نے کہا کہ قبر سے مراد صرف یہ گڑھا نہیں ہے بلکہ قبر

سے مراد عالم برزخ ہے۔ لہٰذا مردہ جہاں بھی ہو برزخ اس کو شامل ہے۔ کیونکہ برزخ کا مفہوم مردے کے ہر مقام کو شامل ہے۔ آپ بھی اس جملہ کو مانتے ہیں۔ اگرچہ آپ نے اس کا مطلب سمجھنے میں ٹھوکر کھائی۔ کیونکہ اس کا مطلب الٹا سمجھا بہرحال آپ اس جملہ کو تسلیم تو کرتے ہیں۔ عزیزم! یہ جملہ بھی عقیدہ عذاب قبر کی تشریح کی حیثیت رکھتا ہے اور ہمارے بزرگوں کی یہ تشریح حق اور سچ ہے قرآن وحدیث کے مطابق اور نظریات صحابہ رضی اللہ عنہم کے عین موافق ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود آپ اس جملہ کے الفاظ اس ترتیب سے نہ قرآن کی کسی آیت سے ثابت کر سکتے اور نہ کسی صحیح حدیث سے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے، ہاں برزخ کا لفظ قرآن مجید میں بمعنی پردہ کے استعمال ہوا۔ لیکن یہ تو کہیں نہیں کہا گیا کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ پس جس طرح یہ جملہ اس ترتیب لفظی کے ساتھ ثابت نہ ہونے کے باوجود حق اور سچ ہے۔ اسی طرح عالم برزخ میں روح اور جسد کا تعلق جس کی وجہ سے دونوں معذب یا منعم ہوتے ہیں حق اور سچ ہے۔ اگر آپ کو پھر بھی اصرار ہے کہ تعلق کا لفظ دکھاؤ، تعلق کا تو لفظ کہیں نہیں ہے تو عرض یہ ہے کہ عزیزم تعلق کے آپ بھی قائل ہو چکے ہیں اور آپ کے شیخ بھی قائل ہیں۔ البتہ علماء اہلسنت والجماعت جسد عنصری سے تعلق مانتے ہیں اور آپ جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ سے تعلق مانتے ہیں۔ یہاں آپ نے مجھ پر بے جا ناراضگی کا اظہار کر دیا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ اجزاء اصلیہ وعرفیہ میں کیا فرق ہے۔ اجزاء اصلیہ وہ نسمہ ہے۔ عزیزم غصہ تھوک دیجئے۔ آپ کا خفا ہونا بے محل ہے۔ میں نے نہ تو اجزاء کی وضاحت کی اور نہ ہی تقسیم۔ میں نے تو اتنا عرض کیا کہ آپ کے شیخ روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ مانتے ہیں۔ (ندائے حق ص ۱۵، ۲۲، ۱۸۸، ۲۰۸، ۲۱۲)

اور آپ نے بایں الفاظ مان لیا، اجزاء اصلیہ کے درمیان تو تعلق ہے آپ کا جواب نمبر ۱۵ میری گزارش یہ ہے کہ اجزاء اصلیہ جو بھی ہیں لیکن آپ ان کے ساتھ تعلق کے تو قائل ہیں نا حالانکہ بندہ سے آپ کا مطالبہ چل رہا ہے کہ تعلق کا لفظ دکھاؤ، تعلق کا ثبوت کہاں سے ہے۔

عزیم! جب آپ کے نزدیک سرے سے تعلق ہی ثابت نہیں تو آپ تعلق کے کیسے قائل ہو گئے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ جسد عنصری سے تو تعلق ثابت نہیں اور اس کے اجزاء اصلیہ سے تو تعلق ثابت ہے تو جی بسم اللہ یہی تعلق آپ قرآن وحدیث سے ثابت کر دو۔ دیدہ باید!

۵...... اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں وہ کسی کام میں اسباب وآلات کے محتاج نہیں وہ روح کے بغیر جسد سے کام لے سکتے ہیں اور جسد کے بغیر روح سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن قرآن وحدیث کے ماہرین علماء بتاتے ہیں کہ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عموماً روح سے کام لیتے وقت جسد کو اس کے ساتھ استعمال فرماتے ہیں۔ بالتعلق یا بدخول عالم دنیا میں تو یہ بات ظاہر بھی ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ روح جسد کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں دے سکتی۔ روح یہاں جسد عنصری کی زبان سے بولتی ہے اور اسی کے کان سے سنتی ہے۔ اسی کے ہاتھ وپاؤں سے کام کرتی ہے۔ اگر جسد کی زبان بند کر دی جائے تو روح بولنے سے عاجز اور اگر جسد کی آنکھ بند ہو جائے تو روح دیکھنے سے فارغ الخ۔

یہاں تو روح کی گاڑی جسد کے بغیر چل ہی نہیں سکتی۔ یہاں تو روح جسد کی سخت محتاج ہے اور اسی طرح جسد بھی روح کا سخت محتاج ہے۔ عالم آخرت میں بھی جسد روح کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ معاد جسمانی کو قرآن مجید میں پرزور دلائل سے ثابت کیا گیا۔ کیونکہ مشرکین مکہ اجساد کے دوبارہ زندہ ہونے کو بعید اور مشکل سمجھتے تھے۔ اسی لئے

اللہ تعالیٰ نے حشر اجساد کے مسئلہ کو کھول کر بیان کیا۔ مشرکین مکہ نے کہا ''من یحی العظام وھی رمیم'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یحییھا الذی انشاءھا اوّل مرۃ'' (یٰسین: ۷۹) اور فرمایا ''بلٰی قادرین علٰی ان نسوی بنانہ'' (قیامہ: ۴) لہٰذا قرآن سے ثابت ہے کہ انسان انہی اجزاء واعضاء کے ساتھ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

اور انہی اجساد کے ساتھ اعمال کے مطابق دوزخ یا بہشت میں جائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ عالم آخرت میں بھی انسانی گاڑی روح اور جسد کے مجموعہ سے چلے گی اور عالم ارواح میں بھی جب اللہ تعالیٰ نے ارواح سے وعدہ لیا تھا تو ان کو جسد عطا کئے تھے اور ارواح نے انہی اجساد کے ساتھ بلٰی کہا تھا۔ اس کی دلیل خود قرآن مجید کے الفاظ ہیں۔ ''بنی آدم، ظھور اور ذریتہ''

عزیزم! مذکورہ بالا صفات جسد پر صادق آتے ہیں اور حدیثوں میں مزید وضاحت ہے کہ ان کے جسد چیونٹی کے برابر تھے (کذرہ) آپ تو ماشاء اللہ سادسہ کے طالب علم ہونے کے باوجود بیضاوی کو سمجھنے والے ہیں۔ انداز گفتگو اور طرز استدلال سے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاگرد کی بجائے استاد بول رہا ہے اور ادھر قرآن دانی اور قرآن فہمی کے لمبے چوڑے دعوے ہیں۔ ادھر حضرات اساتذہ کرام کی پشت پناہی اور سایہ عطوفت اس پر مزید ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود آیت قرآن سمجھنے میں کتنی بڑی ٹھوکر کھائی۔

عزیزم! عالم ارواح میں بھی روح کے ساتھ جسد کی شرکت قرآن وحدیث سے ثابت ہے زیادہ تفسیریں تو وہاں خود دیکھ لینا۔ میں صرف ایک تفسیر کا اقتباس آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت وعدہ الست کی تفسیر میں لکھتے ہیں'' قرآن مجید میں اس سب ذریت آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار لینے میں اس کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ ذریت آدم جو اس وقت پشتوں سے نکالی گئی تھی۔ صرف ارواح نہیں تھے۔ بلکہ روح اور جسم کا ایسا مرکب تھا جو جسم کے لطیف ترین ذرات سے بنایا گیا تھا۔ کیوں کہ ربوبیت اور تربیت کی ضرورت زیادہ تر وہیں ہوتی ہیں۔ جہاں جسم وروح کا مرکب ہو اور جسم کا ایک حال ہے دوسرے حال تک ترقی کرنا ہو، ارواح کی یہ شان نہیں۔ وہ تو اوّل سے آخر تک ایک ہی حال پر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ احادیث مذکورہ میں جو ان کے رنگ سفید وسیاہ مذکور ہیں یا ان کی پیشانی کی چمک مذکور ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف روح بلا جسم نہیں تھی۔ ورنہ روح کا تو کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ جسم کے ساتھ یہ اوصاف متعلق ہوتے ہیں اور اس پر کوئی تعجب نہ کیا جائے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسان ایک جگہ میں کس طرح سما گئے۔ کیونکہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکورہ میں اس کی بھی تصریح ہے کہ اس وقت جو ذریت پشت آدم سے نکالی گئی تھی۔ وہ اپنے اس ڈیل ڈول کے ساتھ نہیں تھی۔ جس میں وہ دنیا میں آئیں گے بلکہ چھوٹی چیونٹی کے جثہ میں تھی اور سائنس کی اس ترقی کے زمانہ میں تو کسی سمجھ دار انسان کو کوئی اشکال اس میں ہونا ہی نہیں چاہئے کہ اتنے بڑے ڈیل ڈول کا انسان ایک چیونٹی کے جثہ میں کیسے ظاہر ہوا۔ آج تو ایٹم کے اندر تمام نظام شمسی کے موجود ہونے کا تجربہ کیا جارہا ہے۔ فلم کے ذریعے بڑی سے بڑی چیز کو ایک نقطہ کی مقدار دکھلایا جاسکتا ہے۔ اس لئے یہ کیا مشکل ہے کہ حق تعالیٰ نے اس عہد ومیثاق کے وقت تمام بنی آدم کو بہت چھوٹے جثہ میں وجود عطا فرمایا ہو'' (معارف القرآن ج ۴ ص ۱۱۳، ۱۱۴)

عزیزم! عالم ارواح میں بھی ارواح مجرد نہیں تھے وہاں بھی ان کے ساتھ اجساد استعمال کئے گئے تھے۔ لہٰذا

قرآن مجید سے آپ کا استدلال باطل ٹھہرا لیکن بندہ عاجز کے استدلالات کے پرخچے اڑانے والو! ان کا حشر کرنے والو! مجھے اپنی حماقت پر رونے کا سبق دینے والو! پانی میں ڈوب کر مرجانے کا طعنہ دینے والو! اور قرآن دانی کے ٹھیکیدارو! ذرا اپنے استدلال کی زبوں حالی کا تو ملاحظہ فرماؤ۔ اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی، الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

عزیزم! آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عالم میں روح کے ساتھ جسد کو استعمال فرما رہے ہیں تو یقین فرمائیں کہ عام برزخ میں صرف روح نہیں بلکہ بقیہ عالموں کی طرح روح کے ساتھ جسد استعمال ہوتے ہیں اس کو قیاس سمجھ کر خفا نہ ہونا۔ یہ استشہاد ہے ورنہ عالم برزخ میں روح کے ساتھ جسد کا شریک حیات ہونا تو قرآن و حدیث سے مسلمہ حقیقت ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے شیخ صاحب نے بھی وہاں روح کے لئے جسد کو ثابت کیا۔ مگر اصل کے بجائے نقل یعنی مثالی کو۔ اگر روح کی گاڑی وہاں بغیر جسد کے چل سکتی تھی تو شیخ صاحب کو روح جسد مثالی میں داخل کرنے کی کیا ضرورت پڑی۔

۶...... آپ خط میں لکھتے ہیں جونہی جہنمی کی روح نکلتی ہے تو عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ بایں حیثیت کہ فرشتے ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں کہ وہ لے جائے اور میری جان چھوٹ جائے۔ میں اس جہنمی کی روح کو نہیں لے جاتا۔ آپ کا جواب نمبر ۱۹۔

عزیزم! یہ استدلال ہرگز آپ کو مفید ثابت نہ ہوگا۔ بلکہ یہ تو آپ کے عقیدہ کی بیخ کنی کرنے والا ہے۔ کیونکہ آپ کا استدلال ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو آپ نے مفید سمجھ کر نقل کر دیا ہے۔ ورنہ پوری حدیث نقل کر دیتے تو جھگڑا ہی ختم ہوتا۔ اسی حدیث میں تو یہ الفاظ بھی موجود ہیں ''فتعاد روحه فی جسده'' جس میں اعادہ روح اور جسد عنصری کی صراحت موجود ہے۔ پس اگر اپنے پیش کردہ استدلال پر فیصلہ چاہتے ہیں تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ دیکھو آپ کے استدلال سے مسلک اہلسنت والجماعت کی کیسے تائید ہوگئی ہے۔

۷...... آپ لکھتے ہیں: البتہ ایسی آیات ضرور مل جاتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف روح کو جزا وسزا ہوئی ہے۔ اس پر آیات تحریر نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ مناظرہ کا موضوع نہیں۔ آپ کا جواب نمبر ۴۔

عزیزم! آپ ایسی آیات ضرور تحریر کر کے بھیجیں تاکہ آپ کا عقیدہ قرآن سے ثابت ہو جائے اور یہ بات موضوع سے ہرگز ہرگز خارج نہیں ہے۔ بلکہ عین موضوع ہے۔ کیونکہ اہلسنت والجماعت کا دعویٰ ہے کہ ہر مرنے والے کو بلا استثنیٰ بشمول انبیاء علیہم السلام ایک خاص قسم کی درجہ بدرجہ حیات ہے۔

اور اس حیات کا تعلق روح اور جسد عنصری دونوں سے ہے۔ اس لئے عالم برزخ کی کارروائی دونوں پر وارد ہوتی ہے اور آپ کا دعویٰ ہے کہ بلا استثناء بشمول انبیاء کرام ہر مرنے والے کے صرف روح کو حیات ہے۔ یہی موضوع ہے اور ہر فریق نے اپنے دعویٰ کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنا ہے۔ الحمدللہ! اہلسنت کی طرف سے پانچ آیات اور بیس حدیثیں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی جا چکی ہیں اور مزید بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ماشاء اللہ آپ اپنے دعویٰ پر نہ ایک آیت پیش کر سکے ہیں اور نہ صحیح حدیث۔ اب فرمایا گیا ہے کہ ایسی آیات ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف روح کو جزا وسزا ہوتی ہے۔ لہٰذا درخواست ہے کہ وہ آیات پیش کریں جن سے آپ کا دعویٰ ثابت ہو جائے۔ شکریہ!

عزیزم! اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ نبی کا لفظ دکھاؤ جس کے ساتھ جسد عنصری کی تصریح ہو۔ پھر تعلق کا بھی لفظ ہو۔ تب حیات الانبیاء ثابت ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ بلکہ موضوع ہی بدل جائے گا تو کیا آپ اپنے دعویٰ کو اس طریقہ

سے ثابت کر سکتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے روح مبارک کا لفظ ہو ساتھ حیات کی تصریح ہو۔ عدم تعلق کا لفظ ہو اور جسد عنصری کی نفی کی تصریح ہو۔ اگر کوئی ایک قید نہ پائی جائے تو آپ کا دعویٰ باطل۔ دیدہ باید!

تو مقصد یہ ہے کہ بنیاد قبر کی زندگی ہے جن دلائل سے قبر کی زندگی ثابت ہے وہ انبیاء وغیرہ انبیاء سب کو حاوی ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ''یثبت اللہ الذین آمنوا اور ولنحیینہ حیاۃ طیبۃ'' سے اور لوگوں کی حیات تو ثابت ہوتی ہے۔ لیکن انبیاء کرام کی حیات طیبہ ثابت نہیں ہوتی۔ بریلوی لوگ حضور اکرم ﷺ کے متعلق علم غیب، مختار کل اور حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہمارے علماء عام دلائل سے ان کے خاص دعویٰ کا رد کرتے ہیں تو کیا وہ موضوع سے نکل جاتے ہیں، ہاں کوئی مخصص موجود ہو تو اور بات ہے۔

اور یہاں مخصص آپ کے پاس موجود نہیں، جس سے ثابت ہو کہ قبر کی زندگی عام موتی کو حاصل ہے۔ لیکن نبیوں کو حاصل نہیں تب تو ٹھیک ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ قبر کی زندگی کے دلائل بیان نہ کرو ورنہ تمہاری شکست ہوگی۔

عزیزم! یہ عجیب منطق ہے آپ کتاب وسنت کے دلائل سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کر رہے ہیں اور شکست ہوگئی میری۔

۸ ...... آپ لکھتے ہیں تعلق کا قائل کوئی صحابی نہ ہوا۔ آپ کا جواب نمبر ۲۰

عزیزم! آپ کی عادت ہے سچی بات پر ناراض ہونے کی۔ اگر خفا نہ ہو تو ذرا بتائیں کس کتاب میں لکھا ہے کہ کوئی صحابی تعلق کا قائل نہ تھا۔ ان شاء اللہ آپ کسی کتاب کا نام نہیں بتا سکتے۔ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر نے بھی تو یہ چیلنج دیا ہے تا کہ کسی کتاب کا نام بتاؤ۔ لیکن جو کام آپ کے اساتذہ نہ کر سکے وہ آپ کے بس کی بات نہیں۔ آپ تو ابھی بچے ہیں۔ آپ ہم سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کون صحابی تعلق کا قائل تھا۔ اگر نہیں بتا سکتے تو ثابت ہو گیا کہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم عدم تعلق کے قائل تھے۔

عزیزم! آپ کا یہ استدلال تو قادیانیوں والا ہے وہ کہتے ہیں دکھاؤ کون سا صحابی رضی اللہ عنہ معراج جسمانی کا قائل تھا۔ اگر نہیں دکھا سکتے تو ثابت ہو گیا کہ کوئی صحابی معراج جسمانی کا قائل نہ تھا۔

عزیزم! جب قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ عالم برزخ کی کارروائی روح اور جسد دونوں پر وارد ہوتی ہے تو یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ بھی اسی کے مطابق تھا۔ لیکن تسلیم کی فضا تھی اور انکار واعتراض کا ماحول نہ بنا تھا تو تشریح کی نوبت نہ آئی لیکن جب انکار اور اعتراض کا دور آیا تو اہلسنت والجماعت نے عقیدہ حیات کی تشریح کر دی کہ دونوں کے معذب یا منعم ہونے کی صورت یہ ہے کہ ان کا آپس میں تعلق ہے۔ جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

اگر بالفرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعلق کے قائل نہ ہوتے اور انہوں نے اپنے دور کے لوگوں کو عدم تعلق کی تعلیم دی ہوتی تو تعلق کا قول کرنے والے علماء کرام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ٹوکتے کہ تعلق کا عقیدہ غلط ہے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدم تعلق کے قائل تھے۔ تم نے کیا بدعت نکال لی ہے۔ حالانکہ جب سے امت میں تعلق کا نظریہ چلا آرہا ہے۔ اس پر کسی دور میں نکیر نہیں ہوئی۔ پس تعلق کا تسلسل بلا نکیر چلا آنا دلیل ہے۔ اس بات کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت ساری امت تعلق کی قائل چلی آرہی ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔ ورنہ کسی دور کے علماء کی تعلق، پر نکیر دکھاؤ۔ اگر بقول شما صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدم تعلق کے قائل ہوتے تو وہ اس کی تعلیم دیتے اور عدم

تعلق کی تعلیم ہر دور کے تسلسل سے ہم تک پہنچی۔ لیکن صورت حال تو یہ ہے۔ چودھویں صدی کے اواخر میں پیدا ہونے والے لوگ عدم تعلق کا عقیدہ بناتے ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے کہ یہ عقیدہ کس کا ہے۔ کہتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور جب پوچھا جاتا ہے کہ جناب درمیان میں چودہ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اس عقیدہ کی کوئی سند یا تسلسل دکھاؤ تو خفا ہو جاتے ہیں۔ جب کہ حدیث کی سند کا ایک راوی درمیان سے نہ ہو تو وہ نا قابل قبول بنا دی جاتی ہے اور جہاں درمیان میں چودہ صدیاں ہیں وہ کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے۔

عزیزم! ''المیت یعذب المیت یعرض علیه مقعده اذا اقبر المیت یقعدانه، اقیموا حول قبری کلام المیت علی الجنازة، اسرعوا بالجنائز، حدیث قلیب بدر صلی اللہ علیک وعلی جسدک، فیعاد روحه فی جسده وغیره'' روایت کرنے والے صحابہ کرام حضرت عمر، ابن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حضرت ابن عباس، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہم کے متعلق آپ نے کیسے کہہ دیا کہ وہ عدم تعلق کے قائل تھے۔

جب کہ یہ سب حضرات جسد عنصری کے شریک جزاء وسزا ہونے کی تصریح فرما رہے ہیں۔ یہی روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور ہوئیں۔ اگر بالفرض والمحال کوئی صحابی جسد عنصری کو جزا و سزا میں شریک نہ سمجھتا ہوتا اور عدم تعلق کا قائل ہوتا تو وہ ایسی روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ضرور نکیر فرماتا۔ چنانچہ حدیث قلیب بدر جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی۔ جس سے جسد عنصری کے معذب ہونے کے ساتھ ساتھ سماع موتی بھی ثابت ہوتا ہے تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے ''ما انتم باسمع منهم'' پر نکیر فرمائی اور ان کے جسد کے معذب ہونے پر نکیر تو کیا فرماتی۔ اس کی تو ''فانهم یعلمون یفهمون'' کہہ کر تصدیق فرما دی کہ قلیب بدر میں پڑے ہوئے اجساد عنصریہ کو جو عذاب و سزا مل رہی ہے۔ وہ اس کو سمجھ رہے ہیں اور جان رہے ہیں۔ یعنی عذاب کو اور ذلت اور اپنی شکست کو محسوس کر رہے ہیں۔

کیوں میرے عزیز، قلیب بدر میں پڑے ہوئے مردوں کے لئے فہم اور علم العذاب ثابت کرنے والی سیدہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے بارے میں کس زبان سے کہتے ہو کہ وہ جسد کی جزاء یا سزا کی قائل نہ تھی۔ بلکہ عدم تعلق کی قائل تھیں صد افسوس کہ سیدہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان کا طوفان کھڑا کر دیا۔ معاذ اللہ! ''کبرت کلمة تخرج من افواههم ان یقولون الا کذبا سبحانک هذا بهتان عظیم اولئک مبرؤن مما یقولون''

عزیزم! اگر آپ نے درس انصاف پڑھا ہوتا تو آپ ایسی بات ہرگز نہ لکھتے لیکن جن لوگوں نے شریفانہ زبان میں پیش کردہ کتاب وسنت کے روشن دلائل در بارہ حیات قبر کو ورق سیاہ کرنے اور گندا رونے سے تعبیر کر دیا ان سے انصاف کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ ''واللہ المستعان علی ما تصفون''

۹...... آپ نے پوچھا کہ وفات کے کتنا عرصہ بعد روح کو جسد عنصری کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ بندہ نے جواباً لکھا تھا کہ آپ کے شیخ صاحب جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح کا تعلق مانتے ہیں۔ حوالہ جات گزر چکے ہیں۔ لہٰذا آپ یا آپ کے شیخ بتائیں کہ دفن کے بعد کتنے دنوں بعد جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ میں حیات پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک آیت قرآنی اگر آیت نہیں ہے تو کوئی صحیح حدیث پیش فرمائیں۔ ماهو جوابکم فهو جوابنا!

تو عزیزم! آپ بندہ عاجز کے اس الزامی جواب پر بہت خفا ہوئے اور کہا آپ نے تو ان کی عبارت نہیں سمجھی۔ یہ آپ کی کم علمی ہے اجزاء اصلیہ وہ نسمہ ہے اور نسمہ ہی اصل انسان یہ وجود جزء اصلی نہیں۔ جز اصلی وہ نسمہ

ہے اور یہ روح کے ساتھ نکل کر برزخ میں جاتا ہے۔ اس پر موت آئی ہی نہیں تو دوبارہ زندہ کرنے کا کیا مقصد۔ زندہ تو تب کیا جاتا جب اس پر موت آتی۔ آپ کا جواب (ص ۱۴، ۱۵)

عزیزم! آپ نے مجھے کم علمی کا طعنہ دیا اور کہا کہ آپ حضرت شیخ صاحب کی عبارت کو نہیں سمجھے۔ گزارش یہ ہے کہ بندہ اپنی کم علمی کا معترف ہے اور آپ نے جو بندہ کو القاب دیئے ہیں۔ بندہ ان سے بھی کمتر ہے۔ لیکن رہا یہ الزام کہ بندہ حضرت شیخ کی عبارت کو نہیں سمجھا تو یہ الزام سولہ آنے غلط ہے اور بے بنیاد ہے گو حضرت شیخ الحدیث صاحب کے بعض علمی مضامین بندہ عاجز کے فہم سے اوپر ہیں۔ لیکن حضرت شیخ کے مسلک اور عقیدہ کو جو کہ انہوں نے ندائے حق میں تحریر فرمایا ہے۔ الحمدللہ! بندہ اس کو خوب سمجھتا ہے اور صحیح سمجھتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب اجزائے اصلیہ کی موت کے قائل ہیں اور ان سے قبض روح کے قائل ہیں اور پھر عالم برزخ میں ان کی طرف اعادہ روح کے بھی قائل ہیں۔ آپ ندائے حق کا مطالعہ فرمائیں۔

بندہ چند اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں ''جو ذرہ پہلے زمین سے لیا گیا تھا ہر انسان میں باقی رہتا ہے۔ کبھی نہیں بدلتا اور وہ وہی جز ہے جو قائم رہتا ہے اور جس سے عہد لیا گیا ہے۔ یعنی جیسا کہ ذروں سے خطاب کرنے کی آیت میں ہے۔ جو پیشتر گزری اور قبر میں اسی پر سوال متوجہ ہوتا ہے اور وہی جواب کا ذمہ دار بنتا ہے۔ اسی طرح کہ اس میں روح لوٹا دی جاتی ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ اور اخبار سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر اسی کے ساتھ ہی باقی اعضاء جہاں جہاں ہوں گے قدرت خداوندی سے مل جائیں گے۔ یہاں تک کہ پورا آدمی بن جائے گا۔ جیسا کہ دنیا میں تھا۔ یہ ایسی بات ہے، نہ عقل اس کی مخالف ہے نہ شرع۔'' (ندائے حق جدید ص ۲۲۱)

امام رازی کا یہ قول حضرت شیخ نے اپنے مسلک کی تائید میں نقل کیا اور پھر اس کی تصدیق بایں الفاظ کردی۔ ''پیروان محمد ﷺ کے لئے جائز ہے کہ ان اجزائے اصلیہ کی تفسیر انہی ذرات کو ٹھہرائیں۔ جن کی نسبت پیشتر گزر چکا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے گئے تھے اور ان سے عہد لیا گیا تھا۔'' (ندائے جدید ص ۲۲۲)

نیز: حضرت شیخ لکھتے ہیں ''پس انسان روح اور ذرہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اسی ذرہ کو پیروان محمد ﷺ اصلی اجزاء کہتے ہیں اور یہ تمام عمر باقی رہتا ہے اور یہی بعد مرنے کے روح کے عود کرنے سے بحکم خدا زندہ ہو جائے گا اور جن سے یہ ہیکل بنی ہے۔ وہ محض زائد اجزاء ہیں۔ جو شب و روز بدلتے اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کی موت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ذرہ سے اس کی روح کو جدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح پر اس سے اور اس کی ہیکل سے جو زائد اجزاء سے بنی ہے حیات زائل ہو جاتی ہے اور اس ذرہ اور ہیکل دونوں کو موت آجاتی ہے۔ اس کے بعد ہیکل منحل ہونے لگتی ہے اور اس کا پراگندہ اور کسی دوسری ترکیب میں داخل ہونا وغیرہ جو کچھ بھی ہونے والا ہوتا رہتا ہے اور وہ ذرہ زمین کی تہوں میں محفوظ رہتا ہے۔ جیسے کہ سونے کے ذرے بوسیدہ اور منحل ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔'' (ندائے حق جدید ص ۲۲۴)

اور ایک مقام پر اپنا عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ پس نیلوی کا بیان کردہ نظریہ کہ روح کا تعلق اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی ان غیر مبصر ذرات کے ساتھ جو آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے عہد لینے کے لئے نکالے گئے تھے صحیح ہو گیا۔ پس اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ روح کا تعلق اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہے اور یہ امر یقینی ہے اور احادیث بھی اس بارے میں اسی طرف مشیر ہیں۔ بلکہ مؤید ہیں کہ جس سے عہد و میثاق لیا تھا کہ اس عہد کو پورا کرنا ہوگا۔ پھر امتحان بھی اسی سے لیا جائے گا نہ یہ کہ عہد کسی سے لیا جائے اور اس کا امتحان لیا جائے کسی اور سے۔'' (ندائے حق ص ۱۵)

پھر حضرت شیخ اپنے عقیدہ پر ایک سوال وارد کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب بھی خود دیتے ہیں۔
سوال: اب رہا یہ سوال کہ تم تو جسد مثالی میں روح کے دخول کے قائل ہو اور ادھر تم کہتے ہو کہ روح کا تعلق جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ کیا دورنگی چال ہے۔ ایک طرف بات کو لگاؤ یا جسد مثالی سے تعلق مانو یا صرف اجزاء اصلیہ سے۔

جواب: سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مجتہد نہیں ہیں پایہ اجتہاد کا نہیں رکھتے تو تم سلف صالحین کی بات کو لے کر اس پر کار بند ہو جاتے ہو۔ جب حضرت عبداللہ بن مبارک کے طریق سے ہمیں آنحضرت ﷺ کا فرمان معلوم ہو گیا۔ پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلف وخلف کے نزدیک بھی یہی مسلک صحیح ہے کہ ان ابدان محسوسہ سے نکل کر روح دوسرے مثالی جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو پھر انکار کی ہمیں کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں اگر کوئی پرویزی ذہن کا نہ مانے تو ہم اس کو منوانے کے مکلف نہیں ہیں۔ پھر علماء کا فرمان یہ بھی ہے کہ روح کا تعلق اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور تعلق بھی اتنا جس سے دکھ سکھ محسوس کر سکے۔ (الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ) کے اصول پر صرف اتنا ہی تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ سارے اجزاء کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی ضرورت نہیں کہ جس سے زائرین کو بھی جان پہچان سکے دیکھ سکے۔ ان کی باتیں سن سکے۔ ضرورت ہے تو اتنی کہ نیک ہے تو تلذذ وتنعم اس کو حاصل ہوا۔ اگر بد ہے تو گرزوں کی زد محسوس کرے۔'' (ندائے حق جدید ص ۱۵، ۱۶)

عزیزم! آپ کے شیخ صاحب کی کتاب کے چند اقتباس نقل کئے ہیں جن میں انہوں نے اجزائے اصلیہ سے روح نکلنے کو اور اجزاء اصلیہ کی موت کو تسلیم کیا ہے۔ پھر اجزاء اصلیہ کو زمین کی تہوں میں محفوظ ہونا بھی بیان کیا ہے اور پھر سوال وجواب اور دکھ سکھ کے لئے روح کا اعادہ اجزاء اصلیہ کی طرف بھی تسلیم کیا ہے۔ لیکن آپ نے تو ان سب باتوں کا اپنے جواب میں انکار کر دیا شاگرد کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ استاذ کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ:

۱...... آپ اجزاء اصلیہ سے روح نکلنے کے قائل نہیں۔ شیخ صاحب ان سے روح نکلنے کو مانتے ہیں۔
۲...... آپ اجزائے اصلیہ کی موت کے قائل نہیں ہیں اور شیخ صاحب ان کی موت کو بھی مانتے ہیں۔
۳...... آپ اجزاء اصلیہ کو روح کے ساتھ علیین یا سجین میں مانتے ہیں اور شیخ صاحب اجزاء اصلیہ کو سونے کی طرح زمین کی تہوں میں محفوظ مانتے ہیں۔
۴...... آپ کہتے ہیں کہ اجزاء اصلیہ پر موت ہی نہیں تو دوبارہ زندہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور شیخ صاحب سوال جواب اور دکھ سکھ کے لئے اعادہ روح اور دوبارہ زندہ کرنے کو مانتے ہیں۔

عزیزم! تین ٹھوکریں آپ نے پہلے کھائیں اور چوتھی ٹھوکر آیت الست کا مطلب بیان کرنے میں کھائی اور اب حضرت الشیخ کے مقابلہ میں کھڑے ہو کر مسلسل چار کلہ بازیاں اکٹھی کھالیں۔ یہ سب بچہ پن ہے اور ناتجربہ کاری ہے۔ اگر آپ پھر بھی بضد ہیں کہ بندہ عاجز نے حضرت شیخ کی عبارت کو نہیں سمجھا بقول شما۔ حضرت شیخ صاحب بھی آپ کی طرح اجزاء اصلیہ کی موت نہیں مانتے تو دوبارہ زندہ کرنے کا کیا مقصد۔ زندہ تو تب ہوتا۔ جب اس پر موت آتی۔ (آپ کا جواب نمبر ۱۵) تو اس سے آپ کا مقصد میرے اس سوال کا رد کرنا ہے کہ اجزاء اصلیہ کی طرف روح کا اعادہ کب ہوتا ہے کتنے عرصہ کے بعد۔ آپ نے یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی کہ جب موت ہی نہیں آئی تو دوبارہ زندہ کرنے کا کیا مطلب۔

عزیزم! آپ کی جان پھر بھی نہیں چھوٹتی کیونکہ حضرت الشیخ صاحب جسد عنصری کے اجزاء اصلیہ کے تعلق کے ساتھ ساتھ روح کے جسد مثالی کے اندر داخل ہونے کے بھی قائل ہیں۔ (ندائے حق ص ۱۵)

لہٰذا میرا سوال پھر بھی قائم ہے کہ بتاؤ روح جسد مثالی میں کتنے عرصہ بعد داخل کی جاتی ہے۔آپ یا آپ کے شیخ جو مدت بتائیں وہ مدت ہماری طرف سے جسد عنصری کی طرف اعادہ کی سمجھ لینا۔دوبارہ سوال کی تکلیف نہ فرمائیں۔ یہ مسئلہ وہاں سرگودھا ہی میں حل ہوگا۔واضح ہو کہ شیخ صاحب کے بیان سے بھی آیت الست کی آپ کی تفسیر غلط ہوگئی۔

۱۰...... آپ اپنے جواب میں لکھتے ہیں: اجزاء اصلیہ وہ نسمہ ہے اور نسمہ ہی اصل انسان ہے میں نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ وجود جزو اصلی نہیں۔جزو اصلی وہ نسمہ ہے اور یہ روح کے ساتھ ہی نکل کر برزخ میں جاتا ہے۔اس پر موت آتی ہی نہیں تو دوبارہ زندہ کرنے کا کیا مطلب۔زندہ تو تب کیا جاتا۔جب اس پر موت آتی۔(آپ کا جواب ص ۱۴،۱۵) عزیزم! یہ آپ کا عقیدہ ہے جس کو آپ نے ان لفظوں میں بیان کیا۔

عقائد کے معاملہ میں آپ دوسرے سے آیت طلب کرتے ہیں۔اگر آیت نہ ہو تو پھر حدیث مانگتے ہیں۔ پھر یہ شرط لگاتے ہیں کہ عقیدہ کا ایک ایک لفظ قرآن وحدیث سے دکھاؤ، ورنہ موضوع سے نکل جاؤ گے۔وغیرہ وغیرہ

لہٰذا گزارش یہ ہے کہ آپ یہ اپنا عقیدہ انہی الفاظ سے اور اسی ترتیب سے کہ (۱) اجزاء اصلیہ نسمہ ہے (۲) نسمہ اصل انسان ہے (۳) نسمہ یعنی اجزاء اصلیہ کو موت نہیں آتی (۴) بلکہ وہ روح کے ساتھ برزخ میں چلا جاتا ہے۔کس آیت سے ثابت ہے۔اگر آیت نہیں تو کس حدیث سے ثابت ہے۔میرے ناقص خیال میں آپ کے عقیدہ کے یہ چار نمبر ترتیب وار کسی ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں ہیں۔دوسروں سے قرآن وحدیث مانگنے والو آپ نے کیا خوب کہا:

تم ایسا کرنا کوئی جگنو کوئی ستارہ سنبھال رکھنا ہمارے اندھیروں کی فکر چھوڑو اپنے گھر کا خیال رکھنا

عزیزم! آپ نے اپنا عقیدہ ظاہر کر کے اپنے آپ کو بڑی بڑی مشکلات میں ڈال دیا اور سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ یہ عقیدہ کہیں سے ثابت ہی نہیں ہے۔بعدہ چند مشکلات اور بھی ہیں جن کا آپ کو سامنا کرنا پڑے گا۔

۱...... جب اصل انسان اجزاء اصلیہ ہیں۔یعنی نسمہ اور اجزاء زائدہ انسان نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ اصل انسان کو موت ہی نہیں آتی اور جس کو موت آتی ہے وہ انسان نہیں تو کیا۔اس سے انسان کے لئے موت کا انکار لازم نہیں آتا؟ اور انسان کی موت کی آیات تو آپ کو یاد ہوں گی۔کیونکہ انبیاء کرام کی موت ثابت کرنے کے لئے آپ ان کو اکثر پڑھتے ہیں اور اب تو آپ نے سرے سے اصلی انسان سے موت کا انکار کر دیا۔

۲...... جب انسان کو موت ہی نہیں آتی تو بغیر موت کے عالم برزخ میں کیسے پہنچ جاتا ہے؟

۳...... اگر انسان کو موت نہیں آتی تو "کل نفس ذائقة الموت" والا وعدہ کس پر پورا ہوتا ہے۔انسان پر یا غیر انسان پر۔

۴...... اگر انسان کو موت آتی ہی نہیں تو "کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم۔ الذی یتوفکم وغیرہ اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها" ان آیات میں خطاب کس کو ہے انسان کو غیر انسان کو نیز اس کا کیا مطلب ہے؟

۵...... اگر انسان کو موت نہیں آتی اور بغیر موت کے عالم برزخ میں چلا گیا تو پھر "والبعث بعد الموت" کا کیا مطلب؟

۶...... قیامت کے دن مردے قبروں سے برآمد ہوں گے یا روحوں کے مقام سے؟

۷...... حضور اکرم ﷺ کا جسد اطہر جو کہ سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے حجرہ مبارک میں مدفون اور محفوظ ہے۔کیا آپ اس کو نبی اللہ اور رسول اللہ ﷺ سمجھتے ہیں یا نہ اگر آپ اس کو نبی اللہ ورسول سمجھتے ہیں تو لازم آتا ہے کہ یہ جسد بھی انسان ہے کیونکہ نبی انسان ہوتا ہے۔حالانکہ آپ قبر میں مدفون جسد عنصری کو انسان ہی نہیں سمجھتے اور اگر آپ قبر شریف میں مدفون ومحفوظ جسد اطہر کو نبی اللہ ورسول اللہ نہیں سمجھتے تو صحابہ کرام کیوں کہتے ہیں۔''قبض رسول اللہ، کفن رسول اللہ، غسل رسول اللہ، دفن رسول اللہ، قبر رسول اللہ''

۸...... سیدنا صدیق اکبر ؓ کا قول ''من کان یعبدمحمدا فان محمدا قد مات'' کا کیا مطلب ہے ''محمدا'' کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔روح پر یا اجزاء اصلیہ پر یا ان دونوں کے مجموعہ پر یا صرف اجزاء زائدہ پر یا ان سب پر ذرا بات کو کھولیں۔

۹...... اگر اجزاء روح کے ساتھ چلے گئے تو ''منها خلقناکم و فیها نعیدکم و منها نخرجکم تارۃ اخری'' کا وعدہ کس پر پورا ہوا؟ انسان پر یا غیر انسان پر۔

عزیزم! دیکھو اپنے بیان کردہ عقیدہ کی وجہ سے کتنی الجھنوں میں پھنس گئے اب تو نکلنا بھی مشکل ہے:

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لو اپنے دام میں خود صیاد آگیا

۱۰...... بندہ عاجز نے آپ کے حضرت شیخ صاحب کا عقیدہ ومسلک ان کی اپنی کتاب سے نقل کیا تھا۔لیکن آپ نے جواب لکھا اور جو آپ نے نورانی، کافوری جثہ کا پوچھا یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے حضرت شیخ صاحب کا ہے۔ آپ نے جھوٹ بولا کہ تمہارا عقیدہ ہے۔بلکہ انہوں نے تو الزام دیتے ہوئے ایک بزرگ کی عبارت پیش کی ہے کہ آپ یہ کہتے ہیں۔بزرگ یہ کہتے ہیں۔تمہارا عقیدہ اس عبارت کے خلاف ہے۔تطبیق بٹھاؤ۔اگر پوری ندائے حق میں سے آپ یہ دکھلا دیں کہ کہیں انہوں نے کہا ہو کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے تو ہم ہارے آپ جیتے۔ (جواب ص ۲۲)

عزیزم! خفا نہ ہوں بندہ نے جھوٹ نہیں بولا۔''اعاذنا اللہ من الشرک والکفر والبدعة والنفاق واعاذنا اللہ من الجهل والعناد والبغی والعصیان واعاذنا اللہ من تکذیب الحق والکذب والبهتان آمین یارب العالمین''

حضرت شیخ نے اپنا یہی عقیدہ تحریر کیا ہے اور اسی کو صحیح اور مسلک اہل حق کہا ہے۔مصیبت یہ ہے کہ آپ نے ندائے حق کو دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔اگر دیکھا تو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔لہٰذا دوبارہ غور فرمائیں۔حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں تو اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ عالم برزخ میں ان کی ارواح کو ان کے عنصری بدنوں کے ہم شکل اور مماثل مشک وکافور کے مثالی اجسام عطا کئے جاتے ہیں۔(ندائے حق جدید ص ۴۴۵) ایک مقام پر حضرت الشیخ ایک موٹی سرخی قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

عزیزم! بنظر انصاف دیکھیں حضرت شیخ نورانی، کافوری اجسام والے مسلک کو صحیح کہہ رہے ہیں اور اہل حق کا مسلک قرار دے رہے ہیں۔اگر پھر بھی آپ جھوٹ کی جھوٹی نسبت میری طرف کریں تو آپ کی مرضی۔اس جھوٹی نسبت کے متعلق صرف اتنا عرض کروں گا:

بدم گفتی وخرسندم جزاک اللہ نکو گفتی کہ جواب تلخ مے زیبد لب شکر خوارا

اگر آپ پھر بھی بضد ہیں کہ یہ ہمارے شیخ کا مسلک نہیں تو سوال یہ ہے کہ شیخ صاحب نے اس کو صحیح کیوں کہا اور اس کو اہل حق کا مسلک کیوں کہا ہے؟

باقی علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بھی شیخ نے اپنے مسلک کی تائید میں پیش کی ہے۔ کتاب میں تطبیق بٹھانے کا ذکر نہیں ہے: سخن شناس نہی دلبر خطا این جا است!

اگر آپ پھر بھی بضد ہیں کہ یہ حضرت الشیخ کا مسلک نہیں ہے تو لازم آئے گا کہ شیخ صاحب کا مسلک نہ صحیح ہے نہ حق ہے۔ کیونکہ وہ صحیح اور اہل حق کا مسلک تو نورانی اور کافوری اجسام کو قرار دے چکے ہیں۔ پس اگر یہ مسلک حضرت الشیخ کا نہیں ہے تو اس کے علاوہ جو مسلک بھی ہوگا نہ وہ صحیح ہوگا نہ حق ہوگا۔ فافہم، فافہم، فافہم! اگر آپ پھر بھی بضد ہیں کہ نورانیہ کافوریہ اجسام والا مسلک حضرت الشیخ کا نہیں ہے تو ہمیں بتائیں کہ اس بارے میں حضرت الشیخ کا مسلک کیا ہے اور وہ ندائے حق کے کس صفحہ پر لکھا ہوا ہے؟ اگر ساڑھے آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل کتاب میں حضرت الشیخ نے اپنا عقیدہ لکھا ہی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ندائے حق میں ندائے حق ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ندائے حق کے کس صفحہ پر مصنف نے اپنا عقیدہ درج کیا ہے۔ ذرا بتاؤ تو سہی۔ ان سب باتوں کے علاوہ الحمدللہ! حضرت الشیخ دامت برکاتہم زندہ باحیات ہیں یہ مقدمہ خود ان کی عدالت میں پیش کر کے فیصلہ کرالو۔

وہ فرمائیں کہ یہ میرا مسلک نہیں ہے اور نہ ہی صحیح ہے اور نہ ہی یہ اہل حق کا مسلک ہے۔ لیکن ایک گزارش ہے کہ ساتھ ساتھ اپنا عقیدہ و مسلک بیان فرمادیں اور اپنے دستخط ثبت فرمائیں۔ بہرحال یہ فیصلہ بھی وہاں سرگودھا ہی میں ہوگا۔ اگر بالفرض حضرت الشیخ اس عقیدہ سے انکار بھی کردیں تو یہ ان کا رجوع ہوگا۔ ورنہ بندہ عاجز نے مصنف کے عقیدہ معلوم کرنے میں کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ الحمدللہ علی ذالک!

۱۱...... آپ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر کی زندگی مدرک بالشعور ہے اور ہمارے عقیدہ والی جنتی زندگی مدرک بالشعور نہیں ہے۔ آپ کا جواب عزیزم اگر کوئی شخص دن کو رات اور رات کو دن کہتا رہے تو وہ جانے اور اس کا کام ورنہ قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہے تو اس کو کوئی باشعور آدمی مدرک بالشعور نہیں کہے گا۔ کیونکہ جسد کے اندر بظاہر اہل دنیا کی نظر میں حیات کے کوئی اثرات معلوم و محسوس نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات یہ حیات جسم کو اصلی حالت پر برقرار نہیں رکھ سکتی بلکہ جسم ذرات میں تبدیل ہوجاتا ہے تو قرآن و حدیث پھر بتاتا ہے کہ اس میت میں دکھ سکھ کا احساس موجود ہے تو یہ وہ حیات ہے جس پر "ولکن لا تشعرون" صادق آتا ہے یا دوسرے لفظوں میں قبر کی یہ زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین پر اعتماد کرتے ہوئے تسلیم کی جارہی ہے۔ ورنہ اس خاص قسم کی حیات تک ہمارے فہم و شعور کی رسائی قطعاً نہیں اور آپ پھر کہیں کہ قبر کی حیات مدرک بالشعور ہے تو میں عرض کروں گا؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۱۲...... آپ لکھتے ہیں نہ خدا نے تعلق کی اطلاع دی اور نہ نبی نے دی تو مطلق برزخی حیات مانو۔

عزیزم! بندہ نے سابقاً واضح کردیا ہے کہ تعلق کی بنیاد وہ آیتیں اور حدیثیں ہیں جن سے روح کے ساتھ جسد کا معذب یا منعم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن "المیت یعذب المیت یعرض علیہ مقعدہ" کی تصریح تو حدیثوں میں واضح ہے۔ لہٰذا جب میت کے عذاب یا راحت کی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اطلاع دی ہے تو اس کو تو مانو۔ تم تو اس کو بھی نہیں مانتے جو ثابت ہے۔ روح کو تو میت کہنے کے لئے آپ تیار ہی نہیں ہیں اور حضور اکرم ﷺ میت کے عذاب یا راحت کی اطلاع دیتے ہیں تو اس کو تسلیم کرلو اور باقی کو سپرد خدا کرو۔

۱۴...... آپ نے بندہ عاجز کی بعض عبارات پر گرفت کی ہے اور تعارض وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب نمبر وار اس کے جوابات سن لیں۔

۱...... بندہ نے اوّلاً لفظ قبر استعمال کیا، پھر عالم قبر کا لفظ استعمال کیا جس سے آپ نے تعارض سمجھا۔ عزیزم وضاحت پہلے ہو چکی ہے کہ قبر کا حقیقی مفہوم جو قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے زمین کا وہ حصہ ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ لیکن علماء اہلسنت والجماعت نے مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا کی ہے کہ قبر سے مراد صرف یہ گڑھا نہیں ہے بلکہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے تاکہ قبر کا مفہوم میت کے ہر مقام کو عام اور شامل ہو جائے تو اب جزاء وسزا کے تذکرہ میں قبر عالم قبر، برزخ عالم برزخ ایک مفہوم پر اطلاق ہوتے ہیں۔ زمین والی قبر یا میت کو جو مقام حاصل ہوا عذاب وراحت کے لئے مکان کی حیثیت رکھتے ہیں اور برزخ اس کے لئے زمان ہے۔ جزا وسزا وغیرہ امور کے لئے زمان ومکان دونوں ضروری ہیں۔ لہٰذا قبر اور عالم قبر میں تعارض سمجھنا آپ کا سوءِ فہم ہے۔

۲...... بندہ ناچیز نے لکھا تھا کہ ''لمن یقتل'' میں مقتول روح اور جسد کا مجموعہ ہے اور پھر بندہ نے لکھا کہ قتل کا فعل جسد پر وارد ہوتا ہے تو اس میں بھی آپ کو تعارض نظر آیا۔ عزیزم میری بات میں تعارض نہیں ہے۔ روح اور جسد کے مجموعہ کو مقتول فی سبیل اللہ کہنا صحیح ہے۔ جیسا کہ روح اور جسد کے مجموعہ کو شہید کہنا صحیح ہے۔ دیکھو مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک صحابی کا نام ہے اور اس کا اطلاق روح اور جسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ اب جس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہیں۔ اس طرح یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقتول فی سبیل اللہ ہیں اور اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ قتل کا فعل ظاہراً جسد پر وارد ہوتا ہے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض سمجھنا آپ کا سوءِ فہم ہے۔ لیکن راہ چلتے یہ واضح کر دیں کہ جب آپ زور دے رہے ہیں کہ مقتول جسد ہے روح مقتول نہیں ہے تو قرآن تو اس کو زندہ کہتا ہے جو مقتول ہے۔ جب کہ تم جسد کو مقتول سمجھتے ہو تو زندہ بھی اسے سمجھو۔ جب روح کو مقتول نہیں سمجھتے تو اس کی زندگی کیسے ثابت ہوگئی۔ کیونکہ زندہ وہ ہے جو قتل ہوا۔

۳...... بندہ عاجز نے قرآن مجید کی چند آیات سے یہ ثابت کیا کہ عالم برزخ میں روح اور جسد دونوں کو جزا وسزا اکٹھے ہوتی ہے۔ نیز بندہ نے یہ بھی کہا کہ ان دونوں کے درمیان تعلق ہے۔ جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس پر بھی آپ کو تعارض کا شبہ ہوا کہ روح اور جسد اکٹھے ہیں تو تعلق کا کیا مطلب اور اگر تعلق ہے تو اکٹھے کا کیا مطلب؟

عزیزم! میں نے یہ نہیں کہا کہ روح اور جسد اکٹھے ہوتے ہیں بلکہ میں نے کہا روح اور جسد دونوں کو جزاء وسزا کی صورت وہی ہے۔ جس کو علماء اسلام نے خواب کی مثال دے کر سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یعنی عالم برزخ میں روح پر دکھ سکھ کے جو حالات طاری ہوتے ہیں۔ جسد اس میں برابر کا شریک ہوتا ہے اور جسد تک اس کے اثرات پہنچتے رہتے ہیں۔ یہ ہے اکٹھی جزا وسزا۔

عزیزم! اس کو تعارض سمجھنا آپ کا سوءِ فہم ہے۔

۴...... آپ نے میرے فہم پر حملہ کرتے ہوئے کہا کہ تو نے تعلیم القرآن کو قرآن سمجھا۔ حالانکہ تعلیم القرآن ایک رسالہ ہے قرآن نہیں۔

عزیزم! بندہ نے تعلیم القرآن کو قرآن نہیں سمجھا رسالہ سمجھا ہے۔ یہ آپ کا سوءِ فہم ہے۔ لیکن سوال تو یہ تھا

اور اب بھی یہی ہے کہ آپ رسالہ تعلیم القرآن میں شائع ہونے والے عقیدہ اور اس عقیدہ کے رکھنے والوں کو اور اس عقیدہ پر دستخط کرنے والوں اور اسے تعلیم القرآن میں شائع کرنے والوں کو صحیح العقیدہ سمجھتے ہو یا نہ؟

۵...... بندہ عاجز نے قرآن مجید سے قبر کی زندگی ثابت کی اور اسی قبر کی زندگی کو حیات الانبیاء کی بنیاد قرار دیا۔ مجملہ دلائل کے یہ دلیل بھی دی کہ قبر میں میت سے سوال و جواب ہوتا ہے اور اس کے اعمال کے مطابق ثواب وعقاب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی حیات قبر کی ایک دلیل ہے۔ لیکن آپ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کیا انبیاء کرام علیہم السلام کو زندگی جزاء وسزا کے لئے اور عذاب وثواب کے لئے ملتی ہے اور اس لئے ملتی ہے کہ ان سے قبر میں سوال و جواب کیا جائے۔ (آپ کا جواب ص ۱۲)

عزیزم! یہ سب کچھ آپ کا سوء فہم ہے ورنہ حقیقت واضح ہے کہ قبر میں ہر مردہ کو درجہ بدرجہ ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے اور وہ حیات ہمارے فہم اور شعور سے بالاتر ہے۔ اسے ہم محسوس نہیں کرتے بلکہ قرآن وحدیث پر اعتماد کرتے ہوئے اس حیات کو مانتے ہیں۔ بہرحال نفس حیات تو ہر ایک کے لئے ثابت ہے۔ لیکن مقصد حیات تو سب کا ایک نہیں ہے اور اس حیات کے درجات میں سب مردے برابر بھی نہیں ہیں۔

عزیزم! مقصد حیات بھی مختلف ہے اور درجات بھی مختلف اور متفاوت ہیں۔ کافروں کو سزا دینے کے لئے حیات دی جاتی ہے اور مومنین کو راحت اور آرام دینے کے لئے حیات دی جاتی ہے۔ پھر مومنین کے بھی درجات ہیں اور ہر ایک کو اعمال اور درجہ کے مطابق حیات بھی دی جاتی ہے اور انعام بھی دیا جاتا ہے۔ پھر شہداء کرام کی حیات ان سے افضل وبرتر ہے۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ان سے اعلیٰ وارفع ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام قبر کے سوال سے مستثنیٰ ہیں اور ان کے بارے میں عقاب یا سزا کا تصور تو کوئی بدبخت ہی کر سکتا ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد تو ان کو راحت وآرام اور سکون دینا ہے اور وہ اس زندگی میں نمازیں پڑھتے ہیں اور عند القبر الشریف سلام پڑھنے والوں کا سلام سنتے ہیں۔

جیسا کہ آپ کے بڑے اس عقیدہ سماع کو تسلیم بھی کر چکے ہیں اور اس کی تصدیق بھی کر چکے اور اس کی اشاعت تعلیم القرآن میں بھی کر چکے ہیں۔ بہرحال انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور مقصد حیات کو شان میں عامۃ الاموات کے برابر سمجھنا آپ کے سوء فہم کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ نبی اور غیر نبی کی موت میں فرق ہے۔ اسی طرح نبی اور غیر نبی کی حیات اور مقصد حیات میں فرق ہے۔ بہرحال حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بہت سی چیزوں میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ انہی میں ان کی اموات وحیات بھی شامل ہے۔

۱۵...... آپ لکھتے ہیں: باقی اوکاڑوی کیا اتنے مصروف ہیں کہ آج سات ماہ ہونے والے ہیں۔ جواب کی فرصت نہیں۔ (آپ کا جواب ص ۲۲)

عزیزم! اکاڑوی صاحب کے جواب نہ دینے کے ایام تو آپ شمار کر رہے ہیں لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب نے جو ابھی تک میرے سوالوں کا جواب نہیں دیا جب کہ آپ وعدہ بھی فرما چکے ہیں کہ استاد محترم جواب ضرور دیں گے تو ساتھ ساتھ ان ایام کو بھی شمار کرتے رہو۔ تاکہ انصاف ہو جائے۔

۱۶...... بندہ عاجز نے لکھا تھا کہ میں نے اوکاڑوی صاحب کا قرض بھی اتار دیا ہے جس پر آپ ناراض ہو کر لکھتے ہیں کیا وہ عاجز آ گئے ہیں کہ آپ وکیل بن کر سامنے آ گئے ہیں اور لگتا ہے کہ آپ فقہ سے بھی کورے ہیں۔ کیا انہوں نے آپ کو وکیل بنایا ہے۔ (آپ کا جواب ص ۲۲)

عزیزم! جو آپ کے منہ میں آئے کہتے جاؤ۔ آخر جو کچھ اساتذہ سے حاصل کیا ہے اس کی اشاعت ہی تو آپ نے کرنی ہے۔ عزیزم! آپ کو قرآن دانی پر پندار تھا جس کی حقیقت وعدہ الست میں کھل گئی اور اب فقہ پر نازاں ہیں۔ لیکن بندہ عاجز کی ایک گزارش سن لیں۔ وکالت میں مؤکل کا عجز ضروری اور شرط نہیں، خفا نہ ہونا۔ آپ بھول گئے ہیں۔ باقی آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ اوکاڑوی صاحب نے اپنا وکیل نہیں بنایا اور اتنے بڑے محقق مناظر کا مجھ جیسوں کو وکیل بنانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ لیکن آپ نے قرآن پڑھا، فقہ پڑھی۔ مگر تبرع اور احسان نہ پڑھا۔ ورنہ اعتراض کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ سخن شناس نہی دلبر خطا اینجا است!

۷...... آپ نے بندہ عاجز کو سبق پڑھایا کہ گندا رونے سے چپ اچھی۔

عزیزم! اتنے ظلم اور ناانصافی پر اگر کوئی فریاد کرے تو آپ اسے گندا رونا سمجھتے ہیں۔ مظلوم کو اگر چپ کرانی ہے تو اس کے ساتھ انصاف کرو۔ انصاف ملنے پر مظلوم خود بخود چپ ہو جائے گا۔ نہیں تو پھر وہ فریاد کرے گا:

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

۱۸...... عزیزم! آپ نے میرے سابق جواب کو جھوٹ فراڈ اور خارج از موضوع وغیرہ کہا اور ان ہی سوالوں کو دہرایا کہ ان کا جواب دو۔ لیکن سچ کہا کسی دانش مند نے: دروغ گو را حافظہ نباشد!

عزیزم! آپ نے جواب کے آخر میں ایک ایسا جملہ لکھ دیا بلکہ من جانب اللہ لکھایا گیا۔ جس سے آپ کے عائد کردہ سب الزامات کی تردید اور میرے جواب کی حقانیت کی تصدیق ہوگئی۔ وہ جملہ آپ کی قلم کا لکھا ہوا اور آپ کے منہ سے نکلا ہوا یہ ہے۔ آپ نے اپنا فرض ادا کیا۔ (جواب ص ۲۲) جناب غور فرمائیں اور اس کو بار بار پڑھیں۔ الفضل ما شهدت به الاعداء!

بندہ عاجز کس زبان سے خداوند ذوالجلال کا شکریہ ادا کرے کہ ایک شخص تحیس بڑے سائز کے صفحات پر مجھ ناتواں پر الزامات کی بوچھاڑ کرتا ہے اور بے جا غم وغصہ اظہار کرتا ہے اور اس کی قلم سے ایک ایسا جملہ اللہ تعالیٰ لکھواتے ہیں۔ جس سے سارے کے سارے الزامات کا صفایا ہو جاتا ہے اور میرے فرض ادائیگی کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین، حمداً کثیراً طیبا مبارکا وشکراً کثیراً!

۱۹...... میری فرض ادائیگی کی اتنی بڑی تصدیق اپنے منہ سے کرنے کے بعد آپ کا یہ لکھنا کہ آپ نے اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت ابھی تک نہیں دیا۔ بلکہ آپ نے تو اپنی بے ایمانی کا ثبوت دیا۔ (آپ کا جواب ص ۲۲) شرم وحیا کو ذبح کر ڈالنے کے مترادف ہے۔

ذہین کو کمین اور کمین کو ذہین کہتے ہیں اس زمانہ کے نادان بے حیا کو حسین کہتے ہیں

۲۰...... آپ نے (ص ۴) پر لکھا کہ صرف روح کو جزاء وسزا ہوتی ہے اور (ص ۱۵) پر روح کے ساتھ اجزاء اصلیہ کو حیات برزخی میں شامل کر دیا۔ لہٰذا تعارض کو رفع فرمائیں۔

۲۱...... مناسب ہے کہ جواب کے آخر میں جواب لکھنے والے کے دستخط ہوں۔ صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین! ابو احمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان ۲۵ / جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ، ۲۸ / اکتوبر ۱۹۹۷ء

اس کے بعد عزیزم عبد القدوس کی طرف سے جواب کی بجائے درج ذیل خط آیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام مولانا نور محمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا پڑھ کر بہت حیرانگی ہوئی۔ کیونکہ مکتوب میں خلط مبحث کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا تھا۔ میں نے آنجناب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ کسی آیت مبارکہ یا حدیث شریف سے تعلق کا لفظ دکھلائیں اور اگر جواب نفی میں ہے تو صاف اقرار کریں کہ تعلق کا لفظ قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ نیز میں نے یہ بھی زیب قرطاس کیا تھا کہ میں اپنے جوابات کے جواب کا مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ تعلق کا لفظ قرآن وسنت سے دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ نے تعلق کا لفظ قرآن وسنت سے دکھانے کی بجائے جوابات کو موضوع بنایا یا کوئی اور راستہ اختیار کیا تو آپ کی شکست سمجھوں گا۔ چنانچہ آپ اپنی عادت کے مطابق میرے جوابات کے پیچھے پڑ گئے اور قرآن وسنت سے تعلق کا لفظ نہ دکھا سکے۔ لہٰذا اب آپ کی شکست ہے اور اب سوال و جواب کا سلسلہ بند ہے۔ یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ آپ کے ۳۱ صفحات کا جواب میرے پاس نہیں بلکہ ان تمام باتوں کا منہ توڑ جواب میرے پاس موجود ہے لکھ سکتا ہوں۔ مگر نہیں لکھتا کہ موضوع سے خارج ہے۔

جو شخص چار ورق کے جواب میں گیارہ ورق لکھ سکتا ہے وہ اکتیس ۳۱ صفحات کے جواب میں باسٹھ صفحات لکھ سکتا ہوں۔ لیکن یہ بات ذہن نشین کرلیں صفحات میں مقابلہ بازی ہمارا مشن نہیں ہے۔ اب آپ شکست اپنی مانیں یا نہ مانیں۔ ہم نے آپ کو قانون کے مطابق شکست دے دی۔

باقی مسائل حل کرنے کے لئے میں آنجناب کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ آپ مجھے اپنے مدرسہ آنے کا وقت دیں تاکہ میں آپ کو پیار و محبت کے لہجے میں سمجھاؤں اور آپ اپنا عقیدہ سمجھائیں۔ اس میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں اکیلا آپ کے ہاں آؤں گا۔ اگر رمضان کے آخری عشرہ سے آٹھ شوال تک کا درمیانی عرصہ میں سے کوئی وقت ہو جائے تو بہتر ہے۔ والسلام: عبدالقدوس

نوٹ: اب کوئی خط و کتابت کے ذریعے سوال و جواب ختم۔

بندہ عاجز کی طرف سے اس خط کا جواب: باسمہ تعالیٰ!

عزیزم عبدالقدوس صاحب سلمہ الواہب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط موصول ہوگیا، آپ کے فرمان کے مطابق سوال و جواب کا سلسلہ بند ہے۔ کیونکہ یہ سلسلہ آپ کے حکم سے جاری ہوا تھا اور آپ کے حکم سے بند ہو رہا ہے اور پھر آپ کے حکم سے جاری ہوگا۔ ان شاء اللہ!

اگر آپ کے پاس میرے دلائل کا رد ہوتا اور میرے سوالات کا جواب ہوتا تو ضرور جواب دیتے۔ لیکن اہلسنت والجماعت کے صحیح عقیدہ کی تردید آپ کے بس کا روگ نہیں۔ آپ تو ایک فریق ہیں۔ ہار جیت کا ثالث تو آپ کو کسی نے مقرر نہیں کیا۔ آپ کے اور بندہ کے دلائل تحریر کی قید میں آچکے ہیں۔ جس کا فیصلہ اہل علم کریں گے۔ آپ جلد بازی نہ کریں۔ میری اور آپ کی گفتگو کا موضوع ہے ''الحیات بعد الممات'' یعنی مرنے کے بعد ہر مردہ کو قبر میں درجہ بدرجہ ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس حیات میں سب سے ممتاز ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں قبر کی زندگی اگر آپ اس کو گفتگو کا موضوع تسلیم کرتے ہیں تو جی بسم اللہ! تشریف لائیں اور اپنا مؤقف ہمیں سمجھائیں۔ آنے والے مہمان کا شایان شان اکرام بھی کریں گے اور کرایہ بھی

ہمارے ذمہ ہوگا ورنہ ہر بات بے سود۔ آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث بندہ کے دس سوالوں کا جواب ضرور دیں گے۔ ذرا بتائیں کہ کب؟

فقط والسلام: ابواحمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان بمطابق ۲۶ رنومبر ۱۹۹۷ء، ۲۵ ررجب ۱۴۱۸ھ

نوٹ: تادم تحریر فریق مخالف کی طرف سے نہ تو کوئی خط آیا نہ کوئی شخص آیا اور نہ ہی حضرت نیلوی نے بندہ کے دس سوالوں کا جواب دیا۔ ۱۵ رمئی ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی کے نائبین مفتیان کرام سے

سوال وجواب برموضوع حیات الانبیاء علیہم السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندہ عاجز نے دارالافتاء والارشاد ناظم کراچی کی طرف مندرجہ ذیل استفتاء بھیجا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! واجب الاحترام والاکرام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتکم العالیہ

مسئلہ: حیات انبیاء کرام وشہداء کرام کے متعلق صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں یا مندرجہ ذیل تفصیل پر بھی اعتقاد ایمان رکھنا ضروری ہے۔ وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ اس تفصیل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کو ماننا یا نہ ماننا دونوں یکساں ہیں؟ اس کے اثبات اور انکار سے کوئی اثر مرتب ہوگا؟ اور وہ اثر کیا ہوگا؟ بینوا توجروا!

فقط والسلام: ابواحمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ ۹ رربیع الثانی ۱۴۱۷ھ/ ۲۵ راگست ۱۹۹۶ء

بندہ عاجز کے استفتاء کی رسائی حضرت اقدس فقیہ العصر مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ تک شاید نہ ہوسکی۔ البتہ ان کے نائبین کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب موصول ہوا:

الجواب باسم ملہم الصواب: اس تفصیل پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

افضال احمد دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی۔ ۱۶ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: محمد احمد، الجواب صحیح محمد موسیٰ، بمع مہر دارالافتاء والارشاد۔

پھر بندہ عاجز نے نائبین دارالافتاء والارشاد کی طرف مندرجہ ذیل استفتاء بھیجا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مفتیان واہلیان دارالافتاء والارشاد دام ظلکم! حضور اکرم ﷺ کی حیات برزخیہ کے متعلق آپ حضرات اپنے عقیدہ کی وضاحت فرمادیں اور ہمیں شکریہ کا موقع دیں۔

آپ کے نزدیک عالم برزخ میں حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کا جسد عنصری سے تعلق ہے یا نہ۔ نیز زائرین عندالقبر الشریف کے صلوٰۃ وسلام کو حضور اکرم ﷺ سماعت فرماتے اور جواب مرحمت فرماتے ہیں یا نہ۔ آپ کے نزدیک کتاب وسنت اور سلف صالحین کی فہم کی روشنی میں جو چیز برحق اور صحیح ہو اس کو واضح طور پر تحریر فرمائیں نہ

اختصار سے کام لیں اور نہ اجمال سے بلکہ دل کو کھول کر واشگاف الفاظ میں اپنا عقیدہ ہمیں بتادیں فتویٰ کا جواب دینا اور رسائل کی تشفی کرانا آپ کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے۔ بینوا توجرا! ۱۷ر شوال المکرم ۱۴۱۷ھ، ۲ر فروری ۱۹۹۷ء

فقط والسلام: ابو احمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ

دارالافتاء والارشاد کی طرف سے بندہ عاجز کو مندرجہ ذیل جواب موصول ہوا۔

الجواب باسم ملھم الصواب: انبیاء علیہم السلام کی حیات حیات برزخیہ ہے۔ لیکن ان کی حیات عام مومنین بلکہ شہداء سے بھی اعلیٰ وارفع اور اکمل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مطلق حیات بنص قرآن ثابت ہے۔ بس اس اجمال پر ایمان رکھنا فرض ہے۔ اس کی تفصیل نہ اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور نہ ہی اس کی تحقیق وتدقیق کے ہم مکلف ہیں یہ اندیشہ ہے کہ اس تحقیق میں پڑنا گستاخی نہ ہو ورنہ کم از کم غیر ضروری امر میں اوقات وقویٰ کی تضیع کے وبال سے تو خالی نہیں۔

''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ وقال صلی اللہ علیہ وسلم علامۃ اعراض اللہ تعالی عن العبد اشتغالہ بمالایعنیہ۔ واللہ اعلم'' حبیب اللہ غفرلہٗ، دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸۔ ۱۵ر ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ۔ الجواب صحیح: موسیٰ دارالافتاء والارشاد ۱۵ر ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، الجواب صحیح: احمد دارالافتاء والارشاد بمع مہر دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی۔

پھر بندہ عاجز نے دارالافتاء والارشاد کی طرف یہ استفتاء بھیجا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

واجب الاحترام والاکرام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا؟ یا مندرجہ ذیل تفصیل پر بھی اعتقاد وایمان رکھنا ضروری ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی موت واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ روح مع جسد العنصری آسمان پر اٹھالیا ہے۔ قیام قیامت سے پہلے ان کا نزول الی الارض ہوگا۔ وہ آکر دجال کو قتل کریں گے اور شریعت محمدی علیٰ صاحبہا السلام کو نافذ کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ!

وضاحت فرمائیں کہ اس تفصیل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کو ماننا یا نہ ماننا یکساں ہے؟ اس کے اثبات یا انکار سے کوئی اثر مرتب ہوگا؟

نیز: یہ بتائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے متعلق صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں یا مندرجہ ذیل تفصیل پر بھی اعتقاد وایمان رکھنا ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنی خاتم النبیین ہیں کہ آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نئے نبی نے نہیں آنا۔ آپ پر ہر قسم کی نبوت خواہ ظلی ہو یا بروزی تشریعی ہو یا غیر تشریعی ختم کردی گئی ہے۔ آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والا کذاب ودجال ہے۔

وضاحت فرمائیں اس تفصیل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یکم ر رجب ۱۴۱۷ھ فقط والسلام: ابو احمد نور محمد قادری تونسوی خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ۔

بندہ عاجز کو دارالافتاء والارشاد کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب موصول ہوا:

۱...... مذکورہ تفصیل پر اعتقاد وایمان ضروری ہے۔ اس تفصیل کا منکر ملحد وکافر ہے۔

۲...... اس تفصیل کے ساتھ ایمان فرض ہے جو شخص اس تفصیل کو نہیں مانتا وہ کافر و مرتد ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم! حبیب اللہ دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، الجواب صحیح: موسیٰ دارالافتاء والارشاد، الجواب صحیح: احمد دار الفتاویٰ والارشاد ناظم کراچی، ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بمع مہر دارالافتاء والارشاد کراچی۔

پھر بندہ نے دارالافتاء والارشاد کراچی کی طرف مندرجہ ذیل استفتاء بھیجا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب مفتیان دارالافتاء والارشاد مد ظلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی خدمت میں چند سوالات ارسال کئے تھے۔ آپ نے جواب مرحمت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ لیکن چند امور بھی وضاحت طلب باقی ہیں۔ امید ہے کہ وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ آپ کی خدمت میں مندرجہ ذیل سوال بھیجا گیا کہ مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے متعلق صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں؟

یا مندرجہ تفصیل پر بھی اعتقاد ایمان رکھنا ضروری ہے؟ کہ وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ آپ نے ۱۶ جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ میں مندرجہ ذیل جواب لکھا۔ اس پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

پھر بندہ نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ آپ کے نزدیک عالم برزخ میں حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کا جسد عنصری سے تعلق ہے یا نہ؟

نیز: زائرین عند القبر الشریف کے صلوٰۃ وسلام کو حضور اکرم ﷺ سماعت فرماتے ہیں اور جواب مرحمت فرماتے ہیں یا نہ۔ آپ نے جواب میں اپنا عقیدہ تو ظاہر نہ فرمایا واللہ اعلم عقیدہ چھپانے میں کیا حکمت ہوگی۔ لیکن اس مسئلہ کی تحقیق کو اندیشہ گستاخی، تضیع وقت اور لایعنی قرار دیا۔ آپ کا یہ جواب ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ میں لکھا گیا ہے اور فتویٰ ۲۹۲۴۹ ہے۔ پھر تیسری بار آپ کی خدمت میں خط بھیج کر مندرجہ ذیل سوال کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے یا مندرجہ ذیل تفصیل پر بھی ایمان واعتقاد رکھنا ضروری ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی موت واقع نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ روح مع الجسد العنصری آسمان پر اٹھا لیا ہے۔ قیام قیامت سے پہلے ان کا نزول الی الارض ہوگا۔ وہ آ کر دجال کو قتل کریں گے اور شریعت محمدی ﷺ کو نافذ کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ آپ نے جواب دیا کہ مذکورہ تفصیل پر اعتقاد و ایمان ضروری ہے۔ اس تفصیل کا منکر ملحد و کافر ہے۔ یہ جواب ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ میں لکھا گیا۔ فتویٰ نمبر ۲۹۲۵۰ ہے۔ یہ ہیں بندہ کے تین سوال اور آپ کے تین جواب۔ اب میری گزارشات پر توجہ فرمائیں:

۱...... پہلے سوال میں حضور اکرم ﷺ کی حیات اور سماع کے متعلق جو تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی وہ دراصل حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کے فیصلہ کا متن تھا۔ جس کو آپ نے ۱۹۶۲ء میں راولپنڈی میں تحریر فرمایا تھا۔ اسی تحریر پر فریقین کے علماء کے دستخط موجود ہیں۔ لیکن آپ نے پہلے فتویٰ میں تحریر فرمایا کہ اس پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔

اور دوسرے فتویٰ میں آپ نے اس کو لایعنی قرار دے دیا۔ اب گزارش ہے کہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ لایعنی ہے؟ قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے لایعنی فیصلہ پر دستخط فرمائے تھے؟ کیا موت کے بعد روح کا جسد عنصری کے ساتھ تعلق اور سماع النبی ﷺ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ نہیں ہے؟ کیا یہ اجماع لایعنی بات پر ہوا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے تو کیا انہوں نے لایعنی کا ارتکاب کیا ہے۔ تمام علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم نے اس عقیدہ کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے تو کیا انہوں نے لایعنی کا ارتکاب کیا ہے۔

جمہور اہلسنت والجماعت نے یہی عقیدہ اپنا کر لایعنی بات کی ہے؟ علماء اسلام میں سے کسی ایک کا نام آپ بتا سکتے ہیں؟ جس نے اس لایعنی سے انکار کیا ہو؟ اگر روح اور جسد عنصری کا تعلق اور سماع النبی ﷺ لایعنی ہے تو اس کا ارتکاب آپ کے پیر اور شیخ بھی کر چکے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: بعض علماء کا خیال ہے کہ عذاب قبر فقط روح کو ہوتا ہے اور روح کا تعلق قبر سے رہتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ عذاب روح اور جسد دونوں پر ہوتا ہے۔ کیونکہ مردہ کا قبر میں جا کر زندہ ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ روایت میں نکیرین کے بارہ میں ''یقعدانہ کان رغیرھا من الروایات'' بھی اعادہ روح پر دال ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ جسم مادی ہی میں روح کا اعادہ ہوتا ہے۔ مگر ہم اسے معلوم نہیں کر سکتے ہیں۔ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۹۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شیخ و مرشد تو ہر میت کی حیات بہ تعلق روح مع الجسد العنصری کے قائل ہیں۔ مزید استحباب زیارت قبر النبی ﷺ کے دلائل دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''واتج القائلون بانہا مندوبۃ لقولہ تعالی: ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفر اللہ واستغفر لھم الرسول۔ الایۃ وجہ الاستدلال بھا انہ ﷺ حیّ فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم فثبت ان حکم الآیۃ باق بعد وفاتہ ﷺ فینبغی لمن ظلم نفسہ ان یزور قبرہ ویستغفر اللہ عندہ فیستغفر لہ الرسول'' (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۵۵)

اس سے معلوم ہوا اپنی جان پر ظلم کرنے والا جب حضور اکرم ﷺ کے مزار اقدس کے پاس آ کر استغفار کرتا ہے تو حضور اکرم ﷺ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ اس کے استغفار کو سنتے ہیں۔ پھر اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

آپ خود ہی وضاحت فرمائیں کہ کیا آپ کے شیخ و مرشد نے حیات قبر بہ تعلق روح مع الجسد العنصری اور سماع النبی ﷺ عند قبرہ الشریف تسلیم کر کے لایعنی کا ارتکاب کیا ہے۔

۲...... آپ کے شیخ و مرشد حضرت اقدس فقیہ العصر مرشد المجاہدین دامت برکاتہم العالیہ نے (احسن الفتاویٰ ج اوّل ص ۵۱۸، ۵۱۹) پر نو حدیثوں سے عرض اعمال علی النبی ﷺ بعد الوفات کو ثابت کیا ہے۔ کیا عرض اعمال کی بنیاد حیات و سماع کے عقیدے پر نہیں ہے؟ کیا حضرت اقدس نے عرض اعمال کے عقیدہ کو بیان کر کے لایعنی بات کی ہے؟

نوٹ: کتاب کے شائع ہونے سے قبل حضرت مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون!

۳...... آپ فتویٰ نمبر ۲۹۲۴۹ میں لکھتے ہیں: مطلق حیات بنص قرآن ثابت ہے۔ بس اس اجمال پر ایمان رکھنا

ہے۔اس کی تفصیل نہ منصوص ہے، نہ اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ابھی با حوالہ یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ آپ کے شیخ ومرشد کے نزدیک قبر میں مردہ کا زندہ ہونا، جسد مادی کی طرف روح کا اعادہ اور تعلق قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔اے نائبین دارالافتاء والارشاد جس تفصیل کو حضرت والا آپ کے شیخ ومرشد قرآن وحدیث سے ثابت فرماتے ہیں۔آپ اسے کیسے کہتے ہو کہ یہ تفصیل منصوص نہیں ہے؟

آپ اسی فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ اور نہ ہی اس تحقیق وتدقیق کے ہم مکلف ہیں۔جناب من جو عقیدہ قرآن وسنت سے ثابت ہے آپ اس کی تحقیق وتدقیق کے کیسے مکلف نہیں ہیں؟

۴...... آپ سے جب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فتویٰ نمبر ۲۹۹۵۰ میں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مطلق اجمالی حیات کو ماننا کافی نہیں بلکہ ان کا روح مع الجسد العنصری زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اور قیامت سے پہلے ان کا نزول الی الارض اور شرع محمدی کا نفاذ وغیرہ سب پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو شخص مذکورہ تفصیل کا انکار کرے وہ کافر، ملحد ہے۔بندہ آپ کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ حیات الانبیاء کے عقیدہ میں تو مطلق اور اجمالی حیات مان لینا کافی ہے اور تفصیل پر ایمان لانا ضروری نہیں اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدہ میں مطلق اور اجمالی حیات کیوں کافی نہیں ہے اور تفصیل پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟ ان دونوں عقیدہ میں ذرا فرق واضح فرمائیں۔حالانکہ ان دونوں عقیدوں کے منکر ایک ہی قسم کے دلائل سے ان کی نفی کرتے ہیں اور ایک ہی قسم کی روحانی، مثالی تاویلیں کرتے ہیں۔حتیٰ کہ بعض منکرین حیات الانبیاء نے حیات عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کر دیا ہے۔لہٰذا آپ ان دونوں عقیدوں میں وجہ فرق واضح کریں۔

۵...... المہند علی المفند یعنی عقائد علماء دیو بند میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری ﷫ نے حضور اکرم ﷺ کی حیات بہ تعلق روح مع الجسد العنصری اور سماع النبی ﷺ کو تسلیم کیا اور اس پر جو بیس علماء دیو بند بلکہ مشائخ دیو بند نے تصدیقی دستخط فرمائے ہیں۔

مزید (۱) دارالعلوم دیو بند (۲) جامعہ خیر المدارس ملتان (۳) جامعہ قاسم العلوم ملتان (۴) جامعہ قاسم العلوم فقیر والی (۵) جامعہ فاروقیہ کراچی (۶) جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا (۷) جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ (۸) تنظیم اہلسنت والجماعت (۹) جامعہ اشرفیہ لاہور (۱۰) مدرسہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم (۱۱) الجامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن (۱۲) جامعہ احیاء العلوم ظاہر پیر ضلع رحیم یار خان کے مفتی صاحبان، قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کے فیصلے کو شرعی فیصلہ قرار دے چکے ہیں اور اس عقیدہ کو اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ قرار دے چکے ہیں اور فرماتے ہیں جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔بدعتی اور گمراہ ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔کیونکہ سنی کے لئے یہ عقیدہ رکھنا لازمی ہے۔اب واضح فرمائیے کہ ان سب حضرات کے متعلق آپ کو گستاخی کا اندیشہ ہے؟ کیا انہوں نے تضیع اوقات وقوی کی ہے۔آپ کے نزدیک ان سب نے لایعنی بات کی ہے؟ بینوا توجروا! ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بمطابق ۹۷/۹/۱۔فقط والسلام: ابواحمد نور محمد تونسوی قادری خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان

نوٹ: بندہ عاجز کے اس استفتاء کا جواب نہیں دیا گیا بلکہ دارالافتاء والارشاد کی طرف سے میرے جوابی لفافے میں اسی استفتاء کو رکھ کر واپس کر دیا گیا۔ ابواحمد نور محمد تونسوی قادری

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

امیر جماعت اشاعت التوحید والسنہ مؤلف "مسلک الاکابر"
حضرت مولانا محمد طیب طاہری پنج پیری صاحب کی خدمت میں

ایک سو چار سوالات

معہ

ایک معتزلی کے خط کا جواب

تالیف:

حضرت مولانا ابو احمد نور محمد قادری تونسوی رحمۃ اللہ علیہ